مکتوبات معصومیہ
اُردو ترجمہ
حضرت امام ربانی مجدد الفِ ثانی شیخ احمد فاروقی سرہندی قدس سرہٗ کے
صاحبزادے اور جانشین حضرت عُروۃُ الوثقیٰ خواجہ محمد معصوم فاروقی قدس سرہٗ کے
مکتوباتِ قُدسی آیات کے
دفترِ اوّل کا اردو ترجمہ
از
حضرت مولانا سید زوار حسین شاہ صاحب

الحمد للہ والمنۃ کہ کتاب مستطاب

مکتوبات معصومیہ

اُردو ترجمہ

اعنی

حضرت عروۃ الوثقیٰ خواجہ محمد معصوم فاروقی سرہندی قدس سرہٗ
ابن حضرت امامِ ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد فاروقی سرہندی قدس سرہٗ کے
مکتوبات قدسی آیات کے

دفترِ اوّل کا اُردو ترجمہ

از

حضرت مولانا سید زوّار حسین شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ
مؤلف: عمدۃ الفقہ، زبدۃ الفقہ، عمدۃ السلوک، حضرت مجدد الف ثانیؒ
اور حیاتِ سعیدیہ وغیرہ

سنہ ۱۳۹۸ھ ۱۹۷۸ء

سنہ ۱۴۰۶ھ ۱۹۸۶ء

باہتمام
ادارۂ مجددیہ، ناظم آباد ۳، کراچی

مطبوعہ: احمد برادرس پرنٹرس۔ ناظم آباد ۲

قیمت

فہرست مضامین

صفحہ

تمت

بِسمِ اللّٰہِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیمِ

مقدمہ

الحمد للہ العلی الاعلیٰ والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہ المصطفیٰ وعلیٰ آلہ وصحبہ البررۃ التقی، امابعد حق سبحانہ وتعالیٰ کے بے انتہا حمد وشکر اور حضور اکرم رسولِ مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر درود وسلام کے بعد عرض ہے کہ امامِ ربانی حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد فاروقی سرہندی قدس سرہ السامی کے صاحبزادے اور جانشین حضرت عروۃ الوثقیٰ خواجہ محمد معصوم قدس سرہ کے مکتوباتِ شریفہ بھی بزبانِ فارسی وعربی آپ کے والد بزرگوار کے مکتوباتِ شریفہ کی طرح بہت بلند درجہ رکھتے ہیں اور شریعت وطریقت، حقیقت ومعرفت کے جامع اور ادب وانشاء کا اعلیٰ شاہکار ہیں، ان میں سالکانِ طریقت کو پیش آنے والے سوالات کے جوابات، خوابوں کی تعبیرات اور بہت سے فقہی مسائل کا حل ہے، نیز مکتوباتِ حضرت مجدد الفِ ثانی قدس سرہ کے بہت سے ادق مقامات کی تشریحات پر مشتمل ہیں جو سالکانِ طریقت کے لئے ایک بے بہا ذخیرہ اور انمول خزانہ ہیں۔

مکتوباتِ معصومیہ ان مکاتیبِ عالیہ کا مجموعہ ہے جو حضرت مجدد الفِ ثانی قدس سرہٗ کی وفات کے بعد لکھے گئے البتہ جلد اول کی ترتیب وتدوین کی سعادت حضرتِ عروۃ الوثقیٰ کے صاحبزادۂ سوم حضرت خواجہ محمد عبید اللہ مروج الشریعۃ کو حاصل ہوئی انھوں نے سنہ ۱۰۳۹ھ میں جس کا مادۂ تاریخ "درۃ التاج" ہے اس مبارک کام کا آغاز کیا اور سنہ ۱۰۶۳ھ میں جس کا مادۂ تاریخ "جمعِ کمالاتِ نبوت" ہے اختتام کیا۔ اس کے بعد نقل در نقل قلمی نسخوں کا سلسلہ جاری رہا، حتیٰ کہ مکتوباتِ معصومیہ دفترِ اول کا اصل فارسی نسخہ غالباً پہلی مرتبہ تقریباً ڈھائی سو سال بعد سنہ ۱۳۰۲ھ میں مطبع نظامی کانپور سے طبع ہو کر شائع ہوا اور پھر نایاب ہو گیا بعد ازاں اب ۱۳۹۶ھ / ۱۹۷۶ء میں محترم جناب ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں صاحب مدظلہ العالی نے فارسی مکتوباتِ معصومیہ کے تینوں دفتروں کو شائع کرا دیا۔

افسوس کہ اسقدر اہم خصوصیات کے باوجود ان مکتوبات شریفہ کا اردو ترجمہ کرنے کی جانب اس وقت تک کسی نے توجہ نہ دی جس کی وجہ سے اردو داں حضرات ان مکتوباتِ عالیہ کے مطالعہ اور ان کے فیوض و برکاتِ علمی و روحانی سے محروم رہے، بنابریں عاجز کو ان کے اردو ترجمہ کا خیال آیا اگرچہ اپنی کم علمی اور عدم قابلیت کی بنا پر اور مکتوبات شریفہ کے مضامین کی بلندی و عظمت کے پیش نظر ترجمہ کرنے میں تامّل تھا اور چاہتا تھا کہ سلسلہ عالیہ کے کوئی بزرگ جن کو حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد فاروقی قدس سرہ اور حضرت عروۃ الوثقیٰ خواجہ محمد معصوم قدس سرہ کے مکتوبات شریفہ کے مضامین پر عبور حاصل ہو نیز عربی فارسی اور اُردو زبان میں بھی اچھی دسترس رکھتے ہوں اس کام کو انجام دیں تو اچھا ہے، مگر ابھی تک یہ خواہش تشنۂ تکمیل رہی، ناچار حق سبحانہٗ و تعالیٰ کی مدد پر بھروسہ کرتے ہوئے خود ہی اس کام کو شروع کر دیا۔ ترجمہ کرتے وقت فارسی کا ایک قلمی نسخہ اور قدیم و جدید ہر دو مذکورہ مطبوعہ نسخے اس عاجز کے پیشِ نظر رہے ہیں، نقل در نقل کی وجہ سے بعض اصل عبارات میں تصحیف و تغیر ہو جانا لازمی تھا جس سے ترجمہ کرنا اور بھی دشوار تھا۔ اس تعالیٰ شانہٗ کا بے حد و لا انتہا شکر ہے کہ اس نے ان مشکلات کے باوجود اس ناتوان کو مکتوباتِ معصومیہ کے دفترِ اول کا اردو ترجمہ مکمل کرنے کے بعد ناظرین کے سامنے پیش کرنے کی سعادت بخشی۔ فالحمد للہ علیٰ احسانہ ؎

بِللہِ الحمد ہر آں چیز کہ خاطر میخواست
آخر آمد زِ پسِ پردۂ تقدیر پدید

ترجمہ میں اس بات کا بھی اہتمام کیا گیا ہے کہ ڈاکٹر صاحب موصوف والے اِس تازہ مطبوعہ فارسی نسخہ کے صفحات حاشیہ میں دیدیئے گئے ہیں تاکہ اگر کوئی صاحب فارسی مکتوبات سے رجوع کرنا چاہیں تو تلاش میں زحمت نہ ہو، نیز جہاں جہاں قرآن کریم کی آیاتِ مبارکہ آئی ہیں وہاں بھی سہولت کے پیشِ نظر حاشیہ میں اوپر سورت کا نمبر اور نیچے آیت کا نمبر دیدیا گیا ہے، مکتوباتِ شریفہ میں آئی ہوئی جن احادیث کا حوالہ مل سکا حاشیہ پر لکھ دیا ہے اور اِن مکتوباتِ شریفہ میں امام ربانی حضرت مجدد الفِ ثانی قدس سرہ کے مکتوباتِ شریفہ کی جو عبارتیں مذکور ہیں اُن میں سے جن عبارتوں کا حوالہ اس عاجز کو مل گیا وہ بھی حاشیہ پر درج کر دیا گیا ہے۔

قارئین کرام سے درخواست ہے کہ جہاں کہیں کوئی غلطی پائیں اس کو اس عاجز کی کم علمی اور سہو پر محمول کرتے ہوئے معذور سمجھیں اور مہربانی فرما کر صفحہ و سطر وغیرہ کی نشاندہی کے ساتھ

اُس غلطی اور اس کی تصحیح سے اس عاجز کو مطلع فرمائیں تاکہ آئندہ ایڈیشن میں اس کی اصلاح و درستی کی جا سکے، یہ عاجز اُن حضرات کا ممنون ہو گا اور اُنھیں ثواب بھی ہو گا کیونکہ کتاب کا ترجمہ جس قدر صحیح ہو گا صاحبِ کتاب کا مفہوم اسی قدر واضح ہو سکے گا اور کتاب کی اشاعت اسی قدر عوام کی اصلاح اور تبلیغ دین کے لئے مفید ہو گی۔

آخر میں ان معاونین حضرات کا تذکرہ بھی بیجا نہ ہو گا جنھوں نے اس کارِ خیر میں تکلیف فرما کر اور اپنا قیمتی وقت دیکر عاجز کو سہولتیں بہم پہنچائیں چنانچہ محترمی جناب مولانا ڈاکٹر محمد مظہر بقا صاحب مدظلہ العالی پروفیسر شعبۂ اسلامیات کراچی یونی ورسٹی نے مکتوباتِ معصومیہ دفتر اول کے تمام ترجمہ پر نظر فرما کر اپنے مفید مشوروں اور مناسب اصلاحات سے اس عاجز کی مدد فرمائی اور محترمی جناب پروفیسر ڈاکٹر خان رشید صاحب مدظلہ العالی نے بھی زبان کی اصلاح وغیرہ میں اپنے مفید مشوروں سے اس عاجز کی مدد فرمائی اور محترم جناب عبد الغنی صاحب مدظلہ ایم اے، ایل ایل بی نے بھی اس کی تصحیح وغیرہ کیلئے اپنا قیمتی وقت دیا اور حاجی محمد اعلیٰ صاحب تو اس عاجز کی تالیفات کے خصوصی معاون ہیں ہی۔ حضرتِ حق سبحانہ و تعالیٰ ان سب حضرات کو اور دیگر معاونین کو جزائے خیر عطا فرمائے، نیز ہماری ان کوششوں کو قبول فرما کر حضرت عروۃ الوثقیٰ کی تعلیمات کو سمجھنے اور اُن پر عمل کرنے کی سعادت سے سرفراز فرمائے آمین ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ سیدنا و مولانا محمد والہ واصحابہ اجمعین برحمتک یا ارحم الراحمین ۝

الراجی الی ربہ الغفور

احقر سید زوار حسین عفا اللہ عنہ و عن والدیہ

جمعہ ۲۵ شوال المکرم ۱۳۹۸ھ مطابق ۲۹ ستمبر ۱۹۷۸ء

الحمد للہ العلی الاعلیٰ والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہ محمد کما یحب ربنا و یرضیٰ و علیٰ آلہ و صحبہ کما یلیق بعلو شانھم و بجہری **اما بعد** [اللہ تعالیٰ کی حمد ہے جو کہ العلی الاعلیٰ ہے اور اس کے رسول حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایسا صلوٰۃ و سلام ہو جیسا کہ ہمارا رب پسند کرتا اور چاہتا ہے اور اُن کے آل و اصحاب پر بھی ان کی بلندیٔ شان کے لائق و شایاں صلوٰۃ و سلام ہو۔ اما بعد] یہ متفرق موتی اور منتشر جواہر ہیں جو کہ بحرِ عرفان کے شناوروں نے غیب ہویت کی گہرائی سے جذباتِ احدیت کی غوطہ زنی کر کے نکالے ہیں، اور پردہ ہائے امکان کے کوہکنوں نے واحدیت کے سرا پردوں کی کان سے ریاضت کے تیشہ سے، بلکہ عنایتِ الٰہی کے وسیلہ سے حاصل کئے ہیں۔ جوامع الکلم کے صدف میں پوشیدہ اور مجامع الحکم کی کمینگاہ میں مستور، اسرارِ خفیہ و علومِ بدیعہ کو شامل، اور شواہدِ عجیبہ و معارفِ غریبہ پر مشتمل، انوارِ کمال کا گلزار، غنچہ ہائے وصال کا چمن، گلستانِ رفعت کا شگوفہ، باغِ ہدایت کی شرابِ نو، تشبیہ کے حقائق کو حل کرنے والے، تنزیہ کے دقائق کی کنجی، مراتبِ ولایت کی شرح، کمالاتِ نبوت کی وضاحت، شریعت کی توضیح اور حقیقت کی تنقیح (صاف ستھرا کرنا)، دلائلِ محکمات کی تعبیر، آیاتِ متشابہات کی تاویل، علماء کے طور طریقے اُن کی ابتدائی باتوں سے ظاہر اور اکابر صوفیوں کے احوال اُن کے مقدمات سے نمایاں، متاخرین کے منازل اُن کے عروج کے لئے زینہ اور اُن کا ایک نکتہ متقدمین کے مدارج کے لئے نگینہ، نقطۂ اصول کا دائرہ، دائرۂ وصول کا نقطہ، مقاماتِ قیومیت و خُلّت کی تفصیل، مُحِبّیت و محبوبیت کے مراتب کا اجمال، ــہ

ففی کل لفظ منہ روض من المنی وفی کل سطر منہ عقد من الدرر

[پس اُس کے ہر لفظ میں تمناؤں کا ایک باغ (مضمر) ہے اور اُس کی ہر سطر میں موتیوں کا ایک ہار (پنہاں) ہے] اللہ تعالیٰ اپنے مَظہر کے ظلال اور اپنے مُظہر کے برکات کو ہمیشہ (قائم) رکھے اور وہ (مظہر) انسانِ کامل اور فردِ جامع اولیاء کی نشانی اور انبیاء کا معجزہ، ملکِ ولایت کا تاجدار، انتہا کے تخت کا مالک، میدانِ کمال کا سوار اور جلال وجمال کے اسرار کا نگہبان، آسمانِ ہدایت کا ستارہ اور اُفقِ نہایت کا آفتاب، فیض رسانی کیفیات کے لئے کشادہ دست اور وجد واشواق کی نعمتوں کو پھیلانے والا، اعراض کے درمیان جوہر اور عالم کے لئے جوکہ صفات کا ظل ہے ذات ہے، ؎

اے آنکہ چوذاتِ خود سراپا آنی بر سرِّ خلافتِ بشر بُرہانی
عالم عرض و ذاتِ تو آنرا جوہر اے جوہرِ والا زکدامین کانی

[اے کہ تُو اپنی ذات کی طرح سراپا شان والا ہے، تُو بشر کی خلافت کے بھید پر برہان ہے، عالم عرض ہے اور تیری ذات اس کے لئے جوہر ہے، اے عالی مرتبہ جوہر تو کس کان سے ہے] عالموں کے لئے قوام اور جہانوں کے لئے قیوّم، انبیاء ومرسلین کے وارث، ؎

لا یدرک الواصف المطری خصائصہ وان یکن سابقا فی کل ما وصفا

[مبالغہ کے ساتھ تعریف کرنے والا اس کے خصائص کا ادراک نہیں کر سکتا اگرچہ وہ ہر اس چیز میں جس کی اس نے تعریف کی ہے سبقت لیجانے والا ہو] نسباً فاروقی حسباً محمدی مأخذ کے اعتبار سے قدسی مولد کے اعتبار سے سرہندی اور وہ شیخ محمد معصوم ہیں جو کہ امامِ ربّانی واویسی رحمانی، سبع مثانی (سورۂ فاتحہ) کے اسرار کو کھولنے والے، الفِ ثانی کے مجدد، رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے نائب مناب، حبیب اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ہدایت سے ہدایت یافتہ، کمالِ شیخین ومنصبِ ختنین (کے حامل)، صاحب ولایتِ اصلیہ، مخزن انوارِ الٰہیہ، خزینۂ رحمت، دفینۂ حکمت، دو سمندروں کو ملانے والے اور دو گروہوں میں صلح کرانے والے، ؎

اے ناطقہ زاکلیلِ کمالِ تو کلیل برحالِ توہم حالِ تو برہان ودلیل
حسنت نمکِ حبیب زاعجاز آمیخت باقندِ مصفّی الجسرِ خوانِ خلیل

[اے کہ تیرے کمال کے تاج (کی تعریف) سے زبان گونگی ہے، تیرے حال پر تیرا ہی حال برہان ودلیل ہے، تیرے حُسن نے حبیب کے نمک کو خلیل کے دسترخوان کی صاف قند کے ساتھ اعجاز کے طریق پر ملا دیا] امامِ ہمام مخلوق میں اللہ تعالیٰ کی حجت، شیخ احمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ وعن ضوعہ سبحانہ کے صاحبزادے ہیں۔

[اللہ تعالیٰ اُن سے راضی ہوا اور وہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ سے راضی ہوئے]

صاحبِ یقین طالبوں اور راہِ مبین کے سالکوں پر ظاہر ہے کہ بارگاہِ ذوالجلال کے دوست اور وصال کے شراب خانہ کے بادہ نوش تخلقوا باخلاق اللّٰہ [اللہ تعالیٰ کے اخلاق کے ساتھ متخلق ہو جاؤ] کے حکم کے مطابق اور فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ[۱] [پس تم میری پیروی کرو اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرے گا] کی بجا آوری کے طور پر، کلامِ الٰہی جل شانہٗ کے موافق اور سننِ مصطفوی علی مصدرہا الصلوٰۃ والسلام کے مطابق کلام کرتے ہیں اور چونکہ کلامِ الٰہی کی صفت یُضِلُّ بِہٖ کَثِیْرًا وَّ یَھْدِیْ بِہٖ کَثِیْرًا[۲] [اس سے بہت سے لوگ گمراہی اختیار کرتے ہیں اور بہت سے لوگ ہدایت پاتے ہیں] آئی ہے اسی لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث میں (بھی) اسی طرح اضلال واہدا (نہ ماننے والوں کو بھٹکانا اور ماننے والوں کو راہِ راست پر لانا) نے ظہور فرمایا اور اکابر اولیا کے کلام میں بھی جو کہ نیک لوگوں کے آقا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کی پیروی کرنے والے ہیں اسی کے مطابق کلمات واقع ہوئے ہیں بلکہ یہ برگزیدہ حضرات جَاھِدُوْا فِیْ سَبِیْلِہٖ[۳] [اس کے راستہ میں جہاد کرو] کے مصداق اپنے بشریت کے وجود کو اُس سبحانہٗ وتعالیٰ کی راہ میں مٹا کر حق تعالیٰ کے عطا کئے ہوئے وجود کے ساتھ بقا حاصل کر چکے ہیں اور اُن کی زبان نے شجرِ موسوی کا حکم اختیار کر لیا ہے، ع

زبانے زما بود گوینده او

[زبان تو ہماری تھی اور کہنے والا وہ تھا] الحق ینطق علیٰ لسان عمرؓ [حق حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) کی زبان پر بولتا ہے] اس کے لئے گواہ ہے پس اہلِ بصیرت دانشمندوں پر لازم ہے کہ ان اکابر کے کلمات کو ایمان و یقین کے ساتھ قبول کریں اور ان کے ثمرات کے منتظر رہیں، اور ان علوم و معارف میں سے جو کچھ کمال درجہ کی نزاکت و لطافت کے باعث اُن کی سمجھ میں نہ آئے اور اس کے سمجھنے میں کچھ کوتاہی محسوس کریں تو ان کلمات کی بھی قرآن مجید کی آیاتِ متشابہات کی طرح تاویل تلاش کریں یا اس کے علم کو اس کے کہنے والے پر تفویض کریں تاکہ اُن کے ثمرات سے بہرہ ور ہوں یہی حق ہے فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ اِلَّا الضَّلٰلُ[۴] [پس حق (معلوم ہو جانے) کے بعد (اس کو نہ ماننا) سوائے گمراہی کے اور کیا ہے] اور چونکہ ان قدسی آیات (مکتوبات) کے اختتام کی تاریخ غیب کے فرشتے سے ہوش کے کان میں "جمع کمالاتِ نبوت" (۱۰۶۳ھ) پہنچی ہے اگر اس "درۃ التاج" (۱۰۳۹ھ) کو اسی نام سے موسوم کریں تو مناسب ہے۔

۵۶ ھ

---

[۱] سورۃ ۳ آیۃ ۳۱ [۲] سورۃ ۲ آیۃ ۲۶ [۳] سورۃ ۵ آیۃ ۳۵ [۴] سورۃ ۱۰ آیۃ ۳۲۔

ظلال و عروج کے مراتب کو نہایت النہایت کی بلندیوں تک طے کرنے کے بارے میں اپنے
پیر اور والد بزرگوار رضی اللہ سبحانہ و تعالیٰ عنہ کی خدمت میں تحریر کیا۔

"عرضداشت" بندۂ کمترین محمد معصوم آستانۂ عالیہ کے خاک نشینوں کی بلند بارگاہ میں عرض کرتا ہے کہ اس حدود کے خادموں کے احوال و اطوار حمد کے لائق ہیں، سرفراز نامۂ عالی جو کہ ممریز خاں کے ہمراہ ارسال فرمایا گیا تھا اور اس میں اس فراق زدہ گنہگار، نااہل و ناکارہ کو طرح طرح کی عنایات سے سربلند کیا ہوا تھا اُس کے ورود سے مشرف ہوا، ؎

من کہ باشم کہ بر آں خاطرِ عاطر گذرم لطفہا می کنی اے خاکِ درت تاجِ سرم

[اے وہ ذات کہ تیرے در کی خاک میرے سر کا تاج ہے، تو مہربانیاں فرماتا ہے (ورنہ) میں کون ہوں کہ اس معطر دل پر میرا گذر ہو] میرے قبلہ گاہ! اللہ تعالیٰ کے احسانات کے بارے میں (یہ عاجز) کیا لکھ سکتا ہے اور کن اعضا سے اُس سبحانہ و تعالیٰ کے احسان کا بدلہ ادا کر سکتا ہے مگر یہ کہ اپنے آپ کو خاک بنا دے بلکہ اپنا کچھ نام و نشان باقی نہ رکھے پھر بھی اس کا حق بجا نہیں لا سکتا، کیونکہ جو عبادت بھی اِس طرف منسوب ہوگی وہ بہرحال قاصر اور عیب و نقصان کے ساتھ داغدار ہوگی، اللّٰھم لا احصی ثناءً علیك انت کما اثنیت علیٰ نفسك [اے اللہ! میں تیری تعریف کا احاطہ نہیں کر سکتا تو ایسی ذات ہے جیسی کہ تو نے خود اپنی تعریف کی ہے]

تازہ مکتوبات و معارفِ شریفہ کو برادرم خواجہ محمد ہاشم نے آگرہ سے بھیجا تھا وہ بلندیٔ شان کی وجہ سے اس قسم کے نہیں ہیں کہ ہر ناقص کی سمجھ کے لائق ہوں اور یہ جو مندرج ہے کہ "تمام افرادِ عالَم ایک ذات واجب عزشانہ، کے اسماء و صفات کے ظلال ہیں پس وہ سب ایسے اعراض ہوں گے کہ جن کے درمیان کوئی جوہر کار فرما نہیں ہوگا کہ اُن کا قیام اُس جوہر کے ساتھ ہو، پس ذاتِ اقدس سے اُن کو محرومی کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوگا اور اُن کا نصیب صفات کے سوا نہیں ہوگا مگر ایک عارف کی ذات الخ"۔ ایک رات تراویح کی نماز کے دوران اس معنی کے مراقبہ و مطالعہ میں مشغول ہوا، دیکھا کہ اُن اعراض نے جو کہ اس شخص کی ذات تھے اپنی اصل کی طرف عود کیا اور اُن کا کوئی نام و نشان نہ رہا اور کامل طور پر اپنی اصل میں فنا و محو و لاشئ ہو گئے اور وہ جتنا جاتا ہے سب اپنی اصل اور اصول اصول میں جاتا ہے الیٰ ماشاء اللہ تعالیٰ [جہاں تک اللہ تعالیٰ نے چاہا] اور مشہود ہوا کہ جہاں کہیں تک کہ

توجا تا ہے تمام ترو جوہ و اعتبارات میں جاتا ہے جو کہ اصلِ اصول ہیں اور ان اصول و اصولِ اصول سے ذاتِ مجرد تک پہنچنا محال ہے، اصول تمام منقطع ہو جاتے ہیں اور ذات عزّ شانہٗ ماوراء ماوراء ہے کیونکہ اصل کا اطلاق اس بارگاہ جل سلطانہٗ میں ساقط ہے، آخر کار معاملہ مایوسی تک پہنچا اور کامل یقین کے ساتھ معلوم ہوا کہ جب تیری اصل صفات و اعتبارات ہیں تو تیری کوشش کی انتہا یہ ہو گی کہ اپنے آپ کو اپنے اصول میں فنا اور لاشئے کر دے اور اصل میں فنا ہو جانے کے بعد اصل سے گذر جانا کوئی معنی نہیں رکھتا، کوئی اور بات چاہئے تاکہ حضرتِ ذات جل سلطانہٗ سے کچھ حصہ حاصل کرے، اس وقت دل میں خیال آیا کہ شیخ محی الدین ابنِ عربی قدس سرہ خوب فرماتے ہیں: وما بعد هذا الا العدم المحض" [یعنی اصول میں فنا و اضمحلال (نیستی حاصل ہونے) کے بعد عدمِ محض کے سوا کچھ نہیں ہے] کیونکہ اصول کو اس بارگاہ (جل سلطانہٗ) میں منقطع ہو جانے کے سوا کوئی راہ نہیں ہے اور ذاتِ مجرد ماوراء الوراء ہے جب تک اس (سالک) کو ذات عطا نہ فرمائیں ذات تعالیٰ و تقدس تک پہنچنا محال ہے اور یہ جو حضرتِ عالی (قدس سرہٗ) نے لکھا ہے کہ "اس قسم کے بزرگ ایک زمانہ میں متعدد نہیں ہوتے[۱]" (اس سے) مذکورہ بالا نا امیدی کے علاوہ (مزید نا امیدی) ہوئی اور اس قدر رنج و غم پیش آیا کہ کیا لکھے اس نا امیدی (کی حالت) میں کبھی دل میں یہ آتا ہے کہ کامل تابعدار کو متبوع کے تمام کمالات میں سے حصہ ہے تو پھر متعدد نہ ہونا کس اعتبار سے ہو گا شاید اصالت و تبعیت کا فرق ہو گا لیکن اس قسم کے خیالات اس اضطراب کو تسکین نہیں دیتے کوئی ایسا محرم (رازدار) نہیں تھا کہ جس سے دل کا درد بیان کرے، آخر آیتِ کریمہ حَتّٰٓى اِذَا اسْتَايْـَٔسَ الرُّسُلُ وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ قَدْ كُذِبُوْا جَاۗءَهُمْ نَصْرُنَا[۲] [یہاں تک کہ جب رسول نا امید ہو گئے اور خیال کرنے لگے کہ وہ (اپنی بات میں) سچے نہ نکلے تو ان کے پاس ہماری مدد آ پہنچی] کے موافق مکاتیب جلد ثالث کے مکتوب ہشتادم[۳] کے آخر پر جو کہ اس فقیر کے نام لکھا ہوا ہے اطلاع دی گئی اگرچہ (پہلے کئی دفعہ اس مکتوب کو پڑھا تھا لیکن گویا اس بھید سے اطلاع دینا مصلحت نہیں تھا اسی لئے آنکھ بند کئے ہوئے اس حرف (مضمون) سے گذر جاتا تھا اب توجہ شریف سے امیدوار ہے کہ اس معما کا کوئی دروازہ کھل جائے، چونکہ (اس عرضداشت کے) لکھنے کے دوران اس امر پر اطلاع پائی تفصیل کے ساتھ اپنے اندر مطالعہ نہیں کر سکا ان شاء اللہ تعالیٰ حضرتِ عالی کی توجہ سے بہرہ ور ہو جائے گا، والعبودیۃ [زیادہ بندگی و آداب]۔ ۵۸

پوشیدہ نہ رہے کہ حضرت عالی (خواجہ محمد معصوم قدس سرہٗ) جس امر کے طلبگار تھے وہ

[۱] مکتوباتِ حضرت مجدد، دفتر سوم مکتوب ۸۰۔ [۲] سورت ۱۲ آیت ۱۱۰ [۳] غالباً منجانب مرتب۔

ذاتِ بحت تک وصول بلکہ اس مرتبۂ عالیہ سے کچھ حصہ کا حصول تھا، اس مکتوب کے لکھنے کے کچھ عرصہ بعد اُس (مرتبۂ عالیہ) کی بشارت دی گئی اور اس کے ساتھ متحقق ہوگئے چنانچہ اسی جلد کے مکتوب اٹھاسی میں جو کہ خواجہ محمد حنیف کے نام لکھا گیا ہے اس معنی کی تصریح مذکور ہے۔

مکتوب ۲

بعض مخصوص اذواق (کیفیات) کے بارے میں نیز اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی عنایات کے شاملِ حال ہونے کے بیان میں اپنے پیر بزرگوار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں تحریر کیا۔

"عرضداشت" کمترین بندہ محمد معصوم ذرہ کی طرح بارگاہِ عالی کے باریافتگان کی خدمت میں عرض کرتا ہے کہ اس حدود کے دعا کنندگان کے احوال توجہاتِ عالیہ کی برکت سے تحمد کے لائق ہیں، فرقت و ہجر (جدائی) کے رنج و غم کے علاوہ اور کوئی غم و اندوہ نہیں ہے۔ ؎

خیالِ وصلِ تو تاحال زندہ می دارد   وگرنہ باغمِ ہجراں حیات یعنی چہ

[تیرے وصل کا خیال ابھی تک زندہ رکھے ہوئے ہے ورنہ جدائی کے غم کے ساتھ زندگی کے کیا معنی ہیں] (آپ کے) نہایت قیمتی گرامی نامے بلند معارف و اسرارِ عالیہ کے ساتھ پے درپے پہنچ رہے ہیں اور معاملہ کو پستی سے بلندی تک لے جاتے ہیں، جو مکتوب کہ تجلیاتِ ثلاثہ (کے بیان) پر مشتمل ہے اِس زمانے میں پہنچا اپنی استعداد کے موافق اُس سے بہرہ ور ہوا اور کچھ حصہ حاصل کیا اور اس کے بعد وہ مکتوب جو کہ نورِ صرفِ ذاتی کے معارف پر مشتمل ہے شرفِ ورود لایا، اس کے مطالعہ کے وقت نورِ صرف کا کچھ شعور حاصل ہوا تھا۔ بلکہ اس کے ساتھ فنا و بقا بھی سمجھی تھی اور ایک مدت تک اس میں استغراق رکھتا تھا اگرچہ (اِس) تحریر کے وقت وہ نسبت پوشیدہ ہے معلوم نہیں کہ اس کی کیا وجہ ہے، حضرت سلامت! اُس تعالیٰ شانہٗ کی عنایات کے متعلق کیا لکھے اور اُس سبحانہ وتعالیٰ کے احسانات کے بارے میں کس طرح بیان کرے کشاں کشاں لے جاتے ہیں اگرچہ نہیں جانتا کہ کہاں لے جاتے ہیں اور کہاں پہنچاتے ہیں لیکن جو لذات و کیفیات اس عرصہ میں پیش آتی ہیں ان کو بیان نہیں کر سکتا (یہ لذات و کیفیات) ذوقی ہیں بیانی نہیں ہیں ؎

۵۹ من نہ باختیارِ خود می روم از قفائے او   آں دو کمندِ عنبریں می بردم کشاں کشاں

[میں اس کے پیچھے اپنے اختیار سے نہیں جاتا ہوں وہ دو عنبریں کمندیں (زلفیں) مجھ کو کشاں کشاں لے جاتی ہیں]

حضرتِ حق سبحانہ (آپ کی) توجہ عالی سے کامل علم و تمیز عطا فرمائے، رَبِّ زِدۡنِي عِلۡمًا[۱] [اے میرے رب! میرے علم کو زیادہ کر دے] اس سے قبل ایک قاصد کے ہمراہ ایک واقعہ لکھ کر بھیجا ہے اگر اس کی صحت اور غلطی کا اظہار کرا دیا جائے تو کمال بندہ پروری ہوگی، والعبودیۃ

[۱] سورۂ ۲۰ آیت ۱۱۴

مکتوب ۳

ایک عزیز کی نسبت کے انکشاف میں اپنے پیر بزرگوار رضی اللہ سبحانہ وتعالیٰ عنہ کی خدمت میں تحریر کیا۔

"عرضداشت" یہ کمترین خادم محمد معصوم آستان بوسانِ بارگاہِ عالی کی خدمت میں عرض کرتا ہے کہ جس روز سے حضوری کی سعادت کے شرف سے محروم ہوا ہے اُس درگاہ کے خادموں کی کوئی خبر اس بازو شکستہ کو نہیں پہنچی، بہت منتظر ہے، اس جگہ کے خادموں کے حالات حمد کے لائق ہیں اور وہ اوقات کو دلجمعی کے ساتھ بسر کر رہے ہیں۔ حضرت سلامت! آج رات جو کہ شنبہ (ہفتہ) کی رات اور ۲۶ ربیع الثانی ہے میاں شیخ مزمل اس دار (فانی) سے رحلت کر گئے، ان کی وفات حسنِ خاتمہ کے ساتھ ہوئی، دفن کے وقت حضرتِ عالی کی ایک متبرک کُلاہ جو کہ بندہ کے پاس تھی اُس کُلاہ کے علاوہ جو کہ حضرتِ عالی نے بندہ کو خصوصی طور پر عنایت فرمائی تھی اُن کے سر پر پہنا دی، اُس کے پہناتے ہی یا ایک لمحہ بعد دیکھا کہ اُن میں حضرتِ عالی کی خاص نسبت جلوہ گر ہو گئی اور اُس عزیز پر پوری طرح غالب آ گئی اس کے بعد اُن کی وہ نسبت تمام قبرستان پر چھا گئی بلکہ تمام گرد و نواح کو نور سے معمور کر دیا، من قبل قبل بلا علۃ [جسے قبول کیا گیا بلا سبب قبول کیا گیا]

اُس بلند مقام کے حصول کے بارے میں جو کہ اصل الاصل کے ساتھ متعلق ہے اپنے پیر اور والد بزرگوار رضی اللہ عنہ کی خدمت میں تحریر کیا۔

"عرضداشت" درگاہِ عالیہ کا نیازمند محمد معصوم خدمتِ اقدس میں عرض کرتا ہے کہ اس شکستہ بازو کے احوال اُس کعبۂ خواہشات و تمنیات کی توجہ کی برکت سے استقامت کے طریق پر ہیں اور عزیمت امور میں کسی طرح کا فتور واقع نہیں ہوا ہے، امید رکھتا ہے کہ حضرتِ عالی کی نظرِ عنایت کے طفیل باقی ماندہ چند

مستغار سانسوں میں بھی فتور واقع نہیں ہوگا۔

دوسری بات یہ عرض کرتا ہے کہ فقیر بہت مدت سے قبض و غم کی حالت میں تھا آخر کار توجہ عالی سے ایک بسطِ عظیم رونما ہوا اور اس بسط میں نہایت عجیب ترین بلند مقام ظاہر ہوا اُس وقت ایسا معلوم ہوا کہ یہ مقام تمام مقاماتِ ظلال کے اوپر ہے اور اصل الاصل کا مقام ہے کہ جس میں ظلّیت کی آمیزش نے راہ نہیں پائی ہے اپنے آپ کو پوری طرح اس مقام میں داخل پایا اور اپنے سر کو اس مقام کے مرکز میں داخل دیکھا اور اپنے باقی حصہ کو اُس مرکز کے نیچے اُس کے بالمقابل دیکھا اور بعض دوسری چیزیں بھی اس وقت میں مشہود ہوئی تھیں اگر حاضرِ خدمت ہوتا تو شاید عرض کرتا۔

مکتوب ۵
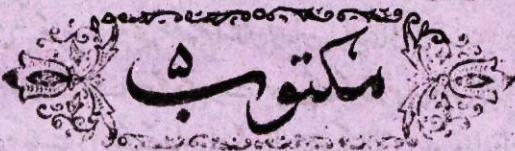
سابقین کی نسبت کے حصول اور اس کے متعلقہ معارف کے بیان میں نیز اپنے والد بزرگوار رضی اللہ عنہ کی خدمت میں تحریر کیا۔

"عرضداشت" کمترین خادم محمد معصوم درگاہِ عرش اشتباہ کے خاک نشینوں کی خدمت میں عرض کرتا ہے کہ گرامی سرفراز نامہ جو کہ سرائے ہودل سے ارسال کیا گیا تھا موصول ہوا، افسردہ جانوں کو کامل مسرت بخشی اور مردہ دلوں کو نئے سرے سے دائمی زندگی عطا کی، اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی حمد ہے کہ اس جگہ کے متعلقین اس مصیبت سے عافیت میں رہے، جو سفر کہ مولانا محمد صدیق نے اختیار کیا تھا شروع میں بھی فقیر کی نظر میں کچھ اچھا نہیں لگتا تھا۔ ؎

با پری روئے اگر در خانہ باشد کسے　　　میل بیروں گر کند دیوانہ باشد بسے

[اگر کوئی شخص ایک گھر میں کسی پری رُو کے ساتھ ہو اگر وہ باہر جانے کا قصد کرے تو بڑا دیوانہ ہوگا] مولانا کی استعداد اور بلند ہمتی سے یہ عزم عجیب معلوم ہوا، چاہیئے تھا کہ جو کام انھوں نے اختیار کیا تھا اس کو پورا کر کے دوسرے کام کی طرف متوجہ ہوتے۔

دیگر یہ کہ اپنے خستہ حالات عرض کرتا ہے، حضرت سلامت! اس فقیر کو اس کے بعد سے کہ عالم میں نیچے لے آئے ہیں اُس نسبت کے نشان کو کہ جس کے ساتھ عروج کے وقت مشرف کیا گیا تھا اپنے اندر پاتا ہے کہ یمین (دائیں) و یسار (بائیں) سے بیگانہ ہے، یمین و یسار کو اس نسبت سے بہت کم حصہ حاصل ہے بلکہ کچھ مناسبت نہیں رکھتے، یہ نسبت سابقین کے ساتھ مخصوص ہے اصحابِ یمین (دائیں والے

اصحابِ یسار (بائیں والے حضرات) کی طرح اس کمال سے کیا پائیں، اور ظلال والے حضرات عام مومنین کی طرح اس معما سے کیا حاصل کریں، محبتِ ذاتیہ کہ جس میں محبوب کا رنج دینا اس کے انعام کی بہ نسبت محبت میں اضافہ کرنے والا ہوتا ہے اس مقام میں متحقق ہوتی ہے اور جب اپنے ذوق و وجدان کی طرف رجوع کرتا ہے تو بے تکلف پاتا ہے کہ جو لذت و حلاوت بلکہ محبت میں جو اضافہ کہ محبوب کے رنج و غم دینے کے وقت میں ہے اس کے انعام کے وقت میں نہیں ہے، کہا جا سکتا ہے کہ محبوب کے رنج و غم دینے کا تصور ایسی فرحت و مسرت بخشتا ہے کہ نفسِ انعام میں وہ فرحت و سرور ثابت نہیں ہے کیونکہ محبتِ ذاتیہ میں فرحت و سرور نفسانیت کی آمیزش سے جسقدر پاک اور خالی ہوتا ہے (اسی قدر) زیادہ کمال پیدا کرتا ہے، عالم کو بالکلیہ اعراض پاتا ہے کہ جس نے جوہر ہونے کی بو بھی نہیں پائی ہے اور اپنی ذات کے ساتھ قائم ہونا اس کے حق میں ثابت نہیں ہے تمام اشیاء کو قائم کرنے والا وہی سبحانہ و تعالیٰ ہے، جو لفظ آنا (میں) کا مشارٌ الیہ ہے بلکہ تمام اشارات کا مشارٌ الیہ وہی تعالیٰ و تقدس ہے کیونکہ ممکن کی ذات نہیں ہے اور عرض کا اشارہ عین اس کے قیوم ہی کا اشارہ ہے، ممکنات کو اشباح (صورتوں) سے زیادہ نہیں جانتا اور خارجی نمود و نمائش سے زیادہ انھیں تصور نہیں کرتا، اس تعالیٰ شانہ کی قدرتِ کاملہ کو ملاحظہ کرنا چاہیئے کہ اُس نے نمود و نمائش کو جو کہ محض حس و وہم کے درجے میں ہے اس طرح پر ثبات و قرار دیا ہے کہ زوال سے مامون و محفوظ ہے اور ابدی معاملہ اس کے ساتھ وابستہ ہے اور اعراض کے قیام کو اس انداز پر پاتا ہے کہ حال و محل ہونے کی آمیزش سے پاک و بَری ہے اس سے زیادہ نہیں ہے کہ اشیاء کا ثبوت و تقرر اس تعالیٰ شانہ کے ساتھ ہے۔

جب قلم کو احوال کے بیان کرنے کے لئے پکڑتا ہے اسقدر (کیفیات کی) آمد ہوتی ہے کہ اس کے ضبط و برداشت کرنے سے عاجز ہو جاتا ہے اس لئے تھوڑے پر کفایت کرتا ہے اور باقی کو دوسرے وقت پر موقوف رکھتا ہے، والعبودیۃ
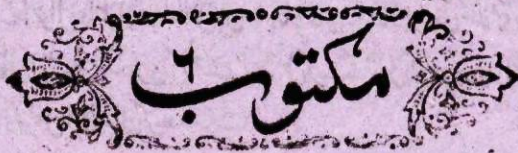
فنائے اتم اور بقائے اکمل کے بیان میں اپنے پیر بزرگوار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں تحریر کیا۔

"عرضداشت" خدمتِ عالی سے دُور افتادہ محمد معصوم آستانۂ عالی شان کے مقیمین کی خدمت میں عرض کرتا ہے کہ جو حسن و جمال وہم و گمان میں آتا تھا چونکہ بطور عاریت و امانت تھا (اس لئے)

اہلِ امانت کی طرف واپس ہو گیا اور شر و نقص کے سوا کچھ بھی باقی نہیں رہا حضرت سلامت! اس تحریر کے دوران ایک حالت ظاہر ہوئی، دیکھا کہ وہ عدم جس کے علاوہ اور کوئی چیز ظاہر نہ تھی پوشیدہ ہو گیا اور وہ کمالات جو کہ اپنی اصل کی طرف لوٹ گئے تھے جلوہ گر ہونے لگے، اسی اثنا میں ایک غیبت رونما ہوئی، دیکھتا ہے کہ خوب پیٹ بھر کر کھانا کھایا ہے (جس سے) طبیعت میں بے چینی پیدا ہو گئی ہے اور شدت کی قے ہونے لگی ہے، (ایسا) پاتا ہے کہ ہر رگ و پوست سے حتیٰ کہ ناخنوں کی رگوں سے بھی مادّہ کھینچا اور نکالا جا رہا ہے، جب افاقہ ہوا تو دیکھا کہ عدم کو پوری طرح نکال دیا گیا ہے اور اُن کمالات کے علاوہ جو کہ اپنی اصل کی طرف لوٹ گئے تھے اور کوئی چیز ظاہر نہیں ہے اپنے آپ کو نہایت نورانی اور لطیف پایا، اس کے بعد دیکھا کہ وہ کمالات جن کے ساتھ بقا عطا کی گئی ہے اپنی اصل کی طرف لوٹنے لگے اور اصل الاصل کے ساتھ جا ملے اور انھوں نے اُس بارگاہ میں اصالت و حقیقت کے طور پر ظاہر ہو کر بے کیف حقیقی اتصال حاصل کر لیا، اس وقت انا نے جو کہ عدم سے پوری طرح نکل کر اُن کمالات کے ساتھ جا ملی تھی اس جگہ اطلاق پایا اور ظاہر کی مظہر کے ساتھ ایسی نسبت ظاہر ہوئی جیسی نسبت عالمِ خلق کو عالمِ امر کے ساتھ ہے انفصالی کمالات کی نسبت اسی مقام میں ظاہر ہوتی ہے اور بعض دوسرے امور بھی اس جگہ معلوم ہوئے (جن کو) لکھ نہیں سکا ان شاء اللہ تعالیٰ جب حاضری کی نعمت سے مشرف ہو گا تو عرض کرے گا۔

۶۲

مکتوب
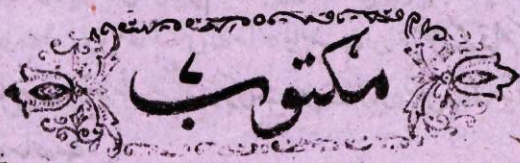
مطلوب کی عظمت اور اس کے ادراک سے عاجزی کے بارے میں یہ بھی اپنے پیر بزرگوار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں تحریر کیا۔

عرضداشت "کمترین خادم محمد معصوم آستانۂ عالیہ کے حاضرین کی خدمت میں عرض کرتا ہے کہ اس نواح کے خادموں کے احوال و اطوار حمد کے لائق ہیں، بارگاہِ عالی کے خادموں کی سلامتی کی خوش کن خبریں سننے کا ہمیشہ انتظار رہتا ہے حضوری کی نعمت کے حاصل کرنے کے شوق کو کس طرح واضح کرے اور جدائی کے سوز و گداز کو کس طرح بیان کرے، بیت

درونم خون شد آخر چند جوشم — مے اندر آبگینہ چند نوشم

[میرا اندرون خون ہو گیا آخر میں کتنا جوش ماروں، شیشہ میں تو شراب ہے (لیکن) میں کتنی پیوں]

قبلہ گاہی! عجیب معاملہ ہے اور انوکھا ناز و غمزہ ہے، عین آرام میں محرومی اور نفسِ وصل میں

جُدائی ہے، پاتا بھی ہے اور نہیں بھی پاتا، اور نہیں جانتا کہ کیا پاتا ہے اور کیا نہیں پاتا، تضاد در تضاد اور تناقض در تناقض ہے، ایک ایسا آرام دیتے اور ایسی لذت عطا کرتے ہیں کہ (یہ سالکین) ہزاروں لذتوں اور آسائشوں کو ان (احوال) کے بالمقابل ایک جَو کے بدلے میں بھی نہیں خریدتے اور ان (احوال) کے عوض ایک کھوٹے سکے میں بھی نہیں لیتے۔ ع

آنجا کہ باشد نُقل و مَے بیکاری است ایں کارہا

[جس جگہ شراب و کباب ہو وہاں یہ سب معاملات بیکار ہیں] اگر عمریں اس کے شکر میں صرف کرے تو کچھ بھی ادا نہ ہو اور اگر مدتیں اس کی طلب میں گذارے تو اللہ تعالیٰ کے فضل کی سبقت کے بغیر کچھ حاصل نہ ہو، اس کے باوجود محرومی ہر وقت دامنگیر ہے اور دُوری و جُدائی ہمیشہ ساتھ ہے بیت؎

نہ حُسنش غایتے دارد نہ سعدی را سخن پایاں بمیرد تشنہ مستسقی و دریا ہمچناں باقی

[نہ اُس کے حُسن کی کوئی انتہا ہے اور نہ سعدی کے کلام کی کوئی حد ہے، استسقا کی بیماری والا پیاسا مر جاتا ہے اور دریا اسی طرح باقی رہتا ہے] کیونکہ مطلوب نہایت تقدیس و رفعت میں ہے اور طالب نہایت پستی و نقص میں ہے نہ اس کو اس کے ساتھ کچھ شرکت ہے اور نہ اس کو اس کے ساتھ کوئی نسبت، یہ اس کے ادراک سے عاجز ہے اور اس کا جو کچھ ادراک ہوتا ہے وہ ناتمام ہے پس جب ان دونوں میں کوئی نسبت نہیں پائی جاتی اگرچہ وہ ایک اعتبار سے ہی ہو اور نہ ہی کوئی شرکت پائی جاتی ہے اگرچہ وہ نام ہی کی ہو پس لازماً اس کے ادراک کے درک سے عاجز ہونا ہی ادراک ہے اور اس کی معرفت کی کُنہ سے جاہل ہونا ہی معرفت ہے اور چونکہ اس معنی کو اپنے ذوق و وجدان سے پایا اور گہری نظر سے سمجھ لیا ہے نہ کہ تکلّف و تصنع کے طور پر، تو اس بنا پر جرأت و گستاخی کی، کیا کیا جائے کہ بلند ہمتی ایک ایسے مطلب کو چاہتی ہے کہ ادراک کا ہاتھ اس کے دامن سے کوتاہ ہے کیونکہ جو کچھ اس سے حاصل ہوتا ہے وہ خود وہ نہیں ہے بلکہ اس کی شبیہ و مثال ہے ظل کے ساتھ گرفتاری ماسوا کے ساتھ گرفتاری ہے، اگرچہ ظاہر تو اصل ہے لیکن ظلّیت کی آمیزش کے بغیر نہیں ہوگی اور اصل کے گرفتاروں کے لئے ظلّیت کا نقطہ بھی بڑا پہاڑ ہے اس لئے مشاہدات سے منہ موڑ کر احدیتِ صرف کی طرف متوجہ ہے، اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ[1]

[میں نے سب سے یکسو ہو کر اپنا منہ اس ذات کی طرف کر لیا جس نے آسمانوں اور زمین کو بنایا اور میں شرک کرنے والوں میں سے نہیں ہوں]۔

[1] سورت ٦ آیت ٨٠۔

مکتوب ۸

ارشاد پناہ میر محمد نعمان قدس سرہ کی خدمت میں ظاہر کے اذواق و تلوین اور باطن کی بے رنگی و تمکین کے بارے میں تحریر فرمایا۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ میرے مخدوم! بچپن ہی سے اس عاجز کی فطرت میں ایک جوش و جنون ودیعت کیا گیا ہے اور ابتدائے پیدائش ہی سے اس خاکسار کی طینت کو عشق کے خمیر اور جنون کی شراب سے گوندھا گیا ہے لیکن قوتِ مدرکہ کی کمزوری اور خواہشاتِ طبعی کے غلبہ کے باعث وہ اصل فطرت پوشیدہ چیز کی مانند تھی کبھی کبھی ظاہر ہو جاتی تھی اور اکثر اوقات پوشیدہ ہی رہتی تھی لیکن اس معنی کا یقین اس کے بعد حاصل ہوا اور ہمیشہ اس کے سر سے یہ آواز آتی رہتی ہے، بیت

دل آرامے کہ داری دل در و بند دگر چشم از ہمہ عالم فرو بند

[دل لگا اپنا اپنے دلبر سے آنکھ کر بند سارے عالم سے]

اور یہ حقیقت زمانہ کے گذرنے کے ساتھ ساتھ رفتہ رفتہ ظاہر ہونی شروع ہوئی اور قوی ہونے لگی اور آیۂ مبارکہ فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغٰلِبُوْنَ [۱] [اور بیشک اللہ (تعالیٰ) کا گروہ ہی غالب ہے] کے مصداق ان دنوں میں وہ نشہ نئے سرے سے تازہ ہو گیا ہے اور اتنے زور و شور کے ساتھ ظاہر ہوا ہے کہ ایک خاص دیوانگی دماغ میں سما گئی ہے اور ایک تازہ جنون سر میں پیدا ہو گیا ہے۔ مصرع

در سرم سودائے شیریں دلبرے ست

[میرے سر میں ایک دلکش محبوب کا سودا ہے]

(ع) جُنُوْنِیْ مِنْ حَبِیْبٍ ذِیْ فُنُوْنٍ [میرا جنون ایک ذی شیون حبیب (اللہ تعالیٰ) کی وجہ سے ہے]

بیت گذشت ست آنکہ چوں افسردہ چند دلم بودے بخواب و خورد خورسند

کنوں دل را زمانِ حق پرستی ست حریفِ عشق را آغازِ مستی ست

[وہ زمانہ گذر گیا جبکہ میرا دل چند افسردہ لوگوں کی طرح سونے اور کھانے میں ہی خوش رہتا تھا۔ اب تو دل کے لئے حق پرستی کا زمانہ ہے اور عشق کے حریف کے لئے مستی کا آغاز ہے] یہی وجہ ہے کہ جب قلم ہاتھ میں لیتا ہے کہ کسی عزیز کو کچھ لکھے اور دعا و توجہ کے لئے درخواست کرے تو اندر سے ایک جوش پیدا ہوتا اور قلم کو کسی دوسری جانب موڑ دیتا ہے۔ بیت

[۱] ۶۴ / پ ۶ سورۃ المائدہ آیت ۵۶

بلے چوں دل گرفتارِ ہوائے ست ہے دیگر بچشمش اژدھائے ست

[بیشک دل چونکہ ایک (محبوب کی) محبت میں گرفتار ہے (اس لئے) اس کی نگاہ میں کوئی دوسرا ماہ (محبوب) اژدھا کی طرح ہے] اور چند غیر مربوط الفاظ سے خط کو سیاہ کرتا ہے اور متکلم و مخاطب کے وقت اور حال کا لحاظ نہ کرتے ہوئے اکتاہٹ کا باعث ہوتا ہے، بیت

لیلیٰ و موئے مشکبو ہر کس کہ دیدش مو بمو دانند کہ زنجیر از چہ رو در گردنِ مجنوں بود

[لیلیٰ اور اس کے خوشبودار بالوں کو جب کوئی شخص غور سے دیکھ لیتا ہے تو جان لیتا ہے کہ مجنوں کی گردن میں زنجیر کیوں ہے] پس مخاطبین کو چاہئے کہ براہِ کرم اس قسم کے شوریدہ حال کو معذور رکھیں اور اس کی خامیوں پر نظر نہ کریں، بیچارہ عاشق کیا کرے کہ اسی سے مغلوب ہے اور اسی پر فریفتہ ہے، بیت

مجنونِ عشق را دگر امروز حالت ست کاسلام دینِ لیلیٰ و دیگر ضلالت ست

[عشق کے مجنون کی آج کچھ اور ہی حالت ہے کیونکہ لیلیٰ کی فرمانبرداری ہی اسلام ہے اور باقی سب گمراہی ہے] وہ نہیں جانتا کہ ہر شخص کی آرزو الگ ہے اور ہر آنکھ کی بینائی جدا ہے، ایک جماعت کو دنیا کی جھوٹی زیبائشیں منظور ہیں (تو) ایک گروہ کے پیشِ نظر آخرت کی نعمتیں ہیں (اور) ایک فرقہ کی توجہ مولیٰ تعالیٰ پر ہی لگی ہوئی ہے،

بیت تو و طوبیٰ و ما و قامتِ یار فکرِ ہر کس بقدرِ ہمتِ اوست

[تجھ کو طوبیٰ کا شوق ہے اور ہمیں یار کے قد و قامت سے محبت ہے، ہر شخص کی فکر اس کی ہمت کے مطابق ہے]

اب ہم اصل بات شروع کرتے ہیں: عاشق مسکین کبھی وصل پر مغرور ہے اور کبھی فصل (جدائی) پر شیدا ہے، کسی وقت دوست کی مہربانیوں اور عنایتوں پر نظر کرتے ہوئے فخر و مباہات کرتا ہے اور کسی دوسرے وقت اپنے کردار و اعمال پر نظر کرتے ہوئے دعا و استغفار کرتا ہے اور کبھی اس مقدس بارگاہ کے ساتھ اپنی کمال نامناسبتی کو دیکھتے ہوئے دل گرفتہ اور مایوس ہوتا ہے، بیت

شد مدتے کہ گفت و شنو یا تو رو نداد اے بے نصیب گوشم و اے بے نوا لبم

[ایک مدت ہوگئی کہ آپ کے ساتھ بات کرنے اور سننے کا موقع ہاتھ نہیں آیا، میرے کان کیسے بے نصیب ہیں اور میرے لب کیسے بے نوا ہیں] اور بوقتِ نظارہ اپنے شوق اور اس کے اشد شوق کے ساتھ مسرور اور امیدوار ہے، بیت ۶۵

آمادہ گشتہ ام دگر امشب نظارہ را پیوند کردہ ام جگرِ پارہ پارہ را

[آج رات میں دوبارہ نظارہ کے لئے آمادہ ہوا ہوں، میں نے اپنے پارہ پارہ جگر کو پیوند کر لیا ہے] اگر خوش ہے تو اس کے ساتھ خوش ہے اور اگر غمگین ہے تو اس کے ساتھ غمگین ہے۔ بیت

جاناں غمِ خود دواند اندر برِ من من شادیٔ خود فدائے جاناں کردم

[میرا محبوب اپنا غم میرے سینہ میں دوڑاتا ہے، میں نے اپنی خوشی اپنے محبوب پر قربان کر دی ہے] مختصر یہ کہ (بندہ) اپنی اوپر نظر کرتے ہوئے بعید ہے اور اس پر نظر کرتے ہوئے قریب ہے، اپنی ذات میں معدوم ولاشے ہے اور اُس (اللہ) پر نظر کرتے ہوئے حیّ وقائم ہے۔ شعر

اِنِّیْ لَاَصَمُّ اِذَا نُوْدِیْتُ بِاِسْمِیْ وَاِذَا نُوْدِیْتُ بِعَبْدِیْ لَاَسْمَعُ

[جب مجھے میرے نام کے ساتھ پکارا جائے تو بیشک میں نہیں سنتا اور جب مجھے میرا بندہ کہہ کر پکارا جاتا ہے تو ضرور سن لیتا ہوں] کبھی قاصد (قصد کرنے والا) ہے اور کبھی مقصود (جس کا قصد کیا جائے) اور طالب بھی ہے اور مطلوب بھی، اسی لئے اس کا قلم مختلف رنگوں کے ساتھ رنگین ہے اور اس کے بیان کی ادائیگیاں سمجھ کے اعتبار سے متضاد ہیں، اس کی عبارتیں پیچ در پیچ اور اس کے معاملات بالکل ہیچ ہیں، اس پیچ سے کیا کھلے گا اور اس ہیچ سے کیا ہو سکے گا، بیت

بگوای باد آں مہمانِ مارا کہ آخر چند سوزی جانِ مارا

[اے ہوا! ہمارے اس مہمان (محبوب) سے کہدے کہ آخر کب تک تو ہماری جان کو جلاتا رہے گا] طالب ہونے کی حیثیت سے گم کرنے والا ہے اور مطلوب ہونے کی حیثیت سے پانے والا ہے کیونکہ اس (مطلوب ہونے کی) صورت میں وہ درمیان میں نہیں ہے اور پہلی (طالب ہونے کی) صورت میں وہ درمیان میں ہے، بیت

بوصلش نارسیم صد بار از پا افگند شوقم کہ نو پروازم وشاخِ بلندے آشیاں دارم

[اس کے وصل تک رسائی سے پہلے میرا شوق مجھ کو سینکڑوں بار گرا دیتا ہے کیونکہ میں نیا نیا اڑنے والا ہوں اور ایک بلند شاخ پر آشیاں رکھتا ہوں] جاننا چاہئے کہ کُلَّ یَوْمٍ هُوَ فِیْ شَاْنٍ [ہر روز وہ نئی شان میں ہے] کے بموجب یہ تمام اختلافات اس کی صورت اور ظاہر کے اعتبار سے ہیں اور اس کی حقیقت و باطن اَلْاٰنَ کَمَا کَانَ [اب بھی ویسا ہی جیسا کہ پہلے تھا] کے مصداق متمکن (مستقل) اور یک رنگی کی حالت میں ہے بلکہ تمکین اور یک رنگی سے گذر کر بے رنگی کے ساتھ مل گیا ہے۔ سبحان اللہ۔ چاہتا تو یہ تھا کہ قلم لے کر اپنی کوتاہیوں کی معذرت کرے (لیکن) کوتاہی پر کوتاہی کا اضافہ ہو گیا، اس کا استغفار خود بہت زیادہ استغفار کا محتاج ہے بیت

یک آتش می نشاند از چشمِ خونریز کہ سوئے دیگرش زد آتشِ تیز

[چشمِ خونبار سے ایک آگ کو بجھایا اور دوسری جانب سے تیز آگ بھڑکا دی] کیا کرے کہ اس کا مرض لادوا ہے اور اس کی بیماری شفا کے ناقابل ہے مابالذات لاینفك عن الذات [جو چیز ذات کے ساتھ ہے وہ ذات سے جدا نہیں ہوتی] کہاں تک طولِ کلام کرے اور (آپ کے) وقتِ شریف کو ضائع کرے۔ بیت

عمر بگذشت و حدیثِ دردِ ما آخر نشد ۔۔۔ شب بآخر شد کنوں کوتہ کنم افسانہ را

[تمام عمر گذر گئی اور ہمارے درد کی داستان ختم نہیں ہوئی، رات ختم ہوئی اس لئے اب افسانہ کو مختصر کرتا ہوں] والسلام علیکم وعلی من لدیکم [آپ پر اور آپ کے پاس والوں پر سلام ہو]۔

۶۶

مکتوب ۹

شیخ عبداللطیف لشکرخانی کی خدمت میں وعظ و نصیحت کے بارے میں تحریر فرمایا۔

الحمد للہ العلی الاعلیٰ کما یحب ربنا ویرضیٰ، والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ محمد المصطفٰے صاحب قاب قوسین او ادنیٰ وعلی آلہ واصحابہ البررۃ التقی [تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جو نہایت اعلیٰ شان والا ہے، ایسی تعریفیں جن کو ہمارا رب پسند فرماتا ہے اور ان سے راضی ہوتا ہے اور اس کے رسول حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم پر جن کی شان میں قرآن پاک میں قَابَ قَوْسَيْنِ أَوْ أَدْنَىٰ (دو کمانوں کا فاصلہ یا اس سے بھی کم) آیا ہے اور آپ کی آل و اصحاب پر جو نہایت نیک و متقی اور پاک ہیں درود و سلام ہو] پس میں تجھ کو رفیق اعلیٰ (اللہ تعالیٰ) اور ہدایت کی پیروی کی طرف دعوت دیتا ہوں، بیشک تجھے تیرے رب کی طرف ہی لوٹ کر جانا ہے اور تو جان لے کہ بلاشبہ اس شخص پر عذاب ہوگا جس نے جھوٹ بولا اور حق (تعالیٰ) سے روگردانی کی تو تجھ کو نفس و شیطان اور خواہشات کے ساتھ جنگ کرنی چاہیئے پس میں نے تم کو بھڑکتی ہوئی آگ سے ڈرا دیا جس میں وہی شخص داخل ہوگا جو بڑا بدبخت ہے، تجھ کو لازم ہے کہ پرہیزگاری اور تقویٰ اختیار کرے اور مسکینوں اور قرابت داروں پر خرچ کرے اور عنقریب اس متقی شخص کو اس (آگ) سے بچا لیا جائے گا جو کہ اپنا مال خرچ کرتا ہے تاکہ تزکیہ و پاکیزگی حاصل ہو۔ اور دنیا کی زینت کی طرف آنکھیں دراز نہ کر اور اس شخص کی طرف مائل بھی نہ ہو جو ظالم اور گمراہ ہے اور قبروں میں جانے اور بوسیدہ ہونے، اور جنت اور اس کی نعمتوں اور دوزخ اور اس کے عذاب کو مت بھول، اور رات کے وقت جبکہ وہ چھا جائے اور دن میں جبکہ وہ روشن ہو جائے غور و فکر کر، اور اللہ تعالیٰ کے حکموں کی تعمیل میں جلدی کر اور جن چیزوں سے اللہ تعالیٰ نے منع کر دیا ہے ان سے باز رہ، اور اس دن کی شفاعتِ کبریٰ کے لئے کوشش کر جبکہ کسی مرد و عورت کو مال و اولاد کچھ نفع نہ دیں گے۔ بیشک یہ باتیں اس شخص کے لئے نصیحت ہیں جو ڈرتا ہے، اور ایسے قلب سے جو ہدایت سے پھرا ہوا اور خواہشات میں پھنسا ہوا ہے اللہ تعالیٰ ہی کی طرف شکایت ہے، کیا وہ نہیں جانتا کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ دیکھتا ہے

اور اسی کی طرف لوٹ کر جاتا ہے اور بیشک وہ نہایت پوشیدہ اور چھپی ہوئی باتوں کو جانتا ہے۔ پس اس شخص کے لئے خوشخبری ہو جس نے پستی سے بلندی کی طرف متوجہ ہو کر ترقی کی اور راتوں کی تاریکیوں میں اپنے گناہوں پر رویا اور جان لیا کہ بیشک اللہ تعالیٰ ہی کی طرف پہنچنا ہے اور بلاشبہ وہ عرش پر تجلی افروز ہے، اور مخلوق میں اُس کی قدرت کی تاثیر کو دیکھ لیا اور یقین کر لیا کہ بیشک اللہ تعالیٰ ہی مالدار کرتا اور مفلس بناتا ہے اور ہنساتا اور رُلاتا ہے اور وہی مارتا اور زندہ کرتا ہے اس وقت وہ اپنے نفس سے فنا ہو گیا اور اپنے رب سے بقا حاصل کر لی پس وہ نہایت قوت والا ہو گیا کہ جس کی نگاہ کبھی نہ بہکی اور نہ اُس نے حد سے تجاوز کیا اور جس کو بہت بڑی مصیبت (قیامت) بھی غمگین نہیں کرے گی اور جس کو پورا پورا بدلہ دیا جائے گا۔ جس روز کہ انسان اپنے کئے کو یاد کرے گا اور بیشک اس روز اللہ تعالیٰ اس کو قرب و درجات عنایت فرمائے گا جبکہ دیکھنے والوں کے لئے دوزخ ظاہر کی جائے گی پس اس بلاء میں پرہیزگار لوگ رغبت کرتے ہیں اور اچھے لوگ محنت صرف کرتے ہیں۔ والسلام علی من اتبع الھدی والتزم متابعۃ المصطفٰی علیہ وعلٰی آلہ الصلوات العلی الی یوم الجزاء [اور اس پر سلامتی ہو جس نے ہدایت پر عمل کیا اور حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کو لازم پکڑا، اُن پر اور ان کی آل پر قیامت تک اعلیٰ درجہ کی رحمتیں ہوں]۔

۶۷

خواجہ دینار کے نام، سرورِ کائنات خیرِ مخلوقات علیہ وعلیٰ آلہ الصلوۃ والسلام کی نعت اور آپ کی اتباع پر ترغیب کے بارے میں تحریر فرمایا۔

الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفٰی [سب تعریف اللہ تعالیٰ کے لئے ہے اور اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو] دونوں جہان کی سعادت کی متاع سید کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی پر موقوف ہے، اگر دوزخ سے نجات مقصود ہے تو وہ بھی سید الابرار صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت سے وابستہ ہے اور اگر دار القرار یعنی جنت میں داخل ہونا ہے تو وہ بھی پیشوائے صالحین کے اتباع پر منحصر ہے اور اگر اللہ تعالیٰ کی رضا کا حاصل ہونا ہے تو وہ بھی رسولِ مختار صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کے ساتھ مشروط ہے، توبہ و زہد و توکل اور دنیا سے قطع تعلق کرنا آپ کی متابعت کے بغیر مقبول نہیں ہے، اور آپ کے توسل کے بغیر اذکار و افکار و اشواق و اذواق کی امید نہیں کی جا سکتی، انبیاء علیہم السلام آپ کے سرچشمہ آبِ حیات کے ایک پیالہ سے سیراب و مستفید ہیں اور اولیاء اللہ آپ کے بے پایاں سمندر کے ایک گھونٹ پر قانع اور

منتفع ہیں، فرشتے ان کے طفیلی اور آسمان ان کی حویلی ہے، وجود کا رشتہ ان کے ساتھ منسلک اور ایجاد کا سلسلہ ان کے ساتھ مربوط اور ربوبیت کا ظہور ان کے ساتھ وابستہ ہے، جملہ کائنات ان ہی کے پیچھے ہے اور کائنات کا بنانے والا (اللہ تعالیٰ) ان کی رضا کا طالب ہے جیسا کہ حدیث قدسی میں آیا ہے: انا اطلب رضاك یا محمدؐ [اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) میں تیری رضا چاہتا ہوں] بیت

نماند بعصیاں کسے در گرو کہ دارد چنیں سیدے پیش رو

[جس کا امام ایسا سردار ہو وہ شخص گناہوں کے بدلہ میں گروی نہ رہے گا] بیت

فان رسول اللہ نور یستضاء بہ مهند من سیوف اللہ مسلول

[پس بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک ایسا نور ہیں کہ جس سے روشنی حاصل کی جاتی ہے اور آپ اللہ تعالیٰ کی تلواروں میں سے میان سے نکلی ہوئی ایک ہندی (عمدہ) تلوار ہیں] صلوات اللہ تعالیٰ وتسلیماتہ وتحیاتہ سبحانہ علیہ وعلیٰ الہ وصحبہ کلما ذکرہ الذاکرون وکلما غفل عن ذکرہ الغافلون صلوۃ تکون لك رضاء ولحقہ اداء [اللہ تعالیٰ کی بے شمار رحمتیں اور سلامتیاں اور نوازشات آپ پر اور آپ کی آل و اصحاب پر ہوں جبتک کہ ذکر کرنے والے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے رہیں اور جبتک ذکر سے غافل لوگ اللہ تعالیٰ کے ذکر سے غافل رہیں ایسی رحمتیں جو اس کے لئے رضا کا باعث ہوں اور اس کے حق کی ادائیگی کا ذریعہ ہوں] پس سعادت مند جوانوں اور ہوشمند طالبوں پر لازم ہے کہ ظاہر و باطن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع میں کوشش کریں اور جو چیز اس دولت (اتباعِ رسول) کے منافی ہے اس سے ظاہر اور باطن کی آنکھ بند کر لیں اور یقینی طور پر جان لیں کہ اگر کوئی شخص ہزارہا فضائل و خوارق رکھتا ہو اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت میں سستی کرتا ہو تو اس شخص کی صحبت و محبت زہرِ قاتل ہے اور جو شخص کہ ان خوارق و فضائل میں سے کچھ بھی نہ رکھتا ہو اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع میں ثابت قدم ہو، اس کی صحبت و محبت نفع دینے والی تریاق ہے بیت

محال است سعدی کہ راہِ صفا تواں رفت جز در پے مصطفےٰ

[اے سعدی! حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کے بغیر پرہیزگاری کے راستہ پر چلنا محال ہے] علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات والبرکات العلیٰ۔

مکتوب ۱۱

۶۸

قلیج اللہ خاں کی خدمت میں اُن سوالوں کے جواب میں جو انھوں نے کئے تھے، اُن میں سے
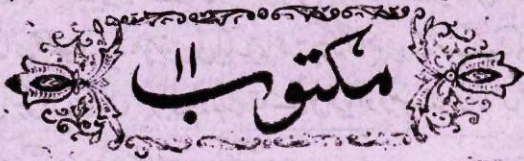
ایک[۱] سوال یہ تھا کہ سَبَقَتْ رَحْمَتِیْ غَضَبِیْ کے بموجب چاہئے کہ اہلِ رحمت اہلِ غضب سے زیادہ ہوں حالانکہ معاملہ اس کے برعکس ہے۔ دوسرا[۲] سوال یہ تھا کہ ایک مختصر عمر کا حساب پچاس ہزار سال میں لینا انصاف سے بعید معلوم ہوتا ہے۔ تیسرا[۳] سوال یہ تھا کہ جَفَّ الْقَلَمُ کے مقتضا کے مطابق اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کو مجبور ماننا پڑے گا۔ چوتھا[۴] سوال یہ تھا کہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے محبوب ہونے کے باوجود حیرت کی خواہش کیوں کی ہے۔ پانچواں[۵] سوال یہ تھا کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان یَا لَیْتَ رَبَّ مُحَمَّدٍ لَمْ یَخْلُقْ مُحَمَّدًا [اے کاش کہ محمدؐ کا رب محمدؐ کو پیدا ہی نہ کرتا] کس معنی میں ہے۔ چھٹا[۶] سوال یہ تھا کہ میت کی روح کو ثواب پہنچانے کے لئے تیسرے روز کھانا اور پھول دینے کی کوئی اصلیت ہے یا نہیں۔ ساتواں[۷] سوال یہ تھا کہ پیرزادوں کا وراثت کے طور پر اپنے باپ کی جگہ سجادہ نشین ہونا جائز ہے یا نہیں؟

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ الحمد للہ رب العٰلمین والصلوٰۃ والسلام علی سید المرسلین واٰلہ اجمعین۔ آپ کے گرامی نامے نے جو کہ چند سوالات اور دلکش اشعار پر مشتمل تھا مشرف کیا، اپنی ناقص سمجھ کے مطابق ہر سوال کے حل میں کچھ لکھا جاتا ہے اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ سلامت روی کی توفیق عطا فرمائے۔

پہلے[۱] سوال کا خلاصہ یہ ہے کہ سَبَقَتْ رَحْمَتِیْ غَضَبِیْ [میری رحمت میرے غضب پر سبقت رکھتی ہے] کا مقتضا یہ ہے کہ اہلِ رحمت (تعداد میں) اہلِ غضب سے زیادہ ہوں حالانکہ معاملہ اس کے برعکس ہے کیونکہ گنہگار انسانوں اور جنوں کی تعداد ان دونوں گروہ (انسانوں اور جنوں) کے نیکوں سے زیادہ ہے اور شرع کے مکلف یہی دو گروہ (انسان اور جن) ہیں، پس رحمت کا سبقت لے جانا کس طرح درست ہو سکتا ہے اور اس پر کیا اثر مرتب ہوتا ہے"؟ ــــــ جواب: دنیا میں اللہ تعالیٰ جل شانہٗ کی رحمت مومن و کافر دونوں کے شامل حال ہے اور آیۂ کریمہ وَرَحْمَتِیْ وَسِعَتْ کُلَّ شَیْءٍ[۱] [اور میری رحمت ہر چیز کو محیط ہے] اس معنی پر دلالت کرتی ہے۔ اور کل بروزِ قیامت اللہ تعالیٰ کی رحمت مومنوں کے ساتھ مخصوص ہوگی اور کافر اس سے محروم ہوں گے آیۂ کریمہ فَسَاَکْتُبُهَا لِلَّذِیْنَ یَتَّقُوْنَ وَیُؤْتُوْنَ الزَّکٰوۃَ[۲]، [پس میں وہ رحمت ان لوگوں کے لئے ضرور لکھوں گا جو مجھ سے ڈرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں] اس مضمون کی شاہد ہے، اور رحمت کا غضب پر سبقت رکھنا دنیا میں (مومن و کافر) سب کو شامل ہے اور آخرت میں مومنوں کے ساتھ مخصوص ہے، مومنوں کی ایک جماعت جو کہ گناہوں کے کسب کرنے کی وجہ سے غضبِ الٰہی کی مستحق ہو چکی ہوگی ان کو کمال مہربانی اور رحمت سے بخش دیا اور بہشت میں داخل کر دیا جائے گا۔

---
[۱] سورت اعراف آیت ۱۵۶۔ [۲] سورت ایضاً آیت ۱۵۶۔

ان کے بارے میں رحمتِ الٰہی غضبِ الٰہی پر سبقت کرے گی۔ اگر غضب پر رحمت کی سبقت نہ ہو تو ہم جیسے گنہگاروں کو دنیا و آخرت میں نجات کی کوئی امید نہ رہے، یہ سبقتِ رحمت ہی کی وجہ سے ہے کہ ہم اسقدر گناہوں کے بوجھ کے باوجود روئے زمین پر چل پھر رہے ہیں اور ہلاک نہیں ہوتے اور قسم قسم کی نعمتوں سے لذت اندوز ہیں اور کل قیامت کے روز نجات کے امیدوار ہیں۔ اور اگر ہم غضب پر سبقتِ رحمت کا مطلب ان لوگوں کی تعداد کے اعتبار سے لیں جن پر رحمت اور غضب ہو جیسا کہ سائل کا ذہن اس طرف گیا ہے، تو بھی درست ہے کیونکہ اہلِ رحمت (سے مراد) اہلِ طاعت انسان و جنّ و تمام فرشتے ہیں اور اہلِ غضب (سے مراد) کافر انسان اور جنّ ہیں اور اس میں کوئی شک نہیں کہ فرشتوں کی تعداد انسانوں اور جنّوں کی تعداد سے کئی گنا زیادہ ہے اور اہلِ رحمت کو اہلِ طاعت انسانوں اور جنّوں کے ساتھ مخصوص کرنا اور ملائکہ کرام کو ان میں شامل نہ کرنا کوئی معنی نہیں رکھتا کیونکہ یہ سب امرِ الٰہی کے ساتھ مامور اور اہلِ طاعت ہیں لَا یَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَاۤ اَمَرَهُمْ وَ یَفْعَلُوْنَ مَا یُؤْمَرُوْنَ [1] [اللہ تعالیٰ فرشتوں کو جو کچھ حکم دیتا ہے وہ اس کی نافرمانی نہیں کرتے اور جس چیز کا ان کو امر کیا جاتا ہے وہ اس کی تعمیل کرتے ہیں] اور جو کوئی بھی امرِ الٰہی کے ساتھ مامور ہے وہ مکلّفین میں سے ہے اور مکلّفین کا مطلب یہ لینا کہ اس کے افراد میں اہلِ طاعات اور گنہگار (دونوں) ہوں ناقابلِ تسلیم ہے اور اگر اس کو تسلیم بھی کر لیا جائے تب بھی اہلِ تکلیف کا ان دو نوع (انسان و جنّ) میں حصر (محدود ہونا) مسلّم نہیں ہے، بظاہر انسانوں اور جنّوں کے علاوہ مختلف اجناس سے اللہ تعالیٰ کے بہت سے بندے ہیں جن میں اہلِ طاعت بھی ہیں اور گنہگار بھی اور وہ اپنے اپنے عمل کی مناسبت سے عذاب و ثواب دیئے جائیں گے۔ جیسا کہ روایات میں آیا ہے اور اہلِ رحمت کی تعداد کا زیادہ ہونا ان کے اندازے کے مطابق ہوگا۔ وَمَا یَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّكَ اِلَّا هُوَ [2] [اور تیرے رب کے لشکروں کو اس کے سوا اور کوئی نہیں جانتا]

دوسرے سوال کا خلاصہ یہ ہوا کہ قیامت کا دن پچاس ہزار سال کا ہوگا جب تک وہ دن ختم نہ ہوگا کوئی نبی یا غیرِ نبی بہشت میں نہیں جائے گا، ایک مختصر دنیاوی زندگی کا حساب پچاس ہزار سال میں لینا یا مخصوص مؤمنوں کا حساب انصاف سے بعید معلوم ہوتا ہے ـــــــــــــــ

جواب: حساب تو بہت تھوڑی مدت میں ہو جائے گا۔ بدور السافرہ میں لکھا ہے کہ اس (قیامت کے) دن میں اعمال کے حساب کا فیصلہ ایک ساعت کی مقدار میں ہو جائے گا اور روایت کیا گیا ہے کہ حضورِ انور صلی اللہ علیہ وسلم سے مخلوق کے محاسبہ کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ جس طرح اُن کو دن کے ابتدائی حصہ میں رزق دیا جاتا ہے اسی طرح ایک ساعت میں اُن کا حساب کر لیا جائے گا، اور تفسیر قاضی بیضاوی

---

[1] سورت ٦٦ آیت ٦۔ [2] سورت ٧٤ آیت ٣١۔

میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد وَهُوَ أَسْرَعُ الْحَاسِبِينَ[1] کی تفسیر میں مذکور ہے کہ مخلوق کا حساب اتنی دیر میں کر لیا جائے گا جتنی دیر میں بکری کا دودھ دوہا (نکالا) جاتا ہے اور ایک شخص کا حساب دوسرے کے حساب سے مانع نہیں ہوگا اور قیامت کے دن کی اسقدر درازی حضرتِ مالک یوم الدین اللہ جل جلالہ کی عظمت و بزرگی وجاہ وجلال اور استغنا (بے نیازی) کی وجہ سے ہے، (بزرگوں کے دروازے پر انتظار کرنا ناگزیر ہے) اور یہ انتظار استغنا اور جاہ وجلال کے مطابق ہوگا، اس روز کی سختی وعذاب کی طرح جو کافروں اور فاسقوں کے ساتھ مخصوص ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وَكَانَ يَوْمًا عَلَى الْكَافِرِينَ عَسِيرًا[2] (اور وہ دن کافروں پر بہت ہی تنگی کا ہوگا) مقربانِ بارگاہِ الٰہی یعنی انبیاءِ کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام و اولیا و تمام اہلِ طاعت وتقویٰ اس (قیامت کے) روز اُس سختی اور عذاب سے محفوظ رہیں گے۔ لَا يَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْأَكْبَرُ وَتَتَلَقَّاهُمُ الْمَلَائِكَةُ[3] (ان کو (اس دن کی) بہت بڑی گھبراہٹ غمگین نہیں کرے گی اور اُن سے فرشتے ملاقات کریں گے) ان حضرات میں سے بعض عرش کے سایہ میں ہوں گے اور بعض نور کے منبروں پر جلوہ فگن ہوں گے اور بعض کرسیوں پر اور بعض مُشک کے چبوتروں پر اور بعض مسجدوں میں ہوں گے، یہ سب نیک لوگ آراستہ جگہوں میں قربِ الٰہی کی لذت سے لطف اندوز ہوں گے اور جنّت کے کھانوں کے خوان اور بہشت کے مشروبات کی صراحیاں ان کو پہنچیں گی جبکہ دوسرے لوگ سختی میں مبتلا ہوں گے اور بعض بہشت میں جائیں گے اور پھر میدان ہائے حشر میں آجائیں گے، اور بعض کے لئے وہ دن اسقدر شدت ودرازی کے باوجود فرض نماز کے وقت کی مقدار سے چھوٹا ہو جائے گا اور اگرچہ اہلِ طاعت کے لئے بھی اس روز ایسا وقت آسکتا ہے کہ جس میں وہ خوف زدہ ہو جائیں لیکن ہمیشہ کا خوف وہراس اور دائمی عذاب وسختی سرکش اور باغی لوگوں کے نصیب ہے، ابرار کا معاملہ جدا ہے میدان ہائے حشر یا برزخ یا بہشت میں جہاں کہیں بھی ہوں قرب کے درجات میں ہوں گے جو مصیبت بھی ہے وہ گنہگاروں کی جان پر ہے۔

اور یہ جو آپ نے لکھا ہے کہ جب تک وہ دن ختم نہیں ہو جائے گا بنی آدم میں سے کوئی شخص بھی خواہ وہ نبی ہو یا غیر نبی جنّت میں نہیں جائے گا، عجیب ہے۔ آپ نے یہ کہاں سے لکھا ہے؟ ظاہر قرآن اور ظاہر احادیث سے جو کچھ معلوم ہوتا ہے وہ اس کے خلاف ہے، قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: إِنَّ أَصْحَابَ الْجَنَّةِ الْيَوْمَ فِي شُغُلٍ فَاكِهُونَ[4] (بے شک اہلِ جنّت اس دن اپنے مشغلوں میں خوش دل ہوں گے) اور دیگر ارشاد ہے: أَصْحَابُ الْجَنَّةِ يَوْمَئِذٍ خَيْرٌ مُّسْتَقَرًّا وَأَحْسَنُ مَقِيلًا[5] (اہلِ جنّت کے لئے اس دن بہترین ٹھکانا ہوگا اور دوپہر کے لئے بہترین آرام گاہ ہوگی)۔ اور قاضی بیضاویؒ اس آیہ کریمہ کی

---

[1] سورۃ ۶ آیت ۶۲۔ [2] سورۃ ۲۵ آیت ۲۶ [3] سورۃ ۲۱ آیت ۱۰۳ [4] سورۃ ۳۶ آیت ۵۵ [5] سورۃ ۲۵ آیت ۲۴۔

تفسیر میں لکھتے ہیں" اور روایت کی گئی ہے کہ بلا شبہ اس دن کے نصف حصہ میں حساب سے فراغت ہو جائے گی پس اہلِ جنت جنت میں اور اہلِ دوزخ، دوزخ میں چلے جائیں گے" اور اس بارے میں احادیث بکثرت ہیں ان میں سے بعض ذکر کی جاتی ہیں: بدور السافرہ میں لکھا ہے کہ ابن مبارک و طبرانی و ابنِ حبان نے حضرت ابنِ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا قیامت کے روز تمام مخلوق کو جمع کیا جائے گا پس کہا جائے گا کہ اس امت کے فقراء کہاں ہیں؟ وہ کھڑے ہو جائیں گے تو اُن سے کہا جائے گا کہ تم نے کیا عمل کیا ہے؟ پس وہ کہیں گے "اے ہمارے رب! تو نے ہمیں آزمائش میں ڈالا تو ہم نے صبر کیا اور تو نے امور کا والی و مختار غیروں کو بنایا" پس اللہ تعالیٰ فرمائے گا تم نے سچ کہا تو وہ دوسرے لوگوں سے ایک زمانہ پہلے بہشت میں داخل کئے جائیں گے اور اہلِ مال و جاہ پر ابھی حساب کی شدت باقی رہے گی۔ صحابہؓ نے عرض کیا کہ اس دن مؤمنین کہاں ہوں گے؟ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا کہ اُن کے لئے نور کے منبر رکھے جائیں گے؟ اُن پر ابر سے سایہ کیا جائے گا اور یہ دن مؤمنوں پر کسی ضیافت کے دن کی ایک ساعت سے بھی چھوٹا ہو گا۔ اور ابن جریر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سعید الصواف سے روایت کی ہے انہوں نے کہا کہ مجھ کو یہ روایت پہنچی ہے کہ بیشک قیامت کا دن مؤمنین پر چھوٹا کر دیا جائے گا اتنا کہ عصر و مغرب کے درمیانی وقفہ کی مانند ہو گا اور وہ جنت کے باغات میں قیلولہ کریں گے یہاں تک کہ لوگ حساب سے فارغ ہو جائیں پس اللہ تعالیٰ کے فرمان اَصۡحٰبُ الۡجَنَّۃِ یَوۡمَئِذٍ خَیۡرٌ مُّسۡتَقَرًّا وَّ اَحۡسَنُ مَقِیۡلًا [۱] (اہلِ جنت کے لئے اس دن بہترین ٹھکانا ہو گا اور دوپہر کے لئے بہترین آرامگاہ ہو گی) کا یہی مطلب ہے۔ اور قیامت کا دن پچاس ہزار سال کا ہونا ہو سکتا ہے کہ کافروں پر اُس دن کی شدت کی وجہ سے ہو۔ قاضی بیضاویؒ نے اللہ تعالیٰ کے قول فِیۡ یَوۡمٍ کَانَ مِقۡدَارُہٗ خَمۡسِیۡنَ اَلۡفَ سَنَۃٍ [۲] الآیہ کی تفسیر میں کہا ہے کہ اس دن کی درازی یا تو کفار پر اس دن کی شدت کی وجہ سے ہے یا اس دن میں حالات و محاسبات کی کثرت کی وجہ سے ہے یا یہ کہ وہ حقیقت میں ایسا ہی ہے، اور تفسیر الکواشی میں ہے کہ اس دن کی مقدار کافروں پر اس دن کی شدت کی وجہ سے پچاس ہزار سال ہو گی اور وہ مقدار مؤمن پر فرض نماز کے وقت کے برابر ہو گی اور اسی تفسیر (الکواشی) میں اللہ تعالیٰ کے ارشاد فِیۡ یَوۡمٍ کَانَ مِقۡدَارُہٗۤ اَلۡفَ سَنَۃٍ مِّمَّا تَعُدُّوۡنَ [۳] (ایک دن میں جس کی مقدار تمہارے شمار کے مطابق ایک ہزار سال ہے) کی تفسیر میں مذکور ہے کہ یا اس کے معنی یہ ہیں کہ (مخلوق کے) تمام اعمال اور منصوبے قیامت کے دن اس کی طرف لوٹیں گے اور اس دن کی مقدار

۱؎ سورۃ ۲۵ آیت ۲۴۔ ۲؎ سورۃ ۷۰ آیت ۴ ۳؎ سورۃ ۳۲ آیت ۵۔

(تمہارے شمار کے مطابق) ایک ہزار سال کے برابر ہوگی۔" پس اس بنا پر پچاس ہزار سالی کے برابر ہونے کے معنی یہ ہیں کہ یہ دن کافروں پر بہت سخت ہوگا یہاں تک کہ پچاس ہزار سال طویل ہوگا اور مؤمنوں پر آسان ہوگا حتی کہ فرض نماز ادا کرنے کے وقت کی برابر ہوگا۔ اور بدور السافرہ میں ہے کہ احمد وابو یعلیٰ و ابن حبان اور بیہقی نے سندِ حسن کے ساتھ ابو سعید سے روایت کیا ہے انھوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اُس دن کے بارے میں دریافت کیا گیا جس کی مقدار پچاس ہزار سال ہے کہ یہ دن کتنا طویل ہوگا؟ آپ نے فرمایا "اُس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے کہ یہ دن مؤمن پر سہل ہوگا حتی کہ اس فرض نماز سے بھی سہل ہوگا جو وہ دنیا میں پڑھتا ہے۔" اور ایک روایت میں ہے کہ مؤمنین پر ظہر و عصر کے درمیانی وقفہ کی برابر ہوگا۔
اور اگر (اعتراض کو) تسلیم بھی کر لیا جائے تو ہم کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی نسبت سے کوئی چیز انصاف کے خلاف اور ظلم نہیں ہے اگر وہ تمام مخلوق کو دوزخ میں بھیجدے تو یہ کوئی ظلم نہیں ہوگا کیونکہ یہ اپنی مِلک و مُلک میں اس کا تصرف ہے کسی دوسرے کی مِلک میں اس کی اجازت کے بغیر تصرف کرنا ظلم ہے اور وہ (اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ مطلق طور پر تمام کائنات کا مالک ہے وہ اپنی ملکیت میں جس طرح چاہتا ہے تصرف کرتا ہے اُس سے اس کے کسی فعل کے بارے میں کوئی سوال نہیں کیا جا سکتا اور لوگوں سے ان کے افعال کے بارے میں پوچھا جائے گا۔

تیسرے[۳] سوال کا خلاصہ یہ ہے کہ حدیث شریف جفّ القلم بما ھو کائن [قلم ہر ہونے والی چیز کو لکھ کر خشک ہو گیا] کے مطابق یہ ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ اپنے مقدّر کئے ہوئے امور پر مجبور ہوا پس اس طرح کام معطل ہو جائے گا اور نیز کُلَّ یَوْمٍ ھُوَ فِیْ شَاْنٍ[۱] (ہر دن وہ ایک نئی شان میں ہے) وَیَمْحُو اللّٰہُ مَا یَشَآءُ وَیُثْبِتُ[۲] [اللہ تعالیٰ جس حکم کو چاہتا ہے مٹاتا ہے اور جسے چاہتا ہے ثابت رکھتا ہے] کے پھر کیا معنی ہوں گے؟ ———— (جواب) جاننا چاہیے کہ حق تعالیٰ نے ازل میں مقدر فرما دیا ہے کہ میں اپنے ارادہ و اختیار سے مختلف اوقات میں ایسا ایسا کروں گا۔ تقدیر ازلی کے مطابق حق تعالیٰ ہمیشہ اپنے اختیار کے ساتھ کام میں ہے اور بیکار نہیں ہے اور اس پر کوئی جبر نہیں ہے، یہ تقدیرِ ازلی کہ اپنے اختیار سے کروں گا اختیار کی تائید کرنے والی ہے اس کے منافی نہیں ہے اور جس کتاب میں محو و اثبات (مٹانا اور ثابت رکھنا) ہوتا ہے وہ لوحِ محفوظ ہے اور اس کا محو و اثبات بھی ازل ہی میں مقدر ہو چکا ہے اور قلم خشک ہو چکا ہے۔ اور یہ جو آپ نے لکھا ہے وَعِنْدَہٗ عِلْمُ الْکِتٰبِ [اسی کے پاس کتاب کا علم ہے] اعتراض کی بنیاد اِس آیتِ مبارکہ پر رکھنا غلطی ہے

[۱] سورت ۵۵ آیت ۲۹۔ [۲] سورت ۱۳ آیت ۳۹

قرآن مجید میں وَعِنْدَهٗ اُمُّ الْكِتٰبِ [اور اسی کے پاس اُم الکتاب ہے]۔ یا ہم یہ کہتے ہیں کہ قلم کا خشک ہونا ہمارے اعتبار سے ہے کیونکہ ہم زمانہ (وقت) کے گرفتار ہیں اور حق تعالیٰ کہ جس پر زمانہ جاری نہیں ہے ماضی و مستقبل و ازل و ابد اس تعالیٰ شانہ کے نزدیک آنِ واحد ہے پس تقدیر و خلق ایک ہی آن میں واقع ہے مقدم و مؤخر ہونے کی اس بارگاہ میں گنجایش نہیں ہے۔

سورۃ ۱۳ آیت ۳۹

چوتھے سوال کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت سردارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مقامِ محبوبیت حاصل ہونے کے باوجود مقامِ حیرت کی آرزو کیوں کی ہے جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: ربِّ زِدنی تحیرًا فیک [اے میرے رب اپنے بارے میں میرا تحیّر زیادہ کر دیجئے] ——

(جواب) جاننا چاہئے کہ حیرت معرفت سے کنایہ ہے اعرفھم باللّٰہ اشدّھم تحیرًا فیہ [اللہ تعالیٰ کی سب سے زیادہ معرفت والا اس کے بارے میں سب سے زیادہ تحیّر والا ہوگا] پس زیادتی تحیّر کا سوال کرنا زیادتی معرفت کا سوال کرنا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی معرفت کی کوئی انتہا نہیں ہے۔ محبین و محبوبین سب ہی معرفت کی زیادتی کے طالب ہیں۔ یا ہم یہ کہتے ہیں کہ اگر اس بات کو تسلیم کر لیا جائے کہ معرفت کا حق ادا ہو سکتا ہے اور معرفت کی کوئی انتہا ہے، تو ہو سکتا ہے کہ (زیادتی تحیّر کے) اس سوال کے بعد کمالِ معرفت کے ایسے درجے پر پہنچے ہوں جس کے اوپر اور کسی درجے کا تصور نہیں کیا جا سکتا، یا یہ دعا امت کی تعلیم کے لئے ہو۔

پانچویں سوال کا جواب: میرے مخدوم! کمالِ محبت کا مقتضا محب و محبوب کے درمیان سے دوئی کا دور ہو جانا اور بشریت و امکان اور ان دونوں کے احکام سے پوری طرح آزاد ہو جانا ہے کیونکہ جسقدر امکان و بشریت ممکن میں باقی ہے اسی قدر وہ مطلوب کے لئے حجاب ہے اور دوئی سے خالی اور دور ہونا ممکن نہیں ہے چنانچہ شیخ عطارؒ نے فرمایا ہے بیت

نمی بینی کہ شاہے چوں پیمبر نیافت او فقر کل تو رنج کم بر

[کیا تو نہیں دیکھتا کہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام جیسی عظیم ہستی کو کامل فقر (انقطاعِ کلّی) ...... حاصل نہیں ہوا (اس لئے) تو بھی رنجیدہ نہ ہو] اسی بنا پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہوگا: یَا لَیْتَ رَبَّ مُحَمَّدٍ لَمْ یَخْلُقْ مُحَمَّدًا [کاش کہ محمد کا رب محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو پیدا نہ کرتا] اور نیز فرمایا لا احصی ثناء علیك انت کما اثنیت علی نفسك [میں تیری ثنا کا احاطہ نہیں کر سکتا تو ویسا ہی ہے جیسا کہ تو نے اپنی تعریف خود کی ہے] اس لئے کہ جسقدر ممکن میں امکان باقی ہے واجب لذاتہ کی کماحقہ ثنا کرنے سے عاجز ہے اور چونکہ معروف میں فنا ہونا ہی معرفت ہے پس

معرفت کا حق حاصل نہیں ہوگا چونکہ فنا کا کمال دوئی کا دور ہو جانا ہے جو کہ وجوبِ ذاتی کو مستلزم ہے اسی لئے (حدیث شریف میں) مَاعَرَفْنَاكَ حَقَّ مَعْرِفَتِكَ [ہم نے تجھ کو نہیں پہچانا جیسا کہ تیرے پہچاننے کا حق ہے] وارد ہوا ہے۔ یا ہم یہ کہتے ہیں کہ اس حدیث کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہونے میں کلام ہے اور (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا) كَلِّمِيْنِيْ يَا حُمَيْرَاءُ [اے عائشہ! مجھ سے بات کر] فرمانا کسی قوی کیفیت کے ورود کے وقت ہے، کیونکہ وجود اس کے برداشت کرنے کی طاقت نہیں رکھتا اور اس وقت چاہتا ہے کہ اپنے آپ کو دوسرے امور میں مشغول رکھے تاکہ اس بار سے کچھ دیر کے لئے ہلکا ہو جائے اور تباہی و بربادی میں نہ پڑ جائے۔ حضرت مولوی رومی فرماتے ہیں۔ بیت

این تکلفہائے من در شعرِ من ... کلمینی یا حمیرائے من است

[میرے اشعار میں جو میرے تکلفات ہیں یہ میرے لئے کلمینی یا حمیرا کا مصداق ہیں]

منقول ہے کہ حضرت عبداللہ اصطخریؒ سگ بانوں کے ہمراہ سیر و تفریح کے لئے صحرا میں جاتے تھے تاکہ کچھ دیر اپنے وجود کے بار سے آرام حاصل کر لیں۔

چھٹے سوال کا حاصل یہ ہے کہ میت کی روح کو (ثواب) پہنچانے کے لئے تیسرے یا دسویں روز کھانا کھلانا اور تیسرے روز پھول دینا کہاں سے ثابت ہے ——— (جواب) میرے مخدوم! کسی رسم اور ریا (دکھاوا) کے بغیر اللہ تعالیٰ کے لئے کھانا کھلانا اور اس کا ثواب میت کو بخشنا بہت اچھی بات اور بڑی عبادت ہے لیکن وقت معین کرنے کی کوئی قابلِ اعتماد اصل ظاہر نہیں ہوتی اور تیسرے روز (مردوں) کو پھول دینا بدعت ہے البتہ عورتوں میں سوگ کو دور کرنے کے لئے تیسرے روز کوئی خوشبو لانا روایتوں میں آیا ہے کیونکہ میت کی منکوحہ کے علاوہ باقی رشتہ داروں میں سے کسی کو تین دن سے زیادہ سوگ کرنا شرعاً جائز نہیں ہے پس تیسرے روز خوشبو لائیں تاکہ میت کی منکوحہ کے علاوہ باقی عورتیں سوگ ختم کریں۔

ساتویں سوال کا خلاصہ یہ ہے کہ "آپ نے اُن پیرزادوں کے بارے میں پوچھا ہے جو وراثت کے طور پر باپ کی جگہ سجادہ نشین ہو جاتے ہیں اور لوگوں کو مرید کرتے ہیں" ———

(جواب) میرے مخدوم! ایسے باپ کی جانشینی کے لئے جو کہ مقتدا (پیر) ہو معنوی وراثت ہونی چاہئے جو کہ معنوی ولادت سے وابستہ ہے جس سے مراد باپ کے کمالات کے ساتھ متحقق ہونا ہے۔ ظاہری ولادت کا نتیجہ ظاہری وراثت ہے جو کہ باپ کے مال و متاع کا حاصل کرنا ہے نہ کہ معنوی وراثت کا حاصل کرنا جو کہ ارشاد و تکمیل ہے پس محض ولادتِ صوری کی وجہ سے ولادتِ معنوی میں دخل دینا خطرناک ہے،

رسمی پیری و مریدی سے کوئی کام نہیں بنتا۔ اور آپ نے لڑکے (نابالغ) کے بارے میں جو سوال کیا تھا (اس کا جواب یہ ہے کہ) اگر کوئی کامل اپنی فراستِ باطنی سے یہ معلوم کرلے کہ اس بچے سے بالغ ہونے کے بعد اس معاملہ کا انتظام ہوجائے گا اور وہ معنوی وراثت حاصل کرلے گا اور لوگوں کو اُس سے بیعت کرادے اور اس بچے کو اپنا جانشین بنادے تو گنجایش ہے، والسلام علیکم [اور آپ پر سلامتی ہو]۔

مکتوب ۱۲

خواجہ مومن جذبی کے نام فنا و عدم اور وجودِ فنا و وجودِ عدم کی تحقیق اور ان کے درمیان فرق کے بارے میں تحریر فرمایا۔

حمد و صلوٰۃ اور تبلیغِ دعوات کے بعد کمالات انتساب خواجہ محمد مومن جذبی کی خدمت میں عرض ہے کہ آپ کے مکتوب گرامی کے مطالعہ سے شاداں و مسرور ہوا، اُس میں درج تھا کہ حضرت صاحبزادہ کلاں نے مجھ کو ایک بشارت لکھی ہے تو بھی اس بارے میں متوجہ ہو کر کچھ تحریر کر۔ میرے مخدوم! جس بارے میں کہ انھوں نے تحریر فرمایا ہے اس امر میں کسی دوسرے کو لکھنے یا توجہ کرنے کی کیا ضرورت ہے، جو شخص کہ قطب الاقطاب (حضرت مجدد الفِ ثانی) قدس اللہ سبحانہ بسرہ الاقدس کی خدمت و صحبت میں صدقِ دل سے پہنچا ہے، اس قسم کا امر اور دوسرے امور جو کہ آپ نے لکھے اور ان کے صحیح و غیر صحیح ہونے کے بارے میں دریافت فرمایا ہے اس کے حق میں کیا بعید ہیں، آپ خود بھی حضرت عالی (مجدد الفِ ثانی قدس سرہ) کے مقبولین میں سے ہیں آپ کے بارے میں اس سے بھی زیادہ کی توقع کی جاتی ہے، ہمت کو بلند رکھیں اور اوقات کو (اذکار و اشغالِ سلسلہ سے) آباد رکھیں، جن بعض چیزوں کے متعلق آج پردہ نہیں اٹھایا گیا ہے امید ہے کہ کل کو اُن کے چہرہ سے پردہ اُٹھا دیا جائے، کثرتِ قبض کے باعث دل تنگ نہ ہوں بطریق کمال بسط و لقا (مشاہدہ) کا مقام آگے آنے والا ہے، امیدوار رہیں فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا [پس بیشک تنگی کے ساتھ کشادگی ہے بیشک تنگی کے ساتھ کشادگی ہے] حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں ایک تنگی دو آسانیوں پر ہرگز غالب نہیں ہوگی۔

اِن دنوں فنا و عدم کے معنی کی تحقیق اور دونوں میں فرق کے بارے میں ایک توضیح تحریر کی گئی تھی جس کا جاننا اِس راستہ کے طالب کے لئے ضروری ہے، چونکہ وہ آپ کے مطلب کے ساتھ ایک طرح کی مناسبت رکھتی ہے (اسی لئے) اُس کو بھی اس مکتوب میں درج کردیا ہے غور سے سنیں:۔

عدم جو اس سلسلۂ عالیہ کے اکابر کی عبارتوں میں آتا رہتا ہے اس سے مراد یہ ہے کہ جو اسمِ الٰہی جل سلطانہٗ عارف کا مبدأ تعین ہے اس اسمِ الٰہی کی ہستی کا پردوں کے پیچھے سے سالک کی قوتِ مدرکہ پر جذب و محبت کی راہ سے اس طرح وارد ہوتا ہے کہ سالک کی ہستی اُس کے پہلو میں چھپ جائے اور سالک اپنے آپ کو اور اپنی صفات کو گم کردے اور نہ پائے۔ اور وجودِ عدم سے مراد اُس ہستی (اسمِ الٰہی) کے ساتھ متحقق ہونا ہے یعنی (وجودِ عدم سے مراد) وہ وجود اور بقا ہے جو کہ عدم پر مترتب ہے اور یہ بھی احتمال ہے کہ وجودِ عدم سے مراد حالتِ عدمیہ کے ساتھ متحقق ہونا ہو، یعنی سالک میں صفتِ عدم کا پیدا ہونا اور یہ عدم اور وجودِ عدم پہلے معنیٰ کے لحاظ سے جذبہ کی جہت میں فنا و بقا ہے اس ظہور کو دوام نہیں ہے پس جو فنا و بقا اس پر مترتب ہوگی وہ بھی دائمی نہیں ہوگی اور وجودِ بشریت کی طرف عود کرنے سے محفوظ نہ ہوگی جبتک وہ ظہور قائم (ہو رہا) ہے سالک کی ہستی پوشیدہ ہے اور جب وہ ظہور پوشیدہ ہو جائے گا، بشریت کا وجود لوٹ آئے گا۔ فنائے حقیقی سے مراد عارف پر مطلوب کی ہستی کا غالب آنا ہے کہ عارف اپنے اخلاق و اوصاف کو مطلوب کے اخلاق و اوصاف کا پرتو پائے یہانتک کہ اپنے سب اخلاق و اوصاف کو اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ کی پاک بارگاہ میں پوری طرح حوالہ کردے اور ہر قسم کے انتسابات سے خالی ہو جائے اور کوئی نسبت بھی اس کی طرف راہ نہ پائے۔ وجودِ فنا اُس بقا سے عبارت ہے جو اس فنا پر مرتب ہوتی ہے اور (سالک) ولادتِ ثانیہ کے ساتھ وہبی وجود سے موجود ہو جاتا ہے، اس فنا اور بقا کے لئے دوام لازم ہے اور وجودِ بشریت کی طرف عود کرنے سے محفوظ ہے۔ پہلی صورت میں سالک کا پوشیدہ ہو جانا ہے اور دوسری صورت میں سالک کا نفی ہونا ہے اور ان دونوں میں بہت زیادہ فرق ہے اس لئے کہ چھپی ہوئی چیز کبھی کبھی ظاہر ہو جاتی اور عود کر آتی ہے اور جو چیز زائل ہو گئی وہ عود نہیں کرتی، پہلی قسم کی فنا مقصود نہیں اور ولایت اس سے وابستہ نہیں ہے اور دوسری قسم کی فنا مقصود ہے اور ولایت اس کے ساتھ مشروط ہے، بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ طالب پہلی قسم کی فنا کو دوسری قسم کی فنا کے ساتھ خلط ملط کر دیتا ہے اور خود کو وجودِ عدم کے ساتھ حقیقی فانی تصور کرتا اور کامل جانتا ہے اور اس کو اُس فرق کی طرف ہدایت حاصل نہیں ہوتی اور یہ مقام بھی منجملہ ان مقامات کے ہے جن میں سالک کا قدم ڈگمگا جاتا ہے، اس حالت میں اللہ تعالیٰ جل سلطانہٗ کی عنایت سے ایسا پیر کامل و مکمل ہونا چاہئے جو کہ جذبہ و سلوک دونوں طریقوں سے تربیت پا کر (اس راستہ کی) انتہا تک پہنچا ہوا ہو تاکہ اس بیچارے بے دست و پا کو اس گرداب سے نجات دلائے اور اس کے نقص کی نشاندہی کرے اور فنائے حقیقی کی طرف رہنمائی کرے۔

ص۷۵

اگر کہیں کہ جب مطلوب کی ہستی کا ظہور دونوں صورتوں میں ہوتا ہے تو پھر ایک صورت کو

دوام کیوں ہو گا اور دوسری صورت کو دوام کیوں نہیں ہو گا اور ایک صورت عارف سے انتسابات کا ازالہ اور ولایت کا اثبات کیوں کرتی ہے اور دوسری صورت ایسا کیوں نہیں کرتی؟ (اس کے جواب میں) ہم کہتے ہیں کہ پہلی صورت میں جس کو کہ عدم سے تعبیر کرتے ہیں طالب ابھی تک مطلوب سے واصل نہیں ہوا اور چونکہ اس کا جذبہ سلوک میں ضم نہیں ہوا اور اس نے مقامِ قلب سے ترقی نہیں کی اور قلب کے مقلّب (اللہ تعالیٰ) کے ساتھ واصل نہیں ہوا (اس لئے) وہ حجابات درمیان میں رکھتا ہے لیکن جذبہ و محبت کے راستہ سے اندراج النہایت فی البدایت (ابتدا کے انتہا میں درج ہونے) کے طریق پر مطلوب کا پرتو پردوں کے پیچھے سے اس کے باطن پر چمکتا ہے اور اس کو اپنے آپ سے بے خود کر دیتا ہے اور چونکہ پردے درمیان میں ہیں اس لئے یہ فنائیت دوام قبول نہیں کرتی اور وجودِ بشریت کی طرف عود کرنے سے محفوظ نہیں ہوتی، اور ظہور پردے کے اندر ہوتا ہے۔ اور نیز چونکہ ظاہر مطلوب کے ظلال میں سے ایک ظل اور اس کے نمونوں میں سے ایک نمونہ ہے نہ کہ عینِ مطلوب، اور ظل و نمونہ کو اس قدر قوت نہیں ہے کہ سالک کے اوصاف و انتسابات کو سلب کر سکے اور فنائے حقیقی تک پہنچا سکے پس سالک اس وقت میں اپنے اوصاف و منتسبات سے باہر نہیں ہوتا اور حقیقی فنا تک نہیں پہنچا، اور ولایت چونکہ جذبہ و سلوک کے مجموعہ کے ساتھ وابستہ ہے نہ کہ محض جذبہ کے ساتھ، اس لئے ولایت کا نام اس پر صادق نہیں آتا اور دوسری صورت میں عارف قلب کے مقام سے نکل کر مقلّبِ قلب (حق تعالیٰ) کے ساتھ جا ملتا ہے اور جذبہ و سلوک کے کام کو انجام تک پہنچا کر مقصود کو بے حجاب اپنی آغوش میں کھینچ لیتا ہے لازمی طور پر ۴۷ اس کے حق میں ظہور دائمی ہے اور عودِ مذکور سے محفوظ ہے کیونکہ کوئی پردہ درمیان میں نہیں رہا ہے کہ جس سے محجوب ہونا متصور ہوتا اور چونکہ وہ وجود و کمالات جو ممکن کے ساتھ منسوب ہیں مطلوب کے وجود و کمالات کے ظلال ہیں کہ جن کو ممکن نے مطلوب سے غیبت (پوشیدگی) کے وقت اپنے کمالات سمجھ لیا تھا اور امانت میں خیانت کی تھی اس لئے برابری کا دعویٰ ظاہر کیا تھا اور اصل کے ظہور کے وقت ظل کو محو اور لاشئے ہونے اور اصل کے ساتھ مل جانے کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے (اس لئے) عارف بھی اس وقت ظلال کو اصل کے حوالہ کر کے اور تمام انتسابات سے خالی ہو کر صحرائے عدم کی طرف اپنا سامان لے جائے گا اور حقیقی فنا سے مشرف ہو کر اس فنا و بقا کے ساتھ جو اس پر مترتب ہوتی ہے ولایت کا نام اپنے اوپر درست کرے گا اور یہ عاریتی دید اور اصل کے سپرد کرنا تجلّیٔ صفات سے تعلق رکھتا ہے اور اس کا کمال تجلّیٔ ذات کے ساتھ وابستہ ہے کیونکہ ہر مقام کی تکمیل اس مقام سے گذر جانے پر موقوف ہے۔

مکتوب ۱۳

حافظ محمد شریف کے نام، مطلوب (حق تعالیٰ) کی عظمت اور اسم مبارک اللہ کی بزرگی کے بارے میں تحریر فرمایا۔

حضرتِ حق سبحانہ وتعالیٰ آپ کو کمال کے اعلیٰ مرتبہ پر فائز فرمائے۔ اے شفقت آثار! مطلوبِ حقیقی چونکہ تصور وفہم سے بالاتر ہے اور فکر وعقل سے ماوراء ہے، اس مقدس بارگاہ میں معرفت، عدم معرفت ہے اور علم، جہل ہے۔ جب وہ جلوہ فرماتا ہے بیچارہ طالب عدم کا رُخ کرتا ہے بیت

گیرم کہ بغمخانۂ ما یار خرامد　　کو حوصلۂ وطاقتِ دیدار کہ دارد

[میں مانتا ہوں کہ ہمارے غمخانۂ دل میں محبوب خوش خرام ہے لیکن اس کے دیدار کا حوصلہ وطاقت کس کو ہے] پس اس کا طالب سوائے اس کے کہ ہجر کے ساتھ قرار پکڑے اور ناامیدی سے آرام حاصل کرے اور کوئی چارہ نہیں رکھتا، بیت

عاشقاں را نصیب از معشوق　　جُز خرابی وجاں گدازی نیست

[عاشقوں کو معشوق سے سوائے خرابی اور جان کو پگھلانے کے اور کچھ نصیب نہیں ہے] اور وجودِ موہوب کے بعد اگر اس کو علم وشعور میں واپس لے آئیں تو وہ مطلوب کو اپنی استعداد اور یافت کے مطابق پائے گا اور اپنے حوصلہ وطاقت سے زیادہ بھاگ دوڑ نہیں کرے گا کیونکہ مقید اگرچہ اپنے گمان میں تمام قیود سے آزاد ہو جائے وہ پوری طرح آزاد نہیں ہو سکتا پس نایافت (نارسائی) ہر وقت اس کی دامنگیر ہے اور ناامیدی ہمیشہ اُس کا نقدِ وقت ہے، بیت

ہمہ بر صبحِ وصل جویاں من وشامِ ناامیدی　　کہ سیاہ بختِ ہجرم شبِ من سحر ندارد

[تمام لوگ وصل کی صبح کو ڈھونڈتے ہیں (لیکن) میں ہوں اور شامِ ناامیدی ہے کیونکہ میں ہجر کا مارا ہوا سیاہ بخت ہوں (اس لئے) میری رات کی صبح نہیں ہوتی]۔ دردمند عاشق کے لئے آرام نہیں ہے اور وہ کسی قسم کا بھی قرار نہیں رکھتا اور دُوری کی آگ سے اس کا سینہ ہمیشہ جلتا رہتا ہے اور وہ جدائی کے غم سے ہمیشہ زخمی جگر رہتا ہے۔ جب محبوبوں کے سردار سرورِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم دائمی حزن اور متواتر فکر کے ساتھ موصوف ہوں پھر دوسروں کا تو ذکر ہی کیا ہے، اور ظلال واعتبارات کے ساتھ آرام حاصل کرنا اُس پاک ذات کے ساتھ آرام حاصل کرنا نہیں ہے، ذات سے محبت کرنے والا اس (ظلال واعتبارات) کے ساتھ خوش نہیں ہوتا۔

اور اُس ذات (جل سلطانہ) کا بزرگ نام لفظِ مبارک "اللہ" ہے گویا کہ یہ اپنے مسمّٰی کے عدم دریافت (نہ پانے) کی نشاندہی کرتا ہے، معرفہ کا لام چونکہ اللہ کے لام کے ساتھ مل کر اُس میں مدغم اور لاشئے ہو گیا ہے

اور وہی اللہ کا لام باقی رہ گیا ہے شاید کہ اس ضمن میں اس طرف اشارہ ہے کہ جب معرفت اس پاک ذات (جل شانہ) کے ساتھ منتہی ہوجاتی ہے اور فانی و مستہلک ہوجاتی ہے تو معروف (حق تعالی) کے سوا بغیر کمی و بیشی کے کچھ باقی نہیں رہتا اور جب معرفت نہ رہی تو عارف بھی عدم سے جاملا کیونکہ علم کو عالم کے ساتھ اتحاد ہے، اس اسم مبارک (اللہ) کی عظمت ہی سے ہے کہ اکابر علما اس میں حیران و متحیر رہ گئے اور اس کی کنہ (حقیقت) تک نہیں پہنچ سکے تو اس کے مسمی کی کنہ تک کس طرح پہنچ سکتے ہیں۔ مصرع

چو نام این ست نام آور چہ باشد

[جب نام یہ ہے تو نام والا کیسا ہوگا] ایک جماعت کہتی ہے کہ یہ اسم (اللہ) سریانی (زبان کا لفظ) ہے اور ایک دوسری جماعت اس پر ہے کہ یہ عربی نام ہے اور اس کے عربی لفظ ہونے کی صورت میں بعض کے نزدیک یہ لفظ جامد ہے اور بعض کہتے ہیں کہ مشتق ہے اور اگر مشتق ہے تو یہ تحقیق کے ساتھ معلوم نہیں ہے کہ اس کا مادہ اَلَہَ لام کی فتح (زبر) سے ہے جو کہ عَبَدَ کے معنی میں ہے یا اَلِہَ لام کی کسرہ (زیر) سے ہے جس کے معنی تحیّر کے ہیں یا اَلِھتُ اِلٰی فُلَانٍ سے ہے، ای سکنتُ الیہ [مجھے فلاں شخص سے سکون حاصل ہوا] یا اَلِہَ سے جبکہ وہ کسی ایسے امر سے ڈرا جو اس کو پیش آیا، یا اَلِہَ الفَصِیلُ سے ہے اِذَا وُلِعَ بِاُمِّہٖ [یعنی اونٹنی کا بچہ جو اپنی ماں سے جدا ہوگیا ہے جبکہ وہ اپنی ماں کا والہ و شیفتہ ہو جائے] یا وَلَہَ سے جبکہ متحیر اور مخبوط (بدحواس) ہوا مشتق ہے اور ایک جماعت کہتی ہے کہ اس کی اصل لاہ ہے مصدر لَاہَ یَلِیْہِ لَیْھًا، جبکہ وہ پوشیدہ اور مرتفع (دور) ہوجائے اور بعض علما اس پر ہیں کہ یہ اسم عَلَمِ ذات ہے اور بعض اس پر ہیں کہ اصل میں یہ صفت ہے جو ذات تعالی پر غالب آگئی ہے اور اسم عَلَم کا حکم اختیار کرلیا ہے جیسا کہ الثریا۔ مختصر یہ ہے کہ اس (اسم) کی بزرگی اور اس کی حقیقت کو نہ پانا اس کے مسمّٰی کی بزرگی اور اس کی عدم یافت کی دلیل ہے۔ بیت

اللہ چہ لفظ یا چہ نام است کو ورد زبانِ خاص و عام ست

[اللہ کیا (اچھا) لفظ یا کیسا (اچھا) نام ہے کہ یہ ہر خاص و عام کے وردِ زبان ہے]
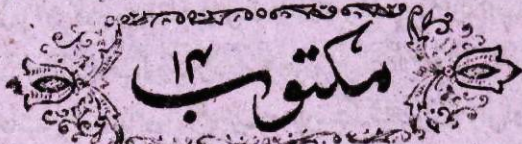
بعض نصیحتوں کے بارے میں جو کہ اس راستہ کے طالب کے لئے لازمی ہیں اور نماز کے کچھ کمالات کے بیان میں تحریر فرمایا۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ۔ اِسْتَجِيْبُوْا لِرَبِّكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا مَرَدَّ لَهٗ

مِنَ اللّٰهِ مَا لَكُمْ مِّنْ مَّلْجَاٍ يَّوْمَئِذٍ وَّمَا لَكُمْ مِّنْ نَّكِيْرٍ ۱؎ [اپنے رب کا حکم مان لو قبل اس کے کہ وہ دن آپہنچے جس کے ٹلنے کی کوئی صورت اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہیں ہے، نہ تم کو اس دن کوئی پناہ ملے گی اور نہ تمہارے بارے میں (اللہ تعالیٰ سے) کوئی روک ٹوک کرنے والا ہوگا]۔

آپ نے جو مکتوب گرامی برادرم مولانا محمد حنیف کے ہمراہ بھیجا تھا اور گوشۂ گمنامی کے گمنام کو یاد کیا تھا اس کے مطالعہ نے بہت زیادہ مسرور کیا۔ اور چونکہ آپ کا یہ خط مطلوبِ بے مثال کے شوق اور گرمیٔ طلب کی خبر دینے والا تھا مزید خوشی کا باعث ہوا۔ یہ کسقدر نعمت ہے کہ حق سبحانہ وتعالیٰ ایسے وقت میں جو کہ آخری زمانہ ہے اپنی پاک بارگاہ کا سودا کسی بندے کے سر میں پیدا کرے اور اپنی محبت کی آگ اس کے باطن میں روشن کرے اور اس کو ہجر کے سوز سے سرفراز کرے، اس نعمتِ عظمیٰ کا شکر بجالانا اور اس بخشش کا احسان ماننا چاہئے اور کمرہمت کو مضبوطی سے کس کر هَلْ مِنْ مَّزِيْدٍ ۲؎ [کیا اور بھی ہے] کہتے ہوئے اس کیفیت کی زیادتی کا متلاشی ہونا چاہئے اور نگاہِ انتظار اس بات پر رکھنی چاہئے کہ یہ مذکورہ سوداجنون کی حد تک پہنچ جائے اور مطلوب کے ماسوا سے بیگانہ کردے اور فضول کاموں کی کشمکش سے رہائی دے اور محبت کے شعلہ سے انانیت (میں پن) کے مینارہ کو جو کہ نفسِ امارہ کی سرکشی کی بلندی کی وجہ سے قائم ہے پوری طرح جلادے تاکہ لازوال کمال کے انوار سے نورانیت وضیا ظاہر ہو، لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ ۳؎ [اگر تم شکر کروگے تو میں تم کو اور زیادہ دوں گا]۔

اے سعادت آثار! جب آپ کو ان اکابر کے طریقہ کا شوق حاصل ہوا ہے تو چاہئے کہ اس سلسلۂ عالیہ کے شرائط وآداب میں حتی الامکان کوشش کریں اور سنت کا اتباع اور بدعت سے کنارہ کشی لازم پکڑیں کہ اس راستہ کا انحصار اسی پر ہے اور اقوال وافعال واخلاص میں دیندار علما کے فتوی کے مطابق زندگی بسر کریں اور صالحین کے عادات واطوار کو اپنا شعار بنائیں اور فقرا کو دوست رکھیں اور سونے، کھانے اور بات کرنے میں اعتدال کی حد کو مدنظر رکھیں اور جہاں تک ہوسکے صبح بہت سویرے (تہجد کے وقت) اٹھنے کو ترک نہ کریں اور اس وقت کی نماز واستغفار وگریہ وزاری کو غنیمت جانیں اور نیک لوگوں کی صحبت کی رغبت رکھیں، دین المرءِ دین خلیلہ [آدمی کا دین وہی ہوتا ہے جو اس کے دوست کا ہوتا ہے] (کا مقولہ) آپ نے سنا ہوگا۔ اور جاننا چاہئے کہ آخرت کے طالب کو دنیا ترک کئے بغیر چارہ نہیں ہے اگر حقیقی ترک میسر نہ ہو تو حکمی ترک ضروری ہے تاکہ نجات کی امید پیدا ہو۔ اور حکمی ترک سے مراد یہ ہے کہ بڑھنے والے اموال اور چرنے والے جانوروں اور تجارت کے مال میں سے زکوٰۃ جس کی مقدار شرع (حدیث وفقہ) کی کتابوں میں مفصل مذکور ہے اللہ تعالیٰ کا احسان مانتے ہوئے اس کے مصارف میں دیں، اور صلہ رحم، پڑوسی، اور سوال کرنے والے

۱؎ سورۃ ۴۲ آیت ۴۷۔ ۲؎ سورۃ ۵۰ آیت ۳۰۔ ۳؎ سورۃ ۱۴ آیت ۷۔

اور قرض مانگنے والے کے حق کی رعایت کریں اور مال کو بیجا خرچ نہ کریں اور اس میں فضول خرچی نہ کریں اور اس (مال) کو لہو و لعب، زینتِ خلق اور تفاخر و تکاثر کا ذریعہ نہ بنائیں۔ جب اس پر عمل کیا جائے گا تو مال نقصان و ضرر سے محفوظ رہے گا اور دنیا آخرت کے ساتھ جمع ہو جائے گی بلکہ وہ دنیا نہیں رہے گی۔

اور نیز جاننا چاہیئے کہ نماز دین کا ستون ہے اگر اس کو قائم کرلیا تو دین کو قائم کرلیا اور اگر اس کو گرایا تو دین کو گرادیا پس چاہیئے کہ نماز کو اس کے مستحب اوقات میں اس کے شرائط و آداب کے ساتھ جو کہ فقہ کی کتابوں میں مذکور ہیں با جماعت ادا کریں اور کوشش کریں کہ تکبیر اولیٰ مل جائے اور پہلی صف میں جگہ پائیں اور ان امور (آداب) میں سے کسی ایک امر کے ترک پر غم و افسوس کیا کریں، کامل نمازی اس (نماز) کے ادا کرتے وقت گویا دنیا سے جو کہ قرب کی دولت سے بہت کم حصہ رکھتی ہے اور جو کچھ حصہ رکھتی ہے وہ بھی قربِ ظلی ہے نکل جاتا ہے اور آخرت کے ساتھ جو کہ قربِ اصلی کی جگہ ہے مل جاتا ہے اور جو دولت اس عالم کے ساتھ وابستہ ہے اس سے مناسبت حاصل کرلیتا ہے اور حیرت و فراق کی وادی کے پیاسے اس عالم میں نماز کے صاف و شیریں چشمہ سے مانوس اور سیراب ہیں اور بارگاہِ جلال و کبریائی کے شیدائی آج اس کی محفل عروسی کے سراپردہ میں وصال کی خوشبو سے مدہوش ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جب بندہ نماز میں کھڑا ہوتا ہے تو اس کے لئے جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور اس کے اور اس کے رب کے درمیان سے حجابات اٹھا دیئے جاتے ہیں اور حور عین اس کا استقبال کرتی رہتی ہے جبتک کہ رینٹھ نہ پھینکے ۔ اور اس طریقہ کے کسی کامل و مکمل شیخ کی صحبت میں پہنچنے تک (اپنے) اوقات کو تلاوت (قرآن مجید) اور طاعات کے معمولات و اوراد میں جو احادیث کی معتبر کتابوں سے ثابت ہیں بسر کریں، اس قسم کے بعض اوراد و اعمال کے معمولات کو اس فقیر نے جمع کیا ہے غالباً ملا محمد حنیف کے پاس ہوں گے۔ اور اپنے اکثر اوقات کو کلمۂ طیبہ لا الٰہ الا اللہ کی تکرار کے ساتھ معمور رکھیں کہ یہ باطن کی پاکیزگی کے لئے کامل اثر رکھتا ہے اور اس کلمۂ مبارک کی ایک معین تعداد کو ورد بنالیں تو اس کی بھی گنجائش ہے اور طہارت (وضو) کے ساتھ اور بے طہارت (بے وضو یعنی ہر حالت میں) پڑھتے رہیں اور ان اکابر (صوفیائے کرام) کی محبت کو سعادت کا سرمایہ جانیں اور کام کا مدار اسی پر جانیں ؎

دادیم ترا ز گنج مقصود نشان　　گر ما نہ رسیدیم تو شاید برسی

[ہم نے تجھ کو گنج مقصود کی نشان دہی کردی ہے، اگر ہم نہیں پہنچے تو شاید تو پہنچ جائے] سلامتی ہو تم پر اور اُن تمام لوگوں پر جنھوں نے ہدایت کی پیروی کی اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم و علی جمیع الانبیاء والمرسلین والملائکۃ وسائر الصالحین کی پیروی کا التزام کیا۔ آمین۔

میر ضیاء الدین حسین کی خدمت میں اس بارے میں تحریر فرمایا کہ اس راستہ کا سب سے بڑا حجاب طالب کا نفس ہے۔

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفٰی [سب تعریف اللہ تعالیٰ کے لئے ہے اور اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہے] انت الغمامۃ علی شمسک [تو خود ہی اپنے سورج پر بادل ہے] طالب و مطلوب کے درمیان سب سے بڑا حجاب طالب کا نفس اور اس کا اپنے ارادوں اور تدبیر کے ساتھ مشغول ہونا ہے مصرع

در تو یک یک آرزو ابلیسِ تست

[تیرے اندر کی ایک ایک خواہش تیرا ابلیس (شیطان) ہے] دع نفسک وتعال [اپنے نفس کو ترک کر اور آجا] مصرع

با مارِ سیہ نشین و با خود منشیں

[کالے سانپ کے ساتھ بیٹھ مگر اپنے نفس کے ساتھ مت بیٹھ] والسلام اولاً و آخراً۔

میر معصوم کے نام، اس بارے میں تحریر فرمایا کہ صوفی کائن بائن ہوتا ہے۔

سَلٰمٌ عَلَیْکُمْ طِبْتُمْ فَادْخُلُوْهَا خٰلِدِیْنَ [تم پر سلامتی ہو اور تم خوش رہو پس اس (جنت) میں ہمیشہ رہنے کے لئے داخل ہو جاؤ] قُلِ اللّٰهُ ثُمَّ ذَرْهُمْ [آپ کہہ دیجئے کہ اللہ نے (اتاری) پھر ان کو چھوڑ دیجئے] حق جل و علا کا طالب جب تک ماسوی اللہ کی محبت سے بلکہ اس (ماسوا) کے دیکھنے اور جاننے سے اپنے آپ کو فارغ نہ کرے اعلیٰ مقصد کو حاصل نہیں کر سکتا، الصوفی کائن بائن اسی اعتبار سے کہا گیا ہے کیونکہ صوفی صورت اور ظاہر کے اعتبار سے خواہ کتنا ہی مخلوق کے ساتھ ملا ہوا ہو لیکن باطن اور معنی کے اعتبار سے سب سے کٹا ہوا اور الگ تھلگ ہے، مختصر یہ کہ ملا ہوا رہ اور پھنسا ہوا نہ رہ۔ والسلام والاکرام۔

ارشاد پناہ میر محمد نعمان قدس سرہٗ کی خدمت میں، اعمال کی کوتاہیوں کو دیکھنے اور نیتوں کو

متہم رکھنے کے بارے میں اور اپنے بعض مخصوص اذواق ووارادات کے بیان اور محبت ومحبوبیتِ ذاتیہ کی طرف اشارہ کے بیان میں تحریر فرمایا۔

خادمانِ سیدی وسندی اس دور افتادہ گنہگار کا سلام ودعا قبول فرمائیں، اپنی بے توفیقی اور بے حاصلی کے بارے میں کیا بیان کرے، جو کام کہ بارگاہِ الٰہی کی قبولیت کے لائق ہو وہ اس گنہگار کے حق میں عنقائے زمانہ (ناپید) ہے اور جو عمل کہ اللہ تعالیٰ کی پسندیدگی کے لائق ہو اس فریب خوردہ سے اس کا صادر ہونا دور از کار ہے، اس کے اعمال کا حاصل خود غرضی اور خواہش پرستی ہے اور اس کے روزگار کی محفل اپنی تعریف کرنا اور اپنے ظاہر کو آراستہ کرنا ہے، اس کی طاعت خواہش کی اطاعت ہے اور اس کی عبادت سمعہ وریا (سُنانے اور دکھانے کے لئے) ہے، اس کا کلام نفسانی غرض کے بغیر نہیں ہے اور اس کی خاموشی بے وسوسۂ شیطانی نہیں ہے، اس کا استغنا (بے غرضی) طمع آمیز ہے اور اس کی گوشہ نشینی تکبرانگیز ہے، اس کی کوشش آسائشوں اور لذتوں کی تکمیل ہے اور اس کا عزم اپنے ہمسروں پر فوقیت حاصل کرنا اور خواہشات کی پیروی ہے، اگرچہ زبان پر استغفار رکھتا ہے لیکن کتنے ہی گناہ اس کے دل میں چھپے ہوئے ہیں اور اگرچہ وہ سر کی آنکھ کو حرام جگہوں سے بند کئے ہوئے ہے اس کے باوجود بہت سے نامحرم اس کی چشمِ باطن میں پسندیدہ ہیں، اگر وہ ذکر و ورد میں مشغول ہو تو صاحب الورد ملعون (شیطان) کا مورد (جائے نزول) ہے، اور اگر اوراد و اذکار کے بغیر ہے تو تارک الورد ملعون (شیطان) کا مصداق ہے۔ مختصر یہ کہ دنیا کا طالب اور آخرت کا تارک ہے، اس کا معاملہ اپنے مالک کے ساتھ مکر و استہزاء کرنے والے کی طرح ہے۔ بیت

کس نکند با کس بیگانگاں آنچہ تو با حضرتِ حق می کنی

[جیسا معاملہ تُو حضرت حق جل وعلا کے ساتھ کرتا ہے ایسا معاملہ تو کوئی بیگانوں کے ساتھ بھی نہیں کرتا] بظاہر محبت کا دعوٰی کرتا ہے اور حقیقت میں اس کا معاملہ فرنگی کافر جیسا ہے۔ خیال کرنا چاہئے کہ اس قسم کے دعوی کی کیا جزا ہوگی اور اس قسم کے معاملہ کا کیا بدلہ ہوگا، دوسرے گنہگاروں کو اس قسم کے سیاہ کار کے ساتھ کچھ نسبت نہیں ہے اور معاملہ میں جھوٹ کو دوسرے تمام گناہوں کے ساتھ کیا مساوات، رباعی

مے خوارہ وخود پرست فاسق بودن در کوئے خرابات موافق بودن
بر کام وہوائے نفس عاشق بودن بہ زانکہ بخرقہ در منافق بودن

[شرابی وخود پرست فاسق ہونا کوئے خرابات سے لگاؤ رکھنا اور خواہشاتِ نفس کے مطالبہ پر فریفتہ ہونا اس سے بہتر ہے کہ خرقہ پہنے اور منافق ہو] اس تکلیف دہی اور رنج رسانی سے مقصود یہ التماس ہے کہ جب عزیزوں اور دوستوں نے اِس شرمندہ کار کو کمال حسنِ ظن کی وجہ سے نیک عادتوں والا مانا ہے اور اسے ایک

اعزاز دیا ہے، اب ان (مذکورہ بالا) سطور کے ملاحظہ کے بعد جب اس فریب خوردہ کے کھوٹا ہونے کی حقیقت سے واقعی طور پر اطلاع پالیں گے تو سابقہ خیال کو جو کہ وہ اِس بُحال کے بارے میں رکھتے ہیں ذہن سے نکال دیں گے اور اس کو مذکورہ بالا عنوان کے ساتھ تصور فرمائیں گے اور اس کی دوستی سے ڈرتے رہیں گے۔ ع

صد مرحلہ بگریزید اے اہلِ جہاں از من

[اے اہلِ جہان مجھ سے سینکڑوں منزل دُور بھاگو] چونکہ ایسے لوگوں سے جو کہ اس کے کمال کا گمان رکھتے ہیں اپنا حال چھپانا خیانت میں داخل تھا اس لئے اپنی حقیقت کو جیسا کہ چاہئے بیان کر دیا تاکہ دوست آگاہ رہیں اور بعض دوسرے سادہ دل لوگوں کو آگاہ کر دیں تاکہ کسی کا محض نام سُن کر ہی گرویدہ نہ ہو جائیں اور لوگوں کو بھی بہکنے نہ دیں، بیت

۸۲ شیریں مثلے ست گشتہ مشہور آوازِ دہل خوش ست از دُور

[مثل مشہور ہے دُور کے ڈھول سُہانے] ورنہ جس شخص کا معاملہ اس حد تک ہو اُس کو قلم کا ساز و سامان سنبھالنا اور سخن پردازی کرنا کہاں تک روا ہے۔ قطعہ

گر عاقلمے از حدیث خود کم کنمے قفلے در گفتگوئے محکم کنمے
ماتم زدۂ چند فراہم کنمے بر گفتہ بگریمے و ماتم کنمے

[اگر میں کچھ عقلمند ہوں تو اپنی بات مختصر کرتا ہوں، گفتگو میں ایک مضبوط قفل لگاتا ہوں، چند سوگواروں کو جمع کرتا ہوں اور اپنے کلام پر روتا اور ماتم کرتا ہوں) والسلام علیکم وعلیٰ من لدیکم۔

فصل بالخیر: اس نیاز نامہ کو تحریر کرنے کے بعد دل میں خیال آیا کہ جب اپنے کھوٹے پن کی حقیقت لکھی ہے اگر حق تعالیٰ جل شانہٗ کی اُن نعمتوں میں سے جو کہ اپنے بارے میں مشاہدہ کی ہیں کچھ حصہ بھی اس مکتوب میں درج نہ کرے تو ایسا نہ ہو کہ ناشکری میں داخل ہو جائے، اس بنا پر وَأَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ [اور البتہ اپنے رب کی نعمت کو بیان کر] کے بموجب کچھ ان میں سے بھی اظہار کرتا ہے۔ (سورۃ ۹۳ آیۃ ۱۱)

میرے مخدوم! اس قدر خرابی و تباہ کاری کے باوجود فقیر اتنا جانتا ہے کہ ابتدا ہی سے اس گرد راہ کی طینت میں ایک معنیٰ کو پوشیدہ کیا گیا ہے اور ایک آن (خاص ادا) ودیعت کی گئی ہے کہ وہ معنیٰ اللہ تعالیٰ کے خاص منظورِ نظر ہیں اور پوشیدہ عنایت اس آن کے بارے میں واقع ہے اس سے زیادہ بیان نہیں کر سکتا اور تفصیل میں نہیں جا سکتا کیونکہ متکلم کو اس کے کہنے کی طاقت اور سننے والے کو اس کے سننے کا ہوش

نہیں ہے یہی وجہ ہے کہ گذشتہ زمانے میں اس معنی کے ظہور سے پہلے اپنے اندر جذب وکششِ معنوی اور عشق ومحبتِ بےکیفی پاتا تھا اس کی طبیعت مخلوق سے بھاگتی تھی اور تنہائی اور صحرا سے رغبت رکھتی تھی اور اپنے آپ سے کہتا تھا، مثنوی

بہ تنہائی چنیں مائل دلم چیست　　　وزیں تنہا نشستن حاصلم چیست

[کیا وجہ ہے کہ میرا دل تنہائی کی طرف اس قدر مائل ہے اور اس تنہا بیٹھنے سے مجھ کو کیا حاصل ہے] اور اس محبت کا کوئی متعلق ظاہر نہیں ہوتا تھا اور نہیں جانتا تھا کہ یہ عشق کس کو جہ کا ہے اور یہ تمام کشش کس طرف سے ہے۔ شعر

۱- می دید بچشمِ خود غبارے　　　در دیدہ نہفتہ خارخارے

۲- آگہہ نہ کہ گردِ دامنِ کیست　　　واں غنچہ زخارِ گلشنِ کیست

۳- در جیبِ گلش کہ ایں خسک ریخت　　　در چشمِ دلش کہ ایں نمک ریخت

۴- آتش کہ بسقفِ خانہ در زد　　　ویں فتنہ زدامنِ کہ سر زد

۵- ایں تلوسہ چیست در شکیبش　　　جادوئے کہ می دہد فریبش

۶- سوزیست زعشق در سرِ او　　　تیغیست نہاں بگوہرِ او

۷- از جنبشِ غمزہائے خونی　　　دارد نگرانئ درونی

۸- جانے بسرِ خیال می داشت　　　چشمے برہِ شمال می داشت

۹- سرمستِ نظارہ سو بسو بود　　　در رقصِ نشاط مو بمو بود

۱۰- ہم دیدہ براہِ آرزو باز　　　ہم گوشِ تمنیش بر آواز

۱۱- کز قافلۂ رسد صدائے　　　آواز بروں دہد درائے

م۸۳　　　بجنبش

[[1] اپنی آنکھ میں ایک غبار دیکھتا تھا، آنکھ میں کانٹے ہی کانٹے پوشیدہ تھے۔ [2] اس بات سے آگاہ نہیں تھا کہ یہ کس کے دامن کی گرد ہے اور یہ غنچہ کس کے گلشن کے کانٹے سے ہے۔ [3] اس کے پھول کے گریبان میں یہ کانٹا کس نے ڈال دیا، اس کے دل کی آنکھ میں یہ نمک کس نے بکھیر دیا۔ [4] گھر کی چھت میں کس نے آگ لگادی، اور یہ فتنہ کس کے دامن سے ظاہر ہوا۔ [5] اس کے صبر میں یہ بیقراری کس کی وجہ سے ہے، کس کا جادو اس کو فریب دیتا ہے۔ [6] اس کے سر میں عشق کا ایک جنون ہے اس کی ذات میں ایک تلوار چھپی ہوئی ہے [7] اپنے قاتل غمزوں کی جنبش سے وہ اپنے اندر کی نگرانی رکھتا ہے۔ [8] وہ اپنے خیال میں ایک محبوب رکھتا تھا، نگاہ راہِ شمال (دل) پر لگا رکھی تھی۔ [9] ہر سمت نظارہ میں مست تھا، اس کا بال بال خوشی میں رقص کر رہا تھا۔ [10] نگاہیں بھی آرزو کے راستہ پر لگی ہوئی تھیں، اس کی تمنا کے کان آواز پر لگے ہوئے تھے۔ [11] کہ (شاید) کسی قافلہ سے ایک صدا آئے، (اور) کوئی جرس (گھنٹی) آواز دے]۔

مدتوں تک اسی حالت سے مغلوب رہا اور آرزو کرتا تھا کہ اس عشق کا کوئی متعلق ظہور کرے اور اس شورش و بیقراری کا معشوقِ معین ظاہر ہو جائے اور اس عشق کو جسقدر نچلے درجے کے (مجازی) معشوقوں سے متعلق کرتا تھا نہ ہوتا تھا، ایک جنون آمیز سودا اور آتش انگیز شوق تھا اور کچھ معلوم نہیں تھا کہ اس جنون کو برانگیختہ کرنے والا کون ہے اور یہ آتش افروزی کس لئے ہے، اپنے کام سے حیران تھا اور اپنی زبانِ حال سے یہ اشعار کہتا تھا۔ شعر

۱- دارد ترکہ مومویم آزار   وز ناخنِ کیست جنبشِ تار
۲- تنہا نہ بدل خلد گزاں سوئے   دارد خلۂ بہر بنِ موئے
۳- در دیدۂ من کہ می زند برق   وز شعلۂ کیست دشنہ برفرق
۴- از سوزِ کہ ایں شرار برخاست   وز راہِ کہ ایں غبار برخاست
۵- بر ہر مژہ ام جدا نگار یست   در ہر نگہم جدا بہار یست
۶- آں کیست کہ در درونِ سینہ   بشکست ہزار آبگینہ
۷- ایں باد ز دامنِ کہ برخاست   ویں دود ز خرمنِ کہ برخاست
۸- ایں مرغ کہ می پرد بریں بام   ویں بوسہ کہ می دہد بہ پیغام
۹- ایں عشق ندانم از کجا خاست   کز ہر رگ و ریشہ ام بلا خاست
۱۰- آں روز کہ خاکِ من سرشتند   سودائے جنون بسر نوشتند
۱۱- از طرہ بتے فگندہ دام ست   لیکن نشناسمش کدام ست ۸۴
۱۲- تا عشقِ کہ شد مساعدِ من   واندر کفِ کیست ساعدِ من
۱۳- از خندۂ کیست نو بہارم   و از نازِ کہ خار خارم
۱۴- ایں عشق ز عاشقاں عجب نیست   معشوق شناسی از ادب نیست
۱۵- اے عشق خوش آمدی چنیں چیست   در دل بنشیں کہ منزلِ تست
۱۶- بنشیں بنشیں نشیمن از تست   جان و خرد و دل و تن از تست
۱۷- روز از تو، شبِ سیہ مرا بس   تخت از تو و خاکِ رہ مرا بس
۱۸- بپذیر تحفہ جان و بنشیں   بکشا کمر از میان و بنشیں
۱۹- بنشیں وز عقل جوش بنشاں   وز خونِ ہوس خروش بنشاں
۲۰- از آمدنت چو گل شگفتم   دامن دامن بہار رفتم

۲۱- گل کرد بہارِ بختم امروز　　　بر گل بنہید تختم امروز

(میرا[1] بال بال کس کی وجہ سے تکلیف میں ہے، اور تار میں جنبش[2] کس کے ناخن سے ہے۔ اُس طرف سے صرف دل ہی میں خلش نہیں ہے، بلکہ ہر بال کی جڑ ایک خلش رکھتی ہے۔ میری[3] آنکھ میں بجلی کون چمکاتا ہے اور سر پر خنجر کس کے شعلہ سے ہے[4] یہ چنگاری کس کے سوز سے بھڑکی ہے اور یہ غبار کس کے راستہ سے اُٹھا ہے۔ میری[5] ہر پلک پر ایک الگ معشوق ہے اور میری ہر نگاہ میں جدا بہار ہے۔ وہ[6] کون ہے جس نے سینہ کے اندر ہزار آبگینے (دل) توڑ دیئے ہیں۔ یہ[7] ہوا کس کے دامن سے چلی ہے اور یہ دھواں کس کے خرمن سے اُٹھا ہے۔ یہ[8] کس کا پرندہ ہے جو اس کوٹھے پر اُڑ رہا ہے اور یہ بوسہ کس کا پیغام دیتا ہے۔ میں[9] نہیں جانتا کہ یہ عشق کہاں سے اُٹھا ہے کہ میرے ہر رگ و ریشہ سے تکلیف ظاہر ہے۔ جس[10] روز کہ میری مٹی گوندھی گئی (اسی روز) جنون کا سودا میرے سر کیلئے لکھ دیا گیا۔ ایک[11] بُت (محبوب) کی زلف کا جال ڈالا ہوا ہے لیکن میں اس کو نہیں پہچانتا کہ کون ہے۔ تاکہ یہ[12] معلوم ہوتا کہ کس کا عشق میرا درد گار ہوا ہے، اور میری کلائی کس کے ہاتھ میں ہے۔ میری[13] بہار کی تازگی کس کی ہنسی سے ہے، اور میں کس کے ناز سے زخم در زخم ہوں۔ عاشقوں[14] سے یہ عشق کوئی تعجب کی بات نہیں ہے، معشوق کو پہچاننا ادب کی بات نہیں ہے۔ اے[15] عشق! تیرا اس طرح والہانہ آنا مبارک ہے، تو دل میں بیٹھ کہ یہ تیری منزل ہے۔ بیٹھ[16] بیٹھ یہ تیرا اپنا گھر ہے، یہ جان و عقل و دل و تن تیرا ہی ہے۔ دن[17] تیرے لئے ہے اور شبِ سیاہ میرے لئے کافی ہے، تخت تیرے لئے ہے اور راستہ کی خاک میرے لئے کافی ہے۔ تو[18] جان کو بطور تحفہ قبول کر اور بیٹھ جا، کمر سے پٹکہ کھول دے اور بیٹھ جا۔ تو[19] بیٹھ جا اور عقل سے جوش کو بٹھا دے اور ہوس کے خون سے جوش و خروش کو ٹھنڈا کر دے۔ میں[20] تیرے آنے سے پھول کی مانند کھل گیا ہوں، میں نے دامن بھر بھر کر بہار سمیٹ لی ہے۔ میرے[21] بخت کی بہار نے آج پھول کھلا دیئے ہیں، آج میرا تخت پھول پر رکھو۔)

اب ہم اصل بات کی طرف آتے ہیں کہ کئی مہینے گذرنے پر اس پوشیدہ معنی کے پَرتو ڈالنے کے بعد کامل طور پر ظاہر ہونے سے پہلے معلوم ہوا کہ اس محبت کا متعلق کون تھا اور وہ کشش و جذب کس طرف وابستہ تھی۔ ایک محبوب ظاہر ہوا کمال حسن و خوبصورتی اور بے حد بلندی و پسندیدگی والا کہ اس سے زیادہ حسن و جمال تصور میں نہیں آسکتا بلکہ اس کے مرتبے کی نزاکت ایسی ہے کہ اس بلند بارگاہ پر حسن و جمال کا اطلاق بھی گرانی رکھتا ہے اور اسی طرح ہر کمال و جمال اس بارگاہ سے (پہلے) راہ میں ہی جہاں کہیں بھی کوئی کمال ظاہر ہے اس کو اسی کے کمال کا اثر پایا اور جس طرف بھی حسن و جمال متصور ہے اسی کے حسن و جمال کا نمونہ دیکھا، یقین کے ساتھ جان لیا کہ محبوبیت اسی کو زیب دیتی ہے اور مطلوبیت اسی کو سزاوار ہے، سب سے منہ موڑ لیا اور توجہ کی باگ اس کی جانب پھیر لی اور اس کی خدمت (عبادت) کے لئے اچھی طرح کمر ہمت باندھ لی۔ دیکھا کہ باگ موڑنے سے بھی اس منزل کا کوئی راستہ نہیں کھلتا اور یہ خدمت (عبادت) اس مقدس بارگاہ کے لائق نہیں ہے اور کسی کوشش و ہمت کو اس کے فضل کے بغیر

دخل نہیں ہے، اول اس کی عنایت ہونی چاہئے پھر اس کی کشش کی ضرورت ہے باقی سب ہیچ ہے، ہر چیز کر تھک گیا اور معاملہ کو اس کے سپرد کر دیا، کسی نے کیا خوب کہا ہے، بیت

۸۵ مرا گر توسنِ دل نیست در راہ کمندِ زلفِ او ہم نیست کوتاہ

[اگر میرے دل کا گھوڑا راستہ میں نہیں ہے (تو کیا ہوا) اس کی زلف کی کمند بھی تو کوتاہ نہیں ہے] اس کے بعد عنایتِ ازلی آ پہنچی اور اپنی مہربانیوں سے اس ناکارہ کو نوازا اور اپنے فضل و کرم کو آگے بڑھا کر اس خاک افتادہ کو اپنی مقدس بارگاہ کے پاس جگہ دی۔ اس کو ذہن میں رکھئے (اب) وہ مضمر معنی اور مستور آن اُس پُرنور بارگاہ میں بروز و ظہور رکھتا ہے اور نہایت آب و تاب کے ساتھ گلزارِ امید کے صحن میں دائمی رقص و سرود میں ہے، ایک قدم ناز کے ساتھ اٹھاتا ہے اور ایک قدم نیاز کے ساتھ رکھتا ہے، نہایت خوش و خرمی کے ساتھ وصال کی خوشبو سے ہم آغوش ہے اور بندہ ہونے کے باوجود لازوال شراب کا سرمست ہے اور یہ ترانہ گا رہا ہے۔ نظم

هم اندر باز گرد اے بادِ نوروز که من بوئے گلِ خود دارم امروز
مده پیشِ شب از مه یادم اکنوں که من با مهوشِ خود شادم اکنوں
گرا دل می ربود از گریه آبم کنوں خوش می برد در باد خوابم

[اے بادِ نوبہار تو بھی دروازہ سے واپس ہو جا، کہ میں آج اپنے پھول کی خوشبو میں مگن ہوں۔ تو اب رات کو مجھے چاند کی یاد نہ دلا، کہ میں اپنے مہوش (چاند جیسا محبوب) کے ساتھ خوش ہوں۔ اگر پہلے وہ رُلا کر میرے آنسو ختم کر دیتا تھا تو میں خوش ہوں کہ اب وہ میری نیند کو بالکل اڑا دیتا ہے۔] اور اگر وہ خود اپنا عاشق ہو جائے تو اسے زیب دیتا ہے کیونکہ وہ محبوب کا نوازا ہوا ہے، اور اگر اپنے حُسن کا شیفتہ ہو جائے تو بھی مناسب ہے کیونکہ مطلوب کا منظورِ نظر ہے۔ اے عزیز! اُس محبوبِ موصوف کو جو کہ عنبری خوشبو والا ہے اس میلے کچیلے بدن کے ساتھ کیا نسبت ہے اور بلند معنی کو اس جسدِ خاکی و پس ماندہ، آوارہ و بیچارہ کے ساتھ جو کہ یار سے جدا رہ گیا ہے اور دشمنوں کے ملک میں گرفتار ہو گیا ہے کیا مساوات ہے، یہ عنصری جسم ہے جو کہ حیرت و حسرت کے جنگل میں پریشان دل اور اُلجھے ہوئے بالوں کے ساتھ حیران و سرگردان ہے، دُوری و جُدائی کی ہوا شش جہت سے اس پر طمانچے مارتی ہے اور حجاب کی گرد اس کے پانچوں حواس کو باختہ کئے ہوئے ہے ؎

ہم باد زدہ طپانچہ بر روئے ہم خاک فشردہ پنجہ در موئے

[ہوا نے بھی چہرہ پر طپانچہ مارا، خاک نے بھی بالوں میں پنجہ جھاڑ دیا] اور کار و بار سے عاجز رہ کر اور شوق و ہمت سے ہاتھ جھاڑ کر (ترک کر کے)، بے ذوقی اور افسردگی کے کونے میں گوشہ نشین ہو گیا ہے، اس کی ہمت کی باگ

ہاتھ سے جاتی رہی ہے اور اس کی خدمت کی کمر ٹوٹ چکی ہے، انتہائی حیرانی کے باعث کسی چیز کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتا اور نہایت پریشانی کے باعث کسی سے سوال نہیں کر سکتا۔ اگرچہ وہ معنی اس کی ملکیت تھا لیکن اس کو ایک دلبر نے پسند کر لیا ہے اس لئے وہ اس (طالب) سے کئی منزل دوری اختیار کر گیا ہے اور اس کے اور اُس کے درمیان بُعدِ مشرقین ہو گیا ہے ؎

ازبادِ صبا دلم چو بوئے تو گرفت	بگذاشت مرا و جستجوئے تو گرفت
اکنوں زمن خستہ نمی آرد یاد	بوئے تو گرفتہ بود خوئے تو گرفت

[جب میرے دل نے بادِ صبا سے تیری بُو پائی، تو اُس نے مجھ کو چھوڑ دیا اور تیری جستجو اختیار کر لی، اب وہ مجھ خستہ حال کو یاد تک نہیں کرتا، چونکہ اُس نے تیری بُو حاصل کر لی تھی اس لئے تیری خُو (عادت) بھی اختیار کر لی] وہ اُنس کے تختِ مرصع پر فرو کش، اور یہ جسمِ خاکِ تیرہ میں مبتلائے کشمکش، وہ اپنی مراد سے ہمکنار و شاداں، یہ حیرت سے حسرت زدہ ماتم کناں، یہ اسقدر با آہ وزاری و نیاز، اور وہ بصد استغنا و ناز، یہ بہزار آرزو اُس کا راز جویاں اور وہ بکمالِ بے نیازی اپنے آپ سے راز گویاں، یہ پیکرِ سفلی (ادنیٰ و پست جسم) اُس معنیٔ علوی سے کہتا ہے

۱۔	من بے تو بخاکِ رہ مژہ باز	تو خواب گزیں بہ بسترِ ناز
۲۔	من بے تو زخونِ دیدہ گلنار	تو خندہ زناں بصحنِ گلزار
۳۔	من بے تو بخون کشیدہ داماں	تو رفتہ بنطعِ گل خراماں
۴۔	من بے تو بخاکِ غصہ پامال	تو رقص کناں ببانگِ خلخال
۵۔	من بے تو چو رشتہ تاب در تاب	تو رشتہ گسل چو دُرِّ نایاب
۶۔	من بے تو بسوزِ دل گدازی	تو عاشقِ خود بحسن بازی
۷۔	من بے تو گرفتہ ترکِ ہستی	تو کردہ بخویش ناز و مستی

[۱ میں تیرے بغیر پلکیں کھولے غبارِ راہ تک رہا ہوں اور تو بسترِ ناز پر محوِ خواب ہے، ۲ میں تیرے بغیر خونباری چشم سے گلنار ہوں اور تو صحنِ گلشن میں قہقہے لگا رہا ہے، ۳ تیرے بغیر میرا دامن خون آلودہ ہے اور تو پھولوں کے فرش پر محوِ خرام ہے، ۴ میں تیرے بغیر رنج کی خاک کے ساتھ پامال ہوں اور تو پازیب کی جھنکار کے ساتھ رقص کر رہا ہے۔ ۵ میں تیرے بغیر دھاگے کی طرح پیچ در پیچ ہوں اور تو نایاب موتی کی طرح دھاگے سے بے تعلق ہے۔ ۶ میں تیرے بغیر دل گدازی کی سوزش میں (مبتلا) ہوں اور تو حسن بازی کے ساتھ خود اپنا عاشق ہے۔ ۷ میں نے تیرے بغیر ترکِ ہستی کو اختیار کر لیا ہے اور تو اپنے آپ سے محوِ ناز و مستی ہے۔]

تنبیہ ؛ اے عزیز! کوئی شخص اس مکتوب کے اول حصے کو اس کے آخری حصے سے متصادم نہ سمجھے اور بظاہر متضاد نہ جانے اس لئے کہ جو چیز ممکن کے ساتھ منسوب ہے چونکہ ممکن بہرحال ممکن ہی (اس لئے) ردّو طعن کے قابل ہے (پس) اس بارگاہ (جلّ وعلا) کے لائق کس طرح ہو سکتی ہے، فضل وکرم کا معاملہ جُدا ہے، اگر اس طرح کے دُور از کار کو نوازدیا جائے تو یہ اُس کی کمال بندہ نوازی ہے اور بندہ فی نفسہ اور اس کا عمل وہی ہے جو کہ تحریر ہو چکا ہے۔ اُس جل شانہٗ کا کرم و عنایت اِس شخص (بندہ) کے فعل پر موقوف نہیں ہے۔ باہم یہ کہتے ہیں کہ جو کچھ پہلے بیان ہو چکا ہے واردات میں سے ایک وارد (کیفیت) ہے۔ جب یہ وارد (کیفیت) غالب آتا ہے تو اپنے تمام اعمال و طاعات کو لعن و طعن کے قابل سمجھتا ہے حقیقت میں خواہ کچھ بھی ہو اور جو کچھ اُس مکتوب کے آخر میں لکھا گیا ہے یہ بھی ایک وارد ہے، اور ایک وارد کو دوسرے وارد کے ساتھ کوئی تضاد و تصادم نہیں ہے، پہلے اُس دید (مشاہدہ) سے مغلوب تھا اس کے بعد اس دید (مشاہدہ) کا مغلوب ہو گیا ہے۔ پہلے مشاہدہ کے متعلق کسی بزرگ نے کہا ہے کہ میرے بائیں کندھے کا اعمال لکھنے والا (فرشتہ) ہمیشہ کام میں مشغول ہے اور میرے دائیں کندھے کا لکھنے والا (فرشتہ) میری کوئی نیکی نہیں پاتا جس کو وہ کاغذ پر تحریر کرے، یہ کارخانہ عارف کی نگاہ میں ہے اور بس۔ اور اس دید کا ایک منشا (اصل) ہے اور معاملات اس کے ساتھ وابستہ ہیں کہ جن میں سے ظاہری طور پر کچھ بیان ہو چکے، قاصد جلدی کر رہا ہے اس لئے اس کی تفصیل میں مشغول نہیں ہو سکتا۔ اور دوسری دید (مشاہدہ) کے بارے میں وہی بزرگ دوسری جگہ فرماتے ہیں کہ میں اپنے بائیں کندھے کے لکھنے والے (فرشتہ) کو نہیں پاتا ہوں اور بائیں نے بھی کلتا یدیہ سبحانہ یمین [اللہ تعالیٰ کے دونوں ہاتھ یمین یعنی داہنے ہیں] کے مصداق دائیں کی حیثیت اختیار کر لی ہے کیونکہ بایاں عدم کے مقتضیات میں سے ہے اور جب عدم عین واثر کے ساتھ عارف سے زائل ہو جاتا ہے تو شمال (بایاں) اس کے لئے نہیں رہتا اور تخلقوا باخلاق اللہ [اللہ تعالیٰ کی صفات کے ساتھ متصف ہو جاؤ] کے بموجب شمال (بایاں) یمین (داہنے) کا حکم حاصل کر لیتا ہے۔

اور یہ جو میں نے کہا ہے کہ اس دید کا ایک منشا (اصل) ہے اور معاملہ اس کے ساتھ وابستہ ہے (اس کے متعلق) جاننا چاہئے کہ جو کچھ اس مقدس بارگاہ کی طرف منسوب ہے وہ سب خیر و کمال ہے، خیر و کمال کے لئے آئینہ چاہئے تاکہ اس کے خیر ہونے کا ظہور اس (آئینہ) کے ذریعہ سے ہو اور آئینہ کسی خیر کے مقابل میں ہی ہوتا ہے اور خیر و کمال کا مقابل شر و نقص ہے اس لئے کہ چیزیں اپنی ضد سے پہچانی جاتی ہیں اور ظاہر ہے کہ آئینہ اپنے آئینہ ہونے میں جسقدر کامل ہو گا اس میں منعکس ہونے والی صورت کا ظہور بھی اتنا ہی زیادہ کامل ہو گا، پس عارف کا اپنے شر کو دیکھنا جس درجہ زیادہ ہو گا اس میں خیر کا ظہور

اسی قدر زیادہ ہوگا کیونکہ ممکن فی نفسہٖ ہر شر و نقص کا منشا (اصل) ہے اس لئے کہ اس کی ذات عدم ہے
مَآ اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ وَمَآ اَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِكَ ط [تجھ کو جو بھی بھلائی
پہنچتی ہے وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور جو بھی برائی پہنچتی ہے وہ تیرے نفس کی طرف سے ہے۔] اور ظہورِ
خیریت کے لئے (اپنے اندر) شریت کا دیکھنا کافی ہے، من تواضع لِلّٰهِ رفعه الله [جس نے اللہ تعالیٰ
کے لئے تواضع کی اللہ تعالیٰ نے اس کو بلند کیا] مختصر یہ ہے کہ ہر خیر و کمال اور ہر حسن و جمال جو کہ صفحۂ
کائنات میں ظاہر ہے وہ سب مرتبۂ وجوب سے مستفاد و مستعار ہے، ذاتِ ممکن عدم ہے جو کہ کچھ نہیں
ہے اور ہیچ سے سوائے ہیچ کے اور کیا حاصل ہو سکتا ہے

١- از تست طلسمِ ایں خزانہ — من ہیچ نیم دریں میانہ
٢- از شیشۂ تست ایں مئے ناب — من خاک بلب در آتش و آب
٣- ہم گنج ز تست ہم تو گنجور — من دستِ تہی فشاندم از دور
٤- معنی تو دہی چنیں شگرفم — من جلد کتابِ صوت و حرفم
٥- من ذرۂ خاکِ آستانم — تو می طلبی بر آسمانم
٦- از موجۂ فیضِ تست ایں جوش — من مہر بلب نہادہ خاموش
٧- از جوش و خروشِ خود چہ گویم — ایں بادہ توئی و من سبویم

[١ اس خزانہ کا طلسم تجھ سے ہے، میں اس کے درمیان کچھ نہیں ہوں۔ ٢ یہ خالص شراب تیرے شیشہ (صراحی) سے ہے میں آگ اور پانی میں خاک بلب ہوں۔ ٣ خزانہ بھی تیرا ہی ہے اور خزانہ والا بھی تو ہی ہے، میں نے دور سے خالی ہاتھ جھاڑے ٤ تو ہی مجھے ایسے عجیب و غریب معنی دیتا ہے، میں تو آواز اور حرف کی کتاب کی جلد ہوں۔ ٥ میں آستانہ کی خاک کا ایک ذرہ ہوں تو مجھ کو آسمان پر بلاتا ہے۔ ٦ یہ جوش تیرے ہی فیض کی موج (لہر) سے ہے، میں مہر بلب خاموش ہوں، ٧ میں اپنے جوش و خروش کے متعلق کیا بیان کروں، یہ شراب تو ہی ہے اور میں سبو (صراحی) ہوں۔]

اور اس پر مکتوب ختم ہوتا ہے۔ ربنا لا تؤاخذنا ان نسینا او اخطانا الحمد للّٰہ
اولاً و آخراً والصلوٰۃ والسلام الاتمان الاکملان علیٰ رسولہ محمد دائماً و سرمداً و علیٰ آلہ
الاطہار و اصحابہ الاخیار و علیٰ جمیع الانبیاء والمرسلین و علیٰ ملائکۃ المقربین و علیٰ اہل الطاعۃ
اجمعین۔ آمین۔ [اے ہمارے رب! اگر ہم سے بھول یا خطا ہوئی ہے تو ہم کو نہ پکڑ، اول و آخر میں اللہ تعالیٰ کی حمد
اور تمام و کمال صلوٰۃ و سلام دائمی طور پر اللہ تعالیٰ کے رسول محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی آلِ اطہار و
اصحابِ اخیار اور تمام انبیاء و مرسلین و ملائکہ مقربین اور تمام اہل طاعت پر ہو۔ آمین۔]

حاجی الحرمین شیخ حسین آپ کی خدمت میں حاضر ہو رہا ہے امید ہے کہ آپ کی توجہات سے بہرہ ور ہو گا

ایں دم کہ تراست بادہ در جوش از خشک لباں مکن فراموش

[اسوقت جبکہ تیری شراب جوش میں ہے خشک لبوں کو مت بھلا]۔ اسی طرح چاہئے کہ دوسرے دوست بھی آپ کی صحبت سے سیراب ہوتے اور فائدہ حاصل کرتے رہیں، مایوسی دشمنوں کو نصیب ہو۔

از گرمیٔ مجلس ست بس دور تو ساقی و اہلِ بزم مخمور

[یہ عاجز مجلس کی گرمی سے بہت دور ہے تو ساقی ہے اور اہلِ محفل مخمور ہیں] والسلام علیکم و علی سائر من اتبع الھدیٰ [آپ پر اور ہدایت کی پیروی کرنے والے تمام لوگوں پر سلامتی ہو]۔

مکتوب ۱۸

مولانا محمد صدیق پشاوری کے نام، اُن کے اُن خطوط کے جواب میں تحریر فرمایا جو کہ احوال و واقعات پر مشتمل تھے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ وَبِهٖ نَسْتَعِيْنُ [ہم اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع کرتے ہیں جو کہ رحمٰن و رحیم ہے اور اسی سے مدد مانگتے ہیں] الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ [اللہ تعالیٰ کی حمد اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلامتی ہو] آپ کے دو پسندیدہ مکتوبات نے یکے بعد دیگرے موصول ہو کر مسرور کیا۔ سرورِ کائنات علیہ و علیٰ آلہ افضل الصلوٰت و اکمل التحیات کی (خواب یا مکاشفہ میں) زیارت کرنا رحمت و بشارت ہے اور خوف کے سبب کا پوچھ لینا ہی تسلی دینا اور خوشخبری ہے خواہ زبانی تسلی فرمائیں یا نہ فرمائیں وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ [اور ہم نے آپ کو تمام جہانوں کے لئے رحمت بنا کر ہی بھیجا ہے]۔

سورۃ الانبیاء آیت ۱۰۷

آپ نے لکھا تھا کہ "یہ خوف و اندیشہ اور غم اس طرح سے غلبہ پا چکا ہے کہ قوت و ہمت کو بالکل سلب کر لیا ہے اور فرض و سنن کی ادائیگی کے علاوہ کسی اور عبادت میں مشغول نہیں ہو سکتا"۔ خوفِ خاتمہ و فکرِ آخرت کو طاعات کی توفیق میں اضافہ اور نوافلِ اعمال کی زیادتی کا سبب ہونا چاہئے تھا تو پھر وہ اس میں کمی و نقص کا سبب کیسے ہو گا اگرچہ فی نفسہٖ یہ خوف و اندیشہ (بھی) عبادات سے ہے اور غفلت و معاصی کا مانع ہے۔ نقل کرتے ہیں کہ عطار شبلی رحمہ اللہ سبحانہٗ چالیس سال روتے رہے اور آسمان کی طرف نہ دیکھا، لوگوں نے ان کے رونے کا سبب دریافت کیا، فرمایا کہ یہ قبر کے ڈر اور قیامت کے خوف سے ہے، اس وقت لوگوں نے (اُن سے) آسمان کی طرف نہ دیکھنے کا سبب پوچھا، فرمایا کہ گناہ کی شرم کی وجہ سے، میں نے

۸۹ ص

گناہ بہت کئے ہیں اور مجلسوں میں بہت ہنستا اور قہقہے لگا تا رہا ہوں، اس کی شرم کی وجہ سے میں نگاہ اوپر نہیں اٹھاتا ہوں ——— منقول ہے کہ فتح موصلی (رحمہ اللہ) ساٹھ سال تک روتے رہے آپ کے رخسارِ مبارک کا گوشت پوست گل گیا تھا، انتقال کے بعد لوگوں نے آپ کو خواب میں دیکھا اور پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ کیا؟ آپ نے فرمایا کہ مجھے بخشدیا ہے لیکن جس وقت مجھ کو اوپر لے گئے حکمِ الٰہی ہوا کہ اس کو اور اوپر لاؤ۔ جب مجھے عرش کے نیچے لے گئے تو میں نے سجدہ کیا لیکن کانپتے اور ڈرتے ہوئے، خطابِ باری ہوا کہ اے فتح! کیا وجہ ہے کہ تونے اسقدر گریہ کیا، کیا تو نے مجھے غفار نہیں سمجھا تھا، میں نے سر سجدہ میں رکھ کر عرض کیا "اے اللہ! میں تجھ کو غفار جانتا تھا لیکن میں قبر کے ڈر، قیامت کی ہیبت اور ملک الموت کی سختی سے روتا تھا کہ اُس تنگ قبر میں میرا کیا حال ہوگا"۔ حکم ہوا "چونکہ تو ڈرتا اور روتا تھا اس لئے میں نے اس رونے کے بدلے میں تجھ کو بخش دیا"۔ یہ رونا اور یہ خوف جو کہ آپ کو نصیب ہے بڑی خوشگوار نعمتوں میں سے ہے میمون و مبارک و ترقی بخش اور باطن کو منور کرنے والا ہے، اللہ تعالیٰ جل سلطانہ کا شکر بجالائیں اور اس (خوف) کے غلبہ سے دل تنگ نہ ہوں، اور حدیث شریف میں آیا ہے کہ "دو خوف کسی آدمی میں جمع نہیں ہوتے ایک خوف دنیا میں اور ایک خوف آخرت میں، یعنی اگر آخرت کا خوف دنیا میں نصیب ہو جائے تو آخرت سے بے خوف کر دیتا ہے۔ یہ دیوانگیاں، یہ شورشیں، یہ چیخ پکار، یہ نعرے، یہ رونا اور یہ ذوق و شوق جو کہ اس وقت آپ کو نصیب ہے اور بلا طلب آپ سے ظاہر ہو رہا ہے لوگ تمنا کرتے ہیں کہ اس قسم کے وقت کا ایک لمحہ ہی حاصل ہو جائے اور جذب کی قوت سے شوق و جنون غالب آجائے اور ایک ساعت ظاہر و باطن کو ماسوی اللہ سے بیگانہ و بے تعلق کر دے، ہم جیسے سنگدل اور خشک چشم لوگ اس حقیقت سے منزلوں دور ہیں۔ مصرع

هَنِيئًا لِأَرْبَابِ النَّعِيمِ نَعِيمُهَا [نعمت والوں کو ان کی نعمتیں مبارک ہوں]

آپ نے لکھا تھا کہ "ایک روز بیٹھا تھا، اس عاجز کے اندر سے ایک جوش اٹھا اور قریب تھا کہ اس عاجز کے اندر سے درد بھری چیخیں نکلیں، پوری کوشش سے اپنے آپ کو چیخنے سے باز رکھا اس کی وجہ سے سینہ اور پہلو میں درد پیدا ہو گیا ہے"۔ شکر ادا کریں کہ اس طرح کے جوش و خروش میں جان سلامت رہ گئی (ورنہ) بہت سے صوفیوں نے اس قسم کی حالت میں جان دیدی ہے ———

نقل کرتے ہیں کہ حضرت ابراہیم خواص قدس سرہٗ ایک روز ایک ایسے مجمع کے پاس سے گذرے جو اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مشغول تھا، اس جماعت کے ذکرِ الٰہی سے حضرت ابراہیم (قدس سرہٗ) میں ذوق و شوق نے ایسا اثر کیا کہ رقص کرنے لگے سات دن رات تک اسی کیفیت میں رہے، جب ہوش میں آئے تو نئے سر کے سے

وضو کیا اور دو رکعت نماز ادا کی اور سجدہ میں سر رکھ کر تین بار یا اللہ یا اللہ یا اللہ کہا، سر اٹھایا اور جان دیدی

عاشق بہ ہوائے دوست بیہوش بود ۔۔۔ واز یادِ محبِّ خویش مدہوش بود

[عاشق دوست کی محبت میں بیہوش ہو جاتا ہے اور اپنے محب کی یاد سے مدہوش ہو جاتا ہے]

آپ نے لکھا تھا کہ "تیرے مکتوب میں درج تھا کہ اصل کام محبت ہے بے محبت لوگ کہاں پہنچیں گے الخ، اس معنی سے بہت ہی زیادہ رنجیدہ ہے غم و اندوہ میں اسقدر نیچے چلا گیا ہے کہ سر نہیں اٹھا سکتا"۔ میرے مخدوم! تعجب ہے کہ میں نے آپکے بارے میں جبکہ آپ محبت میں منفرد ہیں یہ کلمہ لکھا ہو، جسقدر غور کرتا ہوں میرے دل میں نہیں آتا کہ میں نے یہ کلمہ لکھا ہو مگر چونکہ آپ نے لکھا ہے تو ضرور ہوگا۔ معلوم نہیں کس طرح یہ کلمہ قلم پر آگیا ہے اور اس سے کیا معنی مراد ہیں، بہر حال آپکے رنج و غم کا باعث ہوا ہے۔

مصرع بلائے دردمنداں از در و دیوار می آید [دردمندوں کی بلا (آزمائش) در و دیوار سے آتی ہے]

آپ دل میں کوئی خیال نہ لائیں آپ کی محبت تو ظاہر و واضح ہے اس میں کسی کلام کی گنجائش نہیں ہے والسلام علیکم۔

مکتوب ۱۹

حافظ عبدالرشید کی خدمت میں اپنے پیرِ دستگیر حضرت مجدد الفِ ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مکاشفہ کے بارے میں تحریر فرمایا۔

بسم اللہ وسلام علی رسول اللہ [اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع کرتا ہوں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام ہو]۔ نبیِ کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی احادیث میں آیا ہے کہ جب کوئی شخص مرتا ہے اور اس پر بندوں کے حقوق میں سے کوئی حق مثلاً قرض وغیرہ ہوتا ہے تو (فرشتے) اس کی روح کو آسمان کے اوپر نہیں لیجاتے اور جب تک اس میت کی جانب سے حقوق کی ادائیگی نہ ہو جائے اس کو اوپر چڑھنے سے روک دیا جاتا ہے اور جب حقوق ادا ہو جاتے ہیں تو اس بندش سے نجات پا لیتا ہے۔ ہمارے حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس بارے میں بہت فکر مند رہتے تھے آخر کار اللہ جل شانہ کے فضل و کرم سے آپ پر اس طرح منکشف فرمایا گیا کہ یہ حکم اس شخص کے ساتھ مخصوص ہے جس کی روح کو اس دارِ دنیا میں ترقی (عروج) واقع نہیں ہوا لیکن اگر اللہ تعالیٰ جل شانہ کے فضل سے دارِ دنیا میں ان تعلقات کے باوجود اس کی روح کو ترقی (عروج) ہوئی ہے تو موت کے بعد بھی اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی مرضی سے اس کو ترقی (عروج) حاصل ہوگی۔ بخلاف اس شخص کے جو کہ (روحانی ترقی سے) محروم اور اس دنیا کا گرفتار رہا، اس کی ترقی وفات کے بعد ان تعلقات سے رہائی حاصل کرنے پر موقوف ہے والسلام۔

ص ۹۱

مکتوب ۲۰

حاجی محمد جان طالقانی کے نام مضغۂ قلبیہ (دل) کے بعض اسرار کی طرف اشارہ کے بیان میں تحریر فرمایا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفٰی [اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو رحمن و رحیم ہے، تمام تعریف اللہ تعالیٰ کے لئے ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلامتی ہو] مضغۂ قلبیہ (دل) چونکہ دس اجزا سے مرکب ہو کر اجتماعی ہیئت پیدا کر لیتا ہے اس لئے ان اجزا میں سے ہر ایک کے تزکیہ و تصفیہ اور ان میں متوقع کمالات کے حصول کے بعد ظلیت کی آمیزش کے بغیر اصل کے ظاہر ہونے کی قابلیت پیدا کر لیتا ہے اگرچہ آئینہ میں شے کی صورت و مثال ظاہر ہے نہ کہ اس شے کا عین، جیسا کہ حقیقتِ جامعہ قلبیہ میں ہے کہ اس کا ظہور ظلی ہے لیکن یہ معاملہ عقل کی نظر سے خارج ہے۔

فریادِ حافظ ایں ہمہ آخر بہرزہ نیست ہم قصۂ غریب و حدیثِ عجیب ہست

[حافظ کی یہ سب فریاد آخر فضول تو نہیں ہے بلکہ یہ ایک نادر قصہ اور عجیب بات ہے] اس مقام پر ظہور کے لفظ کا استعمال کرنا بھی میدانِ عبارت کی تنگی کی وجہ سے ہے ورنہ وہاں ظہور بھی نہیں ہے۔ پس اس معرفتِ شریفہ کو سمجھ لیجئے کہ یہ اُن معرفتوں میں سے ہے جن سے اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ نے بعض خاص الخاص حضرات کو مخصوص کیا ہے۔ اس معرفت کی تفصیل جیسی کہ ہونی چاہئے حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے مکتوبات جلد دوم کے اُس مکتوب[1] سے جو کہ مولانا محمد صدیق کے نام ہے تلاش کرنی چاہئے۔ یہ کمال جس کا ذکر کیا گیا ہے مقامِ قابَ قوسین سے تعلق رکھتا ہے، ابھی تو اَوْ اَدْنٰی کا معاملہ درپیش ہے اس مقام کے بارے میں کچھ بیان نہیں کر سکتا۔ میرا سینہ تنگ ہو جاتا ہے اور میری زبان نہیں چلتی۔ مصرع

قلم ایں جا رسید و سر بشکست [قلم یہاں تک پہنچا اور اس کی نوک ٹوٹ گئی]

الحمد للہ الذی ھدٰنا لھذا وما کنا لنھتدی لولا ان ھدٰنا اللہ حمداً کثیراً طیباً مبارکاً فیہ مبارکاً علیہ کما یحب و یرضٰی والصلوٰۃ والسلام علٰی سیدنا وعلٰی آلہ وصحبہ وعلٰی جمیع اخوانہ من الانبیاء والمرسلین وعلٰی آل کل واصحاب کل وعلی الملائکۃ المقربین کما ینبغی لعلو شانھم و یحری [اللہ تعالیٰ کا شکر ہے جس نے ہمیں اس کی طرف ہدایت فرمائی اور اگر اللہ تعالیٰ ہمیں ہدایت نہ دیتا تو ہم ہرگز ہدایت نہ پاتے، اللہ تعالیٰ کی بے حد حمد ہے ایسی حمد جو کہ ہر لحاظ سے طیب و مبارک ہے جیسا کہ وہ چاہتا اور پسند کرتا ہے اور صلوٰۃ و سلام حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اور آپ کی آل و اصحاب اور تمام انبیاء و مرسلین اور اُن کے آل و اصحاب پر اور مقرب فرشتوں پر ہو جیسا کہ ان کی بلند شان کے لائق و مناسب ہے]

[1] مکتوب ۲/۷۰ (margin note)

مکتوب ۲۱

شیخ محمد جان اکبر آبادی کے نام محبت کی خصوصیات کے بیان میں تحریر فرمایا۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ۔ اللہ تعالیٰ آپ کو خود کامل ہونے اور دوسرے کو کامل کرنے کے درجات پر ترقیات عطا فرمائے اور سنّتِ عالیہ کے راستہ پر استقامت و دوام بخشے۔ آپ کے مکتوباتِ گرامی یکے بعد دیگرے موصول ہو کر مسرت در مسرت کا باعث ہوئے، اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ کا حمد و شکر ہے کہ آپ خیر و عافیت سے ہیں اور فقراء کی یاد سے فارغ (بے فکر) نہیں ہیں۔ اس گروہ سے محبت کرنے والا اس گروہ کے ساتھ ہے۔ ایک عزیز نے کہا ہے یا اللہ! مجھ کو اس قوم سے بنا دے یا اس قوم کے دیکھنے والوں میں سے کر دے کیونکہ میں کسی دوسری قوم سے تعلق کی طاقت نہیں رکھتا۔ حق سبحانہ و تعالیٰ اس عالی مرتبہ گروہ کے ساتھ کامل محبت عنایت فرما کر ان کے فیوض و برکات سے کامل حصہ عطا فرمائے اور ان کے پوشیدہ اسرار و معانی سے سیراب و شاداب کرے۔ محبت کا تعلق ہی ہے جو کہ محبت کرنے والے کو ہمیشہ محبوب کے ساتھ رکھتا، اس کی صفاتِ کاملہ کے ساتھ متصف کرتا اور طالب کو مطلوب کے رنگ میں رنگ دیتا ہے، اور عشق کا جوش ہی ہے جو کہ سالک کو بشریت کے وجود سے ہلکا کر دیتا، انانیت (ہیں پن) اور سرکشی کے تنگ کوچہ سے رہائی دیتا، اور اس کو اپنے آپ سے بیخود کر دیتا ہے اور از خود رفتہ کو اس مقدس بارگاہ میں جگہ دیتا اور قرب کی منزلوں تک پہنچاتا ہے، بیشک پہلے (ازل) سے یہی ہوتا آیا ہے۔ محبت ہی ہے جو کہ وجود کا سبب بنی ہے اور جس نے سلسلۂ ایجاد کو حرکت دی ہے۔ محبت ہی ظہور و اظہار کا باعث بنی ہے اور پوشیدہ خزانے کو ظہور کے میدان میں لائی ہے۔ اول چیز جس نے تعین کو قبول کیا وہ محبت ہی ہے جو کہ سرورِ کائنات علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کی حقیقت ہے۔ اس محبت ہی سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رب العالمین (اللہ تعالیٰ) کے حبیب بنے ہیں اور تمام کائنات حُب کے تقاضے اور محبت کے جوش سے وجود و ظہور میں آئی ہے ؎

گر عشق نبودے و غمِ عشق نبودے چندیں سخنِ نغز کہ گفتے کہ شنیدے

[اگر عشق نہ ہوتا اور عشق کا غم نہ ہوتا تو اسقدر نادر باتیں کون کہتا اور کون سُنتا]

والسلام۔ امید ہے کہ اس فقیر کو کبھی کبھی دعا کے ساتھ یاد فرما لیا کریں گے۔

مولانا محمد حنیف کے نام، سنت کو زندہ کرنے اور بدعت کو مٹانے کی تحریص اور سید المرسلین علیہ الصلوۃ والسلام کی محبت و متابعت پر ترغیب میں اور ان کے خط کے جواب میں جو کہ ان کے دوستوں کے حالات پر مشتمل تھا تحریر فرمایا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم حامداً و مصلیاً علی رسولہ الکریم، اما بعد ہمیں روز مرہ کے تمام امور لائق حمد و شکر ہیں، اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے آپ کے لئے عافیت اور شریعتِ عالیہ و سنتِ منورۂ مصطفویہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتحیہ کے راستہ پر استقامت مطلوب ہے۔

میرے مخدوم! قربِ قیامت اور تاریکیوں کے ہجوم کا زمانہ ہے ایک دنیا ان تاریکیوں کے گرداب میں غرق ہے اور غرق ہوتی جارہی ہے کوئی جوان مرد ایسا ہونا چاہئے جو اس طرح کے زمانے میں کسی سنت کو زندہ کرے اور کسی بدعت کو مٹائے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کے انوار کے بغیر سیدھا راستہ پانا بڑا محال ہے اور نبوت کے طریقوں کو اختیار کئے بغیر نجات تلاش کرنا محض واہمہ ہے۔ صوفیہ کے طریق پر چلنا اور محبتِ ذاتیہ تک پہنچنا حبیب رب العالمین (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کے اتباع کے بغیر ممکن نہیں ہے، آیہ کریمہ قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ (اے نبی! آپ کہہ دیجئے کہ اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے ہو تو میری اتباع کرو اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرنے لگے گا۔) اس بارے میں شاہدِ صادق ہے۔ اپنی سعادت اس میں سمجھنی چاہئے کہ ہر کام میں سرکارِ دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مشابہت پیدا کی جائے خواہ وہ کام عادات سے متعلق ہو یا عبادات سے یا معاملات سے تعلق رکھتا ہو۔ عالمِ مجاز میں بھی جب کوئی شخص کسی کے محبوب سے مشابہت پیدا کر لیتا ہے تو وہ محبت کرنے والے کی نگاہ میں بہت زیادہ محبوب اور پیارا لگتا اور پسندیدہ و خوبصورت معلوم ہوتا ہے، اور اسی طرح محبوب کے دوست بھی محب کے نزدیک محبوب و عزیز ہوتے ہیں اور جن سے محبوب کو بغض و عناد ہوتا ہے محب بھی ان سے بغض و عناد رکھتا ہے۔ پس ظاہری و باطنی کمالات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت سے وابستہ ہیں اور آپ ہی کی محبت کی میزان پر وزن کئے جاتے ہیں، پس سب سے افضل طاعت (اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے) دوستوں سے محبت کرنا اور (ان کے) دشمنوں سے دشمنی کرنا ہے، کیونکہ یہ معنی فرطِ محبت سے ہی پیدا ہوتے ہیں اس لئے کہ دوست کو دوست رکھنے والوں کی دوستی اور اس کے دشمنوں سے دشمنی کرنے میں یہ شخص بے اختیار ہے اور اس بارے میں جنون (دیوانگی) رکھتا ہے، لن یؤمن احدکم حتی یقال انہ مجنون (تم میں سے کوئی شخص ہرگز (کامل) ایماندار نہیں ہوگا جب تک کہ

لوگ اس کو مجنون نہ کہنے لگیں) اور جو شخص ایسا نہ ہو جائے محبت سے بے بہرہ ہے۔ مصرع

تولی بے تبرا نیست ممکن

[محبوب سے محبت اسوقت تک ممکن نہیں ہے جبتک کہ اس کے دشمنوں سے بیزاری نہ کرے] اس مقولہ پر اس جگہ کار بند ہونا چاہئے نہ کہ صحابۂ کبار (رضی اللہ عنہم) کے بارے میں، جیساکہ بعض لوگوں نے گمان کیا ہے کہ جناب امیر (حضرت علی) کرم اللہ وجہہ کی محبت اکابر صحابہؓ سے تبرا (بیزاری) کے بغیر ممکن نہیں ہے، انھوں نے غلط سمجھا ہے کیونکہ دوستی کی شرط دشمنوں سے اظہار بیزاری ہے نہ کہ دوستوں سے بیزاری، اس لئے کہ حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے اصحاب کرامؓ کے بارے میں رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ [وہ آپس میں بہت مہربان ہیں] ارشاد فرمایا ہے اور رُحماءُ رحیم کی جمع ہے جو کہ مبالغہ کا صیغہ ہے پس ضروری ہوا کہ یہ بزرگ حضرات (صحابۂ کرامؓ) ایک دوسرے کے ساتھ کمال درجہ کی مہربانی کے ساتھ موصوف ہوں اور چونکہ صفت مشبہ ہمیشگی پر دلالت کرتی ہے (اس لئے) لازمی ہوا کہ کمال مہربانی کی یہ صفت ان بزرگوں کے درمیان ہمیشگی کے طریقہ پر موجود ہو (اور) ایک دوسرے کے بارے میں بغض و کینہ اور حسد و عداوت جو کہ رحم کے منافی ہیں اُن سے دائمی طور پر مفقود ہوں، حدیث شریف میں آیا ہے: ارحم امتی بامتی ابو بکر [میری امت میں میری امت پر سب سے زیادہ رحم کرنے والے ابوبکر ہیں] بھلا جو شخص سب سے زیادہ رحم کرنے والا ہو اُس سے امت کے حق میں کینہ و عداوت کیونکر تصور کیا جاسکتا ہے۔

اب ہم اصل بات بیان کرتے ہیں جو کہ مذکورہ بالا بیان کی تائید کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دوستوں سے محبت کرنا اور اس کے دشمنوں سے عداوت رکھنا سب سے افضل عبادت ہے جیساکہ روایات میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا "کیا تو نے کبھی میرے لئے کوئی عمل کیا ہے؟" موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا "یا اللہ! میں نے تیرے لئے نماز پڑھی، روزے رکھے، صدقہ دیا اور تیرا ذکر کیا"۔ پس اللہ عزوجل نے فرمایا "البتہ نماز تیرے لئے دلیل، روزہ ڈھال، صدقہ سایہ اور ذکر نور ہے، پس میرے لئے تو نے کونسا عمل کیا؟" تو موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا "یا اللہ! آپ مجھے اُس عمل کی طرف رہنمائی فرمائیں جو آپ کے لئے ہے" اللہ تعالیٰ نے فرمایا "اے موسیٰ کیا تو نے میرے کسی دوست سے دوستی کی یا میرے کسی دشمن سے دشمنی رکھی؟" پس موسیٰ علیہ السلام نے جان لیا کہ وہ عمل الحب فی اللہ والبغض فی اللہ [کسی سے اللہ تعالیٰ ہی کے لئے محبت کرنا اور اللہ تعالیٰ ہی کے لئے دشمنی کرنا] ہے۔

جو مکتوب کہ ملّا تیمور لایا تھا اس میں درج تھا کہ "ایک رات بیدار ہوا اور نماز تحیۃ الوضو ادا کرنے کے بعد ہاتھ اُٹھا کر نہایت عاجزی کے ساتھ دعا کرتے ہوئے حضرت عالی (مجدد الف ثانی قدس سرہ) کی اور فلاں بزرگ کی نسبتِ خاص حاصل ہونے کی التجا کی، ایک لمحہ بھی نہ گذرا تھا کہ اس اس طرح کی

ایک نسبت ظاہر ہوئی تقریباً ڈیڑھ گھڑی جوش رہا اس کے بعد آہستہ آہستہ کم ہو گیا"۔ اللہ تعالیٰ کا شکر بجالائیں کہ دعا کرتے ہی فوراً اس کی قبولیت کا کچھ اثر ظاہر ہوا اور ایک خاص نسبت نے ظہور کیا، لیکن تعجب ہے کہ آپ نے اپنے پیر دستگیر کی نسبت کے ساتھ دوسرے بزرگ کی نسبت کی بھی آرزو کی، باوجودیکہ یہ بات طے شدہ ہے کہ اگر کسی دوسری جگہ سے کوئی نسبت حاصل ہو تو اس کو بھی اپنے پیر ہی کی طرف منسوب کرنا چاہئے اور اپنی توجہ کے قبلہ کو منتشر نہیں کرنا چاہئے، شاید کہ اس سے آپ کی مراد حضرت عالی (مجدد الف ثانی قدس سرہٗ) کی نسبت خاص اور اس بزرگ کی وہ نسبت ہو جو کہ حضرت عالی (قدس سرہٗ) سے اُس کو پہنچی ہے، پس اس تقدیر پر دونوں نسبتیں ہمارے حضرت (قدس سرہٗ) ہی کی ہوں گی۔

اور نیز آپ نے لکھا تھا کہ "دوستوں اور رشتہ داروں نے اپنے گھروں پر (لے جانے) کی تکلیف کی (جس کی وجہ سے) وہ حلاوت و لذت باقی نہیں رہی"۔ بوقتِ ملاقات بھی آپ اس بات کا اظہار کر رہے تھے اور پوچھ رہے تھے کہ اس بارے میں کیا کرنا چاہئے۔ میرے مخدوم! دعوت کو قبول کرنا خود سنّت ہے، سنّت کو بجالانے سے حلاوت میں فتور کس طرح واقع ہو سکتا ہے، لیکن اِس (دعوت کو قبول کرنے) کے لئے شرائط ہیں جو کہ شرع کی کتابوں میں مذکور ہیں، مثلاً یہ کہ کھانا ریا و سمعہ (دکھانے اور سنانے) کے لئے نہ ہو، حلال طریقے سے کمایا گیا ہو، اُس مجلس میں لہو و لعب نہ ہوں، عام دعوت نہ ہو، اور اسی قسم کی اور بھی شرائط ہیں، اگر دعوت میں یہ تمام شرائط پائی جائیں اور سنّت قائم کرنے کی نیت سے قبول کر لی جائے اور کھانا کھانا اور خصوصیت منظور نہ ہو تو امید ہے کہ ایسی دعوت کا کھانا کھانے سے باطن کی نسبت میں کوئی فتور واقع نہیں ہوگا۔ روایت میں آیا ہے کہ ولیمہ کی دعوت میں سنّت قائم کرنے کی نیت سے حاضر ہونا چاہئے، کھانا کھانے کی نیت سے حاضر نہ ہو۔ اور حضرت سفیان ثوری رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ جس نے کسی شخص کو کسی نیت کے بغیر کھانے کی دعوت دی تو اس پر خطا (گناہ) لکھی جائے گی، اگر اس شخص نے اس دعوت کو قبول کر لیا تو اس پر دو خطائیں (گناہ) لکھی جائیں گی اور اگر شرائط میں سے کوئی ایک شرط بھی مفقود ہو گی تو اس دعوت کا قبول کرنا مسنون نہ ہوگا۔ کیا ضرورت ہے کہ اس کو قبول کر کے اپنے باطن کی حلاوت میں خلل ڈالے۔ ۹۵

آپ نے لکھا تھا کہ "اس جگہ کے دوست اس نسبت سے جو کہ آپ نے اس سفر میں عنایت فرمائی تھی بہرہ ور ہوئے ہیں"۔ کیا تعجب ہے، وللارض من کاس الکرام نصیب [بزرگوں کے پیالہ سے زمین کیلئے بھی حصہ ہوتا ہے]۔ شیخ عوض ؒ نے اس احقر سے متعلق جو بشارات والے واقعات دیکھے ہیں اور آنسرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم و دیگر مشائخ سے جو عنایات و توجہات دیکھی اور سُنی ہیں جو مُلّا تیمور اور مُلّا میر نوروز کے

خطوط میں درج تھیں امیدوار ہوا اور اللہ تعالیٰ جل شانہٗ کا شکر بجا لایا۔ اور آپ نے جو کیفیات ایک جوان کے بارے میں اور جو دوسرے جوان کے بارے میں لکھی تھیں وہ اچھی اور بلند ہیں، اے اللہ! ہمارے دینی بھائیوں میں اضافہ فرما۔

آپ نے اپنے فرزندِ جگر گوشہ کے انتقال کے بارے میں تحریر کیا تھا اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ۝ (سورۃ ۲ آیت ۱۵۶) [بیشک ہم سب اللہ تعالیٰ کے ہیں اور ہم سب کو اسی کی طرف لوٹ جانا ہے] اللہ تعالیٰ نعم البدل عنایت فرمائے اور قضائے الٰہی پر صبر و رضا عطا فرمائے۔ فانما المحروم من حُرِمَ الثواب [پس بیشک محروم وہ شخص ہے جو ثواب سے محروم رہے] حدیث شریف میں آیا ہے "میں مؤمن کے لئے اللہ تعالیٰ کی تقدیر سے تعجب میں ہوں کہ جب اس کو کوئی خیر (بھلائی) حاصل ہوتی ہے تو وہ اپنے رب کی حمد کرتا اور اس کا شکر ادا کرتا ہے اور جب اس کو کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کی حمد کرتا اور صبر کرتا ہے، مؤمن کو ہر چیز میں اچھا بدلہ دیا جاتا ہے حتیٰ کہ اس لقمہ پر بھی اجر دیا جاتا ہے جس کو وہ اپنی عورت کے منھ کی طرف بڑھاتا ہے" والسلام علیکم و علی من لدیکم [تم پر اور تمہارے پاس والوں پر سلامتی ہو۔]

جاناں بیگم کے نام، اقسامِ توحید اور اس کے ہر مرتبہ کے متعلقہ معارف کو توضیح و اختصار کے ساتھ ذکر کرتے ہوئے اس کی شرح کے بیان میں تحریر فرمایا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ حامداً للہ العظیم ومصلیاً علی رسولہ الکریم۔ [اللہ تعالیٰ جل شانہٗ کی حمد کرتے ہوئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ وسلام بھیجتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو کہ رحمٰن و رحیم ہے]۔ اللہ تعالیٰ مخدومہ، محترمہ، مشفقہ، مکرمہ کی ذاتِ بابرکات کو اپنی بے انتہا عنایات میں شامل فرما کر مقاماتِ قرب میں ترقی عطا فرمائے۔ ع

از ہر چہ می رود سخنِ دوست خوشتر است [دوست کی جو بات بھی بیان کی جائے پسندیدہ ہے]

آپ غور سے سنیں، توحید دو قسم کی ہے: توحیدِ عوام اور توحیدِ خواص۔ توحیدِ عوام کلمۂ طیبہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ (سورۃ ۴۷ آیت ۱۹) کے مضمون کی تصدیق اور کافروں کے باطل معبودوں کی نفی کرنا اور معبودِ برحق کا اثبات کرنا ہے حالانکہ (اس توحید میں) حق تعالیٰ جل و علا کو اس کے ماسوا کے ساتھ محبت و گرفتاری اور دید و دانش میں شریک کرنا اور نفسِ امارہ کا جو کہ اس کی فطرت میں ودیعت ہے انکار و نزاع

پایا جاتا ہے۔ اور توحیدِ خواص میں تصدیقِ مذکور کے باوصف دو درجے ہیں، پہلا درجہ دل کو　　ط ۹۶
ماسوی اللہ کی محبت و گرفتاری اور اس کی دید و دانش سے خالی کر دینا ہے ؎

توحید بعرف صوفیٔ صاحب سیر　　　تخلیصِ دل از توجہ اوست بغیر

[صاحبِ سیر صوفی کے نزدیک توحید (کے معنی) دل کو غیر اللہ کی طرف توجہ کرنے سے خالی کر دینا ہے] اس کی توضیح یہ ہے کہ جب سالکِ رشید ذکر و فکر پر مداومت کرتا ہے اور لہو و لعب اور ہر اس چیز سے جو کہ توجہ و انہماک کے منافی ہے روگردانی کرتا ہے اور عنایتِ ازلی طالب کے شاملِ حال ہوتی ہے بتدریج سلطانِ ذکر اس کے باطن پر اس حد تک غلبہ پا لیتا ہے کہ باطن کا ذکر دوام حاصل کر لیتا ہے اور یاد کرد کے تکلّف سے نجات دیدیتا ہے اور ظاہر کی غفلت باطن میں سرایت نہیں کرتی اس کا ظاہر خواہ کسی چیز میں مشغول ہو غافل ہو یا حاضر، بیدار ہو یا نیند میں، باطن ہمیشہ ذکر و حضور میں رہتا ہے، خلوت و جلوت (تنہائی و مجلس) اس کے باطن میں یکساں ہے ؎

از بروں درمیانِ بازارم　　　وز دروں خلوتے ست با یارم

[میں باہر سے (ظاہر کے اعتبار سے) بازار میں ہوں اور اندر سے (باطن کے اعتبار سے) یار کے ساتھ تنہائی میں ہوں]

اور جب باطن دائمی حضور و آگاہی سے متصف ہو جائے تو ماسوٰی کی محبت و گرفتاری کو آہستہ آہستہ زائل کر دے گا، اس کا علمی و حبی تعلق اللہ تعالیٰ کے ماسوٰی سے جو کہ علمِ حصولی سے تعلق رکھتا ہے ٹوٹ جائے گا، یہاں تک کہ ماسوٰی کو بھلا دینا اور غیر اللہ سے پوری طرح قطع تعلق کر لینا حاصل ہو جائیگا اس درجے تک کہ اگر ماسوا کو تکلف کے ساتھ بھی یاد کرے تو اس کو یاد نہ آئے اور اس کے دل میں اس کا خیال نہ گذرے، اس وقت اس بھول کے واسطے سے جو کہ دل کو ماسوٰی سے حاصل ہوئی ہے نہ وہ دنیا کی خوشی سے مسرور ہوتا ہے اور نہ اس کی غم خواری سے رنجور، اس حالت کو فنائے قلبی سے تعبیر کیا جاتا ہے اور (یہ) کمالاتِ ولایت میں سے پہلا کمال ہے۔ جاننا چاہئے کہ اس کمال میں اگرچہ باطن کو دوامِ حضور حاصل ہے اور وہ ماسوٰی کی گرفتاری سے رہائی حاصل کر چکا ہے لیکن اس کا نفسِ حاضر اور علمِ حضوری اپنی جگہ پر موجود ہے اور اس کی منازعت اور انانیت قائم ہے۔

خواص کی توحید کا دوسرا درجہ یہ ہے کہ نفسِ حاضر اور اس کا اپنا علمِ حضوری بھی زائل ہونا شروع ہو جاتا ہے اور انانیت، ہمسری اور شرکت کے دعوی میں خلل پیدا ہو جاتا ہے اور وہ خود کو انا سے تعبیر نہیں کر سکتا کیونکہ انانیت و خودی اس سے زائل ہو چکی ہے، اسوقت اگر توجہ و حضور ہے تو از خود بخود ہے کیونکہ عارف کا کوئی نام و نشان باقی نہیں رہا ہے اور اس کے یہ معنی نہیں کہ عارف

اسوقت عین حق ہوگیا ہے اور اس سبحانہ وتعالیٰ کی ذات کے ساتھ ایک ہوگیا ہے۔ اَنَا الحق کہنا اس مقام تک نہ پہنچنے کی وجہ سے ہے اس لئے کہ فنا و نیستی اور انا کے زائل ہونے کی صورت میں اَنَا الحق کہنا کوئی معنی نہیں رکھتا اور وہ سُبحانی زبان سے نہیں نکال سکتا ؎

خیالِ کج مبر این جا و بشناس کسے کو در خدا گم شد خدا نیست

(اس جگہ کج خیالی مت کر اور پہچان لے (کہ) جو شخص خدا میں گم ہوگیا وہ خدا نہیں ہے)۔ اس حالت کو فنائے نفس کہتے ہیں، فنا کی حقیقت اس مقام میں حاصل ہوتی ہے۔ پہلی فنا کا حاصل باطن کے آئینہ کو ماسوا کے نقوش اور غیر اللہ کی صورتوں کے حصول سے خالی کرنا ہے خواہ وہ ماسوی اللہ آفاق (universe) سے متعلق ہوں یا انفس سے (self) سے ہوں، یہ کمال تجلیٔ افعال کے ساتھ وابستہ ہے اور دوسری فنا جو کہ عارف کے علمِ حضوری کی نفی کے ساتھ اس کی اپنی نفی ہوجاتا ہے تجلیٔ صفات کے ساتھ وابستہ ہے اور اس کا کمال تجلیٔ ذات کے ساتھ مربوط ہے۔ یہ ہے اہل اللہ کی سیر و سلوک کا خلاصہ اور اہلِ کمال کے حال کا نسخہ، ابھی اس میں گفتگو کرنے کی بہت گنجایش ہے۔

مکتوب ۲۴

مرزا امان اللہ برہان پوری کے نام، اُن کے خطوط کے جواب میں جو کہ اُن کے اور ان کے دوستوں کے حالات و اشواق اور واقعات پر مشتمل تھے تحریر فرمایا اور اس میں ہر مقام کے متعلق معارف کا ذکر اور حقیقتِ کعبۂ معظمہ کا بیان و حدیث لی مع اللہ وقت کی تشریح اور حقیقتِ سرورِ کائنات علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کی دوسرے حقایق پر فضیلت بیان فرمائی ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم ط حامداً اللہ العظیم ومصلیاً علی رسولہ الکریم (اللہ تعالیٰ کی حمد اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجتے ہوئے میں اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو کہ رحمن و رحیم ہے)۔ برادر میر ضیاء الدین حسین نے برادر عزیز سلمہ اللہ تعالیٰ سبحانہ من الزلل والآفات (اللہ تعالیٰ اس کو تمام لغزشوں اور آفتوں سے سلامت رکھے) کا گرامی نامہ قابلِ قدر تحائف کے ہمراہ پہنچا کر مسرور کیا، حق سبحانہ و تعالیٰ فیوض کے دروازوں کو ہمیشہ کھلا رکھے اور اپنی عنایات والطاف کے ساتھ سربلند کرے، اور جو کچھ آپ نے مولانا ابو المظفر نبیرۂ شیخ علم اللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ کے بارے میں دیکھا ہے کہ گویا حضرتِ ایشاں (حضرت مجدد الفِ ثانی قدس سرہٗ) اُن کی طرف متوجہ ہوئے وہ اس لباس سے جو کہ وہ رکھتے تھے

عریاں ہوگئے اور ان کو دوسرا لباس پہنایا گیا اور حضرتِ عالی (حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ) نے فرمایا کہ اُن کے ورق کو پلٹ دیا گیا ہے، اور دوسرے واقعہ میں حضرت ؒ نے فرمایا کہ ہم نے اُن کو اپنے ساتھ لے لیا ہے، اس کے بعد سے اُن کا معاملہ دوسرا ہوگیا ہے"۔ بہت مبارک ہے، امید ہے کہ حضرت عالی (حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ) کی خاص نسبت سے وافر حصہ حاصل کریں گے اور اُن عنایات سے جو کہ اس واقعہ میں آپ کے متعلق ظاہر ہوئی ہیں اللہ تعالیٰ جل شانہٗ کا شکر بجا لائیں کہ یہ بشارتِ عظمیٰ ہے، اور جو کچھ آپ نے عجز و عدم ادراک کے غلبہ کے بارے میں اظہار فرمایا تھا اور لکھا تھا کہ "دوسری حالت اس کے ساتھ کوئی مناسبت نہیں رکھتی (یہ حالت) سب سے الگ ہے"۔ بیشک جو نسبت کہ وراء الوراء سے تعلق رکھتی ہے وہ تمام نسبتوں سے الگ ہے اس کے ادراک سے عاجز ہونے کے سوا اور کیا نصیب ہو سکتا ہے۔

جو واقعات کہ محمد شاہ نے دیکھے ہیں وہ واضح ہیں، بظاہر وہ قطبِ وقت کے ساتھ بڑی مناسبت رکھتا ہے اور اس کے انوار و برکات سے امیدوار ہے، حق سبحانہ وتعالیٰ قوت سے فعل میں لائے، واقعات بشارات ہیں، ہمارے بزرگوں نے ان پر اعتمادِ کلی نہیں رکھا ہے جو کچھ بیداری میں پیش آئے وہ اس شخص کی ملکیت ہے ؎

چو غلام آفتابم ہمہ ز آفتاب گویم نہ شبم نہ شب پرستم کہ حدیثِ خواب گویم

(چونکہ میں آفتاب کا غلام ہوں اس لئے سب کچھ آفتاب ہی سے کہتا ہوں نہ میں شب ہوں اور نہ شب پرست ہوں جو خواب کی بات کہوں)

اور وہ واقعہ کہ جس میں پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام حضرات نے آپ کو کعبۂ معظمہ کے اوپر لے لیا اور کعبہ کی دیوار کے پورا کرنے کا امر فرمایا اور فرمایا (یہ کام) تجھ سے متعلق ہے اور تکمیل کے بعد ان حضرات نے فرمایا کہ جامہ (غلافِ کعبہ) بھی تو ہی پہنا۔ آپ نے حضرات کی امداد سے کعبۂ معظمہ کو جامۂ مبارکہ (غلاف) پہنایا، اس کے بعد سب حضرات نے مبارکباد دیکر مصافحہ کیا"۔ بہت اعلیٰ ہے، اس سے کعبۂ معظمہ کے ساتھ کامل مناسبت معلوم ہوتی ہے، حق سبحانہ وتعالیٰ اس کی حقیقت سے کچھ حصہ عطا فرمائے حقیقتِ کعبہ، حقائقِ مخلوقات وحقیقتِ واجبی جل سلطانہ کے درمیان جو کہ مرتبۂ احدیت ذات تعالیٰ وتقدس ہے برزخ ہے کیونکہ کعبہ مخلوق کا مسجود الیہ ہے (اسی لئے) اس کی حقیقت تمام مخلوق کے حقایق سے ضرور ممتاز ہونی چاہیئے۔ چونکہ مسجود ذاتِ حق سبحانہ ہے (اس لئے) کعبہ کی خلقت بھی اسی مقدس بارگاہ سے ہونی چاہیئے۔ ہمارے حضرت (مجدد الف ثانی) قدسنا اللہ تعالیٰ بسرہ الاقدس نے اس مکتوب گرامی میں جو کہ مکتوبات کی تینوں جلدوں میں سے کسی میں شامل نہیں ہے لکھا ہے کہ "حقیقتِ کعبہ ذاتِ واجبی تعالیٰ ہے اس لئے کہ مسجود حقیقت میں وہی مقدس مرتبہ ہے۔ ہذا" جاننا چاہیئے کہ مسجود اگرچہ ذات بیچون ہے

لیکن اعتبارِ مسجودیت کو اس کے ساتھ ملحوظ رکھا گیا ہے اس لئے مرتبۂ احدیتِ ذات سے جو کہ نسبتوں اور اعتبارات سے پاک ہے نیچے کے درجے میں ہوگا اور دید و دانش و گرفتاری میں متمیز ہو جائے گا۔

اور آپ نے دوسرے واقعہ میں لکھا تھا کہ "حضرتِ ایشان (قدس سرہ) فقیر کے سر کو اٹھا کر فقیر کی پیشانی کا بوسہ دیکر فرماتے ہیں کہ خبردار ہو جا۔ فقیر دیکھتا ہے کہ تمام عالم کی توجہ خواہ آفاقی ہو یا انفسی پوری طرح فقیر کی طرف ہے چنانچہ اگر وہ اس توجہ سے محروم رہ جائیں تو سب لاشئے (معدوم) ہو جائیں۔ میں دیکھتا ہوں کہ فقیر کا حلیہ بعینہٖ حضرتِ عالی کا حلیہ ہے اور یہ حالت واضح طور پر دیکھتا ہے، حیرت بہت بڑھ گئی کہ یہ کون دیکھتا ہے اور کس چیز کا مشاہدہ کرتا ہے، حضرت فرماتے ہیں حقیقت میں دونوں ایک ہی ہیں جیسا کہ نظر آرہا ہے"۔ میرے مخدوم! جو کچھ آپ نے واقعہ میں دیکھا ہے اگر خارج میں ایسا ہو تو یہ قطب الاقطاب کا مقام ہے اور تمام عالم کا اس طرح پر توجہ کرنا اس سے تعلق رکھتا ہے، اس کا لب لباب یہ ہے کہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ مریدِ صادق فنافی الشیخ ہونے کی وجہ سے شیخ کی مخصوص حالت کو اپنے اندر محسوس کرتا ہے اور شیخ کے ساتھ اتحاد پیدا کر لینے کے وقت اپنے آئینے میں شیخ کے کمالات کو مطالعہ کرتا ہے۔ قطبیت کے وہ معنی جن کے ساتھ اس کا شیخ متصف ہے اگر وہ اس وقت اپنے اندر پائے تو کیا تعجب ہے اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ قطب کے معاون و مددگار اس معنی کو اپنے اندر مشاہدہ کرتے ہیں اگرچہ اصالت کے طور پر یہ خدمت قطب کے ساتھ وابستہ ہے لیکن اس کی تبعیت و طفیل سے اس کے مددگار بھی اس خدمت میں اس کے شریک ہوتے ہیں جیسا کہ عالمِ مجاز میں یہ حقیقت وزرا اور سلاطین میں ثابت ہے، بادشاہ کی طرف سے وزارت کا منصب ایک شخص کے لئے ہوتا ہے لیکن اس کے ارکانِ سلطنت بھی اسی کی طرح مخلوق کا مرجع (جائے رجوع) ہیں۔

۹۹

جاننا چاہئے کہ ایک جماعت خواب و واقعہ میں اپنے آپ کو بادشاہ یا قطبِ وقت دیکھتی ہے اور بیداری میں ان میں سے کسی کے لئے یہ (بات) ثابت نہیں ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ بادشاہت یا قطبیت کی صفت ان میں موجود ہے لیکن ضعیف ہے اس قابل نہیں ہے کہ عالمِ شہادت میں ظہور پائے، اس کے بعد یہ دو حال سے خالی نہیں ہے، اگر اس صفت نے قوت حاصل کر لی اور اس قابل ہو گیا کہ عالمِ شہادت میں ظاہر ہو جائے تو وہ شخص اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی قدرت سے عالمِ شہادت میں بھی بادشاہ ہو جاتا ہے اور قطب بھی بن جاتا ہے اور اگر اس قدر قوت پیدا نہ کی تو اسی مثالی ظہور کے ساتھ جو کہ بہت ہی ضعیف ظہور ہے کفایت کرتا ہے اور بقدرِ قوت ظہور پاتا ہے، وہ واقعات بھی اسی قسم کے ہیں جو کہ اس راستہ کے طالبان دیکھتے ہیں اور خود کو بلند مقامات میں پاتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ وہ اربابِ ولایت کے مناصب پر فائز ہو گئے ہیں،

ہمارے حضرت (مجدد الف ثانی) قدسنا اللہ سبحانہ بسرہ الاقدس کے اصحاب میں سے ایک شخص نے حضرت کی خدمت میں عرضداشت پیش کی کہ قطب الاقطاب ہونے کی بشارت جو کہ عالمِ غیب سے آتی ہے اس کی کوئی اصلیت ہے یا نہیں؟ حضرت عالی (قدس سرہٗ) نے اس کے جواب میں تحریر فرمایا کہ "یہ مقام قطبیت کے کمالات کے حصول کی بشارت ہے نہ کہ منصبِ قطبیت کے حصول کی جو کہ علم کے ساتھ مشروط ہے کیونکہ صاحبِ منصب کو اس کا علم ہونا ہے" انتہی کلامہ الشریف۔ آپ نے اس واقعہ کے ذیل میں لکھا تھا کہ بہت سے حقایق و معارف ظاہر ہوتے اور گذر جاتے ہیں اور ہر ایک کی حقیقت پر اطلاع دیتے ہیں اگر اس میں سے ذرا بھی ظاہر ہو جائے (تو) نظامِ عالم میں خلل آجائے۔ ع

قلم ایں جا رسید و سر بشکست [قلم یہاں تک پہنچا اور اس کی نوک ٹوٹ گئی]

دفتر اول مکتوب ۲۵۲ — ص ۱۰

بیشک خاص بندوں پر ایسی چیزیں ظاہر ہوتی ہیں جو عوام کے حوصلہ و ہمت سے باہر ہیں اُن کا عوام سے چھپانا ضروری ہے اگر وہ ظاہر ہو جائیں تو فتنہ و فساد کا سبب بن جائیں اور بعض امور اس قسم کے ہیں کہ خواص سے بھی اُن کا چھپانا ضروری ہے کیونکہ وہ امور بعض خاص بزرگوں کے ساتھ مخصوص ہوتے ہیں مگر اجازت سے بیان کر سکتے ہیں۔

آپ نے لکھا تھا کہ "جو کچھ اس ذرہ بیمقدار پر گذرتا ہے اس کو کس زبان سے بیان کرے جو کچھ قول و فعل سے صادر ہوتا ہے دیکھتا ہے کہ تمام صفات قولی و فعلی و حسی و حرکتی، پوشیدہ اور علانیہ سب کسی دوسری جگہ سے ہیں اس ہیکل و پیکر (جسم و صورت) کو اس کے ساتھ کوئی مناسبت نہیں ہے یہ قالب جدا ہے اور اس کا درک (پانا) بھی قالب سے جدا ہے اور اس کا اور تمام عالم کا عدم ہونا ظاہر ہے اور آنکھ اس معنی کے حاصل کرنے میں اندھی ہے"۔ شاید کہ آپ نے قالب و پیکر سے انسان کے ظاہر و باطن کا مجموعہ مراد لیا ہو نہ کہ صرف ظاہر جیسا کہ قالب سے عام طور پر یہی تبادر ہوتا ہے کیونکہ یہ صفات حقیقت میں باطن کے ساتھ قائم ہیں نہ کہ ظاہر کے ساتھ اور جب عارف اپنی ذات کے عدم ہونے پر دانا و بینا ہو جاتا ہے اور حالتِ فنا کے ساتھ موصوف ہو جاتا ہے تو باطن کو بھی ظاہر کی طرح صفات سے خالی پاتا ہے اور عدمِ صرف اور جمادِ محض خیال کرتا ہے اور ادراک و شعور کو دونوں (ظاہر و باطن) سے مسلوب (نفی کیا ہوا) دیکھتا ہے بلکہ حقیقت میں فنا و بقا باطن کی صفات میں سے ہے اور بس، عارف کا ظاہر ہمیشہ بشریت کی صفات پر (قائم) رہتا ہے اور اس نے دو بینی (دو دیکھنے) سے رہائی نہیں پائی ہے اور توحید کے ساتھ وابستہ نہیں ہوا ہے، باطن قرب کے درجات میں ہے اور ظاہر اس سے منزلوں دور ہے، ظاہر کے حق میں کمال یہ ہے کہ وہ باطن کے حالات پر اطلاع پائے احوال خاص باطن کے لئے ہیں اور اگر سالک

ارباب علم میں سے ہے تو احوال کا علم ظاہر کے لئے ہے اور جب ظاہر اس کے علم سے خالی ہوگا تو (ہمیشہ) رنج و اضطراب میں رہے گا یہاں تک کہ جو مقدر ہے وہ پورا ہو جائے۔

آپ نے لکھا تھا کہ صبح کی فرض نماز میں ایک وارد (کیفیت) پیش آیا جو کہ کسی اور وقت میں نہیں تھا، خیال میں ایسا ظاہر کیا گیا کہ یہ وہ حالت ہے کہ جس کے بارے میں آنحضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے لی مع اللہ وقت (الحدیث) [میرا اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایک ایسا وقت ہے] فرما کر خبر دی ہے اور ایسا بتایا گیا ہے کہ یہ حالت و نسبت آنسرور علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ مخصوص ہے جو کہ مقرب فرشتے اور نبی مرسل کی حالت و درجہ سے اونچی ہے کہ اس جگہ اسم کا اطلاق بھی نہیں کیا جا سکتا اور اس دولت کا حاصل ہونا اولوالعزم پیغمبر کے ساتھ مخصوص ہے اور وہ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طفیل سے ہے امت میں سے جس کو بھی اس دولت سے نوازتے ہیں اس نعمت کا ایک لقمہ مل جاتا ہے الیٰ آخرہ۔

میرے مخدوم! جائز ہے کہ امت کے بعض کامل افراد کو اپنے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اس خاص دولت سے تبعیت و وراثت کے طریقہ پر حصہ مل جائے کیونکہ خاص خادم اپنے مالک کے پس خوردہ سے امیدوار ہیں لیکن کبھی یہ معاملہ حقیقت کے طریق پر ہوتا ہے اور کبھی ظل کے اصل کے ساتھ مشابہ ہونے کے طریق پر ہوتا ہے اس کی تفصیل یہ ہے کہ لی مع اللہ وقت کا بھید یہ ہے کہ آنسرور علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کی حقیقت تمام موجودات ممکنہ کے حقائق پر فوقیت رکھتی ہے خواہ وہ انبیائے مرسلین کے حقایق ہوں یا ملائکہ مقربین کے حقایق، نیز وہ حقیقت بمنزلہ کُل ہے اور دوسرے تمام حقائق اس کے اجزا کے مانند ہیں، پہلی چیز جو غیب کی کمین گاہ سے ظہور کے میدان میں آئی اور صادر ہوئی وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقت ہے اور مرتبہ لاتعین کا سب سے پہلا تعین بھی وہی (حقیقت محمدیہ) ہے جو کہ تعیّن حبّی ہے وجود و ایجاد سب محبت ہی کی فروعات ہیں اور کہنا سننا اور محب و محبوب بھی اسی کا ثمرہ ہیں کیونکہ حُب ہی ہے جس نے غیب الغیب کے قفل کو کھولا ہے اور وجود و ایجاد کے کارخانہ کو پھیلایا ہے اور پوشیدہ خزانے کو ظہور دیا ہے اور محبت ہی کا جوش ہے جس نے محبوب کے اسرار کو روشن و ظاہر بنایا اور عشق ہی کی آواز ہے جس نے کہ اس کے جمال و کمال کو پوشیدگی کے پردے سے نکالا، اگر یہ عشق نہ ہوتا تو جمال لازوال سے پردہ کون کھولتا اور اس کے کمال کی شہرت دنیا اور اہل دنیا کے کانوں تک کون پہنچاتا ؎

گر عشق نبودے و غم عشق نبودے　　　چندیں سخن نغز کہ گفتے کہ شنودے

[اگر عشق اور اس کا غم نہ ہوتا (تو) اسقدر نادر باتیں کون کہتا اور کون سنتا] یہاں سے معلوم ہوا کہ حُسن خود بے پردہ ہونا چاہتا ہے اور جمال چھپنے کا خیال نہیں رکھتا ؎

پری رو تابِ مستوری ندارد　　چو در بندی ز روزن سر برآرد

[پری چہرہ چھپنے کی تاب نہیں رکھتا، اگر تو دروازہ بند کرے گا تو وہ روزن (سوراخ) سے سر نکال لے گا]۔

کیونکہ حسن کے لئے عشق لازمی ہے اور جمال کے لئے محبت دامنگیر ہے ؎

ہر کجا حسن می نماید روے　　می نہد سر بسجدہ عشق آں سوے

[جہاں بھی حسن جلوہ نما ہوتا ہے عشق اس طرف سر بسجدہ ہو جاتا ہے]

اب ہم اصل بات کی طرف رجوع کرتے اور کہتے ہیں کہ اس بیان سے ثابت ہوا کہ جو قرب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقت کو ذاتِ اقدس تعالیٰ کے ساتھ ہے وہ کسی دوسری حقیقت کو نہیں ہے اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وقت ممتاز ہوگا اور کسی پیغمبر اور فرشتہ کو اس وقت میں گنجائش نہ ہوگی، ہاں اگر کسی کی حقیقت کو اس حقیقۃ الحقایق کے ساتھ طفیلی ہونے یا تبعیت کے طور پر کچھ الحاق اور انطباق حاصل ہو جائے تو ہو سکتا ہے کہ طفیلی ہو کر اس دولت میں شریک ہو جائے لیکن چونکہ اصالت و تبعیت کا فرق ہمیشہ باقی و قائم رہے گا اس لئے ہر لحاظ سے شریک ہونے کی نفی کی گئی ہے، بلکہ اگر شرکت ہے تو وہ صورۃً شرکت ہے اور حقیقت میں کچھ شرکت نہیں ہے۔ خادم کو مخدوم کے ساتھ کیا شرکت اور طفیلی کو اصل کے ساتھ کیا مساوات، اور یہ الحاق و اتحاد حقیقت بعض کامل ترین افراد میں ثابت ہے اور چونکہ اس حقیقۃ الحقایق کیلئے مراتبِ تنزلات میں ظلال اور تمثیلات کے ظہورات ہیں (اس لئے) جب کوئی سالک ان ظلال میں سے کسی ظل میں پہنچتا ہے اور ظل اور اصل میں تمیز نہیں کر سکتا تو وہ خیال کرتا ہے کہ اس حقیقت کو پہنچ گیا ہے اور اس خاص وقت میں شریک ہو گیا ہے (حالانکہ) ایسا نہیں ہے یہ ظل کے اصل کے ساتھ مشتبہ ہونے کی قسم سے ہے۔

۱۰۲

سوال، لی مع اللہ کے مقام کا ظل بھی آں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خصوصیت رکھتا ہے اور کسی دوسرے کو آپ کے ساتھ شرکت نہیں ہے پس جو شخص کہ اس مقام کے ظل کو پہنچ جائے تو اس شخص کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خاص مقام میں حقیقی طور پر شریک ہو جانا چاہیے۔ ہم اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت تمام انبیائے کرام و ملائکہ عظام علیہم الصلوٰۃ والسلام پر اس مقام کی اصل کے اعتبار سے ہے جو کہ قرب کے تمام مقامات سے اوپر ہے نہ کہ اس مقام کے ظل کے اعتبار سے، اس لئے کہ یہ فوقیت وہاں مفقود ہے کیونکہ ہو سکتا ہے کہ انبیا و ملائکہ کے مقامات کے اصول اس ظل سے اوپر ہوں اگرچہ ان کے مقامات کے ظلال اس ظل سے نیچے ہوں۔ اگر کہا جائے کہ اس ظل کا ان ظلال پر فوقیت رکھنا بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دوسروں پر فضیلت کے باعث ہے (تو جواب میں) ہم کہتے ہیں

کہ اس ظل کی ان ظلال پر فوقیت دوسروں کے اصول کی اس ظل پر فوقیت کے باوجود جزئی فضیلت کا موجب ہے نہ کہ کلی فضیلت کا جو کہ بحث سے خارج ہے کیونکہ ہر شخص اپنے مقام کی خصوصیت کے اعتبار سے دوسروں پر فضیلت رکھتا ہے لیکن یہ فضیلت جزئی ہے، اگرچہ ایک جزئی فضیلت اور دوسری جزئی فضیلت میں بھی فرق ہے کیونکہ یہ ظل تمام ظلال پر فوقیت رکھتا ہے اور ان سب کا جامع ہے، اس کے باوجود اصول پر نظر کرتے ہوئے یہ فضیلت جزئی ہے اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو لی مع اللہ وقت فرمایا ہے وہ اصل کے اعتبار سے فرمایا ہے جو کہ تمام مقامات پر فوقیت رکھتی ہے، ظل کے اعتبار سے نہیں فرمایا کیونکہ فوقیت وہاں نہیں ہے پس سالک جو کہ ظل کے مقامات میں شرکت کا گمان پیدا کر لیتا ہے (یہ) ظل کے اصل کے ساتھ مشتبہ ہونے کی قسم سے ہوگا۔

سوال: ان اکابرین سے ہر ایک کی حقیقت دوسرے کی حقیقت سے ممتاز ہے اور کسی شخص کو اصالت کے طور پر کسی دوسرے کی حقیقت میں شرکت نہیں ہے پس ہر کسی کا وقت ممتاز ہوگا اور اس کے خاص وقت میں کسی دوسرے کو کوئی دخل نہ ہوگا پس ہمارے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وہ کونسی خصوصیت ہوگی کہ جس کے اعتبار سے آپ نے لی مع اللہ وقت فرمایا۔ ہم اس کا جواب دیتے ہیں کہ ہر کسی کے خاص وقت میں اگرچہ دوسروں کی شخصی شرکت نہیں پائی جاتی لیکن نوعی شرکت موجود ہے جو کہ مماثلت کا سبب ہے کیونکہ ہر حقیقت کو دوسری حقیقت کے ساتھ کچھ نہ کچھ اشتراک ہے اور تمام حقایق حقیقۃ الحقایق میں درج ہیں اور حقیقۃ الحقائق کو دوسرے تمام حقائق کے ساتھ کچھ بھی اشتراک نہیں ہے کہ جس کی وجہ سے اس کو ان کے ساتھ شرکتِ نوعی ہوتی جس سے مماثلت ثابت ہوتی۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خاص وقت میں دوسروں کو نہ نوعی شرکت ہے اور نہ شخصی شرکت۔ ایک دوسرا جواب یہ ہے کہ حقیقتِ آں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کہ حقیقۃ الحقایق ہے وہ کُل ہے اور دوسروں کے حقایق اس کے اجزا کے درجے میں ہیں اور یہ مسلم ہے کہ جو کمال جزو کے لئے ثابت ہے وہ کُل کے لئے بھی ثابت ہے، لیکن اس کے برعکس ثابت نہیں ہے، پس دوسروں کے کمالات میں ہمارے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شرکت ثابت ہوگئی اور آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے (مخصوص) کمال میں دوسروں کو شرکت نہیں ہوگی اور حدیث "لی مع اللہ وقت" صادق و ثابت ہوگی۔ بلکہ ہم کہتے ہیں کہ جن لوگوں کے حقایق اسمائے کلی کی جزئیات ہیں یا ان اسماء کی جزئیات کی جزئیات ہیں ہمارے پیغمبر علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کو بھی ان میں شرکت ہے اس لئے کہ جو شخص جزو کے جزو سے موسوم ہو وہ صاحبِ اسمِ جزئی کے دائرہ کے تحت ہے اور یہی نسبت صاحبِ اسمِ جزئی کو صاحبِ اسمِ کلی کے ساتھ ہے پس سمجھ لیجئے۔ یا ہم یہ کہتے ہیں کہ اس قسم کی عبارت سے فوری طور پر ذہن

اس طرف جاتا ہے کہ صاحب عبارت کے وقت کو دوسروں کے وقت پر فوقیت اور عدم مماثلت و مشارکت ہے، اس عبارت کے صدور میں خصوصیت محض کافی نہیں ہے پس اس عبارت کا مصدر (محلِ صدور) آں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہوے نہ کہ کوئی اور، کیونکہ (اس میں) فوقیت و عدمِ مماثلت و مشارکت مفقود ہے اگرچہ خصوصیت ہے۔

آپ نے لکھا تھا کہ "میں ایک روز حلقہ میں بیٹھا تھا دیکھتا ہوں کہ" میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مجلس میں حاضر ہوں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں، حکم ہے کہ آج تیرے عقد کا دن ہے، میں حق سبحانہ وتعالیٰ کے ساتھ تیرا عقد کرتا ہوں، اسوقت فقیر پر ایک ایسی حالت ہے کہ جس کو بیان نہیں کر سکتا، فرمایا کہ ہم نے دنیا اور آخرت کو تیرے مہر میں دیدیا الخ" جاننا چاہئے کہ حق تعالیٰ شانہٗ کے ساتھ عقد سے مراد شاید اللہ تعالیٰ کے اس اسم کے ساتھ عقد ہو جو اس شخص کا مبدأ تعین ہے یا اس اسم کے اصول کے ساتھ (عقد مراد ہو) جو کہ شیون و اعتباراتِ ذاتیہ پر ختم ہوتے ہیں اور عقد سے مراد اسم یا اس اسم کے اصول تک وصول ہے اور اس اسم کا وصول اس کے ساتھ فنا و بقا کا حصول ہے کہ ولایت اور اسلامِ حقیقی کا حاصل ہونا اس پر موقوف ہے، چنانچہ شیخ شرف الدین یحییٰ منیری قدس سرہٗ نے فرمایا ہے کہ جبتک تو اپنی ماں سے جفتی نہ کرے مسلمان نہیں ہوگا یعنی جب تک تو اس اسم کے ساتھ جو کہ تیرا مبدأ تعین ہے متحقق نہیں ہوگا مسلمان نہیں ہوگا۔ مختصر یہ ہے کہ جب تک معاملہ اصول کے ساتھ یا اصولِ اصول کے ساتھ ہے فنا و بقا اور حصول و تحقق کی نسبت کا حاصل ہونا متصور ہے اور جب کام اصول سے اوپر چلا جاتا ہے اور اصول ظل کی مانند راستہ میں رہ جاتے ہیں اور معاملہ ذاتِ غیب تعالیٰ سے جا پڑتا ہے تو مذکورہ بالا نسبتوں میں سے کچھ بھی وہاں متصور نہیں ہوگا۔ آیۂ مبارکہ لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَدْ وَلَمْ یَکُنْ لَّہٗ کُفُوًا اَحَدٌ [اس نے کسی کو نہیں جنا ہے اور نہ وہ کسی سے جنا گیا اور نہ اس کی مثل کوئی ہے] اسی مقام کا پتہ دیتی ہے ؎

لاوھوزاں سرائے روز بہی بازگشتند جیب و کیسہ تہی

[لا اور ھو اس بارگاہِ قدس سے اس حال میں واپس لوٹتے ہیں کہ جیب اور تھیلی خالی ہوتی ہے] اور یہ جو فرمایا ہے کہ دنیا و آخرت کو تیرے مہر میں دیا گیا ہے یعنی جو کچھ کہ اسم کے ساتھ مناسبت رکھتا ہے اور اس اسم کی جامعیت کے لائق ہے جیسا کہ ہمارے حضرت (مجدد الف ثانی قدس سرہٗ) نے لکھا ہے کہ ہر شخص کی بہشت اس اسم الٰہی (جل شانہٗ) کے ظہور سے عبارت ہے جو اُس شخص کا مبدأ تعین ہے اور اس اسم نے اشجار و انہار اور حور و قصور کے لباس میں ظہور فرمایا ہے، اسمائے الٰہی (جل شانہٗ) کی بلندی و پستی اور جامعیت و عدم جامعیت میں تفاوت و فرق کے مطابق جنت کے درجات میں بھی تفاوت و فرق ہے"۔ اور ہو سکتا ہے کہ مراد آں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عقد ہو کیونکہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

شریعتوں اور احکامِ الٰہی جل وعلا کے مظہر ہیں تو یہ عقد شریعت کے ساتھ ہوگا خواہ ظاہر شریعت کے ساتھ ہو یا ظاہر و باطن دونوں کے ساتھ ہو اور عقد سے کنایہ احکامِ شرعیہ کے ساتھ آراستہ ہونا اور سننِ پسندیدہ کے ساتھ مزین ہونا ہے اور شریعت کا باطن حقیقی اسلام ہے اور اس کے ساتھ متصف ہونا اولیاء اللہ کے قدموں کا انتہائی مقام ہے، اور ہوسکتا ہے کہ عقد سے مراد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقت کے ساتھ وابستگی ہو جو کہ حقیقۃ الحقائق ہے جیسا کہ اس کی تفصیل اوپر بیان ہو چکی ہے ۔

آپ نے دوسری جگہ لکھا تھا کہ "اس حالت میں ظاہر کیا گیا کہ یہ مقام لاتعین ہے"۔ آپ کو معلوم ہونا چاہیئے کہ جہاں تک سیر و سلوک ہے تمام ترقی و عروج مراتبِ تعینات میں ہے، مراتبِ تعینات کے اوپر قدم رکھنے کی جگہ نہیں ہے اگرچہ عروج کے وقت بلاتعین ظاہر ہو حقیقت میں تعین کے پردے کے بغیر نہیں ہے، لاتعین محض میں قدم رکھنا وجوب کے ساتھ متحقق ہونا ہے جو کہ محال ہے، ہاں اس بارگاہ میں نظری وصول شاید محال نہ ہو۔ ۱۰۵

آپ نے قبر کا معاملہ منکشف ہونے کے بارے میں تحریر کیا تھا اور لکھا تھا کہ "قبر میں میری ایسی حالت ہے جو کہ تحریر و تقریر میں نہیں آسکتی شرح و بیان سے باہر ہے اس کا وقت و حال دوسرا ہے جو کہ اس عالم کے مانند نہیں ہے اس مقام میں سرور و حضور اُس عالم سے ہے کہ عالمِ دنیا کو مطلق اس کا تصور اور خبر نہیں ہے"۔ بیشک قبر آخرت کی منزلوں میں سے پہلی منزل ہے جو شخص مر گیا پس اس کی قیامت قائم ہوگئی جو معاملہ آخرت سے تعلق رکھتا ہے اس کا آغاز قبر سے ہوتا ہے، قبر یا تو جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے یا دوزخ کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا ہے، تمام دنیا ظلی ظہورات اور مثالی نمونوں کا مقام ہے۔ لا یشفی علیلا و لا یروی عطشانا [کسی علیل کو شفا نہیں بخشتے اور کسی پیاسے کو سیراب نہیں کرتے] میں اسی کا پتہ دیا گیا ہے، نہ طالبِ صادق کو اس سے سیری حاصل ہے اور نہ پیاسے کو سیرابی ہے: كَسَرَابٍ بِقِيعَةٍ يَحْسَبُهُ الظَّمْآنُ مَاءً [اس سراب (وہ جگہ جس پر پانی ہونے کا دھوکا ہوتا ہے) کی طرح جو چٹیل میدان میں ہے جس کو پیاسا سمجھتا ہے کہ پانی ہے] ۔ (سورہ ۲۴ آیت ۳۹) (یہ دنیا) کھیتی اور کام کرنے کا مقام ہے اور طاعت و عبادت کی جگہ ہے۔ (یہ دنیا) آخرت کے لئے کھیتی ہونے سے زیادہ نہیں ہے کہ آخرت ہی ظہورِ اصل کا محل ہے اور بطریق کمال لقا (دیدارِ الٰہی) کا مقام ہے اور اس (آخرت) کا معاملہ برزخِ صغریٰ سے شروع ہوتا ہے جو کہ قبر ہے۔ مَنْ كَانَ يَرْجُوا لِقَاءَ اللَّهِ فَإِنَّ أَجَلَ اللَّهِ لَآتٍ [جو شخص اللہ تعالیٰ سے ملاقات کا امیدوار ہے پس اللہ تعالیٰ کا مقرر کیا ہوا وقت آنے والا ہے] (سورہ ۲۹ آیت ۵) پس قبر کا معاملہ دنیا کے معاملات کی مانند نہیں ہے اگرچہ برزخ ہے لیکن وہاں اُس مقام (آخرت) کے معاملات غالب ہیں، ہاں تمام ہی

جوکہ دنیا میں اصل کا نشان رکھتی ہے اور ظلی ظہورات سے اعراض کرنے والی ہے، حدیث شریف میں آیا ہے کہ بندہ اور حق سبحانہ وتعالیٰ کے درمیان جو پردہ ہے وہ نماز میں اٹھا دیا جاتا ہے اور حدیث شریف میں یہ بھی آیا ہے کہ سجدہ کرنے والا اللہ تعالیٰ کے دونوں قدموں پر سجدہ کرتا ہے پس اللہ تعالیٰ سے اس حالت کو طلب کرنا اور اس کی رغبت کرنا چاہئے۔ نماز صورت کے اعتبار سے اگرچہ دنیا سے ہے لیکن حقیقت میں آخرت سے ہے اس لئے کہ یہ مومن کی معراج ہے اور جو چیز کہ آخرت سے تعلق رکھتی ہے (یعنی دیدارِ الٰہی) وہ اس میں سے کچھ حصہ دلا دیتی ہے (یعنی دنیا میں مشاہدہ کرا دیتی ہے)۔

میرے مخدوم! آپ کا ایک خط اس خط کے بعد کہ جس کو کہ میر ضیاء الدین حسین لایا تھا پہنچا اس خط میں لکھا ہوا تھا کہ ان دنوں میں ایسے حالات گذر رہے ہیں کہ (یہ بندہ) ان کے لکھنے اور بیان کرنے سے عاجز ہے۔ اکثر نماز میں ایسی حالت پیش آتی ہے کہ شرح و بیان سے باہر اور کیفیت سے ماوراء ہے عجیب و غریب امور و اسرار وارد ہوتے ہیں الیٰ آخرہٗ۔ (بیشک) فرض نماز ان کمالات میں جو کہ اوپر بیان ہو چکے ہیں تمام نمازوں سے ممتاز ہے، قربِ فرائض کو قربِ نوافل سے کیا نسبت، ان کمالات کی ابتدا میں نوافل کے ساتھ لذت بخشتے ہیں اور انتہا میں یہ حالتِ (قرب) فرض نمازوں پر موقوف ہے اور اس (نماز) کے باہر گویا معطل اور بیکار ہے، حدیث شریف ارحنی یا بلال [اے بلال مجھ کو نماز کے ساتھ راحت پہنچا] گویا اس کمال کا پتہ دیتی ہے، کیونکہ فرائض ہی ہیں جو کہ بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دعوت (اذان) سے وابستہ ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی راحت کو اس میں فرمایا۔ نوافل کا دائرہ وسیع ہے حضرت بلالؓ کی دعوت (اذان) کے ساتھ قید اور ان کے بلاوے پر موقوف نہیں ہیں، ان کی زیبائش و آرائش فرائض کے لئے ہے جو کہ بے نشان کا کچھ پتہ و نشان رکھتے اور مطلوب کی کچھ خبر لاتے ہیں۔ ع

دمد صبح از گریبانم گر آں مہ در کنار آید [اگر وہ چاند (محبوب) میری آغوش میں آجائے تو میرے گریبان سے صبح طلوع ہو جائے]

جاننا چاہئے کہ وہ آداب و نوافل جو کہ فرائض کو مکمل اور پورا کرنے والے ہیں وہ فرائض میں ہی شمار کئے جاتے ہیں ان کی رعایت جسقدر زیادہ کی جائے گی فرض کا نتیجہ اسی قدر زیادہ اچھا نکلے گا بلکہ مؤکدہ سنتوں میں بھی یہ نسبت اثر کرتی ہے کہ گویا وہ فرائض کو مکمل کرنے والی ہیں اور یہ اس مکتوب کا اخیر ہو جانا چاہئے، الحمد للہ اولاً و اخراً [اول و آخر اللہ تعالیٰ کا شکر ہے] والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ محمد والہ دائماً و سرمداً و علی جمیع الانبیاء والمرسلین و علی الملائکۃ المقربین وسائر الصالحین اجمعین۔ آمین۔

مکتوب ۲۵

مرزا عبید اللہ بیگ کے نام اس بارے میں تحریر فرمایا کہ ہر خطہ کے لئے ایک خاص حکم ہے اور ہر سرزمین کا ایک مخصوص فیض ہے۔

حمد و صلوٰۃ و تبلیغ دعوات کے بعد جناب برادر عزیز مرزا عبید اللہ بیگ کی خدمت میں عرض ہے کہ آپ کا مکتوب گرامی جو میر ضیاء الدین حسین کے ہمراہ بھیجا تھا پہنچا چونکہ اعلیٰ درجہ کے احوال و اذواق پر مشتمل تھا معنوی لذات بخشیں، اللہ تعالیٰ ہمیشہ ترقیات پر فائز رکھے اور سنّتِ عالیہ کے اتباع پر استقامت عطا فرمائے. فعل الحکیم تعالیٰ لا یخلوا عن حکمتہ (حکیم اللہ تعالیٰ کا فعل اس کی حکمت سے خالی نہیں ہوتا)۔

صوبہ دکن، کی طرف جاتے ہیں بظاہر کوئی حکمت ہوگی، ہر زمین کے فیوض مختلف اور ہر شہر کی خاصیت الگ اور ہر بستی کے ساتھ معاملہ جدا ہے، بصیرت والے لوگ ہر قطعۂ زمین سے مخصوص فیض حاصل کرتے ہیں اور ہر سرزمین سے کوئی کمال اخذ کرتے ہیں۔ ہمارے حضرت قدسنا اللہ سبحانہ بسرہ الاقدس اس زمانہ میں جبکہ سلطانِ وقت کے ہمراہ شہر لاہور میں تشریف رکھتے تھے شروع کے ایک دو مہینے حاجی سوائی کے کوچہ میں خواجہ قاسم کی پرانی حویلی میں اقامت پذیر تھے وہاں بیشمار اسرار و معارف کہ جن میں سے اکثر اشیاء کے فنا و عدمیت کے کمالات اور عارف کے عدمِ محض کے ساتھ مل جانے سے تعلق رکھتے ہیں فائض ہوتے تھے اور آپ بیان فرماتے تھے۔ اور وہ مکتوب[1] جس کا عنوان "ھَلْ اَتٰی عَلَی الْاِنْسَانِ حِیْنٌ مِّنَ الدَّھْرِ لَمْ یَکُنْ شَیْئًا مَّذْکُوْرًا"[2] ہے دیگر چند مکتوبات کے ساتھ جو اس مکتوب کے آس پاس ہیں وہیں تحریر کیا گیا ہے۔ چونکہ وہ حویلی بہت پرانی تھی دوسری حویلی میں جو کہ کوچہ مُلّاں میں تھی منتقل ہوگئے قبل اس کے کہ اُس حویلی میں منتقل ہوں آپ نے فرمایا کہ اس جگہ میں وہ اسرار و معارف فائز ہوں گے جو کمالاتِ بقا کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں انشاء اللہ تعالیٰ۔ (چنانچہ) وہاں منتقل ہونے کے بعد ایسا ہی ہوا اور کمالاتِ بقا سے متعلق اسرار اور مقامِ بقا کی باریکیاں ظاہر کی گئیں، اور وہ مکتوب جس میں یہ عبارت درج ہے "برعکسِ مرایائے دیگر[3] تشخص او مراتیتِ خود را وامی نماید فہم من فہم سہ

قیامت می کنی سعدی بدیں شیریں سخن گفتن ۔۔۔ مسلم نیست طوطی را بدوران شکر خائی"۔

---

[1] مکتوبات حضرت مجددؒ دفتر سوم مکتوب ۵۳۔ [2] سورت ۷۶ آیت ۱۔ [3] عبارت حضرت مجددؒ کے مکتوبات دفتر سوم کے مکتوب ۹۴ سے لی گئی ہے۔ مکتوباتِ معصومیہ میں یہ عبارت اس طرح ہے "برعکس مرایاے دیگر بکلیتِ خود تشخیصِ او مراتیت خود را وانماید"۔

[دوسرے مظاہر کے برعکس اس کے تشخص و تعین میں اپنی مرآتیت یعنی آئینہ بننے کو ظاہر کرتا ہے، سمجھا جس نے سمجھا۔ (شعر کا ترجمہ) اے سعدی! تو اس قسم کی شیریں باتیں کہہ کر قیامت برپا کرتا ہے تیرے زمانے میں طوطی کا شیریں بیان ہونا مسلّم و منظور نہیں ہے] دوسرے چند مکتوب کے ساتھ جو کہ اس مکتوب کے آس پاس ہیں وہیں تحریر کیا گیا ہے، دوستوں سے دعا اور غائبانہ توجہ کی امید کی جاتی ہے۔ والسلام

مکتوب ۲۶

حاجی حسین کے نام مرتبۂ جمع کے بیان میں جو کہ کفرِ حقیقی ہے اور اس سے اوپر کے مقام کو جو کہ اسلامِ حقیقی ہے حاصل کرنے پر ترغیب دینے کے بارے میں تحریر فرمایا۔

الحمد للہ وسلام علٰی عبادہ الذین اصطفٰی۔ آپ کا پسندیدہ مکتوب موصول ہو کر مسرت حاصل ہوئی، آپ نے وہ اذواق و مواجید جو کہ سکر کے جوش اور محبت کے غلبہ کے باعث پیش آئے ہیں تحریر فرمائے تھے واضح ہوئے وہ بہت خوب اور مبارک ہیں، اللہ سبحانہ و تعالٰی آپ کے ذوق و شوق کو زیادہ کرے، عشق کی کشش ہے کہ جس نے صفاتِ لطیفہ و کثیفہ اور رذیلہ و شریفہ کو یکساں دکھایا ہے اور سکرِ محبت (نشۂ محبت) ہے جس نے اسلام و کفر کو برابر کر دیا ہے اور برائی اور بری چیزوں کو نگاہوں سے چھپا دیا ہے، یہ وہ پھول ہیں جو کہ (مقامِ) جمع کی انجمن سے کھلے ہیں اور یہ حیرت و عدمیت عین الیقین سے آئی ہے جو کہ فنا و بے شعوری کا مقام ہے، یہ اچھی اور سنجیدہ چیزیں ہیں لیکن اس مقام میں ٹھہرنا اچھا نہیں ہے، فنا اپنی ذات میں اگرچہ کمال ہے لیکن یہ دوسرے کمالات کا زینہ ہے اور مقاماتِ قرب میں عروج کے لئے شرط ہے ؎

ہیچ کس را تا نگردد او فنا نیست رہ در بارگاہِ کبریا

[جب تک کوئی شخص فنا نہ ہو جائے اس کیلئے بارگاہِ الٰہی میں باریابی نہیں ہے۔] جمع سے فرق بعد الجمع کے مقام[۱۰۶] میں آنا چاہئے، عین الیقین سے حق الیقین تک اور فنا سے بقا تک ترقی کرنی چاہئے اور عدم سے وجود تک اور جہل سے علم تک پہنچنا چاہئے تاکہ حسنِ اسلام ظاہر ہو جائے اور کفر و فسق کی برائی نمایاں ہو جائے آیۂ کریمہ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ وَزَيَّنَهٗ فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَكَرَّهَ اِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْيَانَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الرّٰشِدُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَنِعْمَةً (سورۃ ۴۹ آیت ۷، ۸) [اور لیکن اللہ تعالٰی نے تمہارے لئے ایمان کو محبوب و پسندیدہ بنا دیا ہے اور اس کو تمہارے دلوں میں زینت

بخشی ہے اور تمہارے لئے کفر و فسوق و عصیان کو ناپسند کر دیا ہے یہی وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کے فضل و نعمت سے ہدایت پانے والے ہیں۔] اس معنی کی تائید کرتی ہے۔

آپ نے لکھا تھا کہ منبع ایک ہی ہے بیشک سب کچھ اسی (اللہ) جل وعلا کا بنایا اور پیدا کیا ہوا ہے لیکن حق تعالیٰ نے اپنی بعض مصنوعات و مخلوقات کو پسند کیا ہے اور اس کو حَسَن (اچھا) قرار دیا ہے اور بعض دوسری چیزوں کو پسند نہیں کیا اور ان کو قبیح (بُرا) قرار دیا ہے۔ عارف کامل جو اللہ تعالیٰ کے اخلاق سے متخلق (متصف) ہے اس معرفت سے گذرنے کے بعد جو کہ آپ نے لکھی تھی ایسا ہی محسوس کرتا ہے اور حَسنِ شرعی کو حَسَن (اچھا) اور قبیحِ شرعی کو قبیح (بُرا) دیکھتا ہے۔ اللهم ارنا حقایق الاشیاء کما هی وخلصنا عن الاشتغال بالملاهی [اے اللہ ہمیں اشیاء کی حقیقتیں جیسی کہ وہ ہیں دکھادے اور ہم کو لہو و لعب میں مشغول ہونے سے بچا] والسلام علیکم وعلی من لدیکم۔ [اور آپ پر اور آپ کے پاس والوں پر سلامتی ہو]۔

مکتوب ۲۷

شاہ نعمت اللہ قادری کے نام اس بارے میں تحریر فرمایا کہ ممکن کی ذات عدم ہے اور اس کا حُسن و جمال عاریتی (مستعار) ہے۔

حامدا لله العظيم ومصليا على رسوله الكريم۔ امابعد [حمد و صلوٰۃ کے بعد] یہ ذرہ حقیر اگرچہ ظاہری طور پر حاضری کے شرف سے دُور اور صحبت کے حصول سے محروم ہے لیکن اہل اللہ کے ساتھ خاکساری کی نسبت رکھتا ہے اور حضور و غیبت میں (سامنے اور پیٹھ پیچھے) ان کا حلقہ بگوش ہے، امیدوار ہے کہ کبھی کبھی اس ناکارہ کو اپنے معطر دل کے گوشہ میں یاد فرما کر باطنی فیوض و برکات سے تواتر سے اور خاص عنایات سے کچھ حصہ عطا فرماتے رہیں گے۔ قلیل سرمایہ والا فقیر احتیاج کے علاوہ کیا اظہار کر سکتا ہے اور سوال کرنے کے سوا کیا بیان کر سکتا ہے، کیا کرے کہ اس کا فقر ذاتی اور اس کا فاقہ دائمی ہے، اس کا حصہ مطلوبِ حقیقی سے استہلاک (مٹ جانا) ہے اور اس بلند بارگاہ سے اس کا نصیب اضمحلال (نیست ہو جانا) ہے، پس اس کے کمال سے کیا پائے اور اس کے حُسن و جمال کو کس طرح تلاش کرے، اس (بے مایہ) کی ذات عدم ہے اور اس کا ہونا نہ ہونا ہے، خیر و کمال اس کے حق میں عاریتی ہے اور اس کا حُسن و جمال انعکاسی ہے اس عاریتی کمال اور انعکاسی جمال کے باوجود اپنے آپ کو خیر و کامل گمان

کیا ہے اور اس بے بنیاد نمود پر طویل بنیاد قائم کی ہے، اگر رحمت دستگیری نہ فرمائے اور کرم خود آگے بڑھ کر امداد نہ کرے تو حسرت ہی ہے، کمال اس کے حق میں کمال کا نفی ہونا ہے اور خود کو اچھا نہ سمجھنا ہی اچھائی ہے، کسی نے کیا اچھا کہا ہے ؎ ۱۰۹

معشوق اگرچہ گشت ہم خانۂ ما ویران تراز اول است ویرانۂ ما

[اگرچہ معشوق ہمارا ہمخانہ ہوگیا ہے (لیکن اب) ہمارا ویرانہ پہلے سے بھی زیادہ ویران ہے] اگر خیر و کمال کی نسبت اپنی طرف کرے تو خائن ہوگا اور اصل کے ساتھ برابری کا دعویٰ پیدا کرے گا مگر یہ کہ عدم (فنائیت) کے بعد اس کو موجود کیا جائے اور دوسری ولادت کے ساتھ پیدا کیا جائے تو اس وقت (ایسا ہو سکتا ہے کیونکہ) بادشاہوں کی بخششیں اور ہدیے بادشاہوں کی سواریاں ہی اٹھا سکتی ہیں، اللہ تعالیٰ اپنے نبی کریمؐ اور آپ کی آلِ اطہار علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والسلام والتحیہ کے وسیلہ سے ہم جیسے دُور افتادوں کو ان معانی کی فہم عطا فرمائے اور آپ جیسے شہبازوں کے طفیل میں اس سرچشمہ سے ایک گھونٹ نصیب فرمائے۔
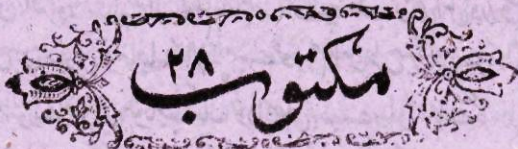
شیخ محمد علیم جلال آبادی کے نام اُن کے اور ان کے دوستوں کے احوال کی وضاحت میں جو اُن کے عریضے میں درج تھے تحریر فرمایا۔

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ۔ برادر عزیز شیخ محمد علیم کا گرامی نامہ موصول ہو کر باعث مسرت ہوا۔ آپ نے لکھا تھا کہ "خطرۂ قلبی اس طور پر دُور ہو گیا ہے کہ تکلف کے ساتھ بھی خطرہ نہیں گذرتا" میرے مخدوم! یہ معاملہ فنائے قلبی سے تعبیر کیا گیا ہے اور پہلا کمال ہے اور دوسرے کمالات کے لئے شرط ہے۔ اور نیز آپ نے لکھا تھا کہ "اپنی رضا و اختیار کو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی رضا و اختیار میں گُم پاتا ہوں" یہ دید (دیکھنا) بھی فنا کے شعبوں میں سے ہے، جب یہ معاملہ انجام کو پہنچ جاتا ہے اس طرح پر کہ کوئی مراد اس کے سینہ کی وسعت میں نہیں رہتی اور ارادے بھی مرادوں کی طرح عدم کے صحرا کو اپنا سامان لے جاتے ہیں (یعنی فنا ہو جاتے ہیں) اس کے بعد وہ فنا سے بقا کے مقام میں آتا ہے تو اس وقت اس کو صاحبِ ارادہ بنا دیتے ہیں اور اپنے پاس سے ارادہ عطا فرماتے ہیں۔

آپ نے لکھا تھا کہ "حق تعالیٰ عزّ اسمہ کا کرم و عنایت بہت زیادہ مشاہدہ ہوتا ہے اس سے پہلے کچھ عرصہ تک اپنی ذات کو اللہ تعالیٰ کی ذات کا اور اپنی صفات کو اللہ تعالیٰ کی صفات کا مظہر جانتا تھا

اب معلوم ہوتا ہے کہ میں کچھ نہیں ہوں اور سب اسی سے ہے الیٰ آخرہ"۔ یہ معاملہ بقا کے ساتھ وابستہ ہے لیکن جو کچھ آپ پہلے جانتے تھے وہ قَابَ قَوسَین سے مشابہت رکھتا تھا اور جو کچھ اب معلوم ہوتا ہے وہ اَوْ اَدْنیٰ سے مناسبت رکھتا ہے، حق سبحانہ وتعالیٰ اَوْ اَدْنیٰ کی حقیقت سے کچھ حصہ عطا فرمائے اس لئے کہ جو کچھ آپ نے لکھا ہے اندراج (اندراج النہایت فی البدایت) کے طریق پر ظاہر ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ کا شکر بجالائیں کہ قلتِ صحبت کے باوجود آپ پر اس قسم کے واردات ہونے لگے ہیں۔

اور آپ نے اپنے دوستوں کے احوال کے بارے میں لکھا تھا کہ اس قدر قلبی ذکر اور یادداشت رکھتے ہیں، شاید آپ نے یادداشت سے قلب کی دوام آگاہی مراد لی ہے نہ کہ وہ یادداشت جس کے بارے میں ہمارے حضرت قدسنا اللہ سبحانہ وتعالیٰ بسرہ نے اپنے بعض مکاتیب میں لکھا ہے جو کہ کامل منتہیوں کے ساتھ مخصوص ہے۔

اور یہ جو آپ نے مُلّا یار محمد کے بارے میں لکھا تھا کہ "اس کے قلب سے خطرہ اس حد تک دُور ہو گیا ہے کہ تکلّف سے بھی نہیں آتا اور وہ کہتا ہے کہ میں اپنے قلب میں آفتاب کے ذرات کی مانند دیکھتا ہوں جو کہ جوش مارتے ہیں، اکثر اوقات اپنے آپ کو گُم پاتا ہوں اور اپنے قلب کو کبھی اس قدر وسیع پاتا ہوں کہ اگر دنیا و مافیہا کو اس میں سمو دیں تو سما جائے الخ"۔ میرے مخدوم! اس طرح پر قلبی خطرہ کا دُور ہونا اسمائی و صفاتی انوار کے ظہور کے بغیر نہیں ہوتا جب تک تُو (انھیں) نہ پائے رہائی نہ پائے گا۔ دل میں ذراتِ آفتاب کی مانند مشاہدہ کرنا اس راستہ (کی کیفیات) سے ہے اور قلب کا وسیع پانا بھی اسی سے ہے اس لئے کہ اس عالم کا اُن انوار کے مقابلہ میں کوئی شمار نہیں ہے، اس دوست کا ایسا دیکھنا اس کی بلند فطرتی اور وسعتِ استعداد کی خبر دیتا ہے حقیقی علم اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہی کو ہے، اگر یہ دوست کچھ عرصہ یہاں گذارے اور سرہند کی سیر کرے تو بظاہر لاحاصل نہ ہوگا۔ دیگر یہ کہ اس سے پہلے فقیر نے ملا حسن علی کے خط میں لکھا تھا کہ جس تعداد کی آپ کو اجازت دی گئی تھی اس سے دو چند کی اجازت ہے اب لکھا جاتا ہے کہ چار گُنی تعداد کو طریقہ سکھائیں۔ والسلام

مکتوب ۲۹

میرزا عبیداللہ بیگ کے نام، ان لوگوں کے رد میں تحریر فرمایا جنھوں نے کہ صوفیۂ کرام کے طریقہ کو ترکِ تعرض جانا ہے اور اسقاطِ عمل اور دیگر مفاسد کے قائل ہوئے ہیں، اس میں ان احادیث کا ذکر بھی ہے جو امرِ معروف و نہی منکر کے فرض ہونے کے بارے میں وارد ہوئی ہیں اور اُن احادیث کا ذکر بھی ہے جو جہاد کے فضائل میں ہیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم الحمد للہ رب العالمین والصلوۃ والسلام علیٰ سید المرسلین محمد وآلہ وصحبہ اجمعین

[سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کا رب ہے اور سید المرسلین حضرت محمد مصطفےٰ اور آپ کی تمام آل و اصحاب پر درود و سلام ہو] میرے مخدوم! اہلِ زمانہ میں یہ بات مشہور اور شائع ہو گئی ہے کہ صوفیائے کرام کا مسلک مخلوق کے حال سے تعرض نہ کرنا اور کسی کے ساتھ برا نہ ہونا ہے (یعنی کسی کو برا نہ جانتے) چونکہ یہ بات واقع کے خلاف اور بہت سی برائیوں پر مشتمل ہے اس لئے (اس فقیر کے) جی میں آیا کہ اس بارے میں کچھ لکھے اور اس کی برائیوں کو ظاہر کرے، اور اس سلسلہ میں جو حدیثیں امرِ معروف و نہی منکر اور حُبّ فی اللہ و بُغض فی اللہ اور جہاد فی سبیل اللہ کی فضیلت اور مجاہدین کے مراتب اور شہداء کے درجات کی بلندی سے متعلق آئی ہیں بیان کر دے اور صوفیائے کرام کی بعض تحریروں کو بھی جو اس مقام سے مناسبت رکھتی ہیں اور شریعتِ عالیہ کے راستہ پر استقامت کی خبر دیتی ہیں اور اس جماعت کی تردید کرتی ہیں جو اپنے آپ کو اس گروہ کے ساتھ منسوب کرتے ہیں اور شریعتِ حقہ کے دائرہ سے سرتابی کرتے ہیں، درج کر کے دوستوں کو ارسال کرے اور لغزش سے حفاظت اور خیر کی توفیق اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے ہے۔

میرے مکرم! جو شخص کہ (صوفیائے کرام کے متعلق) اس بات کا معتقد ہے معلوم نہیں کہ صوفیہ سے اس کی مراد کونسی جماعت ہے۔ ہمارے پیروں کا طریقہ جو کہ نقشبندی مشائخ ہیں خود سنت کا اتباع اور بدعت سے اجتناب ہے جیسا کہ ان کی کتابوں اور رسالوں سے ظاہر و نمایاں ہے اور امر معروف و نہی منکر و بغض فی اللہ اور جہاد فی سبیل اللہ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مسلمہ سنتوں میں سے ہیں بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دین کے فرائض و واجبات میں سے ہیں۔ پس امر معروف کا ترک کرنا (درحقیقت) اس طریقۂ عالیہ کو ترک کرنا ہے۔ حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہ فرماتے ہیں کہ ہمارا طریقہ مضبوط حلقہ ہے جو کہ حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی متابعت کے دامن کو پکڑنا اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے آثار کی اقتدا کرنا ہے۔ اس طریقہ میں تھوڑے عمل سے بہت زیادہ کامیابیاں حاصل ہوتی ہیں اور جو شخص ہمارے اس طریقہ سے روگردانی کرتا ہے اس کے لئے بہت بڑا خطرہ ہے۔ اگر صوفیائے کرام کا طریقہ ترکِ تعرض ہوتا تو حضرت خواجہ نقشبندؒ نے جو کہ صوفیوں کے سردار اور اس طریقۂ عالیہ کے بانی ہیں اپنے پیر حضرت امیر کلالؒ سے جو کہ ادب کے مقام پر تھے اور عدم تعرض کے زیادہ حقدار تھے ذکر جہر کے بارے میں جو کہ حضرت امیر (کلال قدس سرہٗ) کا طریقہ تھا امر معروف کیوں کیا اور علمائے بخارا کو جمع کر کے ان کے پاس کیوں لے گئے اور انھوں نے جذبۂ مسلمانی اور کمالِ حقانیت کی خوبی کی بنا پر حضرت خواجہ (بہاؤ الدین نقشبند قدس سرہٗ کی بات کو قبول کر لیا اور

ذکر میں جہر کرنے کو ترک کر دیا جیسا کہ منقول ہے اور سلف و صاحبِ استقامت صوفیہ و مشائخ کا طریقہ بھی یہی تھا۔ صوفیائے کرام نے جو یہ تمام کتابیں سلوک و ریاضت اور وعظ و نصیحت میں لکھی ہیں اور مہلکات (ہلاک کرنے والی چیزوں) و منجیات (نجات دلانے والی چیزوں) کی نشاندہی کی ہے، یہ امر معروف و نہی منکر ہے یا کوئی اور چیز؟ اور یہ تعرض ہے یا ترکِ تعرض؟

حضرت خواجہ معین الدین چشتی (قدس سرہٗ) اپنے پیر سے نقل کرتے ہیں انھوں نے فرمایا کہ "دوستی (محبتِ الٰہی) کا راستہ چونکہ تاریک اور باریک ہے (اس لئے) تجھے چاہئے کہ مخلوق کو نصیحت کرے اور ان کو (خطرات سے) ڈرائے"۔

شیخ محی الدین ابن عربی قدس سرہٗ جو کہ وحدۃ الوجود والوں کے پیشوا ہیں انھوں نے اپنے وقت کے ان صوفیوں کو جو سماع اور رقاصی کرنے کے طریقے پر کاربند تھے کیوں روکا اور اس کے ترک پر کیوں دلالت کی ان میں سے بعض لوگ شیخ کے کہنے پر باز آگئے اور اپنے طریقے کو چھوڑ دیا اور بعض (اگرچہ) باز نہیں آئے لیکن انھوں نے بھی اپنے نقص و قصور کا اعتراف کیا جیسا کہ شیخ نے اپنے بعض رسائل میں لکھا ہے۔

غوث صمدانی شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہ العزیز نے اپنے بعض رسائل میں امر معروف و نہی منکر کے بارے میں ایک تفصیلی باب تحریر فرمایا ہے (جس میں) اس کے دقائق بیان فرمائے ہیں اور اس عظیم الشان کام (امر معروف و نہی منکر) کے بارے میں بہت احتیاط ملحوظ رکھی ہے، اسی (رسالہ) میں لکھتے ہیں "پس جب یہ ثابت ہوگیا کہ اس پر بُرائی سے روکنا ہے یعنی عدمِ قدرت کے وقت نہی عن المنکر واجب نہیں ہے تو کیا انکار یعنی برائی سے روکنا اس وقت جائز ہے جبکہ اس کو اپنی جان پر خوف کا ظن غالب ہو؟ تو یہ ہمارے نزدیک جائز ہے اور اگر وہ شخص اہلِ عزیمت اور اہلِ صبر میں سے ہے تو افضل ہے پس وہ (یعنی ایسے موقع پر نہی عن المنکر کرنا) اللہ تعالیٰ کے راستہ میں کفار کے ساتھ جہاد کرنے کی مانند ہے اور اللہ تعالیٰ نے حضرت لقمان علیہ السلام کے قصہ میں فرمایا ہے: وَأْمُرْ بِالْمَعْرُوفِ وَانْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاصْبِرْ عَلَىٰ مَا أَصَابَكَ إِنَّ ذَٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْأُمُورِ [اور نیکیوں کا حکم کر اور بُرائیوں سے منع کر اور اس سلسلے میں تجھ کو جو مصیبت پہنچے اس پر صبر کر، بیشک یہ عزیمت کے کاموں میں سے ہے] خاصکر جبکہ ظالم بادشاہ کے سامنے امر معروف و نہی منکر) یا کلمۂ کفر کے اظہار کی بجائے اظہارِ ایمان کے لئے ہو اس لئے کہ فقہا اس پر متفق ہیں اور بلا شبہ ہمارے اور اُن کے درمیان ان دو موقعوں کے علاوہ باقی مواقع میں اختلاف ہے۔

انصاف کرنا چاہئے کہ اگر ان بزرگوں کا مشرب جو کہ اہلِ ولایت کے پیشوا اور صوفیوں کے

مقتدا تھے ترکِ تعرض ہوتا تو پھر وہ امرِ معروف (ونہی منکر) میں اس قدر مبالغہ کیوں کرتے اور نیز حضرت شیخ (عبدالقادر جیلانی قدس سرہٗ) نے فرمایا ہے کہ "امر معروف ونہی منکر" دو قسم پر ہے پس جو چیز کتاب (قرآن مجید) و سنت (حدیث شریف) اور عقل کے موافق ہو وہ معروف ہے اور جو چیز اُن کے مخالف ہو وہ منکر ہے، پھر ان کی دو قسمیں ہیں ان میں سے ایک ظاہر ہے جس کو عوام و خواص سب ہی جانتے پہچانتے ہیں اور وہ مثلاً پانچ وقت کی نمازوں اور ماہِ رمضان کے روزوں اور زکوٰۃ اور حج وغیرہ کا واجب ہونا ہے اور منکرات میں سے مثلاً زنا، شراب نوشی، چوری، رہزنی، سود اور غصب وغیرہ کا حرام ہونا ہے پس اس قسم کے متعلق امر معروف ونہی منکر کرنا عوام پر بھی اسی طرح واجب ہے جیسا کہ خواص علما پر واجب ہے اور دوسری قسم وہ امور ہیں جن کو صرف خواص ہی جانتے ہیں، مثلاً اللہ تعالیٰ کے متعلق کس قسم کا اعتقاد جائز ہے اور کس قسم کا اعتقاد جائز نہیں ہے۔ پس اس کے متعلق امر معروف ونہی منکر کرنا علما کے ساتھ مخصوص ہے، پھر اگر علما میں سے کسی نے عوام میں سے کسی کو اس کی خبر دی تو یہ اُس کے لئے جائز ہے اور (خود) اس عامی شخص پر بھی بشرطِ قدرت اس کا امر معروف ونہی منکر کرنا واجب ہو جائے گا۔

فضیل بن عیاضؒ نے جو کہ اکابر صوفیہ میں سے ہیں فرمایا "جو شخص کسی بدعتی سے محبت رکھتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے عمل کو رائیگاں کر دیتا ہے اور ایمان کا نور اس کے دل سے نکال لیتا ہے اور جب اللہ تعالیٰ نے کسی آدمی کے بارے میں جان لیا کہ وہ بدعتی سے بغض رکھتا ہے تو میں اللہ تعالیٰ سے امید کرتا ہوں کہ وہ اسے بخش دے گا اگرچہ اس کا عمل تھوڑا ہو اور جب تو کسی بدعتی کو راستہ میں دیکھے تو تُو دوسرا راستہ اختیار کر۔ اور حضرت فضیل (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نے فرمایا کہ میں نے سفیان بن عیینہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فرماتے سنا کہ جو شخص کسی بدعتی کے جنازہ کے ساتھ چلا وہ واپس آنے تک اللہ تعالیٰ کی ناراضگی میں رہے گا۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے (بدعتی پر) لعنت فرمائی ہے پس آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص نے دین میں کوئی نئی بات پیدا کی یا دین میں نئی بات نکالنے والے کسی (بدعتی شخص) کو پناہ دی تو اس شخص پر اللہ تعالیٰ اور فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت ہے اور اس شخص سے نہ کوئی صرف قبول کیا جائے گا اور نہ عدل۔ صرف سے فریضہ اور عدل سے نافلہ مراد ہے۔

حدیث شریف میں آیا ہے، اے عائشہ (رضی اللہ عنہا) إِنَّ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعًا (سورہ انعام ۱۶۰) [بیشک جن لوگوں نے اپنے دین کو ٹکڑے کر دیا اور وہ گروہ در گروہ تھے] یہ لوگ اہلِ بدعت اور خواہشات کی پیروی کرنے والے ہیں، ان کے لئے توبہ نہیں ہے میرا اُن سے کوئی تعلق نہیں اور نہ ان کا مجھ سے کوئی تعلق ہے۔ (طیالسی عن عمر)

اگر صوفیہ کا مشرب ترکِ تعرض ہوتا تو اکابر صوفیہ میں سے ایک بزرگ یہ کیوں فرماتے کہ صوفیہ کا جو دن نقار میں نہ گذرے وہ اسے اچھا نہ جانیں۔ شیخ الاسلام نے کہا ہے کہ صوفیوں کی نقار کن مکن ہے (یعنی ہر کام کے متعلق یہ سوچے کہ یہ کام کرنا چاہیئے یا نہیں کرنا چاہیئے) پس خلاصۂ مطلب یہ ہوا کہ جس روز صوفی باہم امر معروف ونہی منکر نہ کریں اور سُستی برتیں وہ دن اچھا نہیں ہے۔ خوب غور کرنا چاہیئے، جو لوگ کہ عدم تعرض کے قائل ہیں وہ آخرت کے عذاب وثواب اور ان سخت وعیدوں پر ایمان رکھتے ہیں یا نہیں جو کہ بُرے اعمال کے بارے میں قرآن مجید اور صحیح حدیثوں میں آئی ہیں، اگر ایمان رکھتے ہیں تو پھر وہ کسی بدنصیب کو بہت بڑی تباہی سے کیوں نہیں نکالتے اور سخت عذاب سے نجات کا راستہ اس کو کیوں نہیں دکھاتے۔ اگر کسی نابینا کے راستہ میں کوئی کنواں یا کوئی سانپ ہو، یا کوئی شخص کسی اَور دنیاوی ہلاکت میں گرفتار ہو تو ظاہر ہے کہ یہ لوگ اس کو آگاہ کریں گے اور اس کو راہِ نجات دکھائیں گے اور اس کے حال سے تعرض کریں گے۔ آخرت کی ہلاکت پر جو کہ سب سے زیادہ شدید اور سب سے زیادہ باقی رہنے والی ہے کیوں متنبہ نہیں کرتے اور نجات کا راستہ کیوں نہیں دکھاتے۔ یقینی بات ہے کہ وہ لوگ (آخرت پر) ایمان نہیں رکھتے اور قیامت وحشر ونشر اور جو کچھ اس میں ہے اس کے معتقد نہیں ہیں، اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہم کو اُن کے بُرے اعتقاد سے بچائے۔

۱۱؎ اگر مخلوق سے ترکِ تعرض کرنا اللہ تعالیٰ جل شانہ کو پسند ہوتا تو اللہ تعالیٰ انبیا علیہم السلام کو کیوں مبعوث فرماتا اور شریعتیں کیوں جاری کرتا اور دینِ اسلام کی طرف کیوں بُلاتا اور اسلام کے علاوہ دوسرے ادیان کو باطل کیوں قرار دیتا اور سابقہ اُمتوں میں جس نے ان بزرگواروں (انبیاء کرام) کی دعوت کو قبول نہیں کیا ان کو طرح طرح کے عذاب میں گرفتار کر کے ان کو ہلاک وختم کیوں کرتا (بلکہ چاہیئے تھا کہ مخلوق کو اُن کے حال پر چھوڑ دیتا اور کچھ تعرض نہ کرتا اور منکروں کو کسی چیز پر عذاب نہ دیتا اور ہلاک نہ کرتا اور نیز اس صورت میں جہاد کو کس لئے فرض کرتا جو کہ مسلمانوں اور کفار دونوں کے ایذا وقتل پر مشتمل ہے اور جہاد ومجاہدین اور شہدائے فی سبیل اللہ کے جو فضائل ودرجات نصوص قطعیہ سے ثابت ہیں جیسا کہ ان میں سے بعض کا بیان آگے آئے گا وہ فضائل ودرجات کیوں ہوں کہ وہ ناحق لوگوں سے تعرض کرتے ہیں اور ایذا پہنچاتے ہیں، اور نیز نفسِ انسانی جو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی مخلوقات میں سے ہے اس کے ساتھ لڑائی اور دشمنی کا حکم کیوں دیا اور اس کے ساتھ جہاد کرنے کو جہادِ اکبر کیوں فرمایا اور اپنے قُرب کو اُس کے ساتھ جہاد کرنے سے مشروط کیوں کیا، جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ تو اپنے نفس سے دشمنی کر کیونکہ بلاشبہ یہ میری دشمنی ومخالفت کے ساتھ کھڑا ہے، چاہیئے تھا کہ

کہ اس کو بھی اس کی حالت پر چھوڑ دیا جاتا۔ پس معلوم ہوا کہ یہ سب اللہ تعالیٰ کے دشمن ہیں، اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ اپنے دشمنوں سے انتقام لے، وَاللّٰهُ عَزِيزٌ ذُو انْتِقَامٍ [اور اللہ تعالیٰ غالب اور انتقام لینے والا ہے]۔ (اللہ تعالیٰ نے) اپنی کامل رحمت سے انبیائے کرام کو اصالتاً اور اولیاء اللہ کو ان کی متابعت کے ساتھ اپنی طرف بلانے کے لئے بھیجا اور ان کی زبانی عذاب و ثواب کی خبر دی اور مخالفوں پر حجت قائم کی اور ان کے عذر کی زبان بند کر دی، لِئَلَّا يَكُونَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌ بَعْدَ الرُّسُلِ [تاکہ رسولوں کو بھیجنے کے بعد لوگوں کے لئے اللہ تعالیٰ پر ہرگز کوئی حجت باقی نہ رہے]۔ اس عظیم الشان کارخانے کے ساتھ چشم پوشی کرنے اور خواب غفلت برتنے سے یہ عذاب رفع نہیں ہوگا اور کوئی شخص اس کو دفع نہیں کر سکے گا۔ إِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ لَوَاقِعٌ مَا لَهُ مِنْ دَافِعٍ [بیشک تیرے رب کا عذاب ضرور واقع ہوگا کوئی چیز اس کو دور کرنے والی نہیں ہے]۔ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو سب کو براہ راست ہدایت دیدیتا اور دار السلام (جنت) میں بھیج دیتا۔ وَلَوْ شَاءَ لَهَدَاكُمْ أَجْمَعِينَ [اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو تم سب کو ہدایت دیدیتا] لیکن اللہ تعالیٰ کے ازلی ارادے نے ایسا ہی چاہا اور اس کی حکمتِ لازوال نے اسی طرح کا اقتضا کیا۔ وَلٰكِنْ حَقَّ الْقَوْلُ مِنِّي لَأَمْلَأَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ [اور لیکن میرا یہ قول حق ہے کہ میں جنوں اور انسانوں سے جہنم کو ضرور بھر دوں گا] مولائے حقیقی جل شانہ سے کسی کو پوچھنے کی گنجائش نہیں ہے کہ اس نے ایسا کیوں کیا اور ایسا کیوں نہیں کیا — لَا يُسْأَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْأَلُونَ [اللہ تعالیٰ سے اس کے کسی بھی فعل کے متعلق نہیں پوچھا جائے گا اور ان (لوگوں) سے پوچھا جائے گا]۔

کرا زہرۂ آنکہ از بیم او　کشاید زباں جز بہ تسلیم او

[کس کی جرأت ہے کہ اس کے خوف کی وجہ سے تسلیم کے سوا کسی اور بات کے لئے زبان کھولے]

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: قُلْ هٰذِهِ سَبِيلِي أَدْعُو إِلَى اللّٰهِ عَلَى بَصِيرَةٍ أَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِي [آپ کہہ دیجئے یہی میرا راستہ ہے میں اللہ تعالیٰ کی طرف اس طرح پر دعوت دیتا ہوں کہ میں اور میرا اتباع کرنے والے واضح دلیل پر ہیں]

پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع کرنے والے اللہ تعالیٰ کی طرف بلانے اور امر معروف کرنے میں آپ کے ساتھ شریک ہیں اور جو شخص کہ امر معروف کا تارک ہے وہ آپ کا پیرو نہیں ہے۔ انصاف کرنا چاہیئے اگر فاسق اور کافر لوگ، اللہ تعالیٰ کے مبغوض اور دشمن نہ ہوتے تو بغض فی اللہ (اللہ تعالیٰ کے لئے کسی سے بغض رکھنا) دین کے واجبات میں سے اور افضل نیکیوں اور دین کو مکمل کرنے والی چیزوں میں سے نہ ہوتا اور ولایت اور رضا و قرب الٰہی کے حصول کا ذریعہ نہ بنتا۔

حضرت عمرو بن الجموح سے روایت ہے کہ انھوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سُنا کہ بندہ اس وقت تک صریح ایمان کا حق ادا نہیں کر سکتا جب تک کہ اس کا یہ حال نہ ہو جائے کہ وہ اللہ تعالیٰ ہی کے لئے محبت کرے اور اللہ تعالیٰ ہی کے لئے بغض کرے، پس جب اس نے اللہ تبارک و تعالیٰ کے لئے محبت کی اور اللہ تبارک و تعالیٰ کے لئے بغض کیا تو وہ اللہ تعالیٰ کی ولایت کا مستحق ہو گیا، اس کو امام احمد رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے۔ اور ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جس نے اللہ تعالیٰ کیلئے محبت کی اور اللہ تعالیٰ ہی کے لئے بغض کیا اور اللہ تعالیٰ ہی کے لئے دیا اور اللہ تعالیٰ ہی کے لئے منع کیا تو بیشک اس نے ایمان کی تکمیل کر لی، اس کو امام ابو داؤد نے روایت کیا ہے۔ اور ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا سب سے افضل عمل اللہ تعالیٰ کے لئے محبت رکھنا اور اللہ تعالیٰ کے لئے بغض رکھنا ہے، اس کو ابو داؤد نے روایت کیا ہے۔ اور معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے آنحضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے افضل ایمان کے بارے میں سوال کیا، آپ نے فرمایا وہ یہ ہے کہ تو اللہ تعالیٰ کے لئے محبت کرے اور اللہ تعالیٰ کے لئے بغض رکھے اور اپنی زبان کو اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مشغول رکھے، انھوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہؐ اور کیا؟ آپ نے فرمایا اور یہ کہ تو لوگوں کے لئے اس چیز کو پسند کرے جس کو اپنے لئے پسند کرتا ہے اور ان کے لئے اس چیز کو ناپسند کرے جس کو تو اپنے لئے ناپسند کرتا ہے، اس کو امام احمد رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے[1]۔ اور نیز حدیث شریف میں آیا ہے کہ اہلِ معاصی کے ساتھ بغض رکھ کر اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرو اور ان لوگوں سے انقباض اور ترش روئی کے ساتھ ملو اور ان کے ساتھ ناراضگی و غصہ کرکے اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی طلب کرو اور ان سے دوری اختیار کرکے اللہ عزوجل کا قرب حاصل کرو، اس کو ابن شاہین اور دیلمی نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ اور الکنز انتھی میں روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا کہ کیا تو نے کبھی میرے لئے کوئی عمل کیا ہے؟ موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا اے اللہ! میں نے آپ کے لئے نمازیں پڑھیں، روزے رکھے، صدقے دیئے اور آپ کا ذکر کیا، پس اللہ تعالیٰ نے فرمایا البتہ نماز تیرے لئے حجت ہے اور روزہ ڈھال ہے اور صدقہ سایہ ہے اور ذکر نور ہے تو پھر تو نے میرے لئے کونسا عمل کیا؟ موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا: یا اللہ! آپ مجھے اس عمل کی طرف رہنمائی فرمائیں جو آپ کے لئے ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے موسیٰؑ کیا تو نے میرے کسی دوست سے دوستی کی اور میرے کسی دشمن سے دشمنی کی۔ پس موسیٰ علیہ السلام نے جان لیا

---

[1] مشکوٰۃ کتاب الایمان الفصل الثالث۔

کہ بیشک وہ عمل الحبّ فی اللہ والبغض فی اللہ (اللہ تعالیٰ ہی کے لئے محبت اور اللہ تعالیٰ ہی کیلئے دشمنی کرنا) ہے۔ اور حضرت فضیل قدس سرہٗ سے اس بارے میں نقل اوپر گذر چکی ہے اور حق یہ ہے کہ محبوب کے دوستوں سے محبت اور اس کے دشمنوں سے دشمنی کرنا محبت کے لوازم میں سے ہے۔ سچا عاشق ان م۱۱۶
دو اعمال میں اختیار نہیں رکھتا اور کسب و تعمل کا محتاج نہیں ہے جیساکہ دوسرے اعمال میں محتاج ہے (اس شخص کے نزدیک) دوست کے دوست کس قدر اچھے نظر آتے ہیں اور اس کے دشمن کس طرح کے بُرے اور خراب لگتے ہیں، یہ معنی مجازی دنیا میں ظاہر و نمایاں ہیں، جس شخص کے ساتھ دوستی کا دعویٰ کرے جب تک اس کے دشمنوں سے بیزاری کا اظہار نہ کرے مقبول نہیں ہے اور وہ اسے منافق سے زیادہ نہیں سمجھتا۔ شیخ الاسلام نے کہا کہ میں ابوالحسن شمعون سے خوش نہیں ہوں کیونکہ وہ میرے استاد حصری کو رنج پہنچاتا تھا اور جو شخص تیرے پیر کو رنج پہنچائے اور تو اس سے ناراض نہ ہو تو کتا تجھ سے بہتر ہے۔

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: قَدْ كَانَتْ لَكُمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِي إِبْرَاهِيمَ وَالَّذِينَ مَعَهُ إِذْ قَالُوا لِقَوْمِهِمْ إِنَّا بُرَآءُ مِنكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَاءُ أَبَدًا حَتَّىٰ تُؤْمِنُوا بِاللَّهِ وَحْدَهُ[۱] (بیشک تمہارے لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں میں اسوۂ حسنہ (نیک نمونہ) ہے جبکہ انھوں نے اپنی قوم سے کہا کہ ہم تم سے اور تمہارے ان معبودوں سے جن کی تم اللہ تعالیٰ کے سوا عبادت کرتے ہو بے تعلق ہیں، ہم تمہیں نہیں مانتے اور ہمارے اور تمہارے درمیان اس وقت تک دشمنی اور بغض ہمیشہ کے لئے پیدا ہوگیا جب تک کہ تم خدائے واحد پر ایمان نہ لے آؤ) اور نیز فرمایا: لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيهِمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَن كَانَ يَرْجُو اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ[۲] (بیشک ان لوگوں میں تمہارے لئے بہترین نمونہ ہے اس شخص کے لئے جو اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت کا اعتقاد رکھتا ہے) پس ان آیاتِ کریمہ سے معلوم ہوا کہ طالبِ حق جل شانہ کے لئے یہ بیزاری اور بغض و عداوت ضروری و لازمی ہے۔

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: لَا تَتَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ[۳] (ان لوگوں سے دوستی مت کرو جن پر اللہ تعالیٰ کا غصہ و غضب ہے) اور دوسری جگہ ارشاد ہے: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا عَدُوِّي وَعَدُوَّكُمْ أَوْلِيَاءَ الیٰ قولہ سبحانہ فَقَدْ ضَلَّ سَوَاءَ السَّبِيلِ[۴] ان آیات سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے دشمنوں سے محبت کرنا گمراہی کا موجب ہے اور مقصود تک پہنچنے کی کوئی راہ نہیں رکھتا اور نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنَافِقِينَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ[۵]

---

۱ سورۃ ۶۰ آیت ۴ ۲ سورۃ ۶۰ آیت ۶ ۳ سورۃ ۶۰ آیت ۱۳ ۴ سورۃ ۶۰ آیت ۱ - ۵ سورۃ ۹ آیت ۷۳ و سورۃ ۶۶ آیت ۹

[اے نبی! کفار و منافقین سے جہاد کر اور ان پر سختی کر] اور نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَمَنْ يَتَوَلَّهُمْ مِنْكُمْ فَإِنَّهُ مِنْهُمْ [اور تم میں سے جس نے ان سے دوستی کی تو وہ انہی میں سے ہے] نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: لَا تَجِدُ قَوْمًا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ يُوَادُّونَ مَنْ حَادَّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَوْ كَانُوا آبَاءَهُمْ أَوْ أَبْنَاءَهُمْ أَوْ إِخْوَانَهُمْ أَوْ عَشِيرَتَهُمْ [تو نہیں پائے گا کسی ایسی قوم کو جو اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہوں کہ وہ دوستی رکھتے ہوں اُن سے جو اللہ اور اس کے رسول سے دشمنی کریں اگرچہ وہ ان کے باپ دادا ہوں یا بیٹے یا بھائی یا کنبے والے ہوں] اور نیز فرمایا وَلَوْ كَانُوا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالنَّبِيِّ وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْهِ مَا اتَّخَذُوهُمْ أَوْلِيَاءَ الآیہ [اور اگر وہ اللہ پر اور نبی پر اور اس پر جو اس نبی پر نازل کیا گیا ایمان رکھتے ہوتے تو ان (کفار) کو دوست نہ بناتے]۔

ع تولیٰ بے تبریٰ نیست ممکن

[دوست بنانا اس کے دشمنوں سے بیزاری ظاہر کئے بغیر ممکن نہیں ہے] اس جگہ صادق آتا ہے نہ کہ اصحابِ کرام رض کے بارے میں جیسا کہ رافضیوں نے گمان کیا ہے اس لئے کہ تبری دشمنوں سے ہونا چاہئے نہ کہ دوستوں سے۔ جو جماعت کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کے شرف سے مشرف ہے وہ ایک دوسرے کے ساتھ محبت و دوستی کے ساتھ موصوف ہیں ان کی سختی اور شدت کفار کے ساتھ تھی جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ [وہ کافروں پر نہایت سخت اور آپس میں نہایت مہربان ہیں]۔ اگر یہ کہیں کہ تمام مخلوق اللہ تعالیٰ کے مظاہر اور آئینے ہیں، کمالاتِ الٰہی کا مظہر ہونے کے علاوہ ان کی کوئی اور حیثیت نہیں ہے جیسا کہ وحدۃ الوجود والوں کا مسلک ہے، پس سب کو محبت کی نگاہ سے دیکھنا چاہئے اور کسی شخص کے ساتھ بُرا نہیں ہونا چاہئے، جیسا کہ کہا گیا ہے ع

پس بدِ مطلق نباشد در جہاں [پس دنیا میں بُرا ہرگز کوئی نہ ہوگا]

ہم کہتے ہیں کہ کفار کے ساتھ عداوت رکھنا، اُن کے ساتھ دوستی نہ کرنا اور ان کے ساتھ سختی اور جہاد کرنا دلائلِ قطعیہ سے ثابت ہو چکا ہے جس میں شک و شبہ کی ہرگز کوئی گنجائش نہیں ہے۔ یہ لوگ بذاتِ خود خواہ کیسے ہی ہوں نصوص کی پیروی کرنا ہم پر فرض اور لازمی ہے، ہم کو نص سے کام ہے نہ کہ فص (فصوص الحکم) سے، کل کو (قیامت کے روز) نجات نص سے وابستہ ہے نہ کہ فص سے۔ خواب و خیال اور کشوف و الہامات نص کے برابر نہیں ہو سکتے۔ حاصل مطلب یہ ہے کہ جو شخص مغلوب الحال ہے اُسے (بھی) چاہئے کہ اپنے آپ کو کوشش کے ساتھ نصوص کا پیرو بنائے اور نصوص پر عمل کرے اگرچہ اس کے کشف و وجدان کے خلاف ہی ہو، اور ہمیشہ التجا اور تضرع و زاری کرتا رہے کہ معاملہ کی حقیقت جیسا کہ

۱؎ سورۃ ۵ آیۃ ۵۱ ۲؎ سورۃ ۵۸ آیۃ ۲۲ ۳؎ سورۃ ۵ آیۃ ۸۱ ۴؎ سورۃ ۴۸ آیۃ ۲۹

وہ بے منکشف ہو جائے اور اس کی بصیرت کی آنکھ میں انبیائے عظام وصحابۂ کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے قدموں کی خاک کا سرمہ لگا ہوا ہو۔ ع

ایں کارِ دولت ست کنوں تا کرا دہند [یہ نصیب کی بات ہے دیکھئے اب کس کو عنایت کرتے ہیں]۔

یا ہم یہ کہتے ہیں کہ جو جماعت وحدۃ الوجود کا مشرب رکھتی ہے وہ لوگ وجود کے لئے چند مراتب ثابت کرتے ہیں اور ہر مرتبہ کے احکام کو دوسرے مرتبہ کے احکام سے جدا قرار دیتے ہیں اور کثرت کے احکام کو جن پر کہ روشن شریعت کی بنیاد ہے ترک نہیں کرتے اور اس کے رفع (ترک) کو الحاد اور زندقہ شمار کرتے ہیں۔ ع

گر حفظِ مراتب نہ کنی زندیقی (اگر تو حفظِ مراتب نہیں کرے گا تو زندیق ہو جائے گا)

پس امرِ معروف (نیکی کا حکم کرنا) اور اہلِ فسق وکفر کے ساتھ دشمنی رکھنا کثرت کے احکام میں سے ہے اس کو رفع کرنا بھی دوسرے تمام احکامِ شرعیہ کے رفع کی طرح الحاد وزندقہ ہے اور اگرچہ وہ لوگ بدیٔ مطلق کی نفی کرتے ہیں لیکن بدیٔ نسبتی کو ثابت کرتے ہیں۔ ع

بدبہ نسبت باشد آنرا ہم بداں [اس کو بھی جان لے کہ برا ہمیشہ نسبت کے ساتھ برا ہوتا ہے]

اور کسی چیز کے برا ہونے اور اس سے پرہیز کرنے کے لئے بدیٔ نسبتی کا ہونا ہی کافی ہے۔ وحدۃ الوجود کے ماننے والے زہر سے پرہیز کرتے ہیں اور دوسروں کو بھی) اس سے روکتے ہیں اور سانپ وبچھو کو مار ڈالتے ہیں اور لوگوں کو اُن سے ڈراتے ہیں اور اپنے پیروی کرنے والوں اور معتقدوں سے راضی ہیں اور اپنے مخالفوں اور نہ ماننے والوں سے ناراض ہوتے ہیں۔ مولوی روم قدس سرہٗ جو کہ صوفیائے وحدۃ الوجود کے سرداروں میں سے ہیں فرماتے ہیں ؎

منکرِ ایں حرف ایں دم در نظر شد ممثل سرنگوں اندر سقر [۱۱۸]

[اس بات کا انکار کرنے والا شخص اس وقت ایسا دکھائی دیا کہ وہ دوزخ میں اوندھا پڑا ہوا ہے]۔ اور وہ لوگ لذیذ کھانے، شیریں پانی، نفیس چیزوں، خوش آوازی، خوشبو اور دل کش مناظر اور حسین صورتوں سے ان اضداد کی بہ نسبت زیادہ رغبت رکھتے اور لذت حاصل کرتے ہیں اور دوسروں کے مقابلے میں اپنے ہم مشربوں کے حالات کی رعایت وحمایت زیادہ کرتے ہیں اور مقاماتِ ہلاکت سے کنارہ کشی کرتے ہیں اور حتی الامکان اپنے فائدے کی چیزوں کو قبول کرتے اور نقصان دہ چیزوں سے خود کو حتی الوسع دور رکھتے ہیں اور تدبیرِ معاش وتربیتِ اولاد سے فارغ نہیں ہیں اور صلاح ومشورہ کو ترک نہیں کرتے اور اپنی عورتوں کو پردے میں رکھتے ہیں اور یہ گوارا نہیں کرتے کہ کوئی نامحرم اُن کے گرد بھٹکے اور دست درازی کرے اور اپنے بچوں کو بری صحبت سے دور رکھتے ہیں اور ظلم وزیادتی کرنے والے کو سزا دیتے ہیں اور مریضوں کو نامناسب

غذا سے پرہیز کراتے ہیں، یہ سب کچھ احکام کثرت کی رعایت ہے یا کوئی اور چیز۔ پس کمینی دنیا کے کاموں میں ان احکام کی رعایت کرنا اگرچہ ان کا ترک کرنا مباح ہے، اور آخرت کے کاموں میں ان احکام کی رعایت نہ کرنا حالانکہ اللہ تعالیٰ جل سلطانہ کا حکم ان کے بجالانے کے لئے وارد ہو چکا ہے اور وحدۃ الوجود کے حیلہ سے سر کو حلقۂ بندگی سے باہر نکالنا عجیب انصاف ہے اور عقلِ دور اندیش کے قاعدے سے بعید ہے اور اس کا منشا (اصل) اللہ تعالیٰ کے احکام کی فرمانبرداری و تعمیل نہ کرنا اور ظہورِ نبوت کا اعتقاد نہ رکھنا اور قیامت اور اس کے عذاب و ثواب کا انکار کرنا ہے۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ ہم کو اور آپ کو اس سے بچائے۔ (آمین)

اہل وحدۃ الوجود میں جو حضرات مستقیم الاحوال (درست احوال والے) ہیں ان کی پابندئ شریعت اور دین میں پختگی کے قصے و واقعات مشہور و ماثور ہیں اور محتاجِ تحریر نہیں ہیں۔ ہمارے حضرت عالی (مجدد الف ثانی) قدسنا اللہ سبحانہ بسرہ الاقدس یہ تمام احتیاط جو کہ وہ وضو و طہارت و نماز اور اس کے آداب میں برتتے تھے فرماتے تھے کہ یہ سب احتیاط میں نے اپنے والد بزرگوار کے عمل سے اخذ کی ہے (محض) کتابوں سے اس قسم کا عمل حاصل ہونا مشکل ہے اور اُن کے والد بزرگوار جو اس فقیر کے دادا تھے باوجودیکہ وحدۃ الوجود کا مشرب رکھتے تھے اور فصوص الحکم (مصنفہ شیخ محی الدین ابن عربی قدس سرہ) کے ماہر و عالم تھے، ان کی پابندئ شریعت بھی کمال درجہ کی تھی جیسا کہ مشہور ہے۔ وہ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے یہ احتیاط اپنے پیر شیخ رکن الدین قدس سرہٗ کے عمل سے اخذ کی ہے جو کہ سلسلۂ چشتیہ کے بزرگ تھے وہ بھی توحیدِ وجودی کا مشرب رکھنے کے باوجود شریعت کی کامل پابندی کے ساتھ موصوف تھے اور حضرت شیخ نے اعمال میں یہ احتیاط اپنے شیخ و والد بزرگوار شیخ عبد القدوس (گنگوہی) قدس سرہ سے حاصل کی تھی اور وہ وحدۃ الوجود کے مشرب میں بہت بلند مرتبہ رکھتے تھے اور ہمیشہ مغلوب الحال رہتے تھے اس کے باوجود پابندئ شریعت اور ظاہری احتیاط میں بھی فردِ کامل تھے۔ حضرت خواجۂ احرار (قدس سرہٗ) جو کہ نقشبندیہ کے چراغ ہیں باوجودیکہ وہ توحیدِ وجودی کے مشرب کی طرف مائل تھے شریعت کی پابندی اور اس کی ترویج میں بڑے ثابت قدم تھے، فرماتے تھے اگر میں پیری مریدی کروں تو کسی شخص کو بھی پیری مریدی کرنے کی مجال نہ رہے لیکن مجھ کو ترویجِ دین کے لئے (اس دنیا میں) لایا گیا ہے نہ کہ پیری مریدی کے لئے۔ شیخ محی الدین ابن عربی قدس سرہ علمِ حدیث میں صاحبِ اسناد تھے اور علمِ فقہ میں اجتہاد کا درجہ رکھتے تھے آپ نے فرمایا ہے کہ بعض مشائخ نے حدیث حاسبوا قبل ان تحاسبوا (قبل اس کے کہ تمہارا محاسبہ کیا جائے خود ہی اپنا محاسبہ کر لیا کرو) کے مطابق اپنے دن رات کے اعمال کا محاسبہ اختیار کیا ہے، میں محاسبہ میں ان سے بڑھ گیا ہوں اور میں نے اعمال کے محاسبہ کے ساتھ خطرات کا محاسبہ بھی شامل کر لیا ہے۔ سلطان العارفین (حضرت بایزید بسطامی قدس سرہ) و سید الطائفہ (حضرت جنید بغدادی قدس سرہ) جو گویا کہ

۱۱۹

اس مشرب کے بانی تھے سراپا احکامِ شریعت کے ساتھ آراستہ تھے نقل کرتے ہیں کہ جب بایزید (بسطامی قدس سرہٗ) نماز ادا کرتے تھے تو ہیبتِ الٰہی و تعظیمِ شریعت کی وجہ سے ان کے سینہ کی ہڈیوں سے چیخنے کی آواز نکلتی تھی اور لوگ سنتے تھے۔ عوارف[1] میں حضرت جنید (بغدادی) قدس سرہٗ سے منقول ہے کہ انھوں نے ایک شخص سے کہا جس نے معرفت کا ذکر کرتے ہوئے یہ کہا تھا کہ اہلِ معرفتِ الٰہی اللہ تعالیٰ کی طرف نیکی اور تقویٰ کے دروازے سے حرکات کے ترک تک پہنچ جاتے ہیں، پس جنید (قدس سرہٗ) نے فرمایا بلاشبہ یہ اس جماعت کا قول ہے جو اعمال کے ساقط کرنے کی باتیں کرتے ہیں اور یہ میرے نزدیک بہت بڑی غلطی ہے جو شخص چوری اور زنا کرتا ہے اس کی حالت اس شخص سے بہتر ہے جو ایسی بات کہتا ہے، اور بیشک عارف باللہ لوگ اللہ تعالیٰ سے اعمال کو اخذ کرتے ہیں اور ان اعمال میں اسی کی طرف رجوع کرتے ہیں اور اگر میں ہزار سال زندہ رہوں تو میں نیک اعمال میں سے ذرہ بھر بھی کم نہ کروں سوائے اس صورت کے کہ میرے اور ان (اعمال صالحہ) کے درمیان کوئی عذر حائل ہو جائے اور بیشک میری معرفت میں ان کی بڑی تاکید ہے اور یہ میرے حال کو بہت قوت دینے والے ہیں۔ منقول ہے کہ منصور حلاج (قدس سرہ) اس سب دعویٰ (انا الحق) کے باوجود روزانہ دن رات میں ہزار رکعت نماز ادا کرتے تھے اور جس روز انھیں سولی دی گئی اس کی شب میں پانصد رکعت نماز ادا کی تھی۔ طبقات میں مذکور کامل مشائخ میں سے ایک بزرگ نے فرمایا کہ اپنی آنکھیں نیچی رکھو اور اگرچہ ایک مادہ بکری سے ہو۔ اگر وحدۃ الوجود والوں کا مشرب تعرض و آزارِ خلق کا ترک ہوتا تو مولانا عبدالرحمٰن جامی (قدس سرہٗ) جو کہ اربابِ وحدۃ وجود کے کاملین اور ان کے محققین میں سے ہیں (اپنی) کتاب سلسلۃ الذہب میں اس جماعت کا ردّ کیوں کرتے اور ایک طویل مثنوی ان لوگوں کی تنبیہ میں کیوں لکھتے، مثنوی کا عنوان اس عبارت کے ساتھ لکھا ہے "ان لوگوں کی مذمت میں جنھوں نے اپنے مذہب کی بنیاد کو کم آزاری پر رکھا ہے اور اباحت و اتحاد کے گرداب میں جا پڑے ہیں" **مثنوی**

ص ۱۲۰

۱-	ترکِ آزار کردن اے خواجہ	دفترِ کفر راست دیباچہ
۲-	منکر آمد بہ پیشِ او معروف	شد بمنکر عنانِ او مصروف
۳-	نفسِ محنت گزیں و راحت جوے	داردش در رہِ اباحت روے
۴-	شد یکے پیشِ او حرام و حلال	می نہ اندیشد از نکال و وبال
۵-	می شود مرتکب مناہی را	می فتد در عقب ملاہی را
۶-	گاہ لاف زند ز مذہبِ تجرید	گہ گزاف ز مشربِ توحید

---

[1] عوارف المعارف علیٰ ہامش الاحیاء جلد ۲ ص ۷ و ۸

۷۔ نیست لاف و گزاف او عاری　　لیک اورا چو نیک انگاری

۸۔ مذہبش جمع فضۂ وذہب ست　　مشربش شربِ بادۂ عنب ست

۹۔ از علاماتِ عقل ودین عاری　　مذہبش حصر در کم آزاری

۱۰۔ نہ ز احوالِ سابقش عبرت　　نہ ز احوالِ لاحقش خبرت

۱۱۔ نسبتِ خود کند بدرویشاں　　دم زند از ارادتِ ایشاں

۱۲۔ ہر کہ درویش ازو بود بیزار　　کے ز درویش آید ایں کردار

۱۳۔ نیست درویشی آنکہ زندقہ است　　نیست جمعیت آنکہ تفرقہ است

۱۴۔ اصطلاحاتِ عارفاں از بر　　کردہ و می کند بیاں فر فر

۱۵۔ دلش از سرِّ کار واقف نہ　　معرفت بے شمار عارف نہ

۱۶۔ ہمچو جوزِ تہی نماید نغز　　لیک چوں بشکنی نیابی مغز

۱۷۔ کردہ وہم وخیال ناپاکاں　　مندرج در عبارتِ پاکاں

۱۸۔ لفظہا پاک معنیش گرگیں　　نافہ چیں و نافۂ سرگیں

۱۹۔ نافہ نکشادہ مشک افشاند　　در کشاید جہاں بگند اند

[۱ خواجہ آزار کا ترک کرنا کفر کے دفتر کی تمہید ہے، ۲ منکر اس کے نزدیک معروف ہوگیا ہے اس کی باگ منکر کی طرف پھر گئی ہے، ۳ اس راحت کا محنت گزیں نفس اباحت کی جانب گامزن ہے، ۴ اس کے نزدیک حرام اور حلال سب برابر ہے وہ عذاب اور وبال سے کچھ نہیں سوچتا، ۵ وہ ممنوعات کا مرتکب ہوتا ہے وفضولیات کے پیچھے پڑتا ہے، ۶ کبھی وہ تجرید کے مذہب کی ڈینگ ہانکتا ہے اور کبھی توحید کے مشرب کی شیخی مارتا ہے، ۷ اس کی لاف وگزاف خالی از علت نہیں لیکن اگر تو اچھی طرح غور کرے تو دیکھے گا کہ) ۸ اس کا مذہب سونا اور چاندی جمع کرنا ہے اس کا مشرب انگوری شراب پینا ہے ۹ وہ عقل ودین کی علامات سے خالی ہے اس کا مذہب کم آزاری میں محدود ہے، ۱۰ اس کو نہ احوالِ سابقہ سے عبرت ہے اور نہ احوالِ لاحقہ کی خبر ہے، ۱۱ وہ اپنے آپ کو درویشوں سے منسوب کرتا ہے اور ان سے ارادت کا دم بھرتا ہے۔ ۱۲ جو درویش ہے وہ اس شخص سے بیزار ہوتا ہے درویش کا یہ کردار کب ہوتا ہے، ۱۳ یہ درویشی نہیں ہے بلکہ زندقہ ہے اور یہ جمعیت نہیں ہے بلکہ تفرقہ ہے، ۱۴ اس نے عارفوں کی اصطلاحات زبانی یاد کی ہوئی ہیں اور وہ ان کو فر فر بیان کرتا ہے، ۱۵ اس کا دل حقیقتِ کار سے واقف نہیں ہے اس کو معرفت تو بہت ہے لیکن وہ عارف نہیں ہے، ۱۶ وہ خالی اخروٹ کی طرح ہے جو دیکھنے میں تو اچھا لگتا ہے لیکن جب تو اس کو توڑے تو اس میں مغز نہ پائے گا، ۱۷ اس نے بدباطن لوگوں کی قیاس آرائیوں کو نیک طینت لوگوں کی عبارتوں میں شامل کردیا ہے ۱۸ اس کے الفاظ پاک اور اس کے معنی ناپاک ہیں

چین کا نافہ ہے اور اس کے اندر گوبر بھرا ہے، وہ نافہ کو کھولے بغیر (لفاظی کا) مشک بکھیر رہا ہے اور اگر وہ نافہ کھولدے تو جہان میں بدبو پھیل جائے]

اور عوارف[1] میں ہے کہ جب حضرت سہل (قدس سرہ) سے اس شخص کے بارے میں پوچھا گیا جو یہ کہتا ہے کہ میں دروازے کی مانند ہوں جب تک مجھے حرکت نہیں دی جاتی میں حرکت نہیں کرتا۔ انھوں نے کہا کہ دو شخصوں میں سے ایک کے سوا اور کوئی شخص یہ بات نہیں کہتا (یعنی) یا صدیق کہتا ہے یا زندیق، اس لئے کہ صدیق یہ (مذکورہ) بات اصول کو قائم رکھتے ہوئے اور بندگی کی حدود کی رعایت رکھتے ہوئے اس طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتا ہے کہ اشیاء کا قیام اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہے، اور زندیق یہ بات اشیاء کو اللہ تعالیٰ پر حوالہ کرنے اور ملامت کو اپنی ذات سے ساقط کرنے اور دین اور اس کی رسوم سے آزاد ہونے کے لئے کہتا ہے۔ ۱۲۱

عجیب معاملہ ہے کہ جن لوگوں نے کم آزاری اور صلح کل کا مشرب اختیار کیا ہوا ہے ان میں سے ایک جماعت تمام فرقوں یعنی کافروں، یہودیوں، جوگیوں، برہمنوں، ملحدوں، زندیقوں اور ارمنیوں وغیرہ کے ساتھ اچھا سلوک کرتی ہے وہ ایک دوسرے کے ساتھ صلح میل جول اور محبت رکھتے ہیں سوائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی پیروی کرنے والے لوگوں کے جو کہ اہل سنت و جماعت اور فرقہ ناجیہ ہیں اور جن کے بارے میں حدیث شریف میں آیا ہے کہ یہ وہ لوگ ہیں جو میرے طریقہ پر اور میرے صحابہؓ کے طریقہ پر ہیں کہ ان سے یہ لوگ بغض و عداوت رکھتے ہیں، ان کی صلح غیروں کے ساتھ ہے اور ان (مسلمانوں) کی ایذا و آزار کے درپے ہیں اور ان کی بربادی چاہتے ہیں۔ یہ عجیب صلح کل ہے کہ محمدیوں (مسلمانوں) کے ساتھ کہ جن کا پیشوا رحمۃ للعالمین ہے بغض و عداوت ہو اور غیر محمدیوں (غیر مسلموں) کے ساتھ کہ جن سے بغض رکھنا نصوص قرآنی سے ثابت ہے محبت و دوستی ہو، بیشک الکفر ملۃ واحدۃ [کفر سب کا سب ایک ہی ملت ہے] اچھی طرح غور کرلیں۔ اگر مخلوق سے ترک تعرض قابل تعریف ہوتا تو امر معروف و نہی منکر دین متین کے واجبات میں سے نہ ہوتے اور حق سبحانہ و تعالیٰ اس امت کو اس جلیل القدر امر کے بجالانے کے باعث خیر امت نہ فرماتا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ[2] [تم بہترین امت ہو جو لوگوں کے لئے نکالی گئی، تم معروف کا حکم کرتے ہو اور منکر سے روکتے ہو] اور دوسری جگہ فرماتا ہے: اَلْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّاهُوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَالْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰهِ[3] [وہ معروف کا حکم کرنے والے

---

[1] عوارف المعارف علی ہامش الاحیاء جلد ۲ ص ۱۲ [2] سورۃ ۳ آیۃ ۱۱۰ [3] سورۃ ۹ آیۃ ۱۱۲

اور منکر سے روکنے والے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی حدود کی حفاظت کرنے والے ہیں]۔ اور نیز فرمایا اَلْمُؤْمِنُوْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ [مومن مرد اور مومن عورتیں بعض بعض کے دوست ہیں، وہ معروف کا حکم کرتے ہیں اور منکر سے روکتے ہیں] اور تمام انبیاءِ کرام اور ہمارے نبی کریم علیہم الصلوٰۃ والسلام و صحابہ و تابعین و تبع تابعین اور تمام سلف صالحین نے کسقدر کوششیں امر معروف و نہی منکر کے بجالانے میں کی ہیں اور کسقدر تکلیفیں اس کام کی انجام دہی میں اٹھائی ہیں (کسی) عبث کام کیلئے یہ تمام کوششیں کرنا اور تکلیفیں اٹھانا محض حماقت ہوتا ہے۔ اگر ترکِ تعرض مستحسن (اچھا کام) ہوتا تو کسی منکر شرعی (برائی) کے دل سے بُرا جاننے کو ایمان کا سب سے ضعیف درجہ کیوں فرماتے، جیسا کہ صحیح حدیث شریف میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا جب تم میں سے کوئی شخص کسی منکر (خلافِ شرع کام) کو دیکھے تو اس کو چاہئے کہ اپنے ہاتھ سے اس کو روک دے، پس اگر وہ اس کی طاقت نہیں رکھتا تو زبان سے اس کو منع کرے اور اگر اس کی بھی طاقت نہیں رکھتا تو اپنے دل سے اس کو بُرا جانے اور یہ ایمان کا سب سے ضعیف درجہ ہے اس کو امام مسلمؒ نے روایت کیا ہے۔ اور کسی شہر و بستی میں امر معروف ترک کرنے والے کو اس شہر و بستی والوں کے ساتھ عذاب میں کیوں داخل کیا جاتا اور اس بستی کے ساتھ اس کو بھی تباہ و برباد کیوں کیا جاتا جیسا کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ عزوجل نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کی طرف وحی کی کہ فلاں شہر کو اس کے باشندوں کے ساتھ پلٹ دے تو جبرئیل علیہ السلام نے عرض کیا یا اللہ! اُن لوگوں میں تیرا فلاں بندہ بھی ہے جس نے پلک جھپکنے (ایک لمحہ) تک بھی تیری نافرمانی نہیں کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا اس بستی کو اس شخص پر اور ان لوگوں پر پلٹ دے کیونکہ بلاشبہ اس شخص کا چہرہ ہرگز ایک لمحہ کے لئے بھی اُن کے بُرے افعال پر متغیر نہیں ہوا۔ اس کو امام بیہقی نے روایت کیا ہے۔

اگر کہا جائے کہ آیۂ کریمہ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ لَا يَضُرُّكُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَيْتُمْ الآیہ [اے ایمان والو! تمہارے اوپر تمہاری اپنی ذات کی ذمہ داری ہے اگر تم نے ہدایت پالی ہے تو جو شخص گمراہ ہوا اس کا ضرر تم کو کچھ نہیں پہنچے گا] امر معروف و نہی منکر کے ترک پر دلالت کرتی ہے۔ (اس کے جواب میں) ہم کہتے ہیں کہ یہ (دلیل) ناقابلِ قبول ہے کیونکہ اهتدا کا لفظ جو اس آیۂ کریمہ میں آیا ہے اس کے معنی امر معروف و نہی منکر کو بھی شامل ہیں جیسا کہ مفسرین نے اس کو لکھا ہے یعنی جب تم اعمال صالحہ

ـه۱ سورۃ ۹ آیت ۷۱ ـه۲ سورۃ ۵ آیت ۱۰۵

بجالاتے رہو اور امر معروف و نہی منکر کرتے رہو تو دوسروں کی گمراہی تمہارے لئے کوئی نقصان نہیں رکھتی، اور اس آیت کا شانِ نزول بھی اسی معنی کی تائید کرتا ہے کہ جب مسلمان، ذلیل کفار کے انکار و عدم اطاعت سے دل تنگ ہوئے تو حق تعالیٰ نے مسلمانوں کو اس آیۂ کریمہ سے تسلی دی، یعنی جب تم نے اپنی طرف سے نہی منکر کر دیا اور سیدھے راستہ پر رہنمائی کر دی اور کفر و سرکشی سے ان کو ڈرا دیا تو اس کے بعد اُن لوگوں کا کفر تم کو کوئی ضرر نہیں پہنچائے گا، اور جنہوں نے اس آیۂ کریمہ کے ظاہری معنی لئے انھوں نے کہا ہے کہ یہ آیت امرِ معروف کی آیت سے منسوخ ہوگئی ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انھوں نے اپنے خطبہ میں کہا اے لوگو! تم یہ آیت یَا أَیُّهَا الَّذِینَ آمَنُوا عَلَیْكُمْ أَنْفُسَكُمْ لَا یَضُرُّكُمْ مَنْ ضَلَّ إِذَا اهْتَدَیْتُمْ پڑھتے ہو پس میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سُنا ہے کہ بیشک جب لوگ کسی مُنکر (بُرائی) کو دیکھیں اور اس کو دُور نہ کریں تو قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنا عذاب اُن سب پر عام کر دے (اس کو ابن ماجہ و ترمذی نے روایت کیا ہے اور اس کو صحیح کہا ہے)۔ اور ابوداؤد کی روایت میں ہے جب لوگ کسی کو ظلم کرتے دیکھیں اور اسے نہ روکیں تو قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ اُن سب پر عذاب عام کر دے اور اسی کی دوسری روایت میں ہے کوئی قوم ایسی نہیں ہے کہ جس میں گناہ کے کام کئے جاتے ہوں اور وہ ان کے روکنے پر قادر ہوتے ہوئے بھی ان گناہوں کو نہ روکے مگر یہ کہ قریب ہے اللہ تعالیٰ ان پر اپنا عذاب عام کر دے، اور اللہ تعالیٰ کے ارشاد عَلَیْكُمْ أَنْفُسَكُمْ لَا یَضُرُّكُمْ مَنْ ضَلَّ إِذَا اهْتَدَیْتُمْ کے بارے میں ابو ثعلبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ قسم خدا کی میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے بارے میں دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کہ نیکی کا امر کرو اور برائی سے روکو یہاں تک کہ (اے مخاطب) جب تو دیکھے کہ لوگوں میں بُخل پر عمل ہو رہا ہے اور خواہشِ نفس کی پیروی کی جاتی ہے اور دنیا کو (آخرت پر) ترجیح دی جاتی ہے اور ہر صاحبِ رائے اپنی ہی رائے کو پسند کرتا ہے اور تو کوئی ایسا (ناگوار) امر دیکھے جس سے تجھے مفر نہ ہو تو ان صورتوں میں تجھ پر اپنی ذات کی ذمہ داری ہے اور عوام کو ان کے حال پر چھوڑ دے، بیشک تمہارے بعد ایسا زمانہ آنے والا ہے کہ جس نے ان ایام میں صبر کیا تو اس نے گویا کہ ہاتھ میں انگارا لیا، اس زمانے میں (احکامِ دین پر) عمل کرنے ۱۳۳ والے کے لئے اس جیسا عمل کرنے والے پچاس اشخاص کے عمل کے برابر اجر ہوگا، صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا ان میں کے پچاس آدمیوں کے اجر کی برابر؟ آپ نے فرمایا، تم میں سے پچاس آدمیوں کے اجر کے برابر۔ رواہ الترمذی و ابن ماجہ۔

اگر کہا جائے کہ امر معروف (تبلیغ) اور جہاد فی سبیل اللہ انبیائے کرام علیہم وعلیٰ اتباعہم الصلوٰۃ والسلام کا طریقہ ہے اور اولیاء اللہ کا طریقہ ترکِ تعرض اور ترکِ امر معروف ہے جیسا کہ اس وقت کے بعض لوگ کہتے ہیں تو ہم (اس کے جواب میں) کہتے ہیں کہ ان امور کا وجوب و فرضیت اور ان کے بجالانے کی فضیلت اور ان کے

ترک پر وعید نصوص سے ثابت ہو چکی ہے اور فرضیت اور وعد و وعید تمام لوگوں کے لئے ہوتے ہیں یہ خصوصیت نہیں ہوتی کہ بعض کے لئے ہوں اور بعض کے لئے نہ ہوں، خواص و عوام اور انبیاء و اولیاء فرائض کے بجالانے میں برابر ہیں، اور سب وعد و وعید میں داخل ہیں، بایں کہ ہم کہتے ہیں کہ نجات کا حاصل ہونا اور کمال کے درجات تک پہنچنا انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی متابعت سے وابستہ ہے، اولیاء اللہ نے ولایت و محبت و معرفت اور قربِ الٰہی سے جو کچھ بھی حاصل کیا ہے وہ سب انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی متابعت اور ان کے طفیل میں پایا ہے اللہ تعالیٰ تک رسائی کی راہ انہی بزرگواروں کے اتباع پر موقوف ہے۔ قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ[1] [آپ کہہ دیجئے کہ اگر تم لوگ اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو (اس کی بدولت اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرے گا)]۔ اس (انبیاء علیہم السلام کی راہ) کے سوا جو بھی راستہ ہے وہ گمراہی کی طرف جاتا ہے اور شیاطین کا راستہ ہے، آیتِ کریمہ فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ إِلَّا الضَّلٰلُ[2] [حق کے بعد سوائے گمراہی کے اور رہ ہی کیا؟] اس معنی پر دلیلِ شافی ہے اور وَأَنَّ هٰذَا صِرَاطِي مُسْتَقِيمًا فَاتَّبِعُوهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيلِهٖ[3] [اور بیشک یہ میرا راستہ ہی سیدھا ہے پس اسی پر چلو اور (اس کے علاوہ) دوسرے راستوں پر مت چلو کہ وہ تم کو اس (اللہ) کے راستہ سے جدا کر دیں گے] اس دعویٰ پر شاہدِ عدل ہے۔ اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انھوں نے کہا کہ ہمارے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خط کھینچا پھر فرمایا یہ اللہ تعالیٰ کا راستہ ہے پھر اس کے دائیں بائیں چند اور خطوط کھینچے اور فرمایا کہ یہ شیاطین کے راستے ہیں ان میں سے ہر راستہ پر شیطان ہے جو اس (راستہ) کی طرف بلاتا ہے اور یہ آیت تلاوت فرمائی إِنَّ هٰذَا صِرَاطِي مُسْتَقِيمًا فَاتَّبِعُوهُ الآیہ اس کو امام احمد و نسائی و دارمی نے روایت کیا ہے پس جو شخص چاہے کہ انبیاء (علیہم السلام) کی پیروی کے بغیر راہِ حق جلّ و علا میں داخل ہو اور کمال تک پہنچے وہ گمراہی کے سوا کچھ حاصل نہ کر سکے گا اور اگر وہ کچھ حاصل کر بھی لے گا تو وہ استدراج ہوگا کہ جس کا نتیجہ آخرت میں خسارہ محرومی ہے وَمَنْ يَبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِينَ[4]○ [اور جو شخص اسلام کے علاوہ کوئی اور دین اختیار کرے گا تو وہ اس سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا اور وہ آخرت میں خسارہ پانے والوں میں سے ہوگا۔]○

محال ست سعدی کہ راہِ صفا — تواں رفت جز در پئے مصطفےٰ ﷺ

[اے سعدی! حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کئے بغیر راہِ صفا پر چلنا محال ہے]

حضرت جنید بغدادی قدس سرہٗ جو کہ صوفیوں کے سردار اور سید الطائفہ ہیں فرماتے ہیں جس شخص نے

---

[1] سورت ۳ آیت ۳۱۔ [2] سورت ۱۰ آیت ۳۲ [3] سورت ۶ آیت ۱۵۳ [4] سورت ۳ آیت ۸۵۔

قرآن مجید یاد نہیں کیا اور حدیث نہیں لکھی ہمارے اس مسلک میں اس کی اقتدا نہیں کی جائے گی، اس لئے کہ بیشک ہمارا یہ عمل کتاب اور سنت (حدیث) کے ساتھ وابستہ ہے۔ نقل کرتے ہیں کہ ایک درویش نے حضرت خواجہ عبد الخالق غجدوانی قدس سرہٗ سے پوچھا کہ شیطان کو اس راہ کے چلنے والوں پر کچھ قابو ہوگا حضرت خواجہ نے فرمایا کہ اس راہ کا چلنے والا جو شخص فنائے نفس کی سرحد تک نہیں پہنچا ہے جب وہ غصہ میں ہو گا تو شیطان اس پر قابو پالے گا لیکن اس راہ کا چلنے والا جو شخص فنائے نفس حاصل کر چکا ہو اس کو غصہ نہیں آتا (بلکہ) غیرت (حمیت) ہوتی ہے، جہاں کہیں غیرت ہوتی ہے شیطان بھاگ جاتا ہے، اور اس قسم کی صفت اس شخص کے لئے مسلّم ہوگی جو کہ اپنا رُخ راہِ حق کی طرف رکھتا ہو اور اللہ تعالیٰ عزوجل کی کتاب اپنے داہنے ہاتھ میں لے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو بائیں ہاتھ میں لے اور ان دو انوار کے درمیان راہ طے کرے، حضرت خواجہ احرار (قدس سرہٗ) سے منقول ہے وہ فرماتے تھے کہ اگر تمام احوال و مواجید (کیفیاتِ وجد) ہم کو دے دیئے جائیں اور ہماری حقیقت کو اہلِ سنت وجماعت کے عقائد کے ساتھ آراستہ نہ کریں تو ہم اس کو خرابی کے سوا اور کچھ نہ جانیں گے اور اگر تمام خرابیاں ہم میں جمع کردی جائیں اور ہماری حقیقت کو اہلِ سنت وجماعت کے عقائد کے ساتھ نواز دیا جائے تو ہمیں خوف نہیں ہے۔

انصاف کرنا چاہیئے (جبکہ) نبوت ختم ہو چکی ہے اور وحی کا زمانہ منقطع ہو چکا ہے اور دین کامل ہو گیا ہے اور نعمت مکمل ہو چکی ہے (تو) آج کوئی شخص کس دلیل اور کس سند سے ایسے محکم دین کو برطرف کر سکتا ہے اور (محض) اپنے خواب وخیال سے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے متفقہ کلمہ کو جو کہ قطعی وحی اور اللہ تعالیٰ کے خبر دینے کے ساتھ ثابت ہو چکا اور یقین کے درجے کو پہنچ چکا ہے (کس طرح) نظر انداز کر سکتا ہے، عقل دور اندیش سے کام لینا چاہیئے اور خواب وخیال کے ساتھ دھوکا نہیں کھانا چاہیئے اور شیاطین کے راستوں سے دُور رہنا چاہیئے اور سنتِ عالیہ کے سیدھے راستہ کو ترک نہیں کرنا چاہیئے، انبیاء علیہم السلام کا ابلاغ ہی نجات دینے والا اور برکت کا پھل دینے والا ہے اور اس کے سوا سب کچھ خطرہ ہی خطرہ ہے فالحذر کل الحذر [پس پوری طرح بچنا چاہیئے]۔

نجاتِ قطعی کے راستہ کو چھوڑ کر خطرہ کی راہ اختیار کرنا، ملعون شیاطین کے جال میں پھنسنا اور اپنے آپ کو دائمی ہلاکت میں ڈال دینا عقل سے بہت ہی دور ہے جو وجد و حال اور خواب وخیال برحق پیغمبروں کے برخلاف ہو وہ کَسَرَابٍ بِقِيعَةٍ يَحْسَبُهُ الظَّمْآنُ مَاءً [اس کی حیثیت اس سراب کی سی ہے جو چٹیل میدان میں ہو جسے پیاسا پانی سمجھتا ہے] کے مصداق ہے، جب معاملہ اللہ تعالیٰ سے پڑے گا اور قبر و قیامت در پیش ہوں گی تو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی متابعت کے علاوہ جو کہ وحی سے ثابت شدہ ہی

۱۲۵ کوئی چیز کچھ فائدہ نہیں دیگی اور نہ ہی اسوقت کچھ مدد کریگی، ہاں اگر احوال و مواجید اور کشوف والہامات اس (یعنی انبیاء علیہم السلام کی) متابعت کے ساتھ جمع ہوجائیں تو نور علی نور ہے، اور جب (سالک) اس کے کمال کو پہنچ جائے تو معاملہ شریعت کی صورت سے شریعت کی حقیقت تک پہنچ جاتا ہے جیسا کہ (یہ کمال) صحابۂ کرام و سلفِ صالحین اور مستقیم الاحوال مشائخ کو حاصل تھا، اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہمیں اور آپ کو یہ انتہائی درجہ نصیب فرمائے۔ (آمین)

پس ثابت ہوا کہ قربِ الٰہی جل شانہ کے درجات کو پہنچنے کی راہ شریعت کے طریقے میں منحصر ہے جس پر پیغمبر خدا علیہ و علیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام خود چلے اور دعوت دی اور جس کے لئے آپ مامور ہوئے خواہ وہ قربِ نبوت ہو یا قربِ ولایت اور (درجاتِ قرب کو) پہنچنے والے خواہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام ہوں یا اولیائے کرام، آیۂ کریمہ قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ عَلٰى بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ[1] [آپ کہدیجئے کہ یہ میرا راستہ ہے میں اللہ تعالیٰ کی طرف اس طرح پر دعوت دیتا ہوں کہ میں اور میرا اتباع کرنے والے واضح دلیل پر ہیں] اور آیتِ کریمہ قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ[2] [آپ کہہ دیجئے کہ اگر تم اللہ تعالیٰ کی محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو اللہ تعالیٰ تم سے محبت کریگا] بھی اسی پر دلالت کرتی ہیں، اس راستہ کے سوا اور جو بھی راستہ ہے گمراہی کی طرف جاتا ہے اور مطلوبِ حقیقی سے ہٹا ہوا ہے کل طریقۃ ردتہ الشریعۃ فہی زندقہ [ہر وہ طریقہ جس کو شریعت رد کردے زندقہ ہے] آیۂ کریمہ وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا[3] الآیہ اور آیۂ کریمہ فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ اِلَّا الضَّلٰلُ[4] اور آیۂ کریمہ وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ[5] الآیہ اور حدیث خط لنا الحدیث اور حدیث کل بدعۃ ضلالۃ اور (بہت سی) دوسری حدیثیں اسی معنی کی شاہد ہیں، اور یہ جو بعض اکابر کی عبارتوں میں آیا ہے کہ جو راستے اللہ تعالیٰ کی پاک بارگاہ میں پہنچانے والے ہیں وہ دو ہیں ایک راستہ وہ ہے جو قربِ ولایت سے تعلق رکھتا ہے اور دوسرا راستہ وہ ہے جو قربِ نبوت سے متعلق ہے (یہ بات) اس تحقیق سے (کہ شریعت کا راستہ ہی اللہ تعالیٰ کے قرب کا ذریعہ ہے) خلاف نہیں ہے اس لئے کہ یہ دونوں راستے شریعتِ عالیہ کے دائرے میں داخل ہیں اور یہ دونوں قرب انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی متابعت سے وابستہ ہیں جو کہ صراطِ مستقیم ہے پس جو شخص احکامِ شریعت کی بجا آوری اور انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی پیروی کے بغیر ان دونوں قرب میں سے کسی ایک قرب تک پہنچنا چاہے گا وہ اپنے مطلب کو نہیں پہنچے گا، گمراہ ہوجائے گا اور محروم و نامراد رہے گا۔ اسی طرح یہ جو مشہور ہوگیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف (پہنچانے والے) راستے مخلوقات کے سانسوں کی تعداد کے مطابق ہیں یہ (بھی) درست ہے اس لئے کہ ہر ظل کو اپنے اصل کی طرف تنہا راہ ہے اور ہر مخلوق کا عینِ ثابتہ جدا ہے، اور جس مسئلہ کی وضاحت ہم کر رہے ہیں وہ اس کے خلاف نہیں ہے اس لئے کہ یہ تمام راستے وصول کے حق میں احکامِ شریعت کے

---

[1] سورۃ ۱۲ آیۃ ۱۰۸ [2] سورۃ ۳ آیۃ ۳۱ [3] سورۃ ۶ آیۃ ۱۵۳ [4] سورۃ ۱۰ آیۃ ۳۲ [5] سورۃ ۳ آیۃ ۸۵۔

بجالانے کے ساتھ مشروط ہیں جو شخص کہ شریعتِ عالیہ کے دائرے سے باہر نکل کر ان راستوں میں سے کسی راستے سے (اللہ تعالیٰ تک) آنا چاہے تو وہ راستہ ہی میں رہ جائے گا اور مطلب کو نہیں پہنچے گا بلکہ گمراہ ہو جائے گا پس ان تمام راستوں کا منشا (اصل) شریعت ہی ہوئی اور یہ طریقے متعدد ہونے کے باوجود ایک ہی طریقے (یعنی شریعت) کی طرف لوٹ گئے، ایک طریق کہنا اس کے منشا کے اعتبار سے ہے اور متعدد طریقے کہنا ناشی کے اعتبار سے ہے اور دو طریقے کہنا طرقِ کلیہ کے اعتبار سے ہے اور بہت سے طریقے کہنا طرقِ جزئیہ کے اعتبار سے ہے۔ معارج الہدایہ میں ہے "بعض صوفیہ نے کہا ہے کہ خالق کی طرف (لیجانے والے) راستے مخلوقات کے سانسوں کی تعداد کے مطابق ہیں" لیکن وہ سب شریعتِ عظمیٰ کے دائرہ میں درج و شامل و داخل اور ڈھلے ہوئے ہیں جو کہ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت ہے اور یہ سب طریقے شریعت کے درخت کے تنے، جڑوں، شاخوں، رگوں اور ٹہنیوں، پتوں، پھولوں اور کلیوں کی طرح ہیں اور یہ نہیں کہا جائے گا کہ یہ شریعت کے علاوہ کوئی اور چیزیں ہیں اور اس کے مخالف امور ہیں، قسم ہے اُس ذات کی جس نے جان کو پیدا کیا اور دانہ کو شق کیا (پھاڑا) روشن دلیل اور خالص شریعتِ عالیہ کے علاوہ گمراہی اور اندھے پن کی بنیاد کے سوا اور کچھ نہیں ہے پس حق کے محکم راستے اور اللہ تعالیٰ کے صراطِ مستقیم کے بعد شیطان مردود و رجیم و ملعون کے راستوں کے سوا اور کچھ نہیں ہے: فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ اِلَّا الضَّلٰلُ [۱] (پس حق کے بعد گمراہی کے سوا اور کچھ نہیں ہے) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِیْ مُسْتَقِیْمًا فَاتَّبِعُوْهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِیْلِهٖ ذٰلِكُمْ وَصّٰكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ [۲] (اور بے شک یہی میرا راستہ سیدھا ہے سو اس پر چلو اور (دوسرے) راستوں پر مت چلو کہ وہ تم کو اللہ تعالیٰ کے راستے سے بھٹکا کر جدا کر دیں گے، یہ ہے جس کا خدا نے تم کو حکم دیا ہے تاکہ تم پرہیزگار بن جاؤ)

عوارف [۳] میں ہے کہ متصوفین کی ایک جماعت جو اپنے آپ کو ملامتیہ کہتے ہیں اور وہ صوفیوں جیسا لباس پہنتے ہیں تاکہ اس کے ساتھ اپنے آپ کو صوفیوں کی طرف منسوب کریں اور اُن میں صوفیوں کی کوئی بات بھی نہیں ہوتی بلکہ وہ دھوکے اور غلطی میں مبتلا ہیں کبھی وہ اپنے بچاؤ کے لئے صوفیہ کے لباس کی آڑ لیتے ہیں اور کبھی صوفیت کے دعویٰ کے لئے پہنتے ہیں اور اہلِ اباحت کے طریقوں پر چلتے ہیں اور وہ گمان کرتے ہیں کہ ان کے دل سب سے ہٹ کر اللہ تعالیٰ کی طرف لگے ہوئے ہیں اور یہی اُن کے نزدیک مراد کا پالینا ہی اور (ان کے نزدیک) شریعت کے ظاہری اعمال کو بجالانا عوام کا اور ان لوگوں کا مرتبہ ہے جن کی سمجھ میں فتور ہے اور جو تقلید کے طور پر اقتدا کی تنگی میں گھرے ہوئے ہیں اور یہ (ان کا خیال) عین الحادو

---

[۱] سورت ۱۰ آیت ۳۲ [۲] سورت ۶ آیت ۱۵۳ [۳] عوارف علی ہامش الاحیاء، جلد ۲ صفحہ ۴ و ۵۔

زندقہ اور اللہ تعالیٰ سے دُوری ہے۔ وکل حقیقۃ ردّتھا الشریعۃ فھی زندقۃ [اور ہر وہ حقیقت جس کو شریعت رد کردے زندقہ ہے) اور ان فریب خوردہ لوگوں کی جہالت ہے (کہ وہ کہتے ہیں) کہ بلاشبہ شریعت عبودیت کا حق ہے اور حقیقت عبودیت کی حقیقت ہے حالانکہ جو شخص اہلِ حقیقت میں سے ہو جاتا ہے وہ عبودیت کے حقوق (یعنی شریعت) کے ساتھ مقید ہو جاتا ہے اور اس سے کچھ اور امور و زیادات کا مطالبہ بھی کیا جاتا ہے جن کا کسی ایسے شخص سے مطالبہ نہیں کیا جاتا جو اس مقام تک نہ پہنچا ہو، نہ یہ کہ وہ مکلّف ہونے کا حلقہ اپنی گردن سے نکال دے (مکلّف نہ رہے) اور اس کے باطن میں کجی اور انحراف کا فتور پیدا ہو جائے۔

آنحضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جو حدیثیں امرِ معروف و نہی منکر اور جہاد فی سبیل اللہ کے بارے میں وارد ہوئی ہیں وہ بیان کی جاتی ہیں اچھی طرح مطالعہ کریں۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اُس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ تم کو امر بالمعروف و نہی عن المنکر ضرور کرتے رہنا چاہیئے یا پھر یقیناً قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ تم پر اپنا عذاب بھیجے پھر تم اللہ تعالیٰ سے دعا کرو گے اور تمہاری دعا قبول نہیں ہوگی اس کو ترمذی نے روایت کیا ہے۔ اور عرس بن عمیرۃ الکندی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جب زمین میں (یعنی کسی جگہ) گناہ کا کام کیا جائے تو جو شخص اس جگہ موجود ہو اور وہ اس کو مکروہ جانتا ہو اور ایک روایت ہے کہ وہ اس کو بُرا جانتا ہو تو وہ ایسا ہے گویا کہ وہ اس جگہ موجود نہیں ہے اور جو شخص وہاں موجود نہیں ہے لیکن اس گناہ کو پسند کرتا ہو تو گویا کہ وہ وہاں موجود ہے، اس کو ابوداؤد نے روایت کیا ہے۔ اور عدی بن عدی الکندی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انھوں نے کہا کہ ہمارے ایک غلام نے ہم سے حدیث بیان کی کہ اس نے میرے دادا سے سُنا وہ کہتے تھے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا آپ فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ خاص لوگوں کے عمل سے عام لوگوں کو عذاب نہیں دے گا مگر یہ کہ وہ کسی برائی کو اپنے سامنے ہوتا ہوا دیکھیں اور اس کو روکنے پر قادر ہوں اور اس کو نہ روکیں پس جب وہ ایسا کریں گے تو اللہ تعالیٰ عام و خاص سب کو عذاب دیگا اس کو شرح السنہ میں روایت کیا ہے۔ اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب بنی اسرائیل گناہوں میں مبتلا ہو گئے ان کے علما نے ان کو منع کیا پس وہ باز نہ آئے پھر وہ علما ان کی مجلسوں میں بیٹھنے لگے اور ان کے ساتھ مل کر کھانے پینے لگے تو اللہ تعالیٰ نے ان میں سے بعض کی وجہ سے بعض کو سزا دی، اور حضرت داؤد و حضرت عیسیٰ علیہما السلام کی زبان پر ان کو لعنت کی یہ اس لئے کہ انھوں نے نافرمانی کی اور وہ حدِ اعتدال سے تجاوز کرتے تھے، راوی نے کہا پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

بیٹھ گئے اور آپ تکیہ (ٹیک) لگائے ہوئے تھے پس آپ نے فرمایا اُس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے، تم عذاب سے نجات نہیں پاؤ گے یہاں تک کہ تم ظالموں اور فاسقوں کو گناہوں سے روکو جیسا کہ روکنے کا حق ہے، اور اگر منع نہ کرسکو تو ان کے ساتھ کھانا پینا اور اٹھنا بیٹھنا ترک کردو، اس کو ترمذی اور ابوداؤد نے روایت کیا ہے، اور ابوداؤد کی روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا حق یہ ہے کہ خدا کی قسم تم کو چاہئے کہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کرتے رہو اور ظالم کے ہاتھ پکڑتے رہو اور اس کو برائی سے منع اور (زبان سے) حق پر آمادہ کرتے رہو، اور اگر اتنا بھی نہ کرسکو تو ترکِ تعلقات کرکے ان کو حق کے سامنے جھکنے پر مجبور کرو ورنہ اللہ تعالیٰ تم میں سے بعض کے دلوں کو بعض کے ساتھ ملادے گا یعنی تم بھی ظالموں اور فاسقوں میں شامل ہو جاؤ گے پھر وہ (اللہ تعالیٰ) تم پر اسی طرح لعنت کریگا جیسا کہ اُن (بنی اسرائیل) پر لعنت کی، (یعنی ان دو باتوں میں سے ایک بات ضرور واقع ہوگی، یا تم امر معروف و نہی منکر کرتے رہو اور سننے والوں سے ترکِ تعلقات کرو ورنہ لعنتِ خداوندی کے مستحق ہو گے) اور نیز حدیث شریف میں آیا ہے کہ جب تو میری امت کے لوگوں کو دیکھے کہ وہ ظالم سے یہ کہتے ہوئے ڈریں کہ تو ظالم ہے تو ان کی صحبت ترک کردے (اوسط طبرانی) حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت کو آخری زمانے میں ان کے حکمرانوں سے سختیاں پہنچیں گی ان سے کوئی شخص نہیں بچ سکے گا مگر وہ بچے گا جس نے اللہ تعالیٰ کے دین کو پہچانا ہوگا اور اس نے اپنی زبان اپنے ہاتھ اور اپنے دل سے اس پر جہاد کیا ہوگا پس وہ شخص ہے جس کے لئے دنیا و آخرت کی سعادتوں نے سبقت کی اور وہ شخص بچے گا جس نے اللہ کے دین کو پہچانا اور اس کی تصدیق کی (یعنی زبان و دل سے جہاد کیا نہ کہ ہاتھ سے پس اس کا درجہ پہلے سے کم ہے) اور وہ شخص بچے گا جس نے اللہ کے دین کو پہچانا لیکن اس پر خاموش رہا (یعنی اس نے صرف دل کا جہاد کیا) پس اگر کسی شخص کو حق پر عمل کرتے ہوئے دیکھتا ہے اس لئے اس سے محبت کرتا ہے اور اگر کسی شخص کو حق کے خلاف عمل کرتے ہوئے دیکھتا ہے اس لئے اس سے بغض رکھتا ہے تو یہ شخص اس پوشیدہ محبت و بغض کے باعث نجات پائیگا (اس کا درجہ دوسرے سے بھی کم ہے) اس کو بیہقی نے روایت کیا ہے۔ اور حدیث شریف میں یہ بھی ہے کہ کوئی ایسا نبی نہیں ہے کہ جس کو اللہ تعالیٰ نے مجھ سے پہلے کسی امت میں بھیجا ہو مگر یہ کہ اس کی امت میں سے اس کے حواری (مددگار) و اصحاب ہوتے تھے وہ اُس نبی کی سنت کو اختیار کرتے تھے اور اس کے حکم کی پیروی کرتے تھے پھر ان کے بعد اُن کے خلیفہ ہوئے جو ایسی باتیں کہتے تھے جن پر وہ خود عمل نہیں کرتے تھے اور ایسے کام کرتے تھے جن کا اُن کو حکم نہیں دیا گیا تھا پس جس نے ان کے ساتھ اپنے ہاتھ سے جہاد کیا تو وہ مؤمن ہے اور جس نے ان کے ساتھ اپنی زبان سے جہاد کیا وہ بھی مؤمن ہے اور جس نے ان کے ساتھ اپنے دل سے جہاد کیا وہ بھی مؤمن ہے، ان صورتوں کے علاوہ رائی کے دانہ کی برابر بھی ایمان نہیں ہے اس کو امام مسلم نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ حدیث شریف میں ہے جب کوئی گناہ پوشیدہ طور پر کیا جائے تو وہ صرف اپنے کرنے والے کو ضرر پہنچائیگا اس کے سوا کسی دوسرے کو نہیں، اور جب علانیہ گناہ کیا جائے اور اس کو نہ روکا جائے تو عام عذاب آئیگا (طیالسی عن ابن عمر و ابی ہریرہ رضی اللہ عنہما)

اور یہ بھی حدیث شریف میں ہے (۱۲۸) کہ جب تم کسی کام کو دیکھو کہ اس کے تبدیل کرنے پر قدرت نہیں رکھتے ہو تو صبر کرو یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ ہی

اس کو بدل دے عد ھب عن ابی امامۃ ۔ اور یہ بھی حدیث شریف میں ہے کہ تم پر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اس وقت تک واجب ہے جبتک تمہیں یہ ڈر نہ ہو کہ تم بھی اسی میں مبتلا ہو جاؤ جس کے مثل سے تم منع کرتے ہو پس جب تم کو اس کا خوف ہو تو پھر تمہارے لئے خاموش رہنا حلال وجائز ہے، ابو نعیم والدیلمی عن مسور ۔

اور نیز حدیث شریف میں ہے کہ کیا میں تم کو ان قوموں کی بابت خبر نہ دوں جو نہ انبیا ہیں اور نہ شہدا اور قیامت کے روز اُن پر انبیا اور شہدا اُن کے منازل کی وجہ سے رشک کریں گے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نور کے منبروں پر جلوہ افروز ہوں گے اس حال میں کہ پہچانے جائیں گے یہ وہ لوگ ہوں گے جو اللہ تعالیٰ کے بندوں کو اللہ تعالیٰ کا اور اللہ تعالیٰ کو اس کے بندوں کا دوست بناتے ہوں گے وہ زمین پر نصیحت کرتے ہوئے چلیں گے، آپؐ سے عرض کیا گیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے بندوں کو اللہ تعالیٰ کا دوست کیسے بناتے ہوں گے؟ آپؐ نے فرمایا وہ لوگوں کو اس چیز کا امر کریں گے جس کو اللہ تعالیٰ پسند کرتا ہے اور اس چیز سے منع کریں گے جس کو اللہ تعالیٰ ناپسند کرتا ہے پس اگر وہ ان کی اطاعت کریں گے تو اللہ تعالیٰ ان کو دوست رکھے گا۔ ھب ابن سعد النقاش فی معجمہ وابن النجار عن انس رضی اللہ عنہ۔ نیز حدیث شریف میں ہے جب میری امت میں گناہ کھلم کھلا ہونے لگیں تو اللہ تعالیٰ اپنا عذاب اُن لوگوں پر عام کر دیتا ہے، آپؐ سے عرض کیا گیا کیا ان لوگوں میں اُس وقت نیک لوگ نہیں ہوں گے؟ آپؐ نے فرمایا ہاں لیکن اُن کو بھی وہی عذاب پہنچے گا جو لوگوں کو پہنچے گا پھر وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مغفرت ورضوان کی طرف ہو جائیں گے حم طب عن ام سلمہ۔

اور نیز حدیث شریف میں ہے کہ سب سے بُری قوم وہ ہے جو شبہات کی آڑ لیکر محرمات کو حلال قرار دیتی ہے اور سب سے بُری قوم وہ ہے جو نیکی کا حکم نہیں کرتی اور بُرائی سے نہیں روکتی۔ (ابو الشیخ عن ابن مسعود)

اور نیز حدیث شریف میں ہے جس شخص نے صاحبِ بدعت کو مرعوب کیا اللہ تعالیٰ اس کے دل کو امن و ایمان سے بھر دے گا اور جس شخص نے صاحبِ بدعت کو جھڑکا اللہ تعالیٰ اس کو فزعِ اکبر (قیامت کے دن کی گھبراہٹ) سے امن میں رکھے گا اور جس نے صاحبِ بدعت کی اہانت کی اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت میں ایک درجہ بلند فرمائے گا اور جس شخص نے صاحبِ بدعت سے ملاقات کے وقت خندہ پیشانی کے ساتھ تواضع کی تو اس نے شریعتِ محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اہانت کی۔ (ابن عساکر عن ابن عمر)۔ اور ایک روایت میں آیا ہے کہ جس شخص نے صاحبِ بدعت سے اس کے ساتھ بغض رکھتے ہوئے روگردانی کی اللہ تعالیٰ اس کے دل کو امن وایمان سے بھر دے گا اور جس شخص نے صاحبِ بدعت کو جھڑکا تو اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اسے امن دے گا اور جس نے صاحبِ بدعت کی اہانت کی اللہ تعالیٰ اس کو جنت میں سو درجہ بلند کریگا اور جس نے صاحبِ بدعت کو سلام کیا یا اس سے خندہ پیشانی کے ساتھ ملاقات کی اور اس چیز کے ساتھ جو

ص ۱۲۹

اس کو خوش کرے اس کا استقبال کیا تو بالضرور اس نے اس چیز کی اہانت کی جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اُتری ہے"۔ اور نیز حدیث شریف میں ہے کہ جس شخص نے اپنی زبان سے حق کو بلند کیا تو اس کے لئے اس کا اجر جاری ہوگا حتی کہ وہ شخص قیامت کے روز اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہوگا پس اللہ تعالیٰ اس کو پورا پورا ثواب عطا فرمائے گا۔ (سمویۃ حل عن انس) اور نیز حدیث شریف میں ہے جو شخص کسی مظلوم کے ساتھ چلا یہانتک کہ وہ اس کے لئے اس کا حق ثابت کردے، اللہ تعالیٰ اس روز اس کے دونوں قدموں کو ثابت رکھے گا جس روز لوگوں کے قدم ڈگمگائیں گے۔ (ابوالشیخ وابونعیم عن ابن عمرؓ) اور نیز حدیث شریف میں آیا ہے کہ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے بالضرور میری امت کے کچھ لوگ گناہوں میں اپنی سُستی اور نہی عن المنکر سے باز رہنے کی وجہ سے حالانکہ وہ اس کی قدرت رکھتے ہوں گے اپنی قبروں سے بندروں اور خنزیروں (سوٗروں) کی صورت میں نکلیں گے (ابونعیم عن عبدالرحمٰن ابن عوفؓ) اور نیز حدیث شریف میں ہے کہ اخیر زمانہ میں ایک قوم ہوگی، وہ لوگ بادشاہ کے پاس حاضر کئے جائیں گے تو اُن کو اللہ تعالیٰ کے حکم کے خلاف حکم دیا جائے گا اور وہ اس کو منع نہیں کریں گے پس اُن پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہوگی۔ (ابونعیم والدیلمی عن ابن مسعودؓ)۔ اور نیز حدیث شریف میں ہے کہ کسی مؤمن شخص کے لئے یہ مناسب نہیں ہے کہ وہ کسی شخص کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتے ہوئے دیکھے اور وہ اس کو منع نہ کرے، (الحکیم عن حسین بن علی رضی اللہ عنہما) اور نیز حدیث شریف میں ہے سب سے افضل جہاد ظالم بادشاہ یا ظالم حاکم کے سامنے کلمۂ عدل کہنا ہے (خط عن ابی سعید) اور نیز حدیث شریف میں ہے سب سے افضل عمل اللہ تعالیٰ کے لئے محبت کرنا ہے (اس کو ابوداؤد نے روایت کیا ہے) اور ایک روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے پسندیدہ عمل اللہ تعالیٰ کے لئے محبت کرنا اور اللہ تعالیٰ ہی کے لئے بغض (دشمنی) رکھنا ہے۔ اور درہ بنت ابی لہبؓ سے روایت ہے وہ کہتی ہیں کہ میں نے عرض کیا یارسول اللہ لوگوں میں سب سے اچھا آدمی کون ہے؟ آپ نے فرمایا جو ان میں پروردگار عزوجل سے سب سے زیادہ ڈرنے والا اور ان میں سب سے زیادہ صلہ رحمی کرنے والا اور ان میں سب سے زیادہ نیکی کا حکم کرنے والا اور ان میں سب سے زیادہ بُرائی سے روکنے والا ہو (اس کو ابوالشیخ اور بیہقی نے روایت کیا ہے) اور نیز حدیث شریف میں ہے کہ کلمۂ لاالٰہ الا اللہ اپنے کہنے والوں کی شفاعت کرتا رہے گا یہانتک کہ ان سے عذاب اور شر کو دور کردیا جائے جبتک کہ وہ لوگ اس کے حق کو ہلکا نہ کریں، صحابہ کرامؓ نے عرض کیا یارسول اللہ اس کے حق کو ہلکا کرنا کیا چیز ہے آپ نے فرمایا کہ جب علانیہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا کام کیا جائے اور وہ اُس سے منع نہ کریں اور اس برائی کو نہ مٹائیں (اس کو اصفہانی نے روایت کیا ہے) اور ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مجھے میرے خلیل صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کئی اچھی عادات کی

م نخلیب عن ابن عمر

وصیت فرمائی، مجھے وصیت فرمائی کہ میں اللہ تعالیٰ کے معاملہ میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہ ڈروں، اور مجھے وصیت فرمائی کہ میں حق بات ہی کہوں اگرچہ وہ تلخ ہو (اس کو ابن حبان نے روایت کیا ہے) اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم سنتے تھے کہ قیامت کے روز ایک شخص کسی شخص سے جھگڑا کرے گا حالانکہ وہ شخص اس کو پہچانتا نہیں ہوگا تو وہ اس کو کہے گا تو مجھ سے کیوں جھگڑتا ہے حالانکہ میرے اور تیرے درمیان کوئی جان پہچان نہیں ہے پس وہ کہے گا تو مجھے غلطی اور برائی پر دیکھتا تھا اور مجھے منع نہیں کرتا تھا (اس کو رزین نے ذکر کیا ہے)۔

م ۱۳۰

فضیلتِ جہاد:۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جنت میں سو درجے ایسے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے فی سبیل اللہ جہاد کرنے والوں کے لئے تیار فرمایا ہے ان میں سے ہر دو درجوں کے درمیان اتنا فاصلہ ہے جتنا کہ آسمان و زمین کے درمیان ہے (اس کو بخاری نے روایت کیا ہے) اور نیز حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے راستہ میں جہاد کرنے والے کی مثال روزہ دار قیام کرنے والے، اللہ تعالیٰ کی آیات کو تلاوت کرنے والے عبادت گذار کی سی ہے جو کہ نماز و روزہ ناغہ نہ کرے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کے راستہ میں جہاد کرنے والا اپنے گھر واپس آجائے (متفق علیہ) اور نیز حدیث شریف میں ہے کہ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا) اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر اس بات کا خیال نہ ہوتا کہ بہت سے مؤمنوں کے دل اس بات سے خوش نہیں ہوں گے کہ وہ مجھ سے پیچھے اور جدا رہیں اور میں ایسی سواری نہیں پاتا ہوں جس پر ان کو سوار کروں تو میں کسی لشکر سے جو کہ اللہ کے راستہ میں جہاد کرتا ہو پیچھے نہ رہتا، اس ذات کی قسم ہے جس کے قبضہ میں میری جان ہے البتہ میں اس بات کو دوست رکھتا ہوں کہ میں اللہ کی راہ میں قتل کیا جاؤں پھر زندہ کیا جاؤں پھر قتل کیا جاؤں پھر زندہ کیا جاؤں پھر قتل کیا جاؤں پھر زندہ کیا جاؤں پھر قتل کیا جاؤں (متفق علیہ) اور نیز حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے راستہ میں ایک دن سرحدِ اسلام کی پہرہ داری کرنا دنیا سے اور ہر اس چیز سے جو دنیا میں ہے بہتر ہے اور ایک روایت میں ہے کہ بیشک اللہ تعالیٰ کے راستہ میں ایک صبح یا ایک شام کو جانا دنیا و مافیہا سے بہتر ہے (متفق علیہ) اور نیز حدیث شریف میں ہے کہ یہ نہیں ہو سکتا کہ خدائے تعالیٰ کی راہ میں کسی بندے کے دونوں قدم غبار آلود ہو جائیں پھر ان کو آگ بھی مس کرے (رواہ البخاری) اور نیز حدیث شریف میں ہے کافر اور اس کا قاتل (دونوں) ہرگز دوزخ میں اکٹھے نہیں ہوں گے (رواہ مسلم) اور نیز حدیث شریف میں ہے کہ بہشت میں داخل ہونے کے بعد کوئی شخص ایسا نہیں ہوگا جو دنیا کی طرف واپس آنا پسند کرے اور یہ کہ اس کے لئے زمین (دنیا) میں دلچسپی کی کوئی چیز ہو مگر شہید اس بزرگی (اور ثواب) کی وجہ سے جو وہ (بہشت میں) دیکھتا ہے آرزو کرے گا کہ وہ دنیا میں لوٹ آئے اور دس بار (یعنی بکثرت اللہ تعالیٰ کی راہ میں) قتل کیا جائے (متفق علیہ) اور نیز حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ ان دو شخصوں کی طرف ہنستا (یعنی رضا اور رحمت کے ساتھ متوجہ

ہوتا ہے جن میں سے ایک شخص نے دوسرے کو قتل کیا ہوگا اور وہ دونوں بہشت میں داخل ہوں گے، یہ ایک شخص اللہ تعالیٰ کے راستہ میں قتال کرتا ہے پس قتل کر دیا جاتا ہے (اور وہ بہشت میں داخل ہوتا ہے) پھر اللہ تعالیٰ قاتل کو (کفر سے) توبہ نصیب کرتا ہے (وہ ایمان لے آتا ہے) پھر وہ شہید کر دیا جاتا ہے (پس وہ بھی بہشت میں داخل ہو جاتا ہے) (متفق علیہ)۔ اور نیز حدیث شریف میں ہے کہ جو شخص صدق دل کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے شہادت مانگتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو شہدا کے مراتب پر پہنچا دیتا ہے اگرچہ وہ اپنے بستر پر ہی مرے (رواہ مسلم) اور نیز حدیث شریف میں ہے کہ جو شخص مرا اور اس نے جہاد نہ کیا اور نہ ہی اس کے دل میں جہاد کا خیال تک گذرا وہ ایک قسم کے نفاق پر مرا (رواہ مسلم)۔ اور نیز روایت ہے کہ ایک شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا اور عرض کیا کہ (یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) ایک شخص غنیمت حاصل کرنے کے لئے جہاد کرتا ہے اور ایک شخص ذکر (شہرت) کے لئے لڑتا ہے اور ایک شخص اس لئے لڑتا ہے کہ اس کا مرتبہ دیکھا جائے (شجاعت دکھانے یعنی ریا کے لئے لڑتا ہے) پس ان میں سے اللہ تعالیٰ کے راستہ میں لڑنے والا (مجاہد فی سبیل اللہ) کون ہے؟ آپ نے فرمایا جو شخص اس لئے لڑے کہ اللہ تعالیٰ کا کلمہ (دین) بلند ہو تو وہ (مجاہد) فی سبیل اللہ ہے (متفق علیہ) اور نیز حدیث شریف میں ہے کہ ہر میت کا عمل موت پر ختم ہو جاتا ہے (یعنی اس کا عمل اس کی زندگی تک ہے مرنے کے بعد اس عمل میں اضافہ نہیں ہوتا) سوائے اس شخص کے جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں سرحدِ اسلام کی چوکیداری کرتے ہوئے مرا پس بیشک اس کے واسطے اس کا عمل قیامت کے روز تک بڑھایا جاتا ہے اور وہ قبر کے فتنہ سے محفوظ رہتا ہے (رواہ الترمذی وابوداؤد والدارمی) اور نیز ایک حدیث میں ہے کہ جو شخص اونٹنی کی فواق (پہلی اور دوسری دفعہ دودھ دوہنے کا درمیانی وقفہ) کی مقدار اللہ تعالیٰ کی راہ میں لڑا تو بلا شبہ اس کے لئے بہشت واجب ہو گئی اور جس شخص کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں (دشمن کے ہتھیار سے) زخمی کیا گیا یا (کسی غیر دشمن سے) رنج و غم پہنچایا گیا پس وہ زخم قیامت کے روز اس سے بہت زیادہ ہو کر آئے گا جتنا کہ دنیا میں تھا اس کا رنگ زعفران کا اور اس کی بو مشک کی ہوگی اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں جس شخص کے پھوڑا نکلا تو اس پھوڑے یا پھوڑے والے پر شہیدوں کی مُہر ہوگی (رواہ الترمذی وابوداؤد والنسائی)۔ اور نیز حدیث شریف میں ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے خوف سے رویا وہ دوزخ کی آگ میں داخل نہیں ہوگا یہانتک کہ دودھ تھنوں میں واپس آئے (یعنی ایسا ہونا محال ہے) اور کسی بندہ پر اللہ تعالیٰ کی راہ میں غبار اور دوزخ کا دھواں جمع نہیں ہوں گے۔ (یعنی اس شخص کو دوزخ کا دھواں نہیں پہنچے گا) (رواہ الترمذی) اور نسائی نے ایک اور روایت میں یہ زیادہ کیا کہ کسی مسلمان کے دونوں نتھنوں کے بیچ ہرگز کبھی بھی (راہِ خدا کا غبار اور دوزخ کا دھواں جمع

۱۳۱

نہیں ہوگا) اور اُسی (نسائی ہی) کی ایک روایت میں ہے کہ کسی بندے کے پیٹ میں کبھی بھی (راہِ خدا کا غبار اور دوزخ کا دھواں جمع نہیں ہوگا) اور کسی بندے کے دل میں بخل اور ایمانِ (کامل) کبھی بھی جمع نہیں ہوں گے اور نیز حدیث شریف میں ہے کہ دو آنکھیں ایسی ہیں جن کو دوزخ کی آگ کبھی مس نہیں کرے گی، ایک وہ آنکھ جو خوفِ خدا سے روئی ہو اور دوسری وہ آنکھ جس نے اللہ تعالیٰ کی راہ میں (مجاہدین کی) نگہبانی کرتے ہوئے رات گذاری ہو (رواہ الترمذی) اور نیز حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں (کفر کی سرحد پر) ایک دن کی پہرہ داری کرنا اس کے علاوہ دوسرے مقامات میں ہزار روز سے افضل ہے (رواہ الترمذی والنسائی)۔ اور نیز حدیث شریف میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ (نماز کے) اعمال میں سے کونسا عمل افضل ہے؟ آپ نے فرمایا طویل قیام کرنا عرض کیا گیا کہ کونسا صدقہ افضل ہے؟ آپؐ نے فرمایا فقیر کا کوشش کرنا (یعنی فقیر کا فقر واحتیاج کے باوجود صدقہ دینا)، عرض کیا گیا کہ کونسی ہجرت افضل ہے؟ آپؐ نے فرمایا کہ اس شخص کی ہجرت جس نے وہ چیزیں ترک کردیں جو اللہ تعالیٰ نے اس پر حرام کی ہیں، عرض کیا گیا کہ کونسا جہاد افضل ہے؟ آپؐ نے فرمایا اس شخص کا جہاد جو اپنے مال اور جان کے ساتھ مشرکین سے جہاد کرے، عرض کیا گیا کہ کونسا قتل (شہادت) اشرف ہے؟ آپؐ نے فرمایا اس شخص کا جس کا خون بہایا جائے اور اس کے گھوڑے کی کونچیں کاٹی جائیں (یعنی وہ خود بھی مارا جائے اور اس کا گھوڑا بھی) (رواہ ابوداؤد) اور نیز حدیث شریف میں ہے کہ شہید کے لئے اللہ تعالیٰ کے نزدیک چھ خصلتیں ہیں اوّل دفعہ (پہلے قطرہ خون کے گرنے) میں اس کی بخشش کردی جاتی ہے اور (جان نکلنے کے وقت) جنت میں اُس کا ٹھکانا دکھا دیا جاتا ہے، اور وہ عذابِ قبر سے محفوظ رہتا ہے، اور بڑی گھبراہٹ (قیامت) سے امن میں ہوگا اور اس کے سر پر وقار کا تاج رکھا جائے گا جس کا ایک یاقوت دنیا ومافیہا سے بہتر ہوگا اور حور عین میں سے بہتر بیویاں اس کے نکاح میں دی جائیں گی اور اس کے رشتہ داروں میں سے بہتر آدمیوں کے بارے میں اس کی شفاعت قبول کی جائے گی (رواہ الترمذی وابن ماجہ) اور نیز حدیث شریف میں ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ سے جہاد کے اثر (زخم یا غبار یا تکلیف پاتا یا خرچ کرنا وغیرہ علامت) کے بغیر اللہ تعالیٰ سے ملاقات کرے گا اللہ تعالیٰ اس سے اس حال میں ملاقات کرے گا کہ اس شخص (کے دین) میں نقصان ہوگا (رواہ الترمذی وابن ماجہ) اور نیز حدیث شریف میں ہے کہ شہید قتل کا دکھ نہیں پاتا مگر اتنا جتنا کہ تم میں سے کوئی شخص چیونٹی کے کاٹنے کا دکھ پاتا ہے (رواہ الترمذی والنسائی والدارمی) اور ترمذی نے کہا کہ یہ حدیث حسن غریب ہے اور نیز حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک دو قطروں اور دو نشانوں سے زیادہ محبوب کوئی چیز نہیں ہے ایک تو آنسوؤں کا وہ قطرہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے خوف سے نکلے ایک قطرہ اس خون کا ہے

۱۳۲

جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں بہایا جائے اور دو نشانوں میں سے ایک نشان وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں (یعنی جہاد میں زخم یا غبار وغیرہ) ہے اور ایک نشان وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے فرائض میں سے کسی فرض (نماز و حج وغیرہ) کے ادا کرنے میں پڑتا ہے (یعنی سردی میں وضو کرنے سے ہاتھ پاؤں پھٹ جانا یا گھٹنے و پیشانی کا نشان وغیرہ یا روزہ دار کے منہ کی بو یا سفرِ حج کا غبار وغیرہ) (اس کو ترمذی نے روایت کیا اور کہا کہ یہ حدیث حسن غریب ہے) اور ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انھوں نے کہا کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ ایک لشکر میں نکلے پس ایک شخص ایک غار کے پاس سے گذرا جس میں کچھ پانی اور سبزی ترکاری تھی پس اس کے جی میں آیا کہ اس غار میں ٹھہرے اور دنیا سے الگ تھلگ ہو جائے پس اُس نے اس کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت مانگی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیشک میں دینِ یہودیت یا نصرانیت کے ساتھ نہیں بھیجا گیا ہوں اور لیکن میں دینِ حنیفیت کے ساتھ بھیجا گیا ہوں جو کہ آسان ہے، اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جان ہے البتہ صبح کے وقت (یعنی دن کے ابتدائی حصہ) یا شام کے وقت (یعنی آخری حصہ میں) اللہ کی راہ میں نکلنا دنیا و ما فیہا سے بہتر ہے اور البتہ تم میں سے کسی ایک کا صف میں کھڑا ہونا اس کی ساٹھ برس کی نماز سے بہتر ہے (رواہ احمد)۔ اور نیز حدیث شریف میں ہے کہ مؤمن دنیا میں تین طرح کے ہیں ایک وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر ایمان لائے پھر وہ شک و شبہ میں نہیں پڑے اور انھوں نے اپنے مالوں اور جانوں کے ساتھ راہِ خدا میں جہاد کیا (یہ اعلیٰ مرتبہ والے ہیں) اور (دوسرا) وہ جس سے لوگ اپنے مالوں اور جانوں پر امن میں ہیں (یعنی اگرچہ اس نے کسی کو نفع نہیں پہنچایا لیکن کسی کو ضرر بھی نہیں پہنچایا) پھر (تیسرا) وہ شخص ہے جو طمع پر جھانکتا ہے (یعنی اس کو طمع کا خیال آتا ہے) تو وہ اُس (طمع) کو اللہ عز وجل کے لئے چھوڑ دیتا ہے (یہ ادنیٰ قسم ہے اس کے بعد اور بھی اقسام ہیں لیکن وہ اعتبار کے لائق نہیں) (رواہ احمد)۔ اور نیز حدیث شریف میں ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ بھیجے اور خود اپنے گھر میں رہے تو اس کے لئے ہر درہم کے بدلے سات سو درہم ہیں اور جس نے اللہ تعالیٰ کی راہ میں بذاتِ خود جہاد کیا اور جہاد میں خرچ کیا تو اس کے لئے ہر درہم کے بدلے سات لاکھ درہم ہیں پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی: وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ ۝ [اور اللہ تعالیٰ جس شخص کے لئے چاہتا ہے ثواب کو کئی گنا زیادہ کر دیتا ہے] (رواہ ابن ماجہ) اور فضالہ بن عبیدؓ سے روایت ہے انھوں نے کہا کہ میں نے عمر بن الخطابؓ سے سُنا وہ کہتے تھے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سُنا آپ فرماتے تھے کہ شہید چار طرح کے ہوتے ہیں ایک وہ شخص جو کہ کامل ایمان والا مؤمن ہے اُس نے (خدائے تعالیٰ کے لئے) دشمن کا سامنا کیا پس اس نے اللہ تعالیٰ کو سچ کر دکھایا یہاں تک کہ

البقرۃ ۲۶۱

وہ قتل کر دیا گیا پس یہ وہ شخص ہے کہ جس کی طرف (بلندیٔ مرتبہ کی وجہ سے) قیامت کے دن لوگ اپنی آنکھیں اس طرح اٹھائیں گے اور (یہ کہہ کر) آپ نے اپنا سر اوپر اٹھایا یہانتک کہ آپ کی ٹوپی گر پڑی (حضرت فضالہؓ سے نیچے کے راوی نے کہا) پس میں نہیں جانتا کہ اس (فضالہ) نے عمرؓ کی ٹوپی مراد لی یا نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ٹوپی، آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا اور (دوسرا شخص) وہ کامل ایمان والا مؤمن ہے جس نے (اللہ تعالیٰ کے) دشمن سے اس طرح پر ملاقات کی کہ بزدلی کی وجہ سے گویا اس کی کھال میں خاردار درخت کے کانٹے چبھوئے گئے ہیں (یعنی بزدلی سے اس کے رونگٹے کھڑے ہو گئے) اس کی طرف ایک ایسا تیر آیا جس کی سمت یا اس کا مارنے والا معلوم نہیں پس اس تیر نے اس کو مار ڈالا تو وہ شخص دوسرے درجے میں ہے اور (تیسرا) وہ مؤمن شخص ہے جس نے کچھ اچھے اور کچھ برے ملے جلے عمل کئے اس نے دشمن کا سامنا کیا پس اُس نے اللہ کو سچ کر دکھایا یہانتک کہ وہ مارا گیا پس یہ شخص تیسرے درجے میں ہے اور (چوتھا) وہ مؤمن شخص ہے جس نے اپنی جان پر اسراف کیا (یعنی بہت گناہ کئے) اس نے دشمن کا سامنا کیا پس اس نے اللہ تعالیٰ کو سچ کر دکھایا یہانتک کہ وہ مارا گیا پس یہ شخص چوتھے درجے میں ہے (اس کو ترمذی نے روایت کیا اور کہا کہ یہ حدیث حسن غریب ہے)۔ اور نیز حدیث شریف میں ہے کہ جہاد میں مارے جانے والے لوگ تین طرح کے ہیں ایک وہ مؤمن (کامل) کہ جس نے اپنی جان ومال کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کیا پس جس وقت وہ دشمن کے مدِمقابل آیا تو اُس سے لڑا یہانتک کہ مارا گیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُس شخص کے بارے میں فرمایا کہ یہ (جہاد کی مشقتوں پر صبر کے ساتھ) آزمایش کیا ہوا شہید ہے جو کہ اللہ تعالیٰ کے خیمہ میں اس کے عرش کے نیچے ہوگا اور انبیائے کرام اس سے درجۂ نبوت کی وجہ سے ہی زیادہ قربِ الٰہی میں ہوں گے اور (دوسرا) وہ مؤمن شخص ہے جس نے کچھ اچھے کچھ برے ملے جلے عمل کئے اس نے اپنی جان اور مال کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کیا جب وہ دشمن کے مقابل آیا تو اس سے لڑا یہانتک کہ مارا گیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس شخص کے بارے میں فرمایا کہ یہ شہادت پاک کرنے والی ہے جس نے اس کے گناہوں اور خطاؤں کو مٹا دیا بیشک تلوار خطاؤں کو بہت اچھی طرح مٹانے والی ہے اور یہ شخص بہشت میں جس دروازے سے چاہے گا داخل کیا جائے گا۔ اور (تیسرا شخص) منافق ہے جس نے اپنی جان ومال سے جہاد کیا پس جس وقت وہ دشمن کے سامنے آیا تو اس سے لڑا یہانتک کہ مارا گیا۔ پس یہ شخص دوزخ میں ہوگا (اس لئے کہ) بیشک تلوار نفاق کو نہیں مٹاتی (رواہ الدارمی) اور ابن عائذ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک شخص کے جنازہ (کی نماز پڑھنے) کے لئے تشریف لے گئے پس جب جنازہ رکھا گیا تو (حضرت) عمر بن الخطاب (رضی اللہ عنہ) نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ اس پر نماز نہ پڑھیں اس لئے کہ تحقیق یہ شخص فاجر (فاسق) تھا پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کی طرف

۱۳۳

متوجہ ہوئے اور فرمایا کیا تم میں سے کسی نے اس کو کبھی اسلام کے کام پر دیکھا تھا؟ تو ایک شخص نے کہا کہ ہاں یا رسول اللہ! اس نے ایک رات اللہ تعالیٰ کی راہ میں نگہبانی کی تھی پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر نماز پڑھی اور (دفن کے وقت) اس پر مٹی ڈالی اور فرمایا کہ تیرے ساتھی گمان کرتے ہیں کہ بیشک تُو دوزخیوں میں سے ہے اور میں گواہی دیتا ہوں کہ بلاشبہ تو جنتیوں میں سے ہے، اور فرمایا اے عمرؓ! تحقیق تجھ سے لوگوں کے اعمال کے متعلق نہیں پوچھا جائے گا ولیکن تجھ سے فطرت (تیرے دین) کے متعلق پوچھا جائے گا (اس کو بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کیا ہے[1]) - اور نیز حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے وفد تین ہیں غازی، حاجی اور عمرہ کرنے والا (رواہ النسائی) اور نیز حدیث شریف میں ہے کہ سمندر کے کنارے پر ایک رات اللہ تعالیٰ کی راہ میں نگہبانی کرنا کسی آدمی کے اپنے اہل وعیال میں رہ کر ایسے ایک ہزار سال کے روزے رکھنے اور راتوں کو نماز میں قیام کرنے سے افضل ہے کہ جس کا ایک سال تین سو دن کا اور دن ہزار سال کا ہو (رواہ ابن ماجہ) اور نیز حدیث شریف میں ہے سمندر میں ایک غزوہ (اللہ تعالیٰ کی راہ میں لڑنا) خشکی میں دس غزوات کی مانند ہے اور جس شخص کو سمندر میں (غزوہ کے لئے سفر کرتے وقت) دورانِ سر لاحق ہوتا ہے وہ (خشکی میں) اللہ تعالیٰ کی راہ میں (قتل ہو کر) اپنے خون میں لت پت ہونے والے کی مانند ہے (اس کو ابن[2] ماجہ نے ام الدرداء سے روایت کیا ہے) اور نیز حدیث شریف میں ہے کہ سمندر کا ایک شہید خشکی کے دو شہیدوں کی مانند ہے اور دو لہروں کے درمیان شہید ہونے والا دنیا (کی زندگی) کو اللہ تعالیٰ کی بندگی میں گذارنے والے کی مانند ہے اور بیشک اللہ تعالیٰ نے ملک الموت (موت کے فرشتے) کو روحیں قبض کرنے کے لئے مقرر فرمایا ہے سوائے سمندر کے شہید کے کہ ان کی ارواح کو قبض کرنا وہ خود اپنے ذمہ لیتا ہے اور خشکی کے شہید کے قرض کے علاوہ اور تمام گناہ بخش دیتا ہے اور سمندر کے شہید کے تمام گناہ اور قرض (بھی) بخش دیتا ہے (رواہ ابنِ ماجہ)

۱۳۴ اور ابی امامہ سے روایت ہے انھوں نے کہا کہ ایک شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ آپ اس شخص کے بارے میں کیا فرماتے ہیں جس نے جہاد کیا اور اس سے وہ اجر اور شہرت (دونوں) طلب کرتا ہے اُس کے لئے کیا چیز ہے تو آپ نے فرمایا کہ اس کے لئے کچھ نہیں ہے، پس اس شخص نے اس بات کو تین بار دھرایا (ہر بار آپ) فرماتے رہے اس کے لئے کچھ نہیں ہے پھر فرمایا کہ بیشک اللہ تعالیٰ سوائے اس عمل کے جو اس کے لئے خالص ہو اور جس سے اس کی ذات ہی مطلوب ہو اور کسی عمل کو قبول نہیں کرتا (اس کو احمد و نسائی نے روایت[3] کیا) اور نیز حدیث شریف میں ہے کہ بیشک سرحدی حفاظتی چوکیوں

---

[1] یہاں تک کی فضیلت جہاد کی احادیث مشکوٰۃ شریف کے کتاب الجہاد میں بھی ہیں [2] جمع الفوائد الجزء الثانی ص۱۵ کتاب الجہاد۔ [3] التاج جلد ۴ ص ۳۰۳ کتاب الجہاد والغزوات الباب الثالث و جمع الفوائد جلد دوم ص ۱۸۔

میں (پہرہ دار کا) نماز پڑھنا (ثواب میں دوسری جگہ کی) پانچسو نمازوں کے برابر ہے اور ان (حفاظتی چوکیوں) میں ایک درہم و دینار خرچ کرنا ان کے علاوہ اور جگہوں میں سات سو دینار خرچ کرنے سے افضل ہے (رواہ البیہقی) اور ابوالشیخ وغیرہ نے حضرت انسؓ سے روایت کیا ہے کہ سرحدی چوکیوں میں نگہبانی کرتے ہوئے نماز پڑھنا (دوسرے مقامات کی) بیس لاکھ نمازوں کے برابر ہے اور اس روایت میں نکارت ہے۔ اور ایک حدیث میں ہے کہ تین آدمی ایسے ہیں جن کی آنکھ دوزخ کی آگ کو نہیں دیکھے گی (ایک) وہ آنکھ جس نے اللہ تعالیٰ کی راہ میں نگہبانی کی ہو، اور (دوسری) وہ آنکھ جو اللہ تعالیٰ کے خوف سے روئی ہو، اور (تیسری) وہ آنکھ جو اللہ تعالیٰ کی حرام کی ہوئی چیزوں سے رُکی رہی ہو (رواہ الطبرانی) اور نیز حدیث شریف میں ہے (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ) کیا میں تم کو لیلۃ القدر سے افضل رات کی خبر نہ دوں (اور یہ وہ رات ہے جس میں) کوئی نگہبانی کرنے والا ایسی خوف کی سرزمین میں نگہبانی کرے کہ جہاں سے شاید وہ اپنے اہل وعیال کی طرف نہ لوٹے (اس کو حاکم نے روایت کیا اور کہا کہ یہ بخاری کی شرط پر صحیح ہے) اور نیز حدیث شریف میں ہے کہ قیامت کے روز ہر آنکھ رونے والی ہوگی سوائے اُس آنکھ کے جو اللہ تعالیٰ کی حرام کی ہوئی چیزوں سے بند رہی ہو اور سوائے اُس آنکھ کے جس سے اللہ تعالیٰ کے خوف کی وجہ سے مکھی کے سر کی مانند (آنسو) نکلا (رواہ الاصبہانی)۔ اور نیز حدیث میں ہے کہ جس شخص نے اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے کی مدد کی یا کسی قرضدار کی اس کی تنگی کی حالت میں مدد کی، یا کسی مکاتب غلام کو آزاد کرانے میں اس کی مدد کی اس کو اللہ تعالیٰ اس روز اپنے سایہ میں رکھے گا جس روز اس (اللہ تعالیٰ) کے سایہ کے سوا اور کوئی سایہ نہیں ہوگا (رواہ احمد والبیہقی) اور نیز حدیث شریف میں ہے کہ جس شخص نے کسی غازی کے سر پر سایہ کیا قیامت کے روز اللہ تعالیٰ اس پر سایہ فرمائے گا اور جس نے غازی کے لئے جہاد کا سامان مہیا کیا تو اسے اُس (غازی) کے اجر کے برابر اجر ہوگا اور جس نے اللہ تعالیٰ کے لئے مسجد بنائی تاکہ اس میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا جائے تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت میں گھر بنائے گا (رواہ ابن حبان فی صحیحہ والبیہقی) اور نیز حدیث شریف میں ہے کہ جس شخص نے اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہوئے (یعنی خالص اللہ تعالیٰ کے لئے) اور اس کے وعدہ (یعنی ثواب عظیم) کی تصدیق کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنے کے لئے ایک گھوڑا باندھا پس تحقیق اس گھوڑے کی سیری و سیرابی (پیٹ بھر کر کھلانا پلانا) اور اس کی لید اور پیشاب (ثواب کی صورت میں ہو کر) قیامت کے دن اس کے (اعمال کے ساتھ) میزان میں تولے جائیں گے یعنی نیکیاں ہوں گی (رواہ[1] البخاری وغیرہ) اور نیز حدیث شریف میں ہے کہ اس شخص کے لئے سعادت ہے جس نے اللہ تعالیٰ کی

---

[1] المشکوٰۃ کتاب الجہاد باب اعداد آلۃ الجہاد۔

راہ میں جہاد کرتے ہوئے کثرت سے اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا پس بیشک اس کے لئے ہر کلمہ کے بدلے ستر ہزار نیکیاں ہیں ان میں سے ہر نیکی دس گنا ہو گی مع اس اضافہ کے جو اس کے لئے اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہے الحدیث (رواہ الطبرانی) اور نیز حدیث شریف میں ہے کہ میری مسجد میں ایک نماز پڑھنا (دوسری عام مساجد کی) دس ہزار نمازوں کے برابر ہے اور مسجد حرام میں ایک نماز پڑھنا ایک لاکھ نمازوں کے برابر ہے اور سرحدی چوکی کی سرزمین میں ایک نماز پڑھنا بیس لاکھ نمازوں کے برابر ہے الحدیث (رواہ ابوالشیخ وابن حبان) اور نیز حدیث شریف میں ہے کہ جس شخص نے اللہ تعالیٰ کی راہ میں ایک تیر پھینکا خواہ وہ ٹھکانے پر نہ پہنچا ہو یا پہنچ گیا ہو اس کے لئے بنی اسماعیل میں سے چار آدمی آزاد کرنے کا ثواب ملے گا (رواہ البزار)[۱] اور نیز حدیث شریف میں ہے کہ کسی شخص کا اللہ تعالیٰ کی راہ میں صف کے اندر کھڑا ہونا اللہ تعالیٰ کے نزدیک ساٹھ سال کی عبادت سے افضل ہے (اس کو حاکم نے روایت کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ بخاری کی شرط پر صحیح ہے)۔ اور نیز حدیث شریف میں ہے کہ دو ساعتیں ایسی ہیں جن میں دعا کرنے والے کی دعا رد نہیں کی جاتی، ایک وہ ساعت جبکہ نمازیں قائم کی جاتی ہیں اور دوسری) وہ ساعت جبکہ (دعا کرنے والا) اللہ تعالیٰ کی راہ میں (لڑائی کی) صف کے اندر ہو (رواہ ابن حبان)۔ اور نیز حدیث شریف میں ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) بیشک میں کسی (نیکی کے) موقف (جائے قیام) میں کھڑا ہوتا ہوں (اور اس سے) اللہ کی ذات (رضامندی) چاہتا ہوں اور میں یہ بھی چاہتا ہوں کہ میرا (یہ) موقف دیکھا جائے (تو میرے اس عمل کا کیا حکم ہے) پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس کو کچھ جواب نہ دیا یہانتک کہ یہ آیت[۲] اُتری: فَمَنْ كَانَ يَرْجُوا لِقَاءَ رَبِّهِ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهِ أَحَدًا۝

(پس جو کوئی اپنے رب سے ملنے کی امید رکھتا ہے تو اس کو چاہئے کہ عمل صالح کرے اور اپنے رب کی عبادت میں کسی کو شریک نہ ٹھہرائے) (اس کو حاکم نے روایت کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ شیخین کی شرط پر صحیح ہے) اور نیز حدیث شریف میں ہے کہ تحقیق قیامت کے روز سب سے پہلا شخص جس کے خلاف فیصلہ کیا جائے گا ایک شخص ہو گا جو شہید کیا گیا ہو گا پس اس کو لایا جائے گا پھر اس کو اس کی نعمت سے متعارف کیا جائے گا پس وہ اس کو پہچان لے گا پھر اُس سے (اللہ تعالیٰ) فرمائے گا کہ تو نے اس (دنیا) میں کیا عمل کیا؟ وہ کہے گا میں نے تیری راہ میں قتال کیا یہانتک کہ میں شہید ہو گیا (اللہ تعالیٰ) فرمائیگا تو نے جھوٹ کہا و لیکن تو نے اس لئے قتال کیا تاکہ کہا جائے کہ یہ بہادر شخص ہے پس البتہ (تجھ کو) یہ (بہادر) کہا گیا پھر اس کے لئے حکم دیا جائے گا پس اس کو منہ کے بل (اوندھا کر کے) گھسیٹ کر لے جایا جائے گا

[۱] جمع الفوائد جلد دوم ص ۹ عن عمران بن حصین للکبیر والاوسط والبزار۔ [۲] سورۃ ۱۸ آیت ۱۱۰

حتی کہ آگ میں ڈال دیا جائے گا الحدیث (رواہ مسلم والحافظ والنسائی والترمذی وابن خزیمہ فی صحیحہ)۔ اور نیز حدیث شریف میں ہے جو شخص میرے ساتھ غزوہ (جنگ) میں شامل ہونے سے محروم رہا اس کو سمندر میں (جنگ) کرنا چاہئے (رواہ الطبرانی) اور نیز حدیث شریف میں ہے شہدا تین قسم کے ہیں ایک وہ شخص جو کہ اپنی جان و مال کے ساتھ (ثواب کی نیت سے) اللہ تعالیٰ کی راہ میں نکلا اس کا یہ ارادہ نہیں ہے کہ قتال کرے اور نہ یہ کہ وہ قتل کر دیا جائے لیکن وہ مسلمانوں کی جماعت کو بڑھاتا ہے پس اگر وہ مر گیا یا قتل کر دیا گیا تو اس کے تمام گناہ معاف کر دیئے جائیں گے اور اس کو عذاب قبر سے نجات دی جائے گی اور قیامت کی گھبراہٹ سے امن میں رہے گا اور حور عین کے ساتھ اس کی شادی کر دی جائیگی اور اس کو عزت کا لباس پہنایا جائے گا اور اس کے سر پر وقار اور ہمیشگی کا تاج رکھا جائے گا، اور دوسرا وہ شخص جو کہ اپنی جان و مال کے ساتھ ثواب کی نیت سے نکلا اس کا ارادہ ہے کہ قتال کرے اور وہ قتل نہ کیا جائے پھر اگر وہ مر گیا یا قتل کر دیا گیا تو اس کی نشست اللہ تعالیٰ کے سامنے حضرت ابراہیم خلیل الرحمٰن (علیہ السلام) کے ہمراہ ہوگی وہ ایک عمدہ مقام میں قدرت والے بادشاہ کے پاس ہوگا اور تیسرا وہ شخص جو اپنی جان و مال کے ساتھ ثواب کی نیت سے نکلا اس کا ارادہ ہے کہ وہ قتال کرے اور قتل کر دیا جائے پھر اگر وہ مر گیا یا قتل کر دیا گیا تو وہ قیامت کے روز اپنی تلوار میان سے نکال کر بلند کئے ہوئے اور اس کو اپنے کندھے پر رکھے ہوئے آئے گا جبکہ لوگ گھٹنوں کے بل جھکے ہوں گے (یہ تیسری قسم کے شہدا کہیں گے دیکھو! ہمارے لئے جگہ کشادہ کر دو کیونکہ بیشک ہم نے اپنے اموال و خون اللہ تبارک و تعالیٰ کی راہ میں خرچ کئے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر وہ یہ بات ابراہیم خلیل اللہ یا کسی اور نبی کے لئے بھی کہیں تو وہ نبی اُن کے لازمی حق کی وجہ سے جو وہ دیکھتا ہے ان کے لئے راستہ سے ہٹ جائے، یہانتک کہ وہ عرش کے نیچے نور کے منبروں کے پاس حاضر ہوں گے پس اُن پر بیٹھ جائیں گے (اور) دیکھیں گے کہ (دوسرے) لوگوں کے درمیان کس طرح فیصلہ کیا جاتا ہے، وہ نہ موت کا غم پائیں گے اور نہ ہی برزخ میں مکدر ہوں گے اور کوئی چیخ و پکار ان کو خوفزدہ نہیں کرے گی اور حساب و میزان اور صراط ان کو غمزدہ نہیں کرے گا وہ دیکھیں گے کہ لوگوں کے درمیان کس طرح فیصلہ کیا جاتا ہے اور وہ جس چیز کا سوال کریں گے وہ ان کو دے دی جائے گی اور جس چیز کے بارے میں وہ شفاعت کریں گے اُن کی شفاعت قبول کی جائے گی جنت کی جس چیز کو وہ پسند کریں گے وہ ان کو دیدی جائے گی اور جنت میں وہ جہاں چاہیں گے ان کو رکھا جائے گا (رواہ البزار والبیہقی والاصفہانی) اور نعیم بن عمار سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا کہ

کونسے شہدا افضل ہیں؟ آپ نے فرمایا وہ لوگ کہ اگر وہ (لڑائی کی) صف میں دشمن کے مقابل ہوں تو اپنے منہ کسی اور طرف نہیں پھیرتے یہانتک کہ وہ قتل کردیئے جاتے ہیں وہ جنت کے بلند بالاخانوں میں چلے جائیں گے اور اُن کا رب ان کی طرف ہنسے گا (اُن سے خوش ہو جائے گا) اور جب تیرا رب کسی بندے کی طرف دنیا میں ہنستا (خوش) ہوتا ہے تو اس پر کوئی حساب نہیں ہوتا (اس کو احمد و ابو یعلی نے روایت کیا ہے اور اس کے تمام راوی ثقہ ہیں) اور نیز حدیث شریف میں ہے کہ کیا میں تم کو سب سے زیادہ فیاض کی خبر نہ دوں اور اللہ تعالیٰ سب سے زیادہ فیاض ہے اور میں اولادِ آدم میں سب سے زیادہ فیاض ہوں اور میرے بعد ان میں سب سے زیادہ فیاض وہ شخص ہے جس نے علم سیکھا پھر اپنے علم کو پھیلایا وہ قیامت کے روز ایک امت (کی حیثیت) سے اٹھایا جائے گا اور وہ شخص ہے جس نے اپنی جان کے ساتھ اللہ عزوجل کیلئے جہاد کیا یہانتک کہ قتل کردیا گیا (رواہ ابو یعلی والبیہقی)۔ اور نیز حدیث شریف میں ہے تین شخص ہیں جن سے اللہ تعالیٰ محبت کرتا ہے اور اُن سے اظہارِ مسرت کرتا اور خوش ہوتا ہے۔ ایک وہ شخص ہے کہ جب (دشمن کا) کوئی گروہ سامنے آتا ہے تو وہ بہ نفسِ نفیس اللہ تعالیٰ کے لئے قتال کرتا ہے پس یا وہ قتل کردیا جاتا ہے اور یا اللہ تعالیٰ اس کی مدد کرتا ہے اور اس کو کفایت کرتا ہے پس اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میرے اس بندے کی طرف دیکھو کہ اس نے اپنے نفس پر کس طرح صبر کیا۔ اور (دوسرا) وہ شخص ہے جس کی ایک خوبصورت بیوی ہے اور اس کا نرم خوبصورت بستر ہے پس وہ رات کو قیام (عبادت) کرتا ہے اور اپنی شہوت کو چھوڑ دیتا ہے اور مجھ کو یاد کرتا ہے اور اگر وہ چاہتا تو سو جاتا، اور (تیسرا) وہ شخص ہے کہ جب وہ سفر میں ہو اور اس کے ساتھ اور سوار بھی ہوں پس وہ سب جاگتے ہوں پھر وہ سب سو جائیں پھر وہ شخص سویرے سے جاگ اٹھے خواہ وہ خوشی سے ہو یا ناخوشی سے۔ (رواہ الطبرانی باسناد حسن)۔ اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام سے اس آیت کے بارے میں وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَاءَ اللّٰهُ [اور صور پھونکا جائے گا تو جو لوگ آسمانوں اور زمین میں ہیں سب کے سب بیہوش ہو کر گر پڑیں گے سوائے اس کے جس کو اللہ تعالیٰ چاہے] دریافت فرمایا کہ وہ کون لوگ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نہیں چاہتا کہ وہ بیہوش ہوں؟ انھوں نے فرمایا کہ وہ شہداء ہیں اللہ تعالیٰ ان کو اس حال میں اٹھائے گا کہ وہ اپنی تلواریں لٹکائے ہوئے اس کے عرش کے اردگرد ہوں گے پس ان کے پاس محشر کے فرشتے اچھی نسل کی تیز رفتار اونٹنیاں لائیں گے جن کا رنگ یاقوت جیسا خوشنما ہوگا جن کی مہاریں سفید موتیوں کی ہوں گی اُن کے

سورۃ زمر ۳۹ آیت ۶۸

اور پر سونے کے کجاوے ہوں گے جن پر باریک اور موٹے ریشم کے پردے ہوں گے اُن کی زین کی گدیاں نرم ریشم کی ہوں گی ان کے قدم لوگوں کی نظروں کی درازی تک پڑیں گے وہ جنت میں گھوڑوں پر چلیں گے وہ طویل سیر و تفریح کے وقت کہیں گے کہ ہمیں لے چلو تاکہ ہم دیکھیں کہ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کے درمیان کیسے فیصلہ فرماتا ہے، اللہ تعالیٰ ان کی طرف ہنسے گا اور جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کی طرف میدانِ حشر میں ہنسے تو اس پر کوئی حساب نہیں (رواہ ابن ابی الدنیا)۔ اور نیز حدیث شریف میں ہے کہ جو قوم بھی جہاد ترک کر دیتی ہے اللہ تعالیٰ اُن کے لئے عذاب کو عام کر دیتا ہے (اس کو طبرانی نے اچھی اسناد کے ساتھ روایت کیا ہے)۔ اور نیز حدیث شریف میں ہے تین قسم کے لوگ ہیں جن کی طرف اللہ تعالیٰ ہنستا ہے ایک وہ شخص جبکہ وہ رات کو نماز پڑھنے کے لئے کھڑا ہوتا ہے اور ایک وہ جماعت جبکہ وہ نماز میں صف بناتی ہے اور ایک وہ جماعت جبکہ دشمن کے ساتھ قتال کرتے ہوئے صف بناتی ہے۔ اور نیز حدیث شریف میں ہے کہ تم پر ہر امیر کے ہمراہ جہاد کرنا واجب ہے خواہ وہ امیر نیک ہو یا فاجر ہو اور اگرچہ وہ کبیرہ گناہ کا مرتکب ہو (یہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے) اور نیز حدیث شریف میں ہے کہ جنت تلواروں کے سایہ کے نیچے ہے (یہ ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے) اور نیز حدیث شریف میں ہے جو شخص اللہ تعالیٰ کی راہ میں چلا تو قیامت کے روز اس شخص کے لئے اس غبار کی مانند جو اس کو اس سفر میں پہنچے گا مشک حاصل ہوگی (ایضاً عن انس) اور نیز حدیث شریف میں ہے جس شخص نے اللہ تعالیٰ کی راہ میں تلوار میان سے نکالی تو اس نے اللہ تعالیٰ سے بیعت کی (ابن مردویہ عن ابی ہریرہ) اور نیز حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جس شخص کے سر میں درد ہو پس اس نے ثواب کی امید رکھی تو اس کے اس سے پہلے کے گناہ بخش دیئے جائیں گے (طب عن ابن عمر) اور نیز حدیث شریف میں ہے کہ جس شخص نے دشمن کے ہاتھوں سے کسی قیدی کو چھڑایا تو وہ قیدی میں ہوں (طص عن ابن عباسؓ) اور نیز حدیث شریف میں ہے کہ چند ساعتیں اللہ کی راہ میں لگانا پچاس حج کرنے سے بہتر ہے (یہ ابن عمرؓ سے روایت ہے) اور نیز حدیث شریف میں ہے کہ تلواریں جنت کی کنجیاں ہیں (ابوبکر بن عساکر عن زید) تلوار شہادت کے لئے کافی ہے (عن سلمۃ بن المحبق) تلواریں مجاہدوں کی چادریں ہیں (فر عن ابی ایوب المحاملی فی امالیہ عن زید بن ثابت)۔ اور نیز حدیث شریف میں ہے (کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا) کیا میں تم کو مرتبے کے اعتبار سے سب سے بہتر شخص کی خبر نہ دوں (یہ) وہ شخص (ہے) جس نے اپنے گھوڑے کی باگ اللہ تعالیٰ کی راہ میں پکڑی یہانتک کہ وہ قتل کر دیا گیا یا مر گیا، کیا میں تم کو اس شخص کی خبر نہ دوں جو اس سے ملتا ہوا ہے (یہ) وہ شخص (ہے) جو کسی گھاٹی میں تنہائی اختیار

۱۳۷

کئے ہوئے ہے وہ نماز ادا کرتا ہے اور زکوٰۃ دیتا ہے اور گواہی دیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں (ن ک عن ابی ہریرہ) اور نیز حدیث شریف میں ہے کہ اسلام کے تین درجے ہیں سفلی (نچلا درجہ) علیا (بلند درجہ) غرفہ (بالاخانہ) پس البتہ سفلی (نچلا درجہ) وہ اسلام ہے جس میں عام مسلمان داخل ہوں گے اور ان میں سے جب کسی سے پوچھا جائے گا تو وہ کہے گا کہ میں مسلمان ہوں اور البتہ علیا (اعلیٰ درجہ) پس ان کے اعمال کا افضل ہونا ہے، بعض مسلمان بعض سے افضل ہوتے ہیں اور البتہ بلند بالاخانہ پس وہ جہاد فی سبیل اللہ ہے اس کو وہی شخص حاصل کرتا ہے جو ان میں افضل ہو، (طب عن فضالہ بن عبید) اور نیز حدیث شریف میں ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی راہ میں ایک دن یا دن کا کچھ حصہ یا ایک ساعت بیمار ہوا تو اس کے گناہ بخش دیئے جاتے ہیں اور اس کے لئے ایک لاکھ غلاموں کو آزاد کرنے کا اجر لکھا جاتا ہے جن میں سے ہر غلام کی قیمت ایک لاکھ ہو (ابن زنجویہ نے اہل حجاز میں سے کسی آدمی سے مرسلاً روایت کیا ہے) اور نیز حدیث شریف میں ہے کہ البتہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں ۱۳۶ کھڑا ہونا خواہ وہ اس میں تلوار بھی نہ کھینچے اور نیزہ بھی نہ مارے اور تیر بھی نہ چلائے ساٹھ سال کی ایسی عبادت سے افضل ہے جس میں ایک پلک جھپکنے تک بھی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہ کی ہو (ابن النجار عن ابن عمرو) اور نیز حدیث شریف میں ہے کہ جہاد ہمیشہ خوشگوار اور تر و تازہ رہے گا جبتک کہ آسمان سے بارش برستی رہے گی اور زمین سے نباتات اُگتی رہے گی یہانتک کہ مشرق کی طرف سے ایسی نسل پیدا ہو گی جو یہ کہیں گے کہ نہ جہاد ہے اور نہ سرحد کی نگہبانی ہے وہ لوگ دوزخ کی آگ کا ایندھن ہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں ایک دن کی پہرہ داری ایک ہزار غلام آزاد کرنے اور تمام اہل زمین کے صدقہ کرنے سے افضل ہے (ابن عساکر نے اس کو حضرت انس رضؓ سے روایت کیا ہے اور اس کو ضعیف کہا ہے) اور نیز حدیث شریف میں ہے (جہاد کے لئے پالے ہوئے گھوڑے پر خرچ کرنا ایسا ہے جیسا کہ صدقہ کے ساتھ ہاتھ کھول دینا کہ اس کو کبھی نہ روکے (یعنی ہمیشہ صدقہ کرتے رہنے کی مانند ہے) اور ان گھوڑوں کا پیشاب اور ان کی لید قیامت کے روز اللہ تعالیٰ کے نزدیک پاکیزہ مشک کی مانند ہو گی (ابن سعید طب عن برید بن عبداللہ)۔ اور نیز حدیث شریف میں ہے جو شخص سمندر (کے سفر) میں ایک دن بیمار ہوا تو یہ (بیمار ہونا) ایسے ایک ہزار غلام آزاد کرنے سے افضل ہے جن کو وہ قیامت تک ساز و سامان دیتا اور ان کے اوپر خرچ کرتا ہے الحدیث (کل عن علی)　حل ن

❊ ❊ ❊ ❊

❊ ❊ ❊

❊

سیادت وافادت دستگاہ میرک شیخ کی خدمت میں آیۂ کریمہ مَا عِنْدَکُمْ یَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللّٰہِ بَاقٍ کے اسرار کے بیان میں تحریر فرمایا۔

اللہ تعالیٰ آپ کی ذاتِ بابرکات کو اپنی عنایات میں شامل فرما کر باطنی جذبات[1] اور دات کے ساتھ سربلند رکھے ۔ع

از ہر چہ می رود سخنِ دوست خوشتر ست [دوست کی جو بات بھی بیان کی جائے پسندیدہ ہے]۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: مَا عِنْدَکُمْ یَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللّٰہِ بَاقٍ[1] [جو کچھ تمہارے پاس ہے وہ ختم ہونے والا ہے اور جو کچھ اللہ تعالیٰ کے پاس ہے وہ باقی رہنے والا ہے] یہ آیتِ مبارکہ قرب کے مراتب کی جامع اور اہل اللہ کے سیر وسلوک کے نسخہ کا حاصل ہے کلمۂ ما جو کہ اس آیتِ کریمہ کے شروع میں ہے اس کا عموم تمام مراتبِ نفی کو شامل ہے اور اس آیۂ کریمہ کے رموز کے ساتھ متحقق ہونا ماسوا کے نام ونشان کو (بالکل) مٹا دیتا اور کامل فنا تک پہنچا دیتا ہے جو کہ ولایت کا رکنِ اعظم ہے اور مَا عِنْدَ اللّٰہِ بَاقٍ اثبات کے مراتب کا جامع ہے اور بقا کے لئے جو کہ فنا پر مبنی ہے ایک رمز (اشارہ) اور ولایت کا دوسرا رکن ہے، اور ولایت کے مراتب میں تفاوت اِن ہر دو رکن کے حصول میں سالکین کے قدموں کے تفاوت کے اعتبار سے ہے، کوئی شخص ان دونوں ارکان میں جسقدر راسخ قدم رکھتا ہوگا اتنا ہی کمالاتِ ولایت میں کامل ہوگا، سالکین میں سے ہر شخص ان دونوں کمالات کے حاصل کرنے میں بقدرِ ہمت واستعداد ہاتھ پاؤں مارتا ہے، کون صاحب دولت (صاحبِ استعداد) ہے جو اس آیتِ کریمہ کے اسرار کے بحرِ ذخار میں غوطہ زنی کر کے ان دونوں کمالات کے جواہرِ نفیسہ سے کامل حصہ حاصل کرتا ہے اور مراتبِ نفی (درجات فنا) کو طے کر کے اثبات کے بلند درجات سے کچھ حصہ پاتا ہے ؎

سعادتہاست اندر پردۂ غیب نگہ کن تا کرا ریزند در جیب

(پردۂ غیب میں بہت سی سعادتیں ہیں، دیکھئے کس (خوش نصیب) کی جیب میں ڈالتے ہیں)

اللہ تعالیٰ نبی کریم اور آپ کی آلِ امجاد علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات والتحیات والبرکات کے طفیل ہم جیسے درویشوں کو ان رموز کے ساتھ قدرے ایمان نصیب فرمائے اور اس سرچشمہ سے ایک گھونٹ عطا کرے۔

۱۳۹

---

[1] سورۃ ۱۶ آیۃ ۹۶۔

مکتوب ۳۱

ایک اہلِ زمانہ کے نام اس کے خط کے جواب میں تحریر فرمایا جس میں اس نے درویشوں کے حال سے تعرض کیا تھا

آپ نے لکھا تھا" اپنی عمر میں ہرگز کبھی اس ذلت کے ساتھ زندگی نہیں گذاری جیسی کہ اب گذار رہا ہوں"

میرے مخدوم! جب کوئی عاجز بندہ اپنے ہی جیسے کسی بندے کی خوشامد کرتا ہے اور منت سماجت اختیار کرتا ہے تو وہ اسی کا مستحق ہے کہ ذلت وخواری اٹھائے وہ غنیِ مطلق (اللہ تعالیٰ) کی بارگاہ کا کیوں رُخ نہیں کرتا اور (وہاں) زاری والتجا کیوں نہیں کرتا کہ اس بات کی مستحق وہی ذات ہے اور مشکلات کو وہی حل کرتا ہے اور بس، رزق کی فراخی وتنگی بھی اسی کی طرف سے ہے نہ کہ اس کے علاوہ کسی اور کی طرف سے؛ وَاِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗٓ اِلَّا هُوَ ۚ وَاِنْ يُّرِدْكَ بِخَيْرٍ فَلَا رَاۗدَّ لِفَضْلِهٖ ۭ يُصِيْبُ بِهٖ مَنْ يَّشَاۗءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۭ (اور اگر اللہ تعالیٰ تجھ کو کوئی تکلیف لگادے تو اس کے سوا اور کوئی اس تکلیف کو دور کرنے والا نہیں ہے اور اگر وہ تیرے ساتھ کسی بھلائی کا ارادہ کرے تو اس کے فضل کو کوئی رد کرنے والا نہیں ہے وہ اپنے بندوں میں سے جس کو بھلائی دینا چاہتا ہے دیدیتا ہے)۔

سورۂ یونس آیت ۱۰۷

آپ نے لکھا تھا "فقر ودرویشی تنہا ہی ذکر نہیں ہے الیٰ آخرہٖ" میرے مخدوم! یہ بات اس شخص کو لکھیں جو فقر ودرویشی کا دعویٰ رکھتا ہو، یہ فقیر اپنے آپ کو فقر ودرویشی کی حقیقت سے منزلوں دور جانتا ہے، لوگ جو کچھ کہیں اس سے بھی زیادہ بُرا ہے اور جو عیب کہ ثابت کریں اس سے بھی زیادہ عیب دار ہے۔

آپ نے لکھا تھا کہ "مسلمانی کی غرض وغایت نرمی ومہربانی سے پیش آنا ہے الیٰ آخرہٖ" ہر ایک مسلمان اپنی حسب استطاعت ان امور میں کوشش کرتا ہے لیکن جس چیز میں اس شخص کی طاقت نہیں ہے معذور ہے اور یہ ناکارہ اپنے آپ کو مسلمانی کے کمال اور اس کی حقیقت سے بہت ہی دور جانتا ہے جو کچھ آپ لکھتے ہیں درست ہے۔

آپ نے لکھا تھا کہ "اہل اللہ کے ساتھ اربابِ غرض کی صحبت مقاصدِ دنیا کے حصول کیلئے ہی یا آخرت کے فائدے کے لئے ہے سردست، وقت کی پونجی دنیاوی فوائد کا حاصل کرنا ہی اور آخرت کا معاملہ بقدرِ اعمال وافعال، پیدا کرنے والے (اللہ تعالیٰ) کے ہاتھ میں ہے۔" میرے مخدوم! جو شخص اہل اللہ کے ساتھ صرف دنیا کے لیے صحبت رکھتا ہے اور اس کو آخرت ملحوظ نہیں ہوتی وہ اُن (اہل اللہ) کی برکتوں سے مطلقاً محروم ہے اور دنیا وآخرت کا خسارہ ہی اس کی زندگی کا نصیب ہے، یہ بعینہٖ ایسا ہے جیسے کوئی آخرت کے عمل کے عوض دنیا طلب کرے پس وہ محروم اور خسارے میں ہے جیسا کہ قرآن مجید اور

احادیثِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہو چکا ہے، یہ بات اُس بات کی مانند ہے جو ابوالفضل یا فیضی سے نقل کی گئی ہے کہ وہ کہتا تھا "دنیا نقد ہے اور آخرت اُدھار، کسی شخص نے بھی نقد کو ادھار کے بدلہ میں نہیں بیچا ہے"۔ بیشک آخرت کا معاملہ بقدرِ اعمال پیدا کرنے والے کے ساتھ ہے لیکن اعمال میں اخلاص اور اُن کا حسنِ قبول اہل اللہ کی صحبت سے (حاصل ہوتا) ہے۔ اخلاص کے بغیر عمل بے روح جسم کی مانند ہے جو قابلِ قبول نہیں ہے، اہل اللہ کی صحبت ہی ہے جو وجود کے تانبے کو معرفت کی کیمیا سے خالص سونا بنا دیتی ہے اور شیطان کے مکر اور نفسِ امارہ کی شرارت سے رہائی ان ہی بزرگوں کی صحبت سے متوقع ہے اور اللہ تعالیٰ جل شانہ، کے درجاتِ قرب اور اس کی معرفت کو پہنچنا جو کہ انسان کی پیدائش کا مقصد ہے ان اکابر کے باطن سے مطلوب ہے اور جو معاملہ کہ اعمال و افعال سے ماوراء ہے ان ہی کے ذریعہ سے حاصل کیا جاتا ہے، نجس و حقیر دنیا کیا چیز ہے کہ جس کے لالچ میں کوئی شخص اہل اللہ کے ساتھ صحبت رکھے اس کی مثال ایسی ہے کہ کوئی شخص کسی بادشاہ کے ساتھ اُس کے فُضلہ کی طمع میں مصاحبت رکھے اگر ایسا ہو تو صوفیوں کا راستہ اور ان کے ارشاد و ہدایت کا طریقہ اور حق (اللہ تعالیٰ) کی طلب میں اُن کا میلانوں اور جنگلوں کو قطع کرنا جو کہ بزرگوں نے کیا ہے سب بیکار ہو گا، کوئی شخص فضلِ (الٰہی) کے بغیر (محض) اپنے عمل سے کسی مقام پر نہیں پہنچا ہے جس عمل کے درمیان عامل کا وجود آ جائے اس کو دائرہ اعتبار سے خارج جانیں اور عامل کے وجود کا درمیان سے اُٹھ جانا درویشوں کی صحبت میں (ہی) ہے، جو کچھ آپ نے لکھا ہے وہ نہ صرف یہ کہ صوفیائے کرام کی صحبت کے فوائد اور ان کے باطنی ارشاد سے انکار ہے بلکہ اُن اکابر صوفیہ کا انکار ہے جو کہ صاحبِ ارشاد ہوئے ہیں، آپ کے گمان میں اہل اللہ کے ساتھ ارادت رکھنا اور ان کی صحبت میں رہنا صرف اس ذلیل دنیا کے لئے ہے اور اکابر میں سے جو شخص کہ اپنے پیر و مرشد کی خدمت میں رہا ہے اس کا مطمحِ نظر دنیاوی مقاصد رہا ہے اور بس ——— ذٰلِكَ مَبْلَغُهُمْ مِّنَ الْعِلْمِ (یہ اُن کا مبلغِ علم ہے) اللہ تعالیٰ ہمیں اس اعتقاد سے بچائے، آخرت کا معاملہ بقدرِ اعمال و افعال خالق (اللہ تعالیٰ) کے ساتھ ہے اور اہل اللہ کی صحبت اہلِ دنیا کی صحبت کی مانند نہیں جو دنیوی فوائد حاصل کرنے کے لئے ہوتی ہے۔

سورۃ ۵۳ آیۃ ۳۰

۱۴۱

یار محمد کے نام اس بارے میں تحریر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ عز سلطانہ، کی بارگاہ میں شرک کے بغیر خالص دین مطلوب ہے،

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ اللہ تعالیٰ ہم جیسے ناپختہ عاشقوں کو بے فائدہ کاموں کی گرفتاری سے نجات عطا فرما کر اپنی طلب و محبت میں یکجہت و یکسو کرے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اَلَا لِلّٰہِ الدِّیۡنُ الۡخَالِصُ (آگاہ رہو اللہ تعالیٰ کے لئے خالص دین ہی ہے) اللہ تعالیٰ جل وعلا کی بارگاہ میں بلاشرکتِ غیرے خالص دین ہی منظور ہے اور ماسویٰ کے تعلق سے سلامت دل مطلوب ہے: اِذۡ جَآءَ رَبَّہٗ بِقَلۡبٍ سَلِیۡمٍ (جبکہ وہ اپنے رب کے پاس قلب سلیم کے ساتھ آیا) جو دل کہ ماسوا کا مسکن ہے بارگاہِ کبریا میں ذلیل و بے سر و سامان اور انوارِ الٰہی سے خالی ہے۔ ع

(سورۃ ۳۹ آیت ۳) (سورۃ ۳۷ آیت ۸۴)

درخانہ دو میہماں نگنجند [ایک گھر میں دو مہمان نہیں سماتے]

(ماسوا سے) باطن کے تخلیہ کی فکر اہم امور میں سے ہے کیونکہ مہمان گھر کو خالی چاہتا ہے اور ہمارے حوصلہ کے مطابق اس سے بہتر میہمانی نہیں ہے انا عند منکسرۃ القلوب [میں شکستہ دل والوں کے پاس ہوں] (یہ حدیث قدسی ہے) عالمِ مجاز کے برعکس عالمِ حقیقت میں دل کا شکستہ ہونا اس کی سلامتی کا سبب ہے مرادوں کے نہ پانے اور ماسویٰ کی گنجائش نہ ہونے سے جس قدر زیادہ شکستہ ہوگا اللہ تعالیٰ کے انوار کے ظہور کیلئے اسی قدر زیادہ سالم ہوگا۔ والسلام علیکم

مکتوب ۳۳

حاجی محمد افغان کے نام اس بارے میں تحریر فرمایا ہے کہ کامیابی کا مدار شیخ کامل کی محبت اور روشن سنت کی پیروی میں ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ جو خط کہ برادرِ عزیز وارشد میاں حاجی محمد نے بھیجا تھا موصول ہو کر باعثِ مسرت ہوا، آپ نے اپنے اور اپنے مریدوں کے لئے توجہات کی درخواست کی تھی کبھی کبھی توجہ کی جاتی ہے، انشاء اللہ تعالیٰ مزید بھی توجہ کی جائے گی، لیکن یہ جان لیں کہ کامیابی کا مدار باطنی رابطہ پر ہے جو مرید کی اپنے پیر سے محبت، عقیدت اس کا گرویدہ ہونے اور اس کے سامنے سرِ تسلیم خم کرنے سے عبارت ہے، یہ رابطہ جس قدر قوی ہوگا اس (پیر) کے باطن سے فیوض و برکات اسی قدر زیادہ اخذ کرے گا، کامل و مکمل قطب کے باطن سے فیوض و برکات اخذ کرنے کے لئے محض محبت اور باطنی رابطہ کا ہونا کافی ہے اگرچہ توجہ نہ بھی ہو، اور محبت و رابطۂ باطنی کے بغیر محض توجہ بہت کم اثر کرتی ہے، توجہ کی تاثیر کے لئے توجہ حاصل کرنے والے میں صلاحیتِ قبول ضروری ہے ہاں جو توجہ کہ رابطۂ مذکورہ کے ساتھ جمع ہو جائے وہ نُورٌ عَلٰی نُور ہوگی (غرضکہ) کامیابی کا مدار رابطہ کی قوت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت کے اتباع پر ہے

۱۴۲

اگر ان دو باتوں میں رسوخ (پختگی) رکھتا ہے تو کچھ غم نہیں ہے انجام کار اس کو رائیگاں نہ جانے دیا جائے گا اور اکابر کے کمالات سے محروم نہ کیا جائے گا اور اگر ان دونوں چیزوں میں سے کسی ایک میں خلل آگیا تو خطرہ ہی خطرہ ہے اگرچہ بہت زیادہ ریاضت کرے، والسلام

حافظ عبدالکریم کے نام، حیاتِ دنیوی و حیاتِ برزخِ صغریٰ کے درمیان فرق کے بارے میں تحریر فرمایا۔

الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ، جو حیات کہ عالمِ دنیوی سے تعلق رکھتی ہے حِس اور حرکت دو چیزوں کا مطالبہ کرتی ہے اور جو زندگی عالمِ برزخ سے متعلق ہے محض حس ہے بغیر اس کے کہ اس کے ساتھ کوئی حرکت ہو، حق سبحانہ وتعالیٰ حکیم مطلق ہے اُس نے ہر مقام کے مطابق ایک زندگی عطا کی ہے برزخ میں حس کے بغیر چارہ نہیں ہے تاکہ الم اور لذت ظاہر ہو اور حرکت کی (وہاں) کچھ ضرورت نہیں ہے عالمِ دنیوی و اُخروی کے خلاف کہ وہاں (حس و حرکت) دونوں درکار ہیں پس سمجھ لیجئے۔ والسلام

جامع العلوم شیخ بدر الدین سلطانپوری کے نام اس بیان میں کہ قرب ولایت میں فنائے علم و ارادت درکار ہے اور قرب نبوت میں ان اوصاف کی فنا درکار نہیں ہے اور اس شبہ کے حل میں جو اس تحقیق پر وارد ہوتا ہے تحریر فرمایا۔

سُبْحَانَكَ لَا عِلْمَ لَنَا إِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا إِنَّكَ أَنْتَ الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ [تیری ذات پاک ہے ہم کو اسی قدر علم ہے جتنا تو نے ہمیں دیا ہے بیشک تو ہی علیم و حکیم ہے] (سورۃ ۲ آیۃ ۳۲) ع

از ہر چہ می رود سخنِ دوست خوشتر است [دوست کی جو بات بھی بیان کی جائے پسندیدہ ہے]

میرے مخدوم! قربِ ولایت میں پوری کوشش سالک کے ارادے کی صفت کے زائل کرنے میں کرتے ہیں اور فنائے ارادہ کو ولایت کی شرط جانتے ہیں اور قربِ نبوت میں اس صفت کے بُرے متعلق کا زائل ہونا مطلوب ہے اور یہ صفت جو کہ فی نفسہا صفاتِ کاملہ میں سے ہے اپنے اصل حال پر رہتی ہے اور اس کا زوال مطلوب نہیں ہے اور اسی طرح قُربِ ولایت میں اشیا کے علم کا زوال مطلوب ہے اس لئے کہ ماسوا کا

(لہ اس مکتوب میں یہ جملہ کئی جگہ آیا ہے غالباً اس سے بُرے ارادے اور اس کے متعلقات کا دُور ہونا مراد ہے)

نسیان (بھول جانا) کہ فنا اسی سے عبارت ہے ولایت کے لئے شرط ہے اور قربِ نبوت میں اشیاء کے ساتھ گرفتاری کا زوال مطلوب ہے اور علم جو کہ فی نفسہٖ کمال کی صفت ہے اس کا زوال مطلوب اور لازمی نہیں ہے۔

سوال: انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام جو کہ اصالتاً قربِ نبوت سے متحقق ہیں قربِ ولایت ان کو بھی ہر وقت حاصل ہے پس چاہئے کہ ان کو دونوں قسم کے قرب کے حصول کے اعتبار سے ارادہ و علم ہر دو صفت کا زوال اور ان ہر دو صفت کا قیام ایک ہی وقت میں حاصل ہو حالانکہ یہ ممکن نہیں ہے اور لوازم کی نفی ملزومات کی نفی کی دلیل ہے پس یہ دونوں قرب ایک وقت میں جمع نہیں ہوتے اور یہ (ان دونوں کا ایک وقت میں جمع ہونا) خلافِ اصول و خلافِ واقع ہے ——— ہم اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ قربِ نبوت میں دونوں صفتوں کے باقی رہنے کی شرط کو تسلیم کرنے کی صورت میں جو قربِ ولایت کہ قربِ نبوت کے بغیر ہوتا ہے وہ فنائے علم و ارادہ کے ساتھ مشروط ہے اور جب یہ قُرب قربِ نبوت کے ساتھ جمع ہو جاتا ہے تو شرط و مشروط ہونا ممنوع ہے جیسا کہ اس کی تحقیق عنقریب آئے گی انشاء اللہ تعالیٰ۔ یا ہم یہ کہتے ہیں کہ ولایت کے دو جزو ہیں فنا اور بقا، فنا میں ان دونوں صفتوں (علم و ارادہ) کا زوال ہے اور بقا میں عارف کو ایک ارادہ اپنے پاس سے عطا فرماتے ہیں اور صاحبِ ارادہ بناتے ہیں اور اسی طرح بقا میں اگر زائل شدہ علوم عود کر آئیں تو اس کی گنجائش ہے پس قربِ ولایت والا (عارف) بقا کی حالت میں قُربِ نبوت کے ساتھ متحقق ہو سکتا ہے اور وہ دونوں قُربوں کا جامع ہوگا۔ یہ جواب مخدوش ہے اس لئے کہ یہ جمع و تحقق اس شخص کے حق میں ہے جو کہ قربِ ولایت کے راستہ سے قربِ نبوت تک عروج کرے اور ولایت کی فنا و بقا کو حاصل کر کے مقامِ نبوت کے کمالات تک پہنچے اور اس قسم کا وصول کمیاب ہے۔ لیکن جو شخص کہ قربِ نبوت کے راستہ سے واصل ہوا ہے جیسا کہ اس دولت کے عام واصلین اسی راستہ سے پہنچے ہیں اس کے حق میں ان دونوں قرب کا جمع ہونا مشکل ہے اس لئے کہ ان دونوں صفتوں کے ساتھ بقا کا حصول ان دونوں کی فنا کے ساتھ مشروط ہے اور قربِ نبوت کے راستہ میں یہ دونوں صفتیں لازمی نہیں ہیں اس مقام کی تحقیق یہ ہے کہ صفتِ ارادہ کا فنا ہونا قربِ ولایت میں مقصودِ اول اور بالاصالۃ شرط نہیں ہے، اصل مقصود ارادہ کے بُرے متعلق کا رفع ہوتا ہے اور چونکہ ولایت کے مقام میں ارادہ کے بُرے متعلق کا رفع ہونا ارادہ کے رفع ہوئے بغیر صورت پذیر نہیں ہوتا اس لئے ارادہ کے رفع اور اس کی فنا میں کوشش کرتے ہیں تاکہ اس کا بُرا متعلق رفع ہو جائے کیونکہ جب اصل ارادہ نہیں ہوگا تو اچھائی اور برائی سے اس کا تعلق صورت پذیر نہیں ہوگا: ثَبِّتِ الْمَجْدَ اَوَّلًا ثُمَّ انْقُشْ

(پہلے دیوار قائم کر اس کے بعد اس پر نقش و نگار بنا) ۔ اور یہ جو میں نے کہا ہے کہ مقامِ ولایت میں بُرے متعلق کا رفع ہونا ارادہ کے رفع کے بغیر صورت پذیر نہیں ہوتا یہ اس لئے ہے کہ قُربِ ولایت ظلی قرب ہے اور اس مقام میں گرفتار ہونا ظل کے ساتھ گرفتار ہونا ہے اور ظلی قرب کو اس قدر قوت نہیں ہے کہ صفتِ ارادہ کے ہوتے ہوئے اس کے بُرے متعلق کو رفع کر سکے اس لئے　ارادہ کے رفع میں کوشش کرتے ہیں تاکہ اسس (کے بُرے متعلق) کا رفع ہونا سہولت کے ساتھ صورت پذیر ہو جائے اور قربِ نبوت میں قرب اصلی ہے اور اصل کے ساتھ گرفتاری ہے اور قربِ اصل اور اس کے ساتھ گرفتاری کو ایسی قوت ہوتی ہے کہ صفتِ ارادہ کے ہوتے ہوئے اس کے بُرے متعلق کو رفع کر سکتا ہے اسی لئے ارادہ کے رفع میں کوشش نہیں کرتے کیونکہ اس کے رفع سے جو مقصود تھا وہ بہت اچھے طریقہ پر حاصل ہو گیا ہے اور ارادہ فی نفسہا صفتِ کاملہ ہے اگر اس میں نقص اور بُرائی دخل پاتی ہے تو وہ اس کے متعلق کے ذریعہ آتی ہے اور جب اس کا بُرا متعلق دور ہو گیا تو حسن و کمال کے سوا اس میں کچھ نہیں رہا اور اس (ارادہ) کا باقی رہنا مطلوب بن گیا ۔ اور اسی طرح ہم صفتِ علم کے بارے میں کہتے ہیں کہ قربِ ولایت میں زوالِ علم سے مقصودِ اول اشیا کے ساتھ گرفتاری کا زوال ہے اور چونکہ اس قرب میں اشیاء کی گرفتاری کا زوال اشیاء کے علم کے زوال کے بغیر صورت پذیر نہیں ہوتا اس لئے کہ قربِ ظلی اور ظل کے ساتھ گرفتاری کو اتنی قوت نہیں ہے کہ اشیا کے علم کے باوجود اشیا کے ساتھ گرفتاری کو زائل کر سکے اس لئے علم کے زوال میں کوشش کرتے ہیں اور اشیا کے نسیان (بھول جانے) کی طلب کرتے ہیں تاکہ ان کے ساتھ گرفتاری نہ رہے اور قربِ نبوت میں اصل کے ساتھ گرفتاری ہے اور اصل کے ساتھ گرفتاری قوی ہے ہو سکتا ہے کہ اشیاء کے علم کے باوجود اشیا کی محبت و گرفتاری کو زائل کر دے اس لئے علم کے زوال میں کوشش نہیں کرتے کیونکہ یہ صفتِ کمال ہے بلکہ اس کی بقا مطلوب ہے اور علم کے زوال سے جو کچھ مقصود ہے وہ اس قرب میں حاصل ہو چکا ہوتا ہے ۔ ایک جواب تو یہ ہے اور ہم اصل سوال کا دوسرا جواب بتاتے ہیں کہ دونوں صفتوں (ارادہ و علم) کے زوال کا شرط ہونا ولایتِ صغریٰ میں ہے جو کہ اولیاء اللہ کی ولایت ہے اور یہ ظلی ولایت ہے اور انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والبرکات کی ولایت، ولایتِ کبریٰ ہے جو کہ اصلی ولایت ہے اور اس ولایت میں ان دونوں صفتوں کے زوال کا شرط ہونا ثابت نہیں ہوا ہے ۔

۱۲۵

شمس الدین خویشگی کے نام گناہ کے ظاہر و باطن کے بیان میں تحریر فرمایا ۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ اللہ تبارک و تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَذَرُوا ظَاهِرَ الْإِثْمِ وَبَاطِنَهُ [ظاہری و باطنی گناہ کو ترک کر دو] چونکہ اللہ تعالیٰ نے بندوں کو ظاہری و باطنی نعمتوں سے نوازا ہے جیسا کہ فرمایا ہے: وَأَسْبَغَ عَلَيْكُمْ نِعَمَهُ ظَاهِرَةً وَبَاطِنَةً [اور اس نے اپنی ظاہری و باطنی نعمتوں کو تم پر پورا کر دیا ہے] اس لئے گناہ کے ظاہر و باطن کے ترک کے ساتھ مکلّف کیا ہے تاکہ لوگ ان دونوں قسم کے گناہوں میں سے کسی ایک کے مرتکب ہو کر کفرانِ نعمت نہ کریں اور ہر دو طرح کے گناہ ترک کر کے ظاہر و باطن کا شکر بجا لائیں، ہو سکتا ہے کہ ظاہری گناہ سے مراد وہ ہو جس کو علمائے ظاہر نے بیان کیا ہے یعنی حرام و مکروہ کا ارتکاب، اور باطنی گناہ سے مراد باطن کی توجہ حق سبحانہ و تعالیٰ کے سوا کسی اور کی طرف رکھنا اور ما سوی اللہ کے ساتھ محبت و گرفتاری ہے، جو دل کہ غیر اللہ کا گرفتار ہے اس سے خیر (بھلائی) کی کیا توقع ہے جو روح کہ ما سوی اللہ کی طرف مائل ہے بارگاہِ کبریائی میں ذلیل و خوار اور بے سر و سامان ہے، اہل اللہ کے نزدیک دل کی سلامتی اہم امور میں سے ہے اور روح کی نجات مقصدِ اول ہے: إِذْ جَاءَ رَبَّهُ بِقَلْبٍ سَلِيمٍ [جبکہ وہ (ابراہیمؑ) اپنے رب کے پاس قلب سلیم کے ساتھ آیا] اللہ تعالیٰ کی معرفت کا حاصل ہونا اور قرب کے درجات تک پہنچنا یہ سب ما سوی اللہ کی محبت اور دید و دانش سے دل کے قطع تعلق پر موقوف ہے ایک دل میں دو محبتیں جمع نہیں ہوتیں۔ ع

در خانہ دو مہمان نگنجند [ایک گھر میں دو مہمان نہیں سماتے]

اس بارگاہ میں خالص دین مطلوب ہے جس میں شرکت کی گنجائش نہ ہو: أَلَا لِلّٰهِ الدِّينُ الْخَالِصُ [آگاہ رہو اللہ تعالیٰ کے لئے خالص دین ہی ہے] والسلام

(سورۃ ۶ آیت ۱۲۰ — سورۃ ۳۱ آیت ۲۰ — سورۃ ۳۷ آیت ۸۴ — سورۃ ۳۹ آیت ۳)

غلام محمد افغان کے نام، اس بارے میں تحریر فرمایا ہے کہ ذکر مقصودِ اولی نہیں ہے اور جس عمل پر دوام نہ ہو وہ اعتبار کے لائق نہیں ہے۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ اللہ تعالیٰ شریعتِ منورہ اور سنّتِ نبویہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے راستہ پر قائم رکھ کر قرب کے درجات میں ترقیات عطا فرمائے۔ مکتوب عزیز موصول ہو کر باعثِ مسرت ہوا آپ نے لکھا تھا کہ "اس محتاجِ دعا کو بعض اوقات اپنی فنائیت کا مرتبہ حاصل ہوتا ہے اس وقت کبھی ذکرِ قلبی ہوتا ہے اور کبھی نہیں ہوتا" میرے مخدوم! ذکر مقصودِ اولی نہیں ہے اس سے غرض مذکور

(ذاتِ حق) میں فنا ہونا ہے اور جب فنا فی المذکور جو کہ مقاصد میں سے ہے حاصل ہو گئی اگرچہ ذکر نہ بھی ہو، پس فنا کی حالت میں جو کہ استہلاک اور بے شعوری کا وقت ہے اگر ذکر کو نہ پائیں تو کوئی نقص نہیں ہے مستہلک (فنائیت والا شخص) اگر ذکر کے باوجود ذکر کا احساس نہ کرے تو اس کی گنجائش ہے بلکہ فنا کی بعض اقسام میں ذکر کا زائل ہونا شرط اور لازمی امر ہے۔

میرے مخدوم! اگر ذکرِ قلبی سے دل کی حرکت و جنبش مراد لی جائے تو اس کی ہمیشگی قطعی ضروری نہیں ہے نہ فنا کی حالت میں اور نہ حالتِ فنا کے بغیر، جو چیز کہ دائمی و لازمی ہے وہ دل کی توجہ اور حضورِ قلبی ہے خواہ حرکت ہو یا نہ ہو۔ آپ نے فنا کی اور کوئی علامت تحریر نہیں کی تاکہ معلوم ہو جاتا کہ کس قسم کی فنا حاصل ہو رہی ہے، فنائے جذبہ یا فنائے سلوک، فنائے جسدی یا فنائے لطائف، فنائے قلب یا فنائے نفس، ہر ایک کے لئے آثار و علامات ہیں اور فنا میں معتبر وہ ہے جو دوام قبول کرے (ہمیشہ رہے) اور جو دوام نہیں رکھتی وہ معتبر نہیں ہے سوائے فنائے جذبہ کے۔ والسلام

مکتوب ۳۸

رفعت بیگ کے نام ان امور کو بجا لانے کی ترغیب میں تحریر فرمایا جو اس راہ کے طالب کیلئے ضروری ہیں

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ بسم اللّٰہ والسلام علی رسول اللّٰہ [اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع کرتا ہوں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام ہو]۔ برادرِ عزیز میر رفعت بیگ آپ تعلقات کی پستی سے حقائق کی بلندی پر فائز ہوں اور ظاہر کی تنگی سے باطن کی وسعت کی طرف مائل ہوں، چند روزہ زندگی کو کہ جس کی بدولت ہمیشہ کا ملک حاصل ہوتا ہے فضولیات میں صرف نہ کریں اور حضرتِ بیچونِ حقیقی (اللہ تعالیٰ) جل مجدہ کی پاک بارگاہ کی طرف متوجہ رہنے کو ترک نہ کریں ؎

دائم ہمہ جا با ہمہ کس در ہمہ کار می دار نہفتہ چشمِ دل جانبِ یار

[ہمیشہ ہر جگہ ہر شخص کے ساتھ ہر کام میں دل کی آنکھ کو پوشیدہ طور پر یار کی جانب رکھ] تاریک راتوں کو اذکار کی پابندی کے ساتھ روشن رکھیں، صبح کے وقت کے رونے اور استغفار کرنے کو غنیمت جانیں، عمر کا بہترین حصہ ہاتھ سے جا رہا ہے اور کام کا زمانہ انجام کو پہنچ رہا ہے ہم کس عذر سے آج کا کام کل پر ڈالیں کیونکہ ہر آج کا کل نہیں ہے اصل کی فکر کرنی چاہئے اور ظل سے اصل کی طرف جانا چاہئے: فَفِرُّوۡۤا اِلَی اللّٰہِ ؕ [پس اللہ تعالیٰ کی طرف دوڑو]۔

ترجمہ ؎ داد یم ترا ز گنجِ مقصود نشاں گر ما نہ رسیدیم تو شاید برسی

[ہم نے تجھ کو مقصود کے خزانے کی نشاندہی کر دی اگر ہم نہیں پہنچے تو شاید تو ہی پہنچ جائے] والسلام

۱۴۷

مکتوب ۳۹

ملا حسن علی کے نام اس شبہ کو دور کرنے کے بارے میں تحریر فرمایا جو انہوں نے میرزا عبید اللہ کے نام تحریر کردہ مکتوب پر کیا تھا۔

الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ! آپ نے لکھا تھا کہ فلاں مکتوب سے جو کہ عرفان شعار عبید اللہ بیگ کے نام لکھا گیا تھا بہرہ مند ہوا الخ، اس کے بعد آپ نے لکھا تھا کہ "اگر کوئی شخص اس جگہ یہ کہے کہ یہ فرق و امتیاز مقامِ شریعت میں ہے اور جو لوگ کہ سب کو یکساں جانتے ہیں تو یہ مقامِ طریقت کے لحاظ سے ہے جیسا کہ کسی دوسرے رسالہ میں دیکھا گیا کہ جو شخص شریعت میں ہے اس کا کام خلقت کا ردّ و قبول ہے جب وہ اہلِ طریقت میں سے ہو گیا تو مخلوق پر ردّ و اعتراض نہیں کرتا طریقت میں سراسر صلح اور سب کے ساتھ دوستی ہے بخلاف شریعت کے کہ وہاں دشمنوں کے ساتھ جنگ اور دوستوں کے ساتھ صلح ہے پس جس بزرگ سے بھی کسی شخص کے حال پر نظر کرتے ہوئے ردّ و اعتراض کی بات واقع ہوئی ہے وہ شریعت کے غلبہ سے ہو گی نہ کہ طریقت کے غلبہ سے، اس سوال کے جواب کی استدعا کی ہے"۔

میرے مخدوم! اس سوال کا جواب برادرم عبید اللہ بیگ کے مکتوب سے حاصل ہو جاتا ہے بظاہر اچھی طرح غور نہیں کیا گیا ہے اس کے باوجود ہم جواب میں کہتے ہیں کہ اگر مقامِ طریقت میں سب کو یکساں دیکھنے اور امتیاز نہ کرنے سے سائل کی مراد ذوق و حال کے طریق پر ایک طرح کا وجدان ہے جو کہ اختیار سے باہر ہے تو مسلّم ہے اس لئے کہ اس دید والا شخص مقام جمع میں مستہلک اور مرتبہ وحدت میں مستغرق ہے اور مستہلک کو اچھے اور بُرے میں تمیز کرنا مفقود ہے اور وہ سب کو صراطِ مستقیم پر دیکھتا ہے لیکن چونکہ مقبول ہے اس لئے لغزش سے محفوظ ہے اور وہ احکامِ بندگی کی فروگذاشت سے مامون ہے، اس کا باطن مستہلک (فانی) ہے اور اس کا ظاہر احکامِ شریعت کے ساتھ آراستہ ہے، یہ (مذکورہ) مراد ہمارے (مکتوب کے) بیان کے ساتھ کوئی مخالفت و تضاد نہیں رکھتی اور اس کے بارے میں سوال کرنے کا کوئی موقع نہیں ہے اور اگر مراد یہ ہے کہ اہلِ طریقت شریعتِ حقّہ کے دائرے سے باہر آ چکے اور تکالیفِ شرعیہ سے آزاد ہو چکے ہیں اور بندگی کے حلقہ سے سر باہر نکال چکے ہیں تو یہ ناقابلِ قبول و ناقابلِ سماعت ہے اور اس کا معتقد ملحد و زندیق ہے، آسمانی (خداوندی) احکام تمام لوگوں سے تعلق رکھتے ہیں بعض اشخاص کے ساتھ خصوصیت نہیں رکھتے اور عوام و خواص احکامِ شرعیہ کے بجا لانے میں برابر ہیں، اہلِ شریعت و اہلِ طریقت و اہلِ حقیقت کو فرائض کے

۱۴۸

بجالانے اور محرمات سے پرہیز کرنے سے چارہ نہیں ہے اور کوئی شخص بھی واجبات کے ترک اور ممنوعات کے ارتکاب میں کسی طرح معذور نہیں ہے پس آپ نے اس رسالہ میں جو یہ دیکھا ہے کہ جو شخص شریعت میں ہے اس کا کام مخلوق کو ردّ و قبول کرنا ہے اور جب وہ اہلِ طریقت میں سے ہوگیا تو مخلوق پر ردّ و اعتراض نہیں کرتا الخ م کیونکہ ہر شخص احکامِ شرعیہ کا پابند ہے اور کوئی شخص اس دائرے سے باہر نہیں ہے کہ (شریعت کے بغیر) اہلِ طریقت میں سے ہو جائے اور اچھے اور بُرے کے ساتھ دوستی اور صلح پیدا کرے اور مخلوق پر ردّ و اعتراض کا ترک اختیار کرے، حق سبحانہٗ و تعالیٰ اس قدر رحمت اور مہربانی کے باوجود ذلیل کفار کے ساتھ تبرّا اور عداوت کا اظہار فرماتا ہے اور مسلمانوں کو اُن کے ساتھ عداوت و سختی و بُغض اور قتال کا امر کرتا ہے، یہ عجیب مسلمانی ہے کہ کوئی اللہ تعالیٰ عزّ و جل کے اس قسم کے دشمنوں کے ساتھ اس کے فرمان کے برخلاف صلح رکھے اور اظہارِ دوستی کرے، اس کے باوجود وہ اللہ تعالیٰ جلّ شانہٗ کے قرب و ولایت کا دعویٰ کرے، ولایت و قرب اسلام کی فرع ہے حق سبحانہٗ و تعالیٰ فرماتا ہے: وَمَنْ يَتَوَلَّهُمْ مِنْكُمْ فَإِنَّهُ مِنْهُمْ (اور تم میں سے جو کوئی اُن (یہود و نصاریٰ و جملہ کفار) کے ساتھ دوستی رکھتا ہے پس وہ انہی میں سے ہے) اور نیز فرماتا ہے: وَلَوْ كَانُوا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالنَّبِيِّ وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْهِ مَا اتَّخَذُوهُمْ أَوْلِيَاءَ الآیۃ (اور اگر وہ اللہ پر اور نبی پر اور اس چیز پر جو اس کی طرف اُتاری گئی ہے ایمان لائے ہوتے تو ان (کفار) کو اپنا دوست نہ بناتے) مختصر یہ ہے کہ اہلِ حال اپنے حال میں معذور رہے ہیں اور اس حال کے مطابق عمل کرنے میں مجبور رہے لیکن اس رسالہ کی عبارت کو شہود و حال پر محمول کرنا چاہئے پس بیشک سُکر والوں کے کلام کی تاویل کی جاتی ہے۔ جاننا چاہئے کہ یہ حال جو کہ اچھائی اور بُرائی کے درمیان تمیز کو مٹانے والا ہے یہ طریقِ ولایت میں بھی نقص ہے کمال یہ ہے کہ سُکر سے صحو میں آئے اور جمع سے فرق بعد الجمع کی طرف اور کفر سے اسلام کی طرف مائل ہو جائے۔ والسلام علیکم

سورہ ۵ پارہ ۶

سورہ ۵ پارہ ۷

م اگر اس کی یہ مراد ہو کہ [illegible]

مکتوب ۴۰
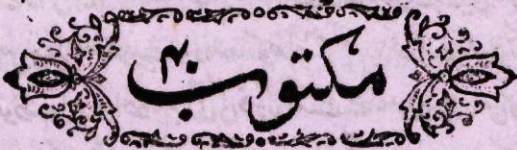
رفعت بیگ کے نام نصیحت کے طور پر تحریر فرمایا۔

الحمد للہ وسلام علٰی عبادہ الذین اصطفٰی

مصلحت دید من آنست کہ یاران ہمہ کار　　بگزارند و سرِ طرۂ یارے گیرند

(میں مصلحت اس میں دیکھتا ہوں کہ دوست سب کام چھوڑ دیں اور ایک دوست کی زلف کے خیال میں محو ہو جائیں) اے شفقت کے آثار والے! عمرِ عزیز گذری جا رہی ہے اور مقررہ ساعت قریب آرہی ہے

اس طرح زندگی بسر کریں کہ وقتِ عزیز باطن کی اصلاح میں گذرے اور دل کی تعمیر میں صرف ہو جو کہ مولیٰ تعالیٰ کی نظرِ (عنایت) کا مقام ہے، قبر و قیامت کے لئے تیاری میں کوشش کریں، اندھیری راتوں کو اذکار کی پابندی کے ساتھ منوّر کریں، صبح کے رونے اور استغفار کرنے کو غنیمت جانیں، دن رات میں ایک دو وقت تنہائی کے لئے مقرر کرنے چاہئیں کہ کوئی شخص اس وقت میں دخل انداز نہ ہو اور کلمۂ لا الٰہ الا اللہ سے اپنے مقاصد اور ارادوں کی نفی کریں تاکہ دل کی وسعت میں حق سبحانہٗ و تعالیٰ کے سوا کوئی مراد و مقصود نہ رہے ع

۱۲۹

این کار دولت است کنوں تا کرا دہند {یہ نصیب کی بات ہے دیکھئے اب کس کو عنایت کرتے ہیں} والسلام اولاً و آخراً

مکتوب ۴۱

ملا محمد شریف کابلی کے نام، اس بارے میں تحریر فرمایا کہ مرید کے لئے اپنے پیر کو راضی رکھنا ضروری ہے۔

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ: برادرِ گرامی مولانا محمد شریف کا خط موصول ہو کر باعثِ مسرت ہوا، اللہ تعالیٰ شریعتِ عالیہ اور سنّتِ منورہ کے راستہ پر استقامت عطا فرمائے اور مشائخ کی محبت اور عقیدت پر جو کہ اعلیٰ مقاصد تک پہنچنے کے لئے وسیلہ ہیں ہمیشگی اور پختگی عنایت فرمائے۔ آپ نے لکھا تھا کہ "جو چیز آپ کے دل کی تکلیف کا باعث ہوئی ہے وہ بندہ سے واقع نہیں ہوئی ہے، کابل کے دوستوں نے بعض اغراض کے تحت کچھ باتیں پہنچا کر آپ کو رنجیدہ کر دیا ہے" میرے مخدوم! کابل کے لوگوں میں سے کسی نے آپ کی جانب سے کوئی ایسی بات نہیں پہنچائی جو فقیر کے دل کو رنج پہنچانے کا باعث ہو، اور فقیر کا دل کسی وجہ سے بھی آپ سے آزردہ نہیں ہے سوائے مولانا محمد صدیق کی رنجیدگی کی وجہ کے، کہ جس کا دور ہونا مولانا کی رنجیدگی کے دور ہونے سے وابستہ ہے، اس کے علاوہ فقیر کو آپ کی نسبت سے کسی بھی طرح کی رنجیدگی نہیں ہے، جس شخص نے بھی آپ کو اس کے خلاف (کوئی بات) پہنچائی ہے خلافِ حقیقت ہے، آپ اس جانب سے خاطر جمع رکھیں اور آپ کے لئے مولانا محمد صدیق کو راضی کرنا لازمی ہے، بہر حال مشارٌ الیہ (مولانا موصوف) کو خود سے راضی کریں تاکہ تمام پیروں کا باطن آپ سے راضی ہو جائے اور فیوض کے دروازے کھل جائیں۔ والسلام اولاً و آخراً۔

مکتوب ۴۲

ملا محمد و فلک کے نام اس خط کے جواب میں جو انہوں نے معیشت کی تنگی کے بارے میں لکھا تھا اور فقر کے فضائل کی احادیث کے بیان میں تحریر فرمایا۔

۱۵۰ الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ۔ برادرم مولانا محمد وفا کا مکتوب مرغوب جو کہ محبت کی خبر اور ذوق وشوق کا پتہ دینے والا تھا پہنچ کر باعثِ مسرت ہوا، امید ہے کہ (آئندہ بھی) اسی طریق پر حالات لکھتے رہیں گے کیونکہ یہ غائبانہ توجہ کا ذریعہ ہے، فقر سے دل تنگ نہ ہوں اور معیشت کی تنگی سے گرانی محسوس نہ کریں اَللّٰہُ یَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ یَّشَآءُ وَیَقْدِرُ (اللہ تعالیٰ جس کے لئے چاہتا ہے رزق کو فراخ کردیتا ہے اور جس کیلئے چاہتا ہے تنگ کردیتا ہے) حق تعالیٰ جل وعلا کے طالبین کو چاہئے کہ اس کے ہر فعل سے خوش وخرم رہیں بلکہ لذت حاصل کریں جو کچھ محبوبِ حقیقی کی جانب سے آتا ہے وہ محبوب ہے خواہ رنج والم ہو یا انعام، نعمت ہو یا نقمت (عتاب) ؎

سورۃ رعد آیت ۲۶

مئے تلخ است جورِ گلعذاراں   کہ ہر چندش خوری باشد گواراں

[حسینوں کا جور وستم تلخ شراب ہے کہ اُسے جتنا پیا جائے خوشگوار لگتی ہے] ظاہری تنگیوں کے وقت باطنی کشادگی و فراخی دوچند ہونی چاہئے کہ ظاہر کی خرابی باطن کی تروتازگی کا سبب ہے (تو پھر) وہ باطن سے بے توجہی کا سبب کیسے ہوگی اور عجیب وغریب احوال جو اس سے پہلے پیش آتے تھے اب کیوں پیش نہیں آتے، اب کیا آفت آگئی ہے، کیا مولائے حقیقی جل شانہ کی محبت ودوستی وسعت وفراخی کے وقت پر ہی موقوف ہے جو تنگی کے زمانے میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے قطع تعلق کرلیا جائے۔ گذشتہ حالت کے برخلاف کلی طور پر حق جل وعلا کی جانب آجائیں اور ظاہر وباطن کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی پاک بارگاہ کی طرف متوجہ ہوجائیں اور حق سبحانہ وتعالیٰ کی طلب سے ہرگز غافل نہ ہوں، آپ کیسے اچھے احوال بیان کرتے تھے افسوس ہے کہ آپ اپنی استعداد کی لطافت کو خاک میں ملارہے ہیں اور نفیس جواہرات کے بدلے چند ٹھیکریوں پر اکتفا کررہے ہیں۔ پس اس شخص پہ نہایت افسوس ہے جس نے اللہ تعالیٰ کے ذکر سے اعراض کیا اور اس شخص پر حسرت ہے جس نے حدود اللہ سے تجاوز کیا، دنیوی مال ومتاع کی کمی آخرت کے حساب کی سہولت کا سبب ہے، پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے دو چیزیں ہیں جن کو ابنِ آدم (انسان) ناپسند کرتا ہے۔   وہ موت کو ناپسند کرتا ہے حالانکہ موت اس کے لئے آزمائش سے بہتر ہے   اور   وہ مال کی کمی کو ناپسند کرتا ہے حالانکہ مال کی قلت حساب کی سہولت کا سبب ہے، دنیا کی مصیبتیں مراتبِ آخرت کا وسیلہ ہیں اور اس (دنیا) کی نعمتیں اُس (آخرت) کے نقصان کا سبب ہیں۔ حدیث شریف میں ہے دنیا کی شیرینی (لذت) آخرت کی تلخی ہے اور دنیا کی تلخی آخرت کی شیرینی (لذت) ہے۔ اور حدیث شریف میں ہے قیامت کے روز لوگوں میں سب سے زیادہ بھوکا وہ شخص ہوگا جو دنیا میں سب سے زیادہ پیٹ بھرا ہوگا۔ اور نیز حدیث شریف میں ہے اُف دنیا اور اس کی آزمائشیں کیسی ہیں کہ اس کے حلال کا (بھی) حساب ہوگا اور اس کا حرام تو عذاب ہے ہی۔

اور نیز حدیث شریف میں آیا ہے کہ جو شخص بھی چاہتا ہے کہ دنیا میں اس کا درجہ بلند کر دیا جائے پھر اس کا درجہ بلند کر دیا جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ آخرت میں اس کا ایک درجہ کم کر دیتا ہے جو اس درجہ سے زیادہ بڑا اور بلند ہوتا ہے۔ اور نیز حدیث شریف میں ہے کہ سونے اور چاندی کے لئے ہلاکت ہے، آپؐ سے دریافت کیا گیا تو پھر ہم کیا چیز ذخیرہ کریں، آپ نے فرمایا ذکر کرنے والی زبان اور شکر کرنے والا دل اور ایسی بیوی جو آخرت کے لئے تیری مددگار ہو، جان لیں کہ جو شخص پوری ہمت و کوشش کے ساتھ آخرت کے کام میں متوجہ ہوگا اور اپنی پوری توجہ حق سبحانہ و تعالیٰ کی طرف رکھے گا حق تعالیٰ اپنے کرم سے اس کے دینی اور دنیاوی امور کے لئے کافی ہوگا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جس شخص نے اپنی تمام فکروں کو ایک ہی فکر یعنی آخرت کی فکر بنا لیا تو اللہ تعالیٰ اس کی تمام فکروں کے لئے کافی ہوگا اور جس شخص نے احوالِ دنیا سے مختلف فکریں (اپنی جان کو) لگالیں تو اللہ تعالیٰ کو اس کی کوئی پرواہ نہیں کہ وہ ان (فکروں) کی کس وادی میں ہلاک ہوا۔ اور نیز حدیث شریف میں ہے جس شخص نے اس حال میں صبح کی کہ دنیا اس کی سب سے بڑی فکر ہے تو وہ اللہ تعالیٰ سے کسی چیز (یعنی ذمہ داری) میں نہیں ہے اور جو شخص اللہ تعالیٰ سے نہیں ڈرا پس وہ اللہ تعالیٰ سے کسی چیز (یعنی ذمہ داری) میں نہیں ہے اور جو شخص مسلمانوں کے لئے اہتمام نہیں کرتا تو وہ ان میں سے نہیں ہے، آپ نے تنگیٔ معاش دور ہونے کے لئے صبح کی نماز کے بعد بعض آیتوں کے پڑھنے کی اجازت مانگی تھی میرے مخدوم اگر اس (تنگی) کے دور کرنے میں نیت اچھی ہے تو کیا حرج ہے پڑھ لیا کریں۔

مکتوب ۴۳

خواجہ عبدالصمد کابلی کے نام حصولِ قربِ الٰہی جل شانہ کے ذرائع کے بیان میں تحریر فرمایا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم حامداللہ العظیم ومصلیا علی رسولہ الکریم۔ امابعد روزمرہ کے امور لائقِ شکر ہیں، اللہ تعالیٰ سے آپ کی خیر و عافیت، شریعتِ عالیہ اور سنتِ منورہ کے راستہ پر استقامت، موانعات کا دور ہونا اور حقائق کے ساتھ آراستگی کی دعا کی گئی ہے۔ آپ کے گرامی نامہ کی وصولیابی نے مسرور کیا، ذوقِ طلب کے بارے میں جو کچھ درج کیا ہوا تھا واضح ہوا، اللہ تعالیٰ اس گرمیٔ شوق کو اور زیادہ کرے اور اس کے شعلے کو باطن میں اور بھڑکائے تاکہ دنیاوی تعلقات سے پاک کرے اور حقائقِ الٰہی جل وعلا کے ساتھ متحقق و آراستہ کرے اور اس نعمت کے حصول کے اسباب میں سے ذکر پر ہمیشگی، مخلوق سے کم آمیزی، لایعنی باتوں میں کمی اور مشائخ کی محبت کا راسخ ہونا ہے۔ والسلام

مکتوب ۴۴

محمد صادق بخاری کے نام صراطِ مستقیم پر ہدایت کی توضیح میں تحریر فرمایا۔

۱۵۷ الحمد للہ رب العٰلمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ سید المرسلین واٰلہٖ اجمعین۔ حق سبحانہٗ وتعالیٰ کے بندہ کو صراطِ مستقیم کی ہدایت کرنے سے مراد یہ ہے کہ جو تنگی بھی اُس کے سینے میں ہو اُس کو دُور کر دے اور اس کے سینہ میں کوئی تنگی بھی کسی طرح سے نہ رہے اور اوامر کے بجا لانے اور نواہی سے باز رہنے میں پوری سہولت حاصل ہو جائے اور اس کی مرضی حق سبحانہٗ وتعالیٰ کی قضا و قدر کے اس حد تک تابع ہو جائے کہ اگر ایک دنیا ناراض ہو جائے یا اس کو سخت مصیبتوں اور شدید رنج و غم میں مبتلا کر دیا جائے تو ان امور سے اس کے باطن میں کوئی کدورت پیدا نہ ہو، ان امور کو بالکل درست اور نہایت مناسب دیکھے اور پوری خوشی و رغبت کے ساتھ اُن چیزوں سے راضی ہو جائے بلکہ جو بلا و مصیبت بھی پیش آئے اس کو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں سے شمار کرے اور اس کے شکر میں کوشش کرے اور نیز خناس (شیطان) کا وسوسہ جو اس کے سینہ میں قائم تھا اور وہاں (اپنا) آشیانہ رکھتا تھا دُور ہو جائے اور وہاں سے اس کے ٹھکانے کو ویران کر دیا جائے۔ جب اس اعلیٰ درجہ کی بزرگی اور بہت بڑی سعادت کے ساتھ عارفِ کامل کو نوازدیا جاتا ہے تو وہ اللہ جل شانہٗ کی ہدایت کے ساتھ ہدایت یافتہ ہو جاتا ہے اور صراطِ مستقیم پا لیتا ہے اور شرحِ صدر بھی اسی ہدایت پانے سے عبارت ہے جیسا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا ہے: فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ ۚ وَمَنْ يُّرِدْ اَنْ يُّضِلَّهٗ يَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَيِّقًا حَرَجًا كَاَنَّمَا يَصَّعَّدُ فِي السَّمَآءِ ؕ (سورۃ ۶ آیۃ ۱۲۵) [پس جس شخص کو اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ اسے راہِ راست دکھائے اس کے سینے کو (قبولِ) اسلام کیلئے کھول دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے کہ گمراہ کرے اس کے سینے کو تنگ اور بھنچا ہوا کر دیتا ہے گویا اس کو آسمان میں چڑھنا پڑ رہا ہے] اور نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَلَوْ اَنَّا كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ اَنِ اقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ اَوِ اخْرُجُوْا مِنْ دِيَارِكُمْ مَّا فَعَلُوْهُ اِلَّا قَلِيْلٌ مِّنْهُمْ ؕ وَلَوْ اَنَّهُمْ فَعَلُوْا مَا يُوْعَظُوْنَ بِهٖ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَاَشَدَّ تَثْبِيْتًا ۙ وَّاِذًا لَّاٰتَيْنٰهُمْ مِّنْ لَّدُنَّآ اَجْرًا عَظِيْمًا ۙ وَّلَهَدَيْنٰهُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا (سورۃ ۴ آیۃ ۶۶ تا ۶۸) [اور اگر ہم ان کو حکم دیتے کہ تم اپنے تئیں ہلاک کر لو یا اپنے گھروں سے نکل جاؤ تو ان میں سے چند آدمیوں کے سوا (ہمارے) اس (حکم) کی تعمیل نہ کرتے اور جو کچھ ان کو نصیحت کی جاتی ہے اگر اس کی تعمیل کرتے تو ان کے حق میں بہتر ہوتا اور اس کی وجہ سے (دین پر بھی) مضبوطی کے ساتھ جمے رہتے، اور اس صورت میں ہم ان کو ضرور اپنی طرف سے بہت (اچھا) بدلہ دیتے اور ان کو سیدھی راہ پر (بھی) ضرور لگا دیتے۔] والسلام علیٰ من اتبع الھدیٰ۔

مکتوب ۴۵

شاہ خواجہ کی طرف اپنے حضرت پیر دستگیر رضی اللہ عنہ کے بعض مکاشفات کے بیان میں تحریر فرمایا۔

بسم اللہ حامداً و مصلیاً، ہمارے حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے تھے کہ "ایک دفعہ میں بیٹھا ہوا تھا کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے غضب کا دائرہ ظاہر ہوا اور اس دائرہ میں سیر واقع ہوئی، اللہ تعالیٰ کے صفاتی و ذاتی غضب کے اقسام اور اس جل سلطانہ کے طرح طرح کے انتقامات اس مقام میں مطالعہ کئے گئے اور یہ سیر بہت طویل ہوئی، اس کے بعد میں نے دیکھا کہ اس دائرہ سے باہر آگیا اور اُس مقام میں سیر واقع ہوئی جو اس مقام سے اور زیادہ بلند تھا، میں اس مقام کے طے کرنے کے درپے ہوا جب میں نے ملاحظہ کیا تو معلوم ہوا کہ یہ سیر اللہ تعالیٰ جل شانہ کی شانِ استغنا میں ہے اللہ تعالیٰ کے ذاتی و صفاتی استغنا کی اقسام اس مقام میں نظر آئیں اور عجیب و غریب امور اس مقام میں دیکھے گئے اس کے بعد اس مقام سے اوپر سیر واقع ہوئی اور معلوم ہوا کہ یہ اس (اللہ) تعالیٰ و تقدس کی رحمت و رافت کا مقام ہے اس مقام میں جمالِ صرف کا ظہور ہے کہ جس کے ساتھ جلال کی کچھ بھی آمیزش نہیں ہے اور غضب و انتقام و استغنا کا کوئی رنگ اس جگہ نہیں پایا گیا اور جسقدر میں نے جستجو کی عفو و درگذر و رحمت و مغفرت کے سوا کچھ نہیں پایا گیا اور ان تینوں مقامات میں سے ہر ایک میں مختلف مقامات ظاہر ہوئے اس کے بعد اس مقام سے اوپر جہاں تک اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے چاہا سیر واقع ہوئی"۔ ہمارے حضرت عالی قدس سرہ العزیز نے دو شخصوں[1] کے بارے میں فرمایا کہ آپ کو غضب کے دائرہ سے باہر کر دیا گیا ہے فوق (ترقی) کے منتظر رہیں۔ والسلام

۱۵۳

مکتوب ۴۶

میر مغل کے نام، سنتِ منورہ کے اتباع پر ترغیب دینے اور شیخ کی محبت پر پختگی کے بارے میں تحریر فرمایا۔

الحمد للہ و سلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ، برادرِ گرامی میر مغل! ان دور افتادہ فقرا کی جانب سے عافیت کے انجام والا اسلام قبول فرمائیں، اگرچہ آپ سے ظاہری ملاقات حاصل نہیں ہے لیکن باطنی نسبت و کشش اس بات پر آمادہ کرتی ہے کہ دو محبت آمیز کلمے لکھے جائیں۔ میرے مخدوم! جب آپ نے فقرا کے ساتھ اخلاص کا رابطہ (تعلق) قائم کر لیا ہے تو فقرا کے طریقہ کی رعایت کرتے ہوئے اس کی نگاہداشت و لحاظ ضروری ہے

---

[1] ان دو شخصوں سے مراد غالباً حضرت خواجہ محمد سعید و خواجہ محمد معصوم قدس سرہما ہوں گے۔ (مترجم)

شریعتِ عالیہ اور سنتِ منورہ کی پیروی ہاتھ سے نہیں دینی چاہئے اور حضرت بیچونِ حقیقی (اللہ تعالیٰ) کی بارگاہ میں نیستی کی صفت کے ساتھ ہمیشہ متوجہ رہنے کو غنیمت جاننا چاہئے ع

این کار دولت ست کنون تا کرا دہند [یہ نصیب کی بات ہے دیکھئے اب کس کو عنایت کرتے ہیں] والسلام

مکتوب ۴۷

حقائق آگاہ مولانا محمد حنیف کے نام طالبانِ طریقت کو سلوک طے کرانے کے طریقہ اور مراتبِ کمال اور ان کے متعلقہ معارف کی توضیح کے بارے میں تحریر فرمایا۔

حمد و صلوٰۃ اور دعا و سلام کے بعد برادرِ عزیز کی خدمت میں عرض ہے کہ طالبانِ طریقت کو راہِ سلوک طے کرانے کے طریقے کا مختصر بیان اور کمال الکمال کی توضیح اپنی فہمِ قاصر کے مطابق تحریر کرتا ہوں غور سے سنیں: لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہُ کلمۂ توحید ہے اور توحید (کے معنی) قدیم لذاتہٖ کو غیر قدیم لذاتہٖ سے جدا کرنا ہے اور اس کے کئی درجات و مراتب ہیں: پہلا مرتبہ کلمۂ توحید کو دل کی تصدیق کے ساتھ زبان سے ادا کرنا ہے اور یہ مرتبہ عام مومنین کا ہے اور تمام زاہد و عابد اور علما جو کہ منازلِ سلوک طے نہیں کر رہے ہیں اور سیر الی اللہ کی وسعتوں میں داخل نہیں ہوئے وہ سب اس مرتبہ میں شامل ہیں۔ دوسرا مرتبہ اہلِ سلوک کے ساتھ مخصوص ہے جو کہ مراتبِ وجوب کی طرف متوجہ ہیں اور سیر الی اللہ میں داخل ہو چکے ہیں لیکن اس کی تکمیل کو نہیں پہنچے اس جماعت نے چونکہ یقین کر لیا ہے کہ مطلوب تک پہنچنا آیہ کریمہ اَلَا لِلّٰہِ الدِّیْنُ الْخَالِصُ [آگاہ رہو کہ اللہ تعالیٰ کیلئے خالص دین ہی ہے] کے بموجب تعلقات کو منقطع اور ماسوی اللہ سے رہائی حاصل کئے بغیر ممکن نہیں ہے وہ آیۂ مبارکہ مَا جَعَلَ اللہُ لِرَجُلٍ مِّنْ قَلْبَیْنِ فِیْ جَوْفِہٖ [اللہ تعالیٰ نے ایک آدمی کے لئے اس کے جوف (سینہ) میں دو قلب نہیں بنائے] کے مطابق ایک دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت ماسوی اللہ کے ساتھ جمع نہیں ہوتی اس لئے پوری ہمت و کوشش سے قلب کے تعلقات کو منقطع کرنے کے درپے ہیں اور مجاہدات یا محض اللہ تعالیٰ جل شانہ کے جذب و کشش کے ساتھ وہ لوگ چاہتے ہیں کہ اس (قلب) کا علمی یا حبی تعلق غیر اللہ سے ٹوٹ جائے اور نیز اس کلمہ طیبہ کی مدد سے اپنے باطن کی وسعت کو لمحہ بہ لمحہ ان تعلقات سے پاک کرتے ہیں یہاں تک کہ مقررہ[1] وقت آجائے ؎

پ ۲۳ سورۃ زمر آیت ۳ — پ ۲۱ سورۃ احزاب آیت ۴

تا بجاروب لا نروبی راہ — کے رسی در سرائے اِلَّا اللہ

[جب تک تو راستہ کو لا کی جھاڑو سے صاف نہیں کرے گا اِلَّا اللہ کی سرائے میں کب پہنچے گا۔]

---

[1] یعنی یہاں تک کہ باطن ماسویٰ اللہ سے بے تعلق ہو جائے (مترجم)۔

تیسرا مرتبہ یہ ہے کہ ماسوا کو بھول جائے اور غیر اللہ کے علمی و حبی تعلق سے رہائی حاصل کرلے اور قدیم کو حادث سے علم و محبت کی رُو سے جُدا کرے اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے ساتھ حضوری اس درجہ تک دل کا ملکہ (قدرت) ہو جائے کہ اگر کوشش سے بھی ماسوا کو یاد کرے تو اس کو یاد نہ آئے اور اگر بالفرض حضرت نوح علیٰ نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عمر اُس قلب والے کو دیدی جائے تو بھی ہرگز اس کے دل میں غیر اللہ کا خطرہ نہ آئے، اس حالت کو فنائے قلب سے تعبیر کرتے ہیں اور (یہ) سیر الی اللہ کی تکمیل سے وابستہ اور واجب تعالیٰ (اللہ تعالیٰ) کے افعال کے ساتھ واصل ہونے کا نتیجہ ہے ۔ چوتھا مرتبہ وجود اور تمام صفات سے جو کہ نفس حاضر کے وجود کی تابع ہیں تمام تعلقات کی نفی کرنا ہے اس کی وضاحت یہ ہے کہ وجود اور اس کے تابع کمالات واجب تعالیٰ و تقدس (اللہ تعالیٰ) کے ساتھ مخصوص ہیں، اگر ممکن میں ظاہر ہیں تو اُسی بارگاہِ قدس سے مستفاد و مستعار ہیں اور جو کچھ اس (ممکن) کا ذاتی ہے وہ عدم ہے کہ اس نے کمالات کے انعکاس کے واسطے سے ایک طرح کا ظہور پیدا کرلیا ہے اور دوسرے عدمات سے متمیز ہوگیا ہے اور ممکن نے اِس نمودِ بے بود کے ساتھ اپنے آپ کو کامل اور خیر کا مبدا تصور کرکے شرکت و ہمسری کا دعویٰ ظاہر کیا ہے اور اپنی طرف متوجہ ہے اور اصل سے روگردانی کرلی ہے اور جب (اللہ تعالیٰ) اپنے فضل سے صاحبِ استعداد سالک کو اپنے قُرب سے نوازنا چاہتے ہیں تو اس کو یہ معرفت عطا فرماتے ہیں یہاں تک کہ وہ اپنے آپ سے روگردانی کرتا اور اُس پاک بارگاہ کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے اور نیز اس مبارک کلمہ کی تکرار سے ہر لحظہ عاریتی کمالات کو اصل کے حوالہ کرتا ہے تاکہ شرکِ خفی و دعوئے ہمسری سے رہائی حاصل کرلے، امانت میں خیانت کرنے والا نہ بنے اور بعد ازاں کہ اس نے حادث کو قدیم کے مخصوص کمالات میں شریک کردیا تھا قدیم کو حادث سے جُدا کرے، کسی نے کیا خوب کہا ہے ؎

وصّافیِ خود برغمِ حاسد تاکے　　ترویج چنیں متاعِ کاسد تاکے
تو معدومی خیالِ ہستی از تو　　باشد فاسد خیالِ فاسد تاکے

[تو حاسد کے خلافِ مرضی اپنی تعریف کبتک کرتا رہے گا، تو ایسی کھوٹی پونجی کو کبتک رواج دیگا، تو معدوم ہے، تیری طرف سے اپنی ہستی کا تخیل ایک خیال فاسد ہے تو یہ خیال فاسد کبتک کرتا رہے گا۔] ــ پانچواں مرتبہ افراد (انقطاع) کی حقیقت ہے اور نفی کرنے سے نفی ہو جانے کی طرف آتا ہے اور طریقت (کے ذریعہ) سے حقیقت سے ملتا ہے اور عاریتی کمالات کو اصل کے ساتھ ملحق دیکھتا ہے اور خود کو جو کہ اُن کمالات کا آئینہ تھا معدوم پاتا اور بے حس و حرکت جماد تصور کرتا ہے، اس کمال کو فنائے نفس سے تعبیر کرتے ہیں اور یہ تجلی صفات کا نتیجہ ہے ۔ چھٹا مرتبہ یہ ہے کہ عدم کو جو کہ کمالات کا آئینہ تھا کمالات کے اصل کے ساتھ مل جانے کے بعد عدمِ مطلق کے ساتھ لاحق پائے، اس مرتبہ میں نفسِ حاضر کا کمال درجہ کا زوال ظاہر ہوتا ہے کہ نہ وجود کا حکم رہتا ہے اور

۱۵۵

نہ عدم کا اثر، لَاتُبْقِیْ وَلَاتَذَرُ [نہ اس کو باقی رکھے گا اور نہ چھوڑے گا] یہ کمال اگرچہ تجلی صفات کا منتہا (انتہائی درجہ) ہے لیکن اس کا حصول تجلی ذات کے پرتو کے بغیر میسر نہیں ہے اس لئے کہ ہر مقام کی تکمیل اس سے اوپر کے مقام کے پرتو کے بغیر صورت پذیر نہیں ہوتی۔

جاننا چاہئے کہ فنائے نفس میں (سالکین کے) اقدام میں بہت تفاوت ہے دیکھئے کون خوش نصیب ہے جو اس کی حقیقت کو پہنچا ہے، اگرچہ بہت سے لوگ اس معنی کا وہم و گمان کرتے ہیں اور مراقبہ میں اس کے سمندروں سے کوئی موتی حاصل کر لیتے ہیں اور شوق و محبت کے غلبہ میں یا اندراج النہایت فی البدایت کے طریق پر یا کامل مکمل پیر کے پرتو سے تھوڑی سی رہائی اور بیخودی حاصل ہو جانے کو بہت جانتے ہیں لیکن وہ شخص جو اس رہائی سے طاقتِ بشریہ کے مطابق پوری طرح متحقق ہو چکا ہو (ایسے لوگ) بہت تھوڑے ہوتے ہیں، اور جب تک اس رہائی و فنائیت کی حقیقت کو نہ پہنچے اپنی الوہیت کے ثابت کرنے سے پوری طرح نجات نہیں پاتا اور کلمہ طیبہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللہ کے تکرار سے اپنی الوہیت کا اثبات کرتا ہے جو کہ (اس میں) اپنے اندر کمال کی صفات ثابت کرنے کے ذریعہ سے آئی تھی اگرچہ احیاناً اور نادر طور پر ہو یا بعض لطائف کے لئے ہو اور بعض کے لئے نہ ہو، یا کچھ اثبات ہو جبکہ وہ پوری طرح فنا نہ ہوا اور بالکلیہ رہائی حاصل نہ کر لے۔

بیان کرتے ہیں کہ ایک بزرگ کو جنگل میں ایک دشوار گھاٹی پیش آئی، اس بزرگ نے نذر کی کہ اگر میں اس مشکل سے نجات پا جاؤں تو حق جل وعلا کو ہرگز یاد نہیں کروں گا، القصہ اس نے نجات پائی اور شہر میں آگیا اور خوب سیر ہو کر کھایا اور مر گیا۔ شیخ الاسلام کہتے ہیں کہ وہ اپنی نذر میں سچا تھا اس لئے کہ اگر وہ زندہ رہتا یاد کرنا اور نہ کرنا دونوں مشکل تھا اور شیخ الاسلام نے کہا کہ اس نے جو یہ نذر مانی تھی کہ ہرگز اس کو یاد نہیں کروں گا، اپنی یاد کی شرم کی وجہ سے کہا تھا کیونکہ اس شخص کا یاد کرنا کسی طرح بھی اس پاک بارگاہ کے لائق نہ ہوتا، اس کا ذکر اسی کی طرف لوٹتا ہے۔ حضرت شیخ محی الدین قدس سرہٗ آیہ کریمہ وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ [اور ہر چیز اس کی حمد کے ساتھ اس کی پاکی بیان کرتی ہے] کی توضیح میں فرماتے ہیں کہ ہو سکتا ہے کہ بحمدہ کی ضمیر شیٔ (چیز) کی طرف راجع ہو یعنی کوئی چیز نہیں ہے مگر یہ کہ وہ اپنی حمد کے ساتھ تسبیح کرتی ہے اس لئے کہ اس کی تسبیح اسی کی طرف لوٹتی ہے اور مرتبہ تقدس و تنزہ (ذاتِ پاک باری تعالیٰ) کے لائق نہیں ہے۔

تو جان لے کہ چونکہ اشخاصِ عالم اسماء و صفات کے ظلال ہیں اللہ تعالیٰ جل شانہٗ کے ہر اسم کے کتنے ہی ظلال درمیان میں ہیں تب نوبت اس شخص تک پہنچتی ہے پس فنا و بقا کی ترقی کے وقت جو اسم کہ سالک کا مبدأ تعین ہے اس کے ظلال میں سے کسی ظل کے ساتھ حصول میسر ہوگا اور منتسبات (تعلقات) کو

اس اسم کے جو کہ ظلال میں سے ایک ظل ہے حوالہ کرکے اس اسم کے اوصاف کے ساتھ متحقق ہو جائے گا کیونکہ ہر اسم اسماء و صفات کا جامع ہے، اس اسم کے ساتھ متحقق ہو جانے کے بعد جب وہ فوق کی طرف متوجہ ہوگا تو اوپر کے ظل کے ساتھ جو کہ اس اسم کی اصل ہے اس اسم ہی کی طرح متحقق ہو جائے گا اور اس تحتانی (نیچے والے) اسم کو چھوڑ کر فوقانی (اوپر والے) اسم کے ساتھ جو کہ اس کی اصل ہے جا ملے گا اور اسی طرح دوسری اصل سے تیسری اصل کے ساتھ اور تیسری سے چوتھی کے ساتھ اور چوتھی سے پانچویں کے ساتھ اور پانچویں سے چھٹی اور ساتویں اور جہاں تک اللہ تعالیٰ چاہے بقا حاصل کرلے گا، دیکھئے کون صاحب نصیب ظلال کے ان تمام مراتب سے گذر کر اصل اسم کے ساتھ واصل ہوتا ہے۔ حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہٗ نے فرمایا ہے کہ میں سات سال تک مولانا عارف[1] قدس سرہٗ کے ہمراہ اس کوشش میں رہا کہ اصل سے آگاہی حاصل کروں تین بار حجاز کے سفر پر گیا، اگر میں وہاں مولانا کی مانند یا ان کے مقامات کا کچھ بھی مظہر کسی کو پالیتا تو ہرگز واپس نہ لوٹتا۔

جاننا چاہئے کہ اسم کے ظلال میں وصول اور اس کے مراتب میں سیر کو ولایتِ صغریٰ سے تعبیر کرتے ہیں جو کہ اولیاء کی ولایت ہے اور اسماء و صفات کے اصول میں سیر ولایتِ کبریٰ کے ساتھ وابستہ ہے جو کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی ولایت ہے اور یہ دونوں ولایتیں اسم الظاہر سے تعلق رکھتی ہیں اور اس اسم سے گذرنے کے بعد اسم الباطن ہے جو کہ ملاءِ اعلیٰ (فرشتوں) کی ولایت ہے اور اسم الظاہر و اسم الباطن کا فرق حضرت قطب المحققین ہمارے مرشد قدسنا اللہ سبحانہ بسرہ الاقدس کے مکتوبات قدسی آیات میں مذکور ہے مختصر یہ ہے کہ اسم الظاہر ایک اسم ہے کہ جس میں ذات بالکل ملحوظ نہیں ہے اور اسم الباطن میں اسم کے پردہ میں ذات ملحوظ ہے پس مثلاً علیم میں سیر ہونا اسم الظاہر میں سیر ہے اور علیم میں سیر ہونا اسم الباطن میں سیر ہے اور اسم الباطن سے گذرنے کے بعد عروج کی جانب میں انبیاء و مرسلین علیٰ نبینا و علیہم الصلوٰۃ والسلام کے مراتب کے فرق کے مطابق کمالاتِ نبوت پیش آتے ہیں اور ان کمالات کا حاصل ہونا اصالتاً تو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کیلئے ہے اور تبعیت و وراثت کے طور پر جسے چاہیں نوازیں، یہ ہے خلاصہ مطلب۔ اور یہ جو اوپر دو مرتبہ فنائے نفس کے بارے میں کہا گیا ہے اجمال و کلیہ کے اعتبار سے تھا ورنہ ہر اسم میں فنا کا حاصل ہونا جو کہ ظلال و اصول کے مراتب میں لکھا گیا ہے مراتبِ توحید میں سے ایک مرتبہ ہے۔

ساتواں مرتبہ ذات تعالیٰ و تقدس کو صفات و اسماء تعالیٰ و تقدس سے جدا کرنا ہے کیونکہ ذات سے محبت کرنے والا صفات کی شرکت کو گوارا نہیں کرتا اگرچہ اللہ تعالیٰ کی ذات سے اس کی صفات کا جدا ہونا متصور نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ کی ذات کسی وقت اور کسی حال میں بھی صفات سے الگ نہیں ہے لیکن المرءُ

۱۵۷

[1] آپ حضرت امیر کلال کے خلیفہ ہیں آپ کا مولد و مدفن قریۂ دیگ گران ہے جو بخارا سے تین فرسخ شرعی کے فاصلہ پر نہر کوہک کے کنارے واقع ہے (رشحات معرب ص ۴۷)

مع من احب [آدمی اس کے ساتھ ہے جس سے وہ محبت کرتا ہے] کے مقتضا کے مطابق ذاتِ (سالک) کو اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ ایک ایسی معیت ہے کہ صفات ہیں سے وہاں کچھ بھی ملحوظ نہیں ہے پس ذات کا صفات سے الگ ہونا دید و محبت میں ہے جس کا ثمرہ معیتِ مذکورہ ہے اور بس، نہ کہ خارج اور نفس الامر میں ؎

ومن بعد ہذا ما یدق صفاتہ وما کتمہ احظی لدیہ و اجمل

[اور اس کے بعد وہ مقام ہے جس کی صفات کا بیان بہت مشکل ہے اور وہ مقام ہے جس کا چھپانا اس کے نزدیک زیادہ مناسب و بہتر ہے] — **تنبیہ:** اور جب معاملہ ظلال و اصول کے مراتب سے اوپر چلا جاتا ہے اور اصل کو بھی ظل کی طرح چھوڑ دیتا ہے اور کمال بلندی اور عدم تمیز کی وجہ سے حیرت و جہل تک پہنچ جاتا ہے تو جو معاملہ کلمۂ طیبہ کے ساتھ وابستہ تھا تکمیل کو پہنچ جاتا ہے اور اس مقام میں اس کلمہ کی تکرار کوئی فائدہ نہیں دیتی، اس مقام میں ترقی، درجات کے فرق کے مطابق نماز اور تلاوتِ قرآن مجید سے ہوتی ہے۔ ہمارے حضرت قدسنا اللہ بسرہ الاقدس سے سُنا گیا ہے کہ اس وقت میں اگر کلمۂ طیبہ کا تکرار اس لحاظ سے کیا جائے کہ یہ بھی قرآن مجید کا لفظ ہے اور ابتدا تعوذ سے (اعوذ باللہ الخ پڑھکر) کی جائے تو قرآن مجید کی تلاوت کا ثمرہ اور اس کا فائدہ دیتا ہے لیکن یہ اس مکتوب کا اخیر ہے ۔اول و آخر میں اللہ تعالیٰ کی حمد ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ہمیشہ ہمیشہ صلوٰۃ وسلام ہو اور آپ کی آلِ کرام و اصحابِ عظام پر اور تمام انبیا والمرسلین وملائکہ وصالحین پر بھی صلوٰۃ وسلام ہو۔

مکتوب ۴۸

۱۵۸

میر محمد خافی کے نام ذکر کے التزام پر ترغیب دینے کے بارے میں تحریر فرمایا۔

میرے مخدوم! مولیٰ جل وعلا (اللہ تعالیٰ) کی نظر کا مقام دل ہے، دل کو پاکیزہ رکھنا چاہئے اور حق تعالیٰ شانہٗ کے نظر کے مقام کو مخلوق کے نظر کے مقام سے کم درجہ کا نہیں بنانا چاہئے اور زیب و زینت میں (اُس سے) کم تر نہیں رکھنا چاہئے، دل کی پاکیزگی ذکر سے وابستہ ہے ذکر و فکر پر ہمیشگی کریں، باطن کے سبق کو عزیز جانیں، نیستی کے وصف کے ساتھ اس پاک بارگاہ کی جانب ہمیشہ متوجہ رہنے کو سب سے زیادہ لذیذ نعمتوں میں شمار کریں، اس بلند بارگاہ کی گرفتاری کو عزیمت والے کاموں میں سے تصور کریں ؎

ہر چہ جز عشقِ خدائے احسن ست گر شکر خوردن بود جان کندن ست

[خدائے تعالیٰ کے عشق کے سوا جو کچھ بھی ہے اگرچہ شکر (مٹھائی) کا کھانا ہی کیوں نہ ہو وہ بھی جان لیوا ہے]

والسّلام

مکتوب ۴۹

نیز میر محمد خافی کے نام اس بارے میں تحریر فرمایا کہ فانی لذات کی تکمیل کے امراض کا علاج اللہ تعالیٰ کے اوامر و نواہی کی تعمیل کی دوا میں ہے۔

اللہ سبحانہ و تعالیٰ آپ کو دونوں جہان کے مقاصد کے حصول کے ساتھ سربلند رکھے، فانی لذتوں اور آسائشوں کا علاج احکامِ شرعیہ کے بجالانے اور اللہ تعالیٰ کے اوامر و نواہی کی تعمیل پر موقوف ہے، اگر یہ تعمیل ارشاد اور فرمانبرداری درمیان میں نہ ہو تو وہ لذتیں مفسد و ناپسندیدہ ہیں اور اُن کا نتیجہ ناراضگی و عقوبات ہے۔ حقیقی کامیابی لذات کی تکمیل کے حتی الامکان ترک کرنے میں ہے اور جو شخص کہ (ان کا) ارتکاب کرتا ہے اور اُن کا علاج بھی کرتا رہتا ہے وہ بھی ان کی مضرت سے محفوظ ہے پس اُس شخص پر افسوس ہے جو ان لذتوں کا مرتکب ہے اور ان کی حلاوت پر فریفتہ ہے اور اوامر و نواہی کی تلخی سے اُن کا علاج نہیں کرتا اور حقیر چیزوں میں منہمک ہے اور اپنے آپ کو سربلند نہیں کرتا پس اُس پر حسرت ہے کہ اللہ تعالیٰ کی حدود سے تجاوز کیا اور خواہشات کی پیروی کی اور دنیاوی زندگی کو ترجیح دی اور خیر و ابقیٰ (یعنی آخرت) سے رُوگردانی کی، کیا وہ نہیں جانتا کہ اللہ تعالیٰ اس کو دیکھ رہا ہے اور بیشک آخرت متقیوں کے لئے ہے پس جب بہت بڑی ہلاکت (قیامت) آئے گی اس روز انسان اپنی کوشش و کمائی کو یاد کرے گا اور اس شخص کے لئے خوشخبری ہے جس نے اپنے رب کی طرف عروج کیا اور مخلوق کی طرف متوجہ نہیں ہوا اور اپنی دونوں آنکھوں کو دنیاوی زندگی کی رونق پر نہیں لگایا اور اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرا اور نفس کو خواہشات سے روکا اور اپنے اہل و عیال کو نماز کا امر کیا اور ان سب امور پر قائم رہا پس اس کے لئے خوشخبری اور بشارت ہے، اور اُس شخص پر سلام ہو جس نے ہدایت کی پیروی کی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت اختیار کی۔

۱۵۹

مکتوب ۵۰

شیخ اسد اللہ افغان کے نام اُن سوالوں کے جواب میں تحریر فرمایا جو انھوں نے تحریر کئے تھے۔

اول یہ کہ توحید کو دوام حاصل ہے یا نہیں، دوئم یہ کہ سیرِ انفسی حاصل ہونے کے بعد سیرِ آفاقی کے لئے ریاضت کرے یا نہ کرے، سوئم یہ کہ خوارق افضل ہیں یا معارف، چہارم یہ کہ فنافی الشیخ ہوئے بغیر فنافی اللہ

ہونا ممکن ہے یا نہیں، پنجم یہ کہ طالبین کے لئے یہ جو مقرر ہے کہ ہر گھڑی نئی منزل ہونی چاہئے یہ باطنی محبت کے باعث ہے یا ظاہری طاعات کے باعث، یا کشوف کے یا فنا و بقا کے بارے میں ہے اگر آخری بات مراد ہے تو فانی کی ترقی کس معنی سے ہے، ششم یہ کہ جب مرید کی حالت اس درجہ کی ہو جائے کہ جب وہ چاہے مرشد کی صورت ظاہر ہو جائے تو کیا اس کو لازم ہے کہ حضور میں آئے یا نہیں، ہفتم یہ کہ جب سالک کا وقت خلوت اور انجمن میں یکساں ہو جائے تو وہ خلوت میں بیٹھے یا نہیں، ہشتم یہ کہ ارواح کا شہود (مشاہدہ ہونا) مراقبہ میں بہتر ہے یا معائنہ میں۔

الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ: برادرِ عزیز شیخ اسد اللہ کے مکتوب نے پہنچ کر مسرور کیا (اس میں) چند سوالات درج تھے اُن کے حل میں (اپنی) فہم قاصر کے مطابق لکھتا ہوں غور سے سنیں:۔

آپ نے پوچھا تھا کہ "مسعود بیگ فرماتے ہیں ؎

رفت از مسعود بک جملہ صفاتِ بشر　　　او کہ ہمہ ذات بود باز ہماں ذات شد

(مسعود بیگ سے تمام بشری صفات دور ہو گئیں وہ جو کہ ذات تھا پھر وہی ذات ہو گیا) جس شخص کو یہ حالت پیش آ جائے تو کیا وہ ہمیشہ اسی میں رہتا ہے یا کبھی کبھی (ایسا) ہوتا ہے؟ — جان لیں کہ بعض طالبین کو (یہ کیفیت) کبھی کبھی حاصل ہوتی ہے اور بعض کے لئے یہ حالت دائمی ہے، کامل اہل اللہ کے نزدیک معتبر وہی حالت ہے جو کہ دائمی ہو خواہ یہ حالت ہو یا کوئی اور حالت ہو، اور جو دائمی نہیں ہے وہ کچھ زیادہ معتبر نہیں ہے مگر یہ کہ اُس حالت سے ترقی حاصل ہو جائے اور زیادہ اوپر چلا جائے۔ جاننا چاہئے کہ اس حالت کا منشا (جائے پیدائش) سُکر کا غلبہ اور محبت کی زیادتی جس نے سالک کی بصیرت کی آنکھ سے تمیز کو اُٹھا دیا اور ممکن کو عین واجب تعالیٰ بنا دیا ہے، یہ معاملہ سالک کے شہود (مشاہدہ) میں ہے اور بس، حقیقت کا بدل جانا محال ہے ؎

تو او نشوی ولیک گر جہد کنی　　　جائے برسی کز تو توئی برخیزد

(تو وہ تو نہیں ہو جائے گا، لیکن اگر تو کوشش کرے تو ایسے مقام پر پہنچ جائے گا کہ تجھ سے تیرا ہونا جاتا رہے گا) اس راستہ میں توحیدِ شہودی درکار ہے توحیدِ وجودی کچھ درکار نہیں ہے، چاہئے کہ سالک کا مشہود و معلوم و مطلوب ذاتِ احدیت تعالیٰ کے سوا کچھ نہ ہو تا کہ فنا ظاہر ہو جائے وبعدہ ونہ خرط القتاد (اور اس کے علاوہ سب بیکار ہے)

اور دوسری بات آپ نے یہ پوچھی تھی کہ جس شخص کو سیرِ آفاقی کے بغیر سیرِ انفسی حاصل ہو جائے وہ سیرِ آفاقی کے لئے محنت کرے یا نہ کرے؟ — آپ جان لیں کہ سیرِ انفسی کے کمال کو مطلوب تک پہنچنا قرار دیتے ہیں اور سیرِ آفاقی کو مطالب (مقاصد) میں سے شمار نہیں کرتے پس جو شخص کہ مطلوب سے واصل ہو گیا غیر مطلوب کے لئے محنت کیوں کرے اور منزل پر پہنچنے کے بعد راستہ کی ہوس کیوں کرے۔ یا ہم یہ کہتے ہیں کہ

جس شخص کا جذبہ اس کے سلوک پر مقدم ہے اس کو سلوک جذبہ کے ضمن میں حاصل ہو جاتا ہے اور سیر آفاقی سیرِ انفسی کے ضمن میں میسر ہو جاتی ہے کیونکہ جذبہ کو سیرِ انفسی سے تعبیر کیا جاتا ہے اور سلوک سے مراد سیرِ آفاقی ہے۔

نیز آپ نے پوچھا تھا کہ "خوارق افضل ہیں یا معارف اور اگر معارف افضل ہیں تو تمام فاسق و فاجر معارف کہتے اور بیان کرتے ہیں اور خوارق اس قسم سے نہیں ہے" ۔ آپ جان لیں کہ اللہ تعالیٰ کے معارف خوارقِ عادات اور مخلوقات میں سے غائب چیزوں کے کشف سے افضل ہیں کیونکہ معارف واجب تعالیٰ و تقدس (اللہ تعالیٰ) کی ذات و صفات کے اسرار کا کشف ہے اور خوارق مخلوقات کے حالات کا کشف ہے، پس جیسا کہ خالق و مخلوق میں فرق ہے معارف و خوارق میں بھی ویسا ہی فرق تصور کرنا چاہئے کیونکہ پہلے (معارف) کا تعلق خالق تعالیٰ شانہٗ کے ساتھ ہے اور دوسرے (خوارق) کا تعلق مخلوق کے ساتھ ہے اور نیز صحیح معارف ایمان کے کمال میں داخل اور اس کی زیادتی کا سبب ہیں اور خوارق ایسے نہیں ہیں اور کوئی انسانی کمال اُن سے وابستہ نہیں ہے صرف اتنا ہے کہ بعض کاملین کو حاصل ہوتے ہیں اور نیز اہل اللہ میں ایک کو دوسرے پر فضیلت معارفِ الٰہی جل سلطانہ کی وجہ سے اور ذات و صفاتِ تعالیٰ و تقدس کے اسرار منکشف ہونے کے ساتھ ہے نہ کہ کشف و کرامات کے ساتھ، اگر خوارقِ عادات معارفِ الٰہی سے افضل ہوتے تو جوگیوں اور برہمنوں کو جو کہ ریاضتوں کے ذریعہ سے خوارق کا اظہار کرتے ہیں (ان) کامل اہل اللہ سے افضل ہونا چاہئے جو کہ معارف میں مضبوط قدم رکھتے ہیں اور خوارق کے اظہار کی طرف التفات نہیں فرماتے اور خالق تعالیٰ و تقدس کی جانب توجہ رکھنے کے باوجود مخلوق کے احوال کے کشف کی طرف توجہ کرنے میں اپنا تنزل سمجھتے ہیں۔ آپ نے عجیب عامیانہ سوال کیا ہے، خوارقِ عادات کمال قربِ الٰہی کی کچھ بھی دلیل نہیں ہیں کیونکہ اہلِ باطل کو بھی حاصل ہیں، اُن کا مدار بھوکا رہنے اور ریاضت پر ہے قرب و معرفت کے ساتھ ان کا کچھ بھی تعلق نہیں ہے۔ اور کشف و کرامات کا طالب ماسوا کا طالب اور اس کا گرفتار قرب و معرفت سے بے نصیب ہے ؎

ط ۱۶۱

زابلیسِ لعینِ بے سعادت	شود پیدا ہزاراں خرقِ عادت
گہے از در در آید گاہ از بام	گہے در دل نشیند گہ در اندام
رہا کن تُرہات و شطح و طامات	خیالِ نُور و اسبابِ کرامات
کراماتِ تو اندر حق پرستی است	جز ایں کبر و ریا و عجب و ہستی است

طور

[بدا طوار لعین ابلیس سے ہزاروں خرقِ عادت ظاہر ہوتی ہیں، کبھی وہ دروازے سے داخل ہوتا ہے کبھی چھت سے، کبھی وہ دل میں بیٹھتا ہے اور کبھی جسم میں، یلغویات، خلافِ شرع کلمات، شیخی کی باتیں، نُور کے خیالات اور کرامات کے اسباب ترک کر دے، تیری کرامات حق پرستی میں ہیں، اس کے ماسوا تکبر و ریا و عُجب اور خود مختاری ہے]

یعنی مرتبۂ انسانی کا کمال فنا و نیستی میں ہے اور طاعت و عبادت اور سلوک و ریاضت سے غرض دراصل یہ ہے کہ سالک اپنی ذات کے عدم ہونے پر دانا و بینا ہو جائے اور جان لے کہ ہستی اور اس کے متعلقات اصالت کے طور پر مرتبۂ وجوب تعالیٰ و تقدس کا خاصہ ہے اور جب وہ (سالک) چاہتا ہے کہ کرامت و خرق عادت کا اظہار کرے اور عوام کو اپنا معتقد بنائے اور اپنے آپ کو اس کے ذریعہ تمام مخلوق پر ممتاز کرے تو لازماً یہ (اس کے لئے) تکبر و عجب و ہستی کا موجب ہوگا اور وہ شخص عبادت و سلوک و ریاضت کے فائدے سے بے بہرہ و محروم ہو جائے گا اور (یہ بات) راہِ معرفت کے لئے رکاوٹ ہو گی، نعوذ باللہ سبحانہ من ذالک (ہم اس سے اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتے ہیں)۔

سلطانِ وقت شیخ ابو سعید ابوالخیر (قدس سرہٗ) سے لوگوں نے کہا کہ فلاں شخص پانی کے اوپر چلتا ہے؟ آپ نے فرمایا آسان بات ہے ایک پرندہ اور ایک چڑیا بھی پانی پر چلتی ہے۔ لوگوں نے کہا کہ فلاں شخص ہوا میں اُڑتا ہے، آپ نے فرمایا ایک چیل اور ایک مکھی بھی ہوا میں اُڑتی ہے، لوگوں نے کہا فلاں شخص ایک لحظہ میں ایک شہر سے دوسرے شہر میں پہنچ جاتا ہے آپ نے کہا شیطان بھی ایک سانس میں مشرق سے مغرب تک چلا جاتا ہے اس قسم کی چیزوں کی کچھ زیادہ وقعت نہیں ہے، مرد وہ ہے جو کہ مخلوق کے درمیان بیٹھے، لین دین کرے، شادی کرے، خلقت کے ساتھ مل جل کر رہے اور ایک لحظہ (بھی) اللہ تعالیٰ عزوجل سے غافل نہ ہو۔

نفحات الانس

حضرت شیخ الشیوخ (شہاب الدین سہروردی قدس سرہٗ) عوارف میں خوارق و کرامات کے ذکر کے بعد فرماتے ہیں کہ ان سب خوارق و کرامات کا مرتبہ قلب کو ذکر کے ساتھ آراستہ کرنے اور ذکرِ ذات کے وجود کے مرتبہ سے بہت نیچے ہے۔ شیخ الاسلام ہروی قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ اہلِ معرفت کی فراست یہ ہے کہ اُن لوگوں کو جو حق سبحانہ و تعالیٰ کی بارگاہ کے اہل ہیں اُن لوگوں سے جو اس کے اہل نہیں ہیں تمیز کریں اور اُن اہلِ استعداد کو پہچانیں جو حضرتِ حق سبحانہ و تعالیٰ کی بارگاہ میں مشغول رہتے ہیں اور مقامِ جمع میں پہنچ چکے ہیں اور ریاضت، بھوکا رہنے، خلوت اور تصفیۂ باطن والے ایسے لوگوں کی فراست جو کہ مرتبۂ ولایت کو نہیں پہنچے ہیں صورتوں کا کشف اور غائب چیزوں کی خبر دینا ہے ان کا کشف اور خبر دینا مخلوقات کے ساتھ خاص ہے کیونکہ یہ جماعت حق سبحانہ و تعالیٰ کی بارگاہ سے محروم ہے، اور اہلِ معرفت کی مشغولیت چونکہ واردات الٰہی جل و علا کے معارف کے ساتھ ہے اس لئے ان کا خبر دینا بھی اسی بارگاہ سے متعلق ہے اور اکثر اہلِ علم چونکہ اُس مقدس بارگاہ سے بیگانہ ہیں اور ان کے دل دنیا کی طرف مائل ہیں (اس لئے) صورتوں کا کشف ہونا اور غائب و پوشیدہ چیزوں کی خبر دینا ان کے نزدیک بہت بڑی بات ہے اور اس (صورتوں کے کشف) کے اہل کو اہل اللہ جانتے ہیں اور حق جل شانہ کے مقربین میں شمار کرتے ہیں اور اہلِ حقیقت کے کشف سے روگردانی

۱۶۲

کرتے ہیں اور حق تعالیٰ شانہٗ کے متعلق جو کچھ یہ (بزرگ) خبر دیتے ہیں اس کا یقین نہیں کرتے اور کہتے ہیں کہ اگر یہ اہلِ حق ہیں تو مخلوقات کے احوال کی خبر کیوں نہیں دیتے اور جبکہ یہ لوگ مخلوقات کے احوال کے کشف پر قادر نہیں ہیں تو اُن امور کے کشف پر جو اِن سے برتر ہیں کس طرح قادر ہوں گے اور کیونکر اہلِ معرفت میں سے ہوں گے اور (وہ لوگ) اس فاسد قیاس کے ساتھ اہل اللہ کو جھٹلاتے ہیں، وہ نہیں جانتے کہ حق سبحانہٗ وتعالیٰ جو اہتمام و غیرت ان حضرات کے بارے میں رکھتا ہے (اس کی وجہ سے) اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ یہ حضرات مخلوق کے حالات کے درپے اور ان میں مشغول ہوں اور غیر اللہ کی طرف متوجہ ہوں اور اگر وہ گروہ مخلوق کے احوال کے درپے ہوں تو وہ اس بلند مرتبہ کے لائق نہیں ہوں گے پس اہلِ حق مخلوق (سے وابستگی) کے لائق نہیں ہیں جیسا کہ اہلِ خلق حق تعالیٰ (سے وابستگی) کے لائق نہیں ہیں، اگر اہلِ حقیقت صورتوں کے کشف کی طرف ادنیٰ سی توجہ بھی کریں تو دوسروں سے زیادہ بہتر حاصل کر لیں، اور چونکہ حق سبحانہ وتعالیٰ کے نزدیک اہلِ صفا و ریاضت کی فراست کچھ وقعت نہیں رکھتی اسی لئے مسلمان و یہود و نصاریٰ اور تمام جماعتیں اس میں شرکت رکھتی ہیں اور (یہ چیزیں) اہل اللہ کے ساتھ خصوصیت نہیں رکھتیں۔ یہاں تک شیخ الاسلام کے کلام کا خلاصہ ہے۔

ہاں بعض اولیاء اللہ کو بعض حکمتوں اور مصلحتوں کی بنا پر خوارق کے اظہار کا حکم کرتے اور اجازت دیتے ہیں، تعجب ہزار تعجب کہ آپ نے خوارق کی معارف کے ساتھ کیا نسبت تصور کی ہے کہ اس قسم کے ساقط (گھٹیا) سوال کی جرأت کی ہے جن معارفِ الٰہی کو ان کی اہلیت نہ رکھنے والے بیان کرتے ہیں ان سے معارف کی شان میں کوئی کمی نہیں آتی اور اس پر حجت درست ہو جاتی ہے، اس کی مثال ایسی ہے کہ قیمتی موتی خسیس کناس (کمینہ خاکروب) کے ہاتھ لگ جائے تو اس موتی کی جوہریت و نفاست میں کوئی نقص نہیں آتا پس وہ اشکال بھی دُور ہو گیا جو آپ نے لکھا تھا کہ معارف کو فاسق و فاجر بھی بیان کرتے ہیں اور خوارق کا معاملہ ایسا نہیں ہے۔ یا ہم یہ کہتے ہیں کہ یہ مقدمہ مشترک الالزام ہے (یعنی معارف و خوارق دونوں پر لازم آتا ہے) خوارق میں بھی اہلِ حق و اہلِ باطل دونوں شریک ہیں پس آپ کا یہ کہنا کہ خوارق اس قسم سے نہیں ہیں درست نہیں ہے، اور نیز میں کہتا ہوں کہ گفتگو معارف و اسرارِ الٰہی کے کشف کے بارے میں ہے کہ اہل اللہ جس کے ساتھ ممتاز ہیں اگر کوئی بطال (جھوٹا مدعی) تقلید کی بنا پر معارف بیان کرے نہ کہ کشف و حال کی بنا پر تو وہ بحث سے خارج ہے اور اگر یہ کہیں کہ بہت سے بطال (جھوٹے مدعی) معارفِ الٰہی میں کشف و حال کا دعویٰ کرتے ہیں اور توحید و احاطہ و سریان ذاتی (ذات کا سرایت کر جانا) بذریعہ کشف بیان کرتے ہیں تو ہم جواب میں کہتے ہیں کہ ان کے دعویٰ کو تسلیم کرنے کی صورت میں کہ یہ معارف جن کو

۱۶۳

یہ جھوٹے لوگ بیان کرتے ہیں معارفِ الٰہی کہاں سے ہوں گے اور اس توحید و سریان و احاطہ میں ان کا شہود حق تعالیٰ کی ذات اور اس کی شیونِ ذاتیہ کیسے ہوں گی، شیطان کے مکر و فریب ہمارے اور تمہارے احاطہ سے باہر ہیں کوئی شخص کیا جانے کہ وہ (شیطان) کن راستوں سے اپنے ماننے والوں کے پاس آتا ہے اور باطل چیزوں کو حقانیت کے عنوان سے دکھاتا ہے اور غیر حق کو حق جتلاتا ہے اور اس (غیر حق) کے احاطہ و سریان کو حق کا احاطہ و سریان سمجھاتا ہے، تعالی اللہ عن ذلک علوا کبیرا [اللہ تعالیٰ کی شان ان (باتوں) سے بہت بلند اور برتر ہے) غیب الغیب کے راستہ میں ذرات میں سے ہر ذرہ انا الحق (میں خدا ہوں) کی آواز لگاتا ہے اور اس (راستہ کا) ہر خس و خاشاک اپنی عبادت کی طرف بلاتا ہے بدنصیبی ہے اگر رحمتِ (الٰہی) دستگیری نہ فرمائے اور ان مہلک گرداںوں سے باہر نہ نکالے۔ ہمارے حضرت عالی قدسنا اللہ سبحانہ بسرہ الاقدس نے لکھا ہے کہ "بہت دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ سالک پر عالمِ ارواح کا انکشاف ہوتا ہے اور وہ اس کی لطافت و بیچونی کی وجہ سے اس کو ذات حق تعالیٰ جانتا ہے اور اس کے احاطہ و سریان کو جو کہ اجسام کے ساتھ ہے حق تعالیٰ کا احاطہ و سریان دیکھتا ہے اور کثرت کے آئینوں میں اس کے شہود کو کثرت میں وحدت کا شہود تصور کرتا ہے اور اس راہ کے سالکوں کے لئے یہ ایک بڑے مغالطہ کا مقام ہے۔ مشائخ متقدمین میں سے ایک بزرگ نے فرمایا ہے کہ میں نے تیس سال تک روح کو خدا سمجھ کر پرستش کی ہے"۔ اور حضرت (مجدد الف ثانی) قدس سرہ کے مکتوبات قدسی آیات میں آپ نے دیکھا ہوگا کہ مشائخ وقت میں سے ایک بزرگ نے حضرت (مجدد الف ثانی قدس سرہ) کو پیغام بھیجا اور اپنے احوال بیان کئے کہ فنا اور محویت اس حد تک پہنچ گئی ہے کہ اگر میں زمین کی طرف نگاہ کرتا ہوں تو زمین کو نہیں پاتا اور اگر آسمان کی جانب نظر ڈالتا ہوں تو اس کو بھی نہیں پاتا اور اسی طرح عرش و کرسی و بہشت و دوزخ کا بھی وجود نہیں پاتا اور اپنے آپ کو بھی نہیں پاتا ہوں اور جس شخص کے پاس جاتا ہوں اس کو بھی نہیں پاتا ہوں اور حق تعالیٰ شانہ کے وجود کی کوئی انتہا نہیں ہے اس کی نہایت کو کسی شخص نے نہیں پایا ہے' الی آخر ما قال۔ اور نیز لکھا تھا کہ میں اس کو کام کی انتہا جانتا ہوں اور مشائخ نے بھی یہیں تک بات کی ہے اگر آپ بھی اس معنی کو نہایت جانتے ہیں تو بہتر ہے اور اگر اس کے علاوہ کسی دوسری چیز کو نہایت کہتے ہیں تو مجھے اطلاع دیں تاکہ طلب حق کے لئے آپ کے پاس آجاؤں"۔ حضرت عالی قدس سرہ نے اس کے جواب میں لکھا کہ "اس حالت والے (سالک) نے قلب کے چوتھے حصہ کو طے کیا ہے" اور نیز حضرت (قدس سرہ) نے یہ بھی لکھا ہے کہ "اس کی یہ فنا و محویت عنصر ہوا میں ہے جو کہ ذرات میں سے ہر ذرہ کو محیط ہے

اور اس شخص کا مشہود ہوا کے سوا اور کچھ نہیں ہے اور اس نے اسی کو خدائے بے نہایت جان لیا ہو تعالی اللہ عن ذالک [اللہ تعالیٰ اس سے بہت بلند ہے] ۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ یہ توحید کشف و حال کے عنوان سے ظاہر ہوتی ہے اور حقیقت میں کشف و حال نہیں ہوتا بلکہ خیال کے غلبہ سے پیدا ہوتا ہے اور بہت زیادہ غور و فکر کرنے کی وجہ سے یہ معنی قوتِ متخیلہ میں منقش ہو جاتا ہے جیسا کہ ہمارے حضرت قدسنا اللہ بسرہ الاقدس نے توحیدِ شہودی و وجودی کی تحقیق والے مکتوب[1] میں لکھا ہے کہ "توحیدِ وجودی کا منشا (جائے پیدائش) ایک جماعت کے لئے مراقبات کی مشق کی کثرت اور کلمہ طیبہ لا الٰہ الا اللہ کے معنی لا موجود الا اللہ سمجھنا ہے، اس قسم کی توحید کا ظہور حیلہ و غور و فکر اور خیال پکانے کے بعد خیال کے غلبہ کی وجہ سے ہوتا ہے کہ معنیٔ توحید کی کثرتِ مشق سے یہ معرفت قوتِ متخیلہ میں منقش ہو جاتی ہے اور چونکہ اس قسم کی توحید) اس صاحبِ توحید کے بنا لینے سے بنی ہے اس لئے معلول (علت والی) ہے اس توحید والا شخص اربابِ احوال میں سے نہیں ہے کیونکہ اربابِ احوال وہ لوگ ہیں جو اربابِ قلوب ہیں لہٰذا وہ (اس توحید والا شخص) اس وقت میں مقامِ قلب کی کوئی خبر نہیں رکھتا اور یہ توحید علمی ہے اس سے زیادہ کچھ نہیں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ لیکن علم کے بھی بہت سے درجے ہیں ان میں سے بعض کو بعض پر فوقیت ہے الیٰ آخرہ" جبکہ صوفیہ کے طبقہ میں جو کہ اہلِ حق ہیں اس قسم کی غلطیاں رونما ہوتی رہتی ہیں تو پھر باطل لوگوں میں جو کہ شیطانِ لعین کی دام گاہ میں اللہ تعالیٰ جل شانہٗ ہی جانتا ہے کہ کس قسم کے مغالطے ہوتے ہوں گے کہ جن سے وہ ابلیس لعین کی مکاری کے باعث نکلنے کی راہ نہیں رکھتے ۔

آپ نے پوچھا تھا کہ فنا فی الشیخ کے بغیر فنا فی اللہ ہو جاتا ہے یا نہیں؟ جان لیں کہ شیخ فیوض کا واسطہ ہے جب تک واسطہ درست نہ ہوگا مطلب تک کس طرح راستہ پائے گا پس فنا فی الشیخ کے بغیر فنا فی اللہ حاصل ہونا مشکل ہے اور مرید کو چاہئے کہ اپنے ارادے کو اپنے شیخ کے ارادہ کے تابع کر دے اور اپنے آپ کو پوری طرح اس کے سپرد کر دے اور اس کی صحبت میں کالمیت بین یدی الغسال ہو جائے ۔ [ایسا ہو جائے جیسا کہ میت نہلانے والے کے ہاتھ میں ہوتی ہے] اور یہ معنی تمام طریقوں میں درکار ہے، خاص طور پر ہمارے طریقہ میں کیونکہ اس طریقۂ عالیہ میں افادہ و استفادہ انعکاسی ہے اور صحبت پر موقوف ہے پس شیخ مقتدا کے ساتھ مناسبت کے اسباب جس قدر زیادہ رکھتا ہوگا صحبت کی تاثیر اسی قدر زیادہ ہوگی اور فیض اخذ کرنے کا راستہ اسی قدر کشادہ ہوگا، ہاں اگر کوئی شخص اویسی ہو ظاہری پیر کا محتاج نہ ہو اور صرف عنایتِ (الٰہی) اس کے حال کی کفالت کرنے والی ہو تو ہو سکتا ہے کہ فنا فی الشیخ کے بغیر

[1] مکتوب ۲۹۱ دفتر اول کا ابتدائی حصہ ۔

اس کو فنا فی اللہ حاصل ہوجائے۔

آپ نے پوچھا تھا کہ مطالبانِ حق جل وعلا کہتے ہیں کہ ایک منزل اور ایک مقام میں نہیں رہنا چاہئے ہر گھڑی اور ہر لحظہ نئی منزل ہونی چاہئے پس یہ باطن کی محبت کے بارے میں ہے یا ظاہری طاعت یا کشوف یا فنا و بقا کے متعلق ہے، اگر فنا و بقا کے بارے میں ہے تو جو چیز کہ فانی ہوگئی اس کی ترقی کس معنی میں ہے ؟"

۱۶۵ (اس کے جواب میں) ہم کہتے ہیں کہ یہ منازل و مقامات کمالاتِ اسمائے الٰہی جل شانہ میں اور ان کمالات کے ساتھ بقا حاصل کرنے میں ہیں۔ جب سالکِ رشید بشری کدورتوں سے باطن کے آئینے کی صفائی کرتا ہے اور ماسوی اللہ سے سرّ (باطن) کا تخلیہ کرتا ہے جو کہ فنا کا حاصل (نتیجہ) ہے تو اس کے لئے مستعد ہوجاتا ہے کہ اسمائے الٰہی اس میں جلوہ گر ہوں اور وہ ایک ایک اسم کے ساتھ بقا و تحقق پیدا کرلے، پس ماسوی اللہ سے فنا حاصل ہونا بقا میں ترقی کا معاون ہے اور اسما کے ساتھ تحقق اس کے منافی نہیں ہے کیونکہ یہ ثابت ہے کہ بقا فنا کے بعد رونما ہوتی ہے، بزرگوں نے کہا ہے کہ کمالاتِ محبوب کی انتہا نہیں ہے محبوب ہر گھڑی محبت کرنے والے کے آئینہ میں کسی ایک کمال کے ساتھ جلوہ گر ہے اور ہمیشہ ترقی کی راہ اس پر کھلی ہوئی ہے اور اگر وہ ایک تجلی میں رک جائے تو ترقی کا راستہ مسدود ہوجائے اور اسی معنی میں مسعود بیگ نے کہا ہے ؎

بیزارم ازاں کہنہ خدائے کہ تو داری ہر لحظہ مرا تازہ خدائے دگرے ہست

ئیاں [میں اس پرانے خدا سے بیزار ہوں جو کہ تو رکھتا ہے میرے لئے ہر لحظہ ایک اور تازہ خدا ہے] اور نیز اسی اعتبار سے بزرگوں نے کہا ہے کہ وصول کی منزلیں ابدالآباد تک منقطع نہیں ہوتیں ؎

نہ حسنش غایتے دارد نہ سعدی را سخن پایاں بمیرد تشنہ مستسقی و دریا ہمچناں باقی

[نہ اس کے حسن کی کوئی انتہا ہے اور نہ ہی سعدی کے کلام کی کوئی حد ہے استسقا والا پیاسا مر جاتا ہے اور دریا اسی طرح باقی رہتا ہے]۔ اور اس سیر کو سیر معشوق در عاشق (معشوق کی سیر عاشق میں) کہتے ہیں۔ بزرگوں نے کہا ہے کہ عاشق اس مقام میں سیر سے سیر ہوچکا (جی بھر چکا) ہے ؎

آئینہ صورت از سفر دور است کاں پذیرائے صورت از نور است

[عاشق آئینے کی طرح سفر سے دور ہے (یعنی سفر کا محتاج نہیں ہے) کہ وہ صورت کو نور کی وجہ سے قبول کرتا ہے] اور یہ جواب قوم (صوفیا) کی اصطلاح پر ہے اور ہمارے حضرت عالی (مجدد الف ثانی قدس سرہٗ) کا اس مقام میں (ان سب سے) الگ قول ہے جو کہ ان کے مکتوبات و رسائل سے واضح و روشن ہے۔

آپ نے پوچھا تھا کہ "جب کسی شخص کو مرشد کی صورت اسقدر غالب آجائے کہ جب بھی وہ توجہ کرے اس کو حاضر پائے، اس شخص کو مرشد کی خدمت میں حاضر ہونا ضروری ہے یا نہیں" میرے مخدوم! جب مرید کو

پیر کی صورت ہر وقت مستحضر ہے تو اس کو نسبتِ رابطہ کہتے ہیں اور ہمارے بزرگوں نے اسی نسبت کی طرف اشارہ کیا ہے جیسا کہ انھوں نے فرمایا ہے ع

سایۂ رہبر بہ است از ذکرِ حق [رہبر کا سایہ حق تعالیٰ کے ذکر سے بہتر ہے]

یعنی یہ نسبت جو کہ پیر کی صورت کو مستحضر رکھتا ہے مرید کو ذکر سے زیادہ نفع دینے والی ہے اور اس معنی کا غلبہ و دوام مرید کے لئے بہت بڑی نعمت ہے گویا وہ ہر وقت حضور میں ہے اور پیر سے بسہولت فیض اخذ کرتا ہے اور نیز اس کا حاصل ہونا پیر کے ساتھ مناسبتِ کاملہ کی خبر دیتا ہے اس کے باوجود پیر کی خدمت میں حاضر ہونا ایک اور ہی اثر رکھتا ہے اور دوسرے فائدے بخشتا ہے، صاحبِ رابطہ مرید کو جو کہ کمال کی حد کو نہیں پہنچا ہے پیر کی خدمت میں حاضر ہونا لازم اور ضروری ہے اور اس کو صحبت سے چارہ و مفر نہیں ہے اس کا صورت (تصور) اور رابطہ پر اکتفا کرنا غلطی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب صحبت اور حاضری کی بدولت اصحاب ہوئے ہیں اور بلند درجات پر پہنچے ہیں، اویس قرنیؒ تے اگرچہ معنوی مناسبت کی راہ سے، آنحضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے باطن سے فیوض حاصل کئے ہیں لیکن چونکہ وہ صحبت کے شرف سے مشرف نہیں ہوئے صحابۂ کرام (رضی اللہ عنہم) کے درجے سے نیچے رہے اور تابعین کے گروہ میں داخل ہوئے، پیر کی صورت حقیقت میں عین پیر نہیں ہے اور پیر سے بے نیاز نہیں کرتی، پیر میں وہ چیزیں ہیں جو کہ اس کی صورت میں نہیں ہیں، کسی نے خوب کہا ہے ؎

گر مصور صورتِ آں دلستاں خواہد کشید حیرتے دارم کہ نازش راچہ ساں خواہد کشید

[اگر مصور اس دلربا (محبوب) کی تصویر کھینچے گا تو میں حیرت میں ہوں کہ اس کے ناز کو وہ کس طرح (تصویر میں) کھینچ سکے گا]

آپ نے پوچھا تھا کہ "اگر کسی شخص پر وقت استغراق غالب آگیا ہے کہ مجلس اور تنہائی اس کے لئے یکساں ہوگئی ہے تو اس کو خلوت اختیار کرنا اور گوشہ نشین ہونا ضروری ہے یا نہیں" میرے مخدوم! وقت و حال حاصل کرنے کے لئے گوشہ نشین ہونا ضروری نہیں ہے لیکن خلوت (تنہائی) میں بہت سے فائدے ہیں مثلاً طاعات واذکار کی پابندی سے ظاہر کو باطن کے ساتھ جمع کرنا اور فضول کاموں کو کم کرنا وغیرہ جیسا کہ مخلوق کے ساتھ میل جول رکھنے میں مخلوق کی گزند کے ذریعے ظاہری غفلت، فضول کلام کا ارتکاب اور نامحرموں پر نظر پڑنا وغیرہ بہت سے نقصانات ہیں، پس ان فوائد کو حاصل کرنے اور نقصانات کو دور کرنے کے لحاظ سے مخلوق سے کنارہ کشی اختیار کرنا مستحسن اور ضروری ہے بشرطیکہ مخلوق کے حقوق تلف نہ ہوں اور ادا ہو جائیں اَلْعُزْلَۃُ مُنْیَۃُ الصِّدِّیْقِیْنَ [گوشہ نشینی صدیقین کی آرزو ہے] آپ نے سنا ہوگا۔ اور نیز اس قسم کا کوئی آدمی اگر ایک وقت و حال سے دوسرے وقت و حال کی طرف ترقی

حاصل کرنے کے لئے بلکہ حال سے حال کو بدلنے والے کی طرف ترقی کرنے کے لئے خلوت میں بیٹھے تو گنجائش ہے کیونکہ ایک حال میں رہنا کمال کی بات نہیں ہے۔

آپ نے پوچھا تھا کہ "ارواح کا شہود (نزول و مشاہدہ) اور اُن سے سوال و جواب کرنا مراقبہ میں بہتر ہے یا صریحاً دیکھنا بہتر ہے" میرے مخدوم! صریحاً دیکھنا بہتر ہے اس کے پوچھنے کی ضرورت نہیں ہے لیکن مراقبہ کے بغیر اور آنکھ بند کئے بغیر بھی جو شخص دیکھے گا وہ باطن کی آنکھ سے دیکھے گا نہ کہ سر کی آنکھ سے اگرچہ معتدبہ (معتبر) کمال اس مشہود کے ساتھ وابستہ نہیں ہے۔ والسلام علی من اتبع الھدی والتزم متابعۃ المصطفٰی علیہ و علٰی آلہ واصحابہ الصلوٰت والتسلیمات والبرکات العلیٰ۔

مکتوب ۵۱

محمد مقیم قصوری کے نام فضائلِ ظاہری سے اعراض اور کمالاتِ باطن حاصل کرنے پر ترغیب اور بعض کمالات کے بیان میں تحریر فرمایا۔

بسم اللہ والسلام علی رسول اللہ، فضائل دستگاہ جناب برادرم کا گرامی نامہ موصول ہوا اور مسرور و خوش وقت کیا امید ہے کہ اسی طرح اس دُور افتادہ کو یاد کرتے رہیں گے، آپ نے جو اپنے عربی و فارسی اشعار ارسال کئے تھے ان کا مطالعہ کیا گیا اچھے ہیں اور آپ نے بلند ارادے کئے ہیں، اس برادر گرامی کی اسقدر بزرگی دوستوں کو (ہمیں) معلوم نہیں تھی خدا کرے یہ بزرگی اور زیادہ ہو، قُلْ رَّبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا[1] (کہہ دیجئے کہ اے میرے رب میرا علم زیادہ فرما دیجئے)۔ لیکن عربی کے شعر میں علومِ عربیہ کے قواعد کی رعایت ضروری ہے جب تک ان علوم میں مہارت نہ ہو عربی کے شعر میں الجھنا کیا ضروری ہے۔ میرے مخدوم! شعر اور اس کی مانند کوئی دوسری چیز خواہ جتنی بھی بلند درجہ پر پہنچ جائے صوری (ظاہری) فضائل میں داخل ہے کہ اہلِ معنی کے نزدیک اعتبار کے احاطہ سے ساقط ہے ؎

قومے ز وجودِ خویش فانی   رفتہ ز حروف در معانی

(ایک قوم اپنے وجود سے فانی (ہو گئی) ہے وہ حروف سے معانی کے اندر چلی گئی ہے) کوشش کریں کہ اس معنی سے جس کو کہ سیر معشوق در عاشق سے تعبیر کیا جاتا ہے بلکہ عاشق کا نفی ہو جاتا ہے کلی طور پر حظ حاصل کریں، معنی حاصل ہونے کے بعد حروف کے ساتھ تعلق رکھنا نقصان نہیں پہنچائے گا ع

---

[1] سورۃ ۲۰ آیت ۱۱۴

ہر چہ خوباں کنند خوب آید [جو کچھ حسین کرتے ہیں اچھا ہوتا ہے]

لیکن معنی کے متحقق ہونے سے پہلے صورتوں اور حروف میں رہ جانا بیکار بات ہے (صرف کہنے اور سننے سے کوئی کام نہیں چلتا، ذات و عاجزی کی صفت کے ساتھ ہمیشہ بارگاہ قدس کی طرف متوجہ رہنا درکار ہے اور فنائیت و نیستی کی صفت کے ساتھ جو کہ حقیقت میں کمال بے وصفی او بے رسمی ہے متواتر مراقبہ مطلوب ہے، تاکہ ایسا ہو کہ معنی کی چاشنی کا ایک قطرہ اس کی جان کے حلق میں ٹپکائیں اور اس کو اس سے ابدی سیرابی عطا کردیں اور یہ اُس (اللہ) سبحانہ وتعالیٰ کا کام ہے اور محض عنایت و بخشش ہے جو چیز کہ بظاہر اس کے ساتھ وابستہ ہے وہ ہمیشہ کی عبودیت (بندگی) اور تلاش ہے اور ہمیشہ پیاسا اور بے آرام رہتا ہے اور اس کے علاوہ کسی اور چیز سے محبت نہ کرنا اور اس کے شوق کی آگ میں جلنا اور ہر وقت اس کے ساتھ بیقرار رہنا اور اس سوز کے ساتھ پگھلنا ہے آیۂ کریمہ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ ؕ[۱] [اور میں نے جنوں اور انسانوں کو صرف اپنی عبادت کیلئے پیدا کیا ہے] اس معنی کے لئے شاہد ہے اور بارگاہِ قُدس کے بعض شیدائی لیعبدون سے لیعرفون مراد لیتے ہیں اور غور و فکر کے بعد دونوں عبارتوں کا نتیجہ ایک ہی ہے کیونکہ بہترین عبادت ذکر ہے اور ذکر کا کمال درجہ مذکور میں فنا ہو جانا ہے جو کہ معرفت کا حاصل ہے، کیونکہ اہل اللہ کے نزدیک معرفت سے مراد فنا فی المعروف ہے پس عبادت جب کمال کے درجے کو پہنچ جاتی ہے معرفت کے ساتھ ایک ہو جاتی ہے۔ یا ہم یہ کہتے ہیں کہ لیعبد(ون)، کے معنی یہ ہیں کہ وہ خلوص کے ساتھ میری پرستش کریں کہ خواہشِ نفسانی اور شیطان کو اس میں دخل نہ ہو اور وہ فنا اور معرفت کے بغیر حاصل نہیں ہوتی پس اس تقدیر پر عبادت معرفت کے بغیر تصور نہیں کی جا سکتی، یہ ہے اصل بات، اے بھائی ہمیشہ کی معرفت و عبادت اگرچہ اس شخص کے ساتھ وابستہ ہے (لیکن) جب تو اچھی طرح دیکھے گا (تو معلوم ہو گا کہ) وہ بھی عنایت کے پیش آئے بغیر حاصل نہیں ہو گی پس وسائل و مقاصد میں لطف (مہربانی) کا پیش قدمی کرنا ضروری ہے اور ابتدا و انتہا میں عنایت کی دستگیری ہونی چاہیئے باقی سب ہیچ ہے، اتنا ہے کہ بظاہر لوگوں نے اسباب و وسائل کو اس طرف چھوڑ دیا ہے اور مقاصد و نتائج کو خود سے وابستہ کر لیا ہے اور حقیقت میں سب کچھ اسی کے ساتھ وابستہ ہے اور دوسری کوئی چیز درمیان میں حائل نہیں ہے اِلَیْہِ یُرْجَعُ الْاَمْرُ کُلُّہٗ فَاعْبُدْہُ وَتَوَکَّلْ عَلَیْہِ ؕ[۲] [کام سب کا سب اسی کی طرف لوٹتا ہے پس اسی کی عبادت کر اور اسی پر بھروسہ کر]

۱۶۸

[۱] سورۃ ۵۱ آیت ۵۶ - [۲] سورۃ ۱۱ آیت ۱۲۳

مکتوب ۵۲

ارشاد پناہ میر محمد نعمان قدس سرہ کی خدمت میں آیۂ کریمہ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ اور اس کے ساتھ والی آیۂ کریمہ کی تاویل میں تحریر فرمایا ہے، یہ مکتوب اتفاق سے تکمیل کو نہیں پہنچا۔

حققنا اللّٰہ سبحانہ وایاکم بکمال الانقطاع الخ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ ہم کو اور آپ کو اپنے ماسوا سے کمالِ انقطاع و بے تعلقی کے ساتھ متحقق و مشرف کرے اس طرح پر کہ باطن کی آنکھ میں نہ اس کا عین باقی رہے اور نہ اثر باقی رہے تاکہ کامل انقطاع حاصل ہو جائے جس کی طرف اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں اشارہ کیا گیا ہے وَتَبَتَّلْ اِلَیْهِ تَبْتِیْلًا[۱] [اور اس کی طرف پوری طرح انقطاع کرلے] یعنی اپنے نفس اور تمام لطائف عالمِ امر و عالمِ خلق سے اور کمالاتِ وجودیہ سے جو کہ ان (لطائف عشرہ) کی طرف راجع ہیں کامل انقطاع کرلے اور تقویٰ کی حقیقت یہی انقطاع و بے تعلقی ہے اور اللہ تعالیٰ کے قول یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ الآیہ میں اس چیز کی طرف اشارہ ہے جس کا ہم نے ذکر کیا ہے یعنی اے صورۃً (ظاہری طور پر) ایمان لانے والو! ماسوی اللہ سے قطع تعلق کرو اور اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی طرف خلوت اختیار کرو اور حضرت ذات مطلق کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے موانع و قیود سے پوری طرح قطع تعلق کرلو جیسا کہ قطع تعلق کرنے اور ہٹ جانے کا حق ہے اس طرح پر کہ تمہاری ذوات اور تمہاری طرف لوٹ آنے والے کمالات کا کچھ بھی اثر باقی نہ رہے اور تمہاری فنائیت تمام لطائفِ عالمِ خلق و امر میں سرایت کرجائے اور تم اس موت کے ساتھ ہرگز نہ مرو جو کہ موت سے قبل ہے (یعنی فنائیت) مگر اس حال میں کہ تم مسلمان ہو، یعنی ہمیشہ تمام احوال میں اسلام حقیقی سے مشرف ہو چکے ہو کہ (جملہ وانتم مسلمون کا) اسمیہ ہونا دوام و استمرار پر دلالت کرتا ہے۔ پس اس آیۂ کریمہ میں دائمی موت و فنا پر ترغیب ہے تاکہ اس پر جو اسلام و بقا مرتب ہو وہ بھی دائمی ہو بخلاف صاحبِ تجلّیِ برقی کے کہ وہ دائمی موت (دائمی فنا) سے نہیں مرا ہے تاکہ یہ تجلی بھی اس کے حق میں دائمی ہو جاتی، اور یہ جان لینا چاہئے کہ تجلیِ برقی کسی چیز میں خالص تجلی ذاتی سے نہیں ہے اور بلاشبہ وہ تجلی ذاتی شانِ الٰہی کے ملاحظہ کے ساتھ ہے جو کہ جلدی پوشیدہ ہو جانے والی ہے اور ذات جب جلوہ افروز ہے تو اس کے لئے پوشیدگی نہیں ہے اور تم سب کے سب اللہ تعالیٰ کی رسی کو مضبوط پکڑو یعنی حقیقتِ جامعہ کلیہ (کو مضبوط پکڑو) جس کو حقیقتِ محمدیہ سے تعبیر

۱۶۹

---

[۱] سورۃ ۳ آیہ ۱۰۲ ۔ [۲] سورۃ ۷۳ آیۃ ۸۔

کیا جاتا ہے تاکہ اس رسی کو مضبوط پکڑنا حضرتِ ذاتِ مطلق (اللہ تعالیٰ) کی بارگاہ میں پہنچنے کا ذریعہ ہو جائے اور اسماء و اعیانِ جزئیہ کے متفرق (مختلف) ہونے کے ساتھ تم متفرق نہ ہو جاؤ، پس بیشک اسمائے جزئیہ اور طرقِ متفرقہ جبتک حضرتِ اجمال تک منتہی نہیں ہوں گے اُس وقت تک تم بارگاہِ ذاتِ مطلق تک نہیں پہنچو گے اور تم اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کی نعمت کو یاد کرو بعد اس کے کہ اس نے تم کو حقیقتِ جامعہ میں جمع کیا جبکہ تم اسمائے کے متفرق ہونے کے ساتھ (ایک دوسرے کے) دشمن تھے کیونکہ ان کے بعض کا مقتضیٰ دوسرے بعض کے مقتضیٰ سے ٹکراتا تھا پس اس نے تمہارے دلوں میں الفت ڈال دی اس طرح پر کہ تم کو ایک ہی حقیقتِ جامعہ میں جمع کر دیا اور تم کو ایک قلبِ واحد یعنی قلبِ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم پر کر دیا پس تم اس کی نعمت سے بھائی بھائی ہو گئے جو کہ ایک ہی حقیقت (حقیقتِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم) سے پیدا ہوئے ہیں اور اسی سے فیوض لینے والے ہیں جیسا کہ سب بھائی ماں سے اخذ کرتے ہیں۔

مکتوب ۵۳

حقائق و معارف پناہ خواجہ محمد ہاشم کشمی کے نام　　اُن کے بعض کمالات کے بیان میں اور اپنے مخصوص اسرار میں سے کسی سِر کی طرف اشارہ کے بیان میں تحریر فرمایا۔

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی سید المرسلین محمد وآلہ اجمعین، ہم امیدوار ہیں کہ وہ برادرِ گرامی دلائل کی اقسام سے رہائی حاصل کر کے مدلولِ حقیقی کے ساتھ مل جائیں اور جزئی سے کلی کے ساتھ اور وہاں سے اوپر کے مقام تک ملحق ہو جائیں اور قوسین سے اوادنیٰ تک پہنچ کر اور خالص کو مخلوط (مرکب) سے جدا کر کے اور دائرہ صباحت سے گذر کر ملاحت کے نقطے کے دامن کے ساتھ چنگل ماریں بلکہ المرءُ مع من احب [آدمی اس کے ساتھ ہے جس سے محبت کرے] کے بموجب مذکورہ نقطہ کے مرکز کے بطون (پوشیدگیوں) میں نفوذ کر جائیں اور علم سے نادانی (جہل) میں اور گفتگو سے خاموشی میں آ جائیں اور نفی کے معاملہ کو پسِ پشت ڈال کر کلی طور پر اثبات کے نگراں ہو جائیں بلکہ وہاں سے مجہول الکیفیتی کا حصہ حاصل کریں اگرچہ مختصر طور پر ہی ہو اور خلیل سے حبیب علیہما الصلوٰۃ والسلام وعلیٰ محبہما کی طرف متوجہ ہوں ع

با کریماں کارہا دشوار نیست　　[کریموں کے لئے کوئی کام دشوار نہیں ہے]

آپ کی فطرت کی بلندی اور محبتوں اور فریفتگیوں سے یہ امور قریب ہیں بلکہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ ثابت ہیں لیکن مجھ جیسے ناقابل پست استعداد کو کہ جس نے اپنی تمام قابلیت کو لغزشوں اور گناہوں پر صرف کیا ہے

کیا طاقت ہے کہ ان بزرگ مطالب کا خیال کرسکے، اس بات کو تکلف یا کسرِ نفسی پر محمول نہ کریں کہ یہ واقع کا بیان ہے ہاں اسقدر پایا ہے کہ اس نالائقی وگناہ کے باوجود ایک سِرّ اس کی فطرت وذات میں ودیعت رکھا ہے کہ مستودع (جس کے پاس امانت رکھا گیا ہے) کو اس کی حقیقت سے کماحقہ اطلاع نہیں دی ہے وہ ہمیشہ اپنی فطرت کا والہ وشیدا ہے اور ہر وقت اس کے ساتھ محبتیں رکھتا ہے بلکہ میں یہ سمجھتا ہوں کہ وہ سِرّ اس کے ودیعت رکھنے والے کے نزدیک بھی محبوب ہے والسلام اولاً وآخراً۔

مکتوب ۵۴

جاناں بیگم کے نام محبوب کے رنج دینے کی خوبی اور عشق کے اسرار کے بارے میں تحریر فرمایا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم، فعل الحکیم لا یخلوا عن حکمۃ [حکیم (اللہ تعالیٰ) کا فعل حکمت سے خالی نہیں ہوتا] جو کچھ جمیلِ مطلق (اللہ تعالیٰ) کی طرف سے پہنچے گوارا اور پسندیدہ ہے ؎

مئے تلخست جورِ گلعذاراں کہ ہر چندش خوری باشد گواراں

[حسینوں کا جور وستم تلخ شراب (کی مانند) ہے کہ اس کو جتنا بھی پیا جائے خوشگوار لگتی ہے] بلا (مصیبت) محبوب کا تازیانہ (کوڑا) ہے جو کہ محب کو ماسوا کی طرف التفات کرنے سے باز رکھتا ہے اور (صرف) محبوب کی جانب رہنمائی کرتا ہے، بلا محبوب کی کمند ہے جو کہ محب (محبت کرنے والے) کے ہر رگ وریشہ میں اٹکی ہوئی ہے اور کشاں کشاں (اس کی طرف) لے جاتی ہے ؎

من نہ باختیارِ خود می روم از قفائے او آں دو کمندِ عنبریں می بردم کشاں کشاں

[میں اپنے اختیار سے اس کے پیچھے نہیں جاتا ہوں اس کی دو عنبریں کمندیں کشاں کشاں (کھینچ کر) مجھ کو لے جاتی ہیں]

بلا (مصیبت) محب ومحبوب کے درمیان دلالہ ہے جو اپنی دلالگی کی خوبی سے ایک کو دوسرے سے ملاتی ہے اور عالمِ مجاز میں عاشق کی جانب سے معشوق کیلئے دلالہ ہے، یہ عجیب بات ہے کہ اس مقام میں دلالہ معشوق کی جانب سے ہے ہاں سبقت اصل کی طرف سے ہونی چاہئے، فرع جو کچھ رکھتی ہے اصل سے رکھتی ہے فرع کسی امر میں بذاتِ خود استقلال نہیں رکھتی، یہ عشق ومحبت جو اس میں ہے یہ بھی اسی کی طرف سے ہے اور اسی کا عطیہ ہے ؎

ادائے حقِ محبت عنایتے ست ز دوست وگرنہ عاشقِ مسکیں بہیچ خورسند است

[دوست کی مہربانی ہے کہ وہ محبت کا حق ادا کرتا ہے ورنہ اگر وہ کچھ بھی (محبت) نہ کرے تو عاشقِ مسکین پھر بھی خوش ہے]

معشوق کا ناز اگرچہ استغنا و بے پروائی کا تقاضا کرتا ہے کہ دلالہ بھیجنے کی طرف مائل نہیں ہوتا لیکن جب تو اچھی طرح دیکھے (تو معلوم ہوگا کہ) عشق دونوں طرف سے ہے اور محبوب بھی محب کی طرح محب کا مشتاق ہے حدیثِ قدسی میں ہے الا طال شوق الابرار الی لقائی وانا الیھم لاشد شوقا [آگاہ رہو کہ ابرار کا شوق میرے ملنے کی طرف زیادہ ہے اور میں ان کی ملاقات کا نہایت شدت سے شوق رکھتا ہوں] کسی نے کیا اچھا کہا ہے ؎

عاشقاں ہرچند مشتاقِ جمالِ دلبر اند　　دلبراں بر عاشقاں از عاشقاں عاشق تر اند

[عاشق لوگ اگرچہ دلبر کے جمال کے مشتاق ہیں لیکن دلبر عاشقوں پر عاشقوں سے بھی زیادہ عاشق ہیں] لیکن معشوق کا عشق پوشیدگی اور پردے میں ہے ؎

پری رو از بروں آلودۂ شرم　　دروں از شعلہ ہائے دوستی گرم

[پری رو (محبوب) باہر سے شرم آلودہ ہے اور اندر سے دوستی کے شعلوں کے ساتھ گرم ہے] اور عاشقوں کا عشق بے پردہ ہی اور بہت زیادہ شور و غل کے ساتھ ہے

عشقِ معشوقاں نہان ست و ستیر　　عشقِ عاشق با دو صد طبل و نفیر

لیک عشقِ عاشقاں تن زہ کند　　عشقِ معشوقاں خوش و فربہ کند

[معشوقوں کا عشق پوشیدہ اور مستور ہے اور عاشقوں کا عشق دو سو ڈھول اور نفیریوں کے ساتھ ہے لیکن عاشقوں کا عشق بدن کو کمان (کی طرح کمزور ٹیڑھا) کر دیتا ہے اور معشوقوں کا عشق خوش و فربہ کرتا ہے] والسلام

مکتوب ۵۵

مولانا محمد حنیف کے نام ایک دوست کے حال کے جواب میں لکھا ہے کہ اس نے لکھا تھا کہ اس کے دل و دماغ سے خطرہ برطرف ہو گیا ہے۔

الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ: برادر عزیز خواجہ محمد حنیف کے مکتوبِ گرامی نے وصول ہو کر مسرور کیا، صبغۃ اللہ وحافظ عافیت کے ساتھ پہنچ گئے ہیں اور آپ سے بہت خوش آئے ہیں حق سبحانہ وتعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے، آپ نے ملا نعمان صافی کے حالات کے بارے میں لکھا تھا کہ "اس کے بعد گم شدگی اور نیستی (فنائیت) بہت غالب ہوئی اور قلب و دماغ سے خطرات یک لخت جاتے رہے اور عجیب و غریب کیفیات ظاہر ہونے لگیں الخ" میرے مخدوم! اس دوست کے تمام احوال مسلّم (درست) ہیں لیکن دماغ سے خطرہ کا مطلق طور پر رفع ہو جانا محلِ غور ہے جب خطرہ قلب سے اٹھ جاتا ہے تو دماغ میں چلا جاتا ہے، دماغ سے جو کہ حواس باطنہ کا محل ہے جب برطرف ہو جائے تو کہاں جائے۔ یہاں ایک سر ہے

م۱۸۲

کہ ہمارے حضرت قدسنا اللہ سبحانہ بسرہ الاقدس اس کے ساتھ ممتاز تھے دوسروں کو پھر کیا حاصل ہوگا، آپ نے جو اجازت بعض دوستوں کو دی ہے جو کچھ استخارہ کے بعد واقع ہوا ہے امید ہے کہ وہ مبارک ہے، والسلام

مولانا محمد صدیق کے نام مراقبہ کے علاوہ (دوسرے اوقات) میں کیفیت کے کثرت سے ظاہر ہونے کے بھید میں تحریر فرمایا۔

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفٰی ۔ برادر عزیز مولانا محمد صدیق نے لکھا تھا کہ "مراقبہ اور غیر مراقبہ کی حالت یکساں ہوگئی ہے بلکہ بعض اوقات جبکہ میں مراقب نہیں ہوتا کیفیت بہت زیادہ ظاہر ہوتی ہے اور پابندی و توجہ و مراقبہ کے وقت میں کیفیت و حلاوت بہت کم حاصل ہوتی ہے اور توجہ نہ کرنے کے وقت میں بعض اوقات خاص کیفیات مشاہدہ میں آتی ہیں۔

میرے مخدوم! یہ یافت (حصولِ کیفیات) اصالتِ نسبت کی خبر دیتی ہے اور آفاق و انفس سے ماورٰی کا پتہ دیتی ہے، مراقبہ کی وضع گویا نسبتِ انفسی (حاصل کرنے) کے لئے ہے اگرچہ یہ کلیہ (قاعدہ) نہیں ہے اور کبھی اس کے خلاف بھی ظاہر ہوتا ہے چنانچہ ایک بزرگ نے اس کی طرف اشارہ کیا ہے ؎

چوں جلوۂ آں جمال بیروں ز تو نیست　　پا در دامان و سر بجیب اندر کش

(جب اُس جمال (حسن) کا جلوہ تجھ سے باہر نہیں ہے تو پاؤں دامن میں اور سر گریبان کے اندر کھینچ لے) دائرۂ ظل کی نہایت انفس کی نہایت ہے آفاق اور انفس کے باہر ظل نہیں ہے (بلکہ) نسبتِ اصالت میں ابتدا ہے اور نیز ہمارے بزرگوں کی نسبت دلربا معشوق کا حکم رکھتی ہے تو اُس کے ساتھ جسقدر وابستگی رکھے گا اور توجہ کرے گا اور اس کے لئے مراقبہ میں بیٹھے گا وہ ناز و ادا میں آئے گا اور خود کو ایک طرف کھینچے گا اور جب اس کو اس کے حال پر چھوڑ دے گا تو جلوہ دکھائے گا اور اپنی شان کے مطابق ظہور فرمائیگا۔ والسلام علیکم وعلی من لدیکم۔

مکتوب ۵۷

میرزا عبید اللہ کے نام بعض مواجید (وجد و حال) کے جواب میں جو انہوں نے لکھے تھے تحریر فرمایا۔

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفٰی ۔ معزز و مکرم بھائی کے دو خطوط کہ جن میں بہت

۱۴۳ عرصہ کے بعد دور افتادہ فقرا کو یاد کیا ہے یکے بعد دیگرے پہنچ کر نہایت فرحت بخش ہوئے، اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا حمد وشکر ہے کہ فقرا کے ساتھ رابطہ اور باطنی ذوق وشوق میں مخالف صحبت کے باوجود کوئی فتور داخل نہیں ہوا ہے بلند و روشن احوال کے مطالعہ سے جو کہ خط میں درج کئے ہوئے تھے، ذوق یاب اور لذت اندوز ہوا، اور یہ جو دوسرے خط میں تحریر تھا "کہ باطنی اذواق سے مغلوب ہونے کے باوجود ظاہر پوری طرح شریعت غرا کے مطابق ہے بلکہ شرائع کے آئینے میں جو مواجید مشاہدہ ہوتے ہیں بہت زیادہ لذت دیتے ہیں الخ" (اس نے) ذوق پر ذوق بڑھایا، حق سبحانہ وتعالیٰ نے آخرت کی نجات کا مدار شریعت حقہ کے ساتھ جو کہ وحی قطعی سے ثابت ہو چکی ہے وابستہ کیا ہے اور اپنے قرب کو سنت منورہ کے اتباع پر موقوف کیا ہے، آیت کریمہ قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ الآیہ اس بات کی خبر دیتی ہے۔ اور یہ جو بعض سالکوں کو راہ سلوک طے کرنے کے دوران بعض امور جو بظاہر طریقۂ نبوت کے خلاف میں ظاہر ہوتے ہیں اگر وہ سالک مقبول بندوں میں سے ہی تو اس کے ظاہر کو احکام شرعیہ کے ساتھ مزین رکھتے ہیں اور بلا کتوں کے گرداب سے اس کی حفاظت کرتے ہیں اور اس کے وجدان کے خلاف اس سے عمل کراتے ہیں، ایک جماعت کو اس شہود سے باہر نکال لیتے ہیں اور کام کی حقیقت کی طرف جو کہ حقیقی اسلام ہے اور اس مقام میں کشوف کو علوم شرعیہ کے ساتھ مطابقت ہے ہدایت دیتے ہیں اور ایک دوسری جماعت کو اسی شہود میں آخر تک رکھتے ہیں لیکن مقبول بندوں کی نومولود بچے کی طرح حفاظت فرماتے ہیں، الحمد للہ (آپ کے) پاکیزہ خطوط کے مطالعہ سے بہت حظ حاصل ہوا، یہ جو آپ نے تحریر فرمایا ہے کہ "حتی الامکان احکام (شرعیہ) کے دائرے سے باہر نہیں جانے دیتے اور ہر حکم میں لطیفۂ دل کو ایک خاص ذوق حاصل ہے اور تمام مواجید (وجد و حال) روشن سنت کے مطابق ہیں" یہ اصالت نسبت سے ہے۔

(حاشیہ: سورہ آل عمران ع ۴ پ ۳)

آپ نے لکھا تھا کہ "فرائض ادا کرنے میں ایک وجدان ہے کہ سنت میں وہی معنی تفصیل کے طور پر ہیں" یہ وجدان صاحب معنی کے کمال کی خبر دینے والا ہے اور جب کمال الکمال تک ترقی واقع ہوتی ہے تو فرائض میں ایسے معنی حاصل کرتا ہے کہ نوافل میں ان کا کوئی پتہ و نشان نہیں ہوتا۔

آپ نے لکھا تھا کہ "قرآن مجید کی قرات میں تلاوت کرنے والا راقم اپنے آپ کو نہیں پاتا اور کلام میں متکلم کو پاتا ہے اور اس نیستی کے پانے میں بھی دوسری ہستی ہے" ہاں بادشاہوں کی بخششوں کو انہی کی سواریاں اٹھاتی ہیں اور اس معنی کی طرف اشارہ کرنے والی باتوں میں سے وہ بات بھی ہے جو شیخ الشیوخ قدس سرہ نے عوارف المعارف میں کہی ہے کہ صوفی کے لئے جب توحید کی پیشانی کا نور چمکتا ہے اور وہ اپنے کان سے وعد و وعید سننے اور اپنا دل ماسوا اللہ تعالیٰ سے خالی کرنے کی طرف لگا دیتا ہے تو وہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے سامنے حاضر و شہید ۱۴۴

ہو جاتا ہے تو وہ مداومت کے دوران اپنی زبان یا اپنے غیر کی زبان کو شجر موسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی مانند دیکھتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے خاص اُس (موسیٰ علیہ السلام) کو اُس (درخت کے واسطے) سے اپنا یہ خطاب کہ اِنِّیْٓ اَنَا اللّٰہُ (بیشک میں اللہ ہوں) سنایا پس جبکہ اس (موسیٰ علیہ السلام) کا اس کلام کو سننا اللہ تعالیٰ کی طرف سے تھا اور یہ استماع (سننے کے لئے کان لگانا) اللہ تعالیٰ کی طرف تھا اس لئے اس کا سننا اس کا دیکھنا اور اس کا دیکھنا اس کا سننا اور اس کا علم اس کا عمل اور اس کا عمل اس کا علم ہو گیا اور اس کا اول اس کے آخر کی طرف اور اس کا آخر اس کے اول کی طرف لوٹا۔ والسلام علیکم

مکتوب ۵۸

مولانا اللہ داد کے نام نسبتِ باطن کی محافظت پر ترغیب دینے کے بیان میں تحریر فرمایا۔

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفٰی، برادر عزیزم میاں اللہ داد کا مکتوب مرغوب وصول ہو کر مسرت ہوئی، اسی طریق پر احوال لکھتے رہنا چاہئے کیونکہ یہ باطنی رابطہ کی تقویت کا سبب اور غائبانہ توجہ کا باعث ہے، باطنی نسبت کی حفاظت کرنا نہایت اہم کام ہے اور ماسوی اللہ کی طرف التفات کرنے سے اپنے سرّ (باطن) کی نگاہداشت اشرف مقاصد میں سے ہے، درس سے فراغت کے بعد دن رات میں ایک دو وقت خلوت (تنہائی) کے لئے مقرر کرنے چاہئیں تاکہ اغیار کی مزاحمت کے بغیر اذکار و افکار کے وظائف میں مشغول رہیں اور اس نمود بے بود سے اپنے وجود اور اس کے متعلقات کی نفی کریں، ایک بزرگ نے کہا ہے کہ وجودِ بشریت کی نفی کرنے میں ایک ساعت کوشش کرنا ظاہری عبادت گذاروں کی کئی سال عبادت سے بہتر ہے۔ والسلام علیکم وعلی من لدیکم (تم پر اور تمہارے نزدیک والوں پر سلامتی ہو)۔

مکتوب ۵۹

مولانا محمد صدیق پشاوری کے نام نیاز (عاجزی) کو لازم پکڑنے اور وجود کی نفی کرنے کی ترغیب میں تحریر فرمایا

حضرت حق سبحانہ وتعالیٰ آپ کو ہدایت وارشاد کے مراتب پر ترقی بخشے، رخصت کے وقت سے (ابتک) آپ کی طرف سے کوئی مکتوب موصول نہیں ہوا، دل منتظر ہے کہ آپ کس طرح پر زندگی گذار رہے ہیں اور کن لوگوں کے ساتھ صحبت رکھتے ہیں، کوئی شخص سلسلہ میں داخل ہوا ہے یا نہیں اگر ہوا ہے تو کس

کیفیت کے ساتھ ہوا ہے، مختصراً معلوم ہے کہ اوقات پختہ و مضبوط رکھتے ہیں خاص فنائیت آپ کی ذات میں ودیعت ہے جو کہ دوستوں کے لئے رشک کا باعث ہوتی ہے اس پر اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا شکر ہے امید ہے کہ ناکامی و پریشانی کے حالات میں مستقیم رہیں گے اور حادثات و مصائب سے مذبذب نہ ہوں گے، کسی نے کیا اچھا کہا ہے ؎

۸۵

من بعد من و شکستگی و درِ دوست چوں دوست دل شکستہ میدارد دوست

[اس کے بعد میں ہوں اور شکستگی ہے اور دوست کا دروازہ ہے چونکہ دوست دل شکستہ کو دوست رکھتا ہے۔]

اور عام اوقات میں بشریت کے وجود کی نفی میں کوشش کریں تاکہ معاملہ انتہا تک پہنچ جائے اور ظل سے اصل کی طرف چلا جائے اور گوش (سننے) سے آغوش (حصول) تک پہنچ جائے پھر آپ کے ساتھ جو کچھ معاملہ کیا جائے گا کیا جائے گا، کسی نے کیا اچھا کہا ہے ؎

چکد مشکِ تراز دستم گر آں گیسو بچنگ افتد دمد صبح از گریبانم گر آں مہ در کنار آید

[اگر وہ گیسو چنگل (ہاتھ) میں آجائیں تو میرے ہاتھ سے تر مشک ٹپکنے لگے، اگر وہ ماہ (محبوب) میری گود میں آجائے تو میرے گریبان سے صبح طلوع ہو جائے] والسلام

مکتوب ۶۰
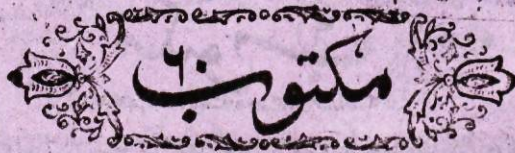
خواجہ محمد فاروق کے نام اس بارے میں تحریر فرمایا کہ شریعت تمام کمالات کی اصل ہے خواہ وہ کمالاتِ نبوت ہوں یا کمالاتِ ولایت ہوں۔

الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ۔

از ہر چہ می رود سخن دوست خوشتر است [دوست کی جو بات بیان کی جائے پسندیدہ ہے]

میرے مخدوم! کمالاتِ ولایت شریعت کی صورت (ظاہر) کا نتیجہ ہیں اور کمالاتِ نبوت شریعت کی حقیقت (باطن) کا پھل ہیں پس ولایت و نبوت کے کمالات میں سے کوئی کمال ایسا نہیں ہے جو کہ شریعت کے دائرہ سے باہر ہو اور وہ اس (شریعت) سے بے نیاز ہو، ہاں بعض معاملات جو کہ مذکورہ کمالات کے علاوہ ہیں کہ جن کے حصل ہونے میں اعتقاد عمل کی کوئی تاثیر نہیں ہے ان کا افاضہ (ہونا) تفضل و احسان کی راہ سے ہے اور وہ معاملات اصالتاً انبیائے مرسل علیٰ نبینا وعلیہم وعلیٰ جمیع الانبیاء الصلوٰت والبرکات کے ساتھ خصوصیت رکھتے ہیں اور ان سے گذرنے کے بعد وہ معاملات ہیں کہ جن کا فیضان محبت کی راہ سے ہے جو کہ تفضل و

احسان سے اوپر ہے کہ بالاصالت حبیب وکلیم علیہما الصلوۃ والسلام کا حصہ ہے اور جو معاملات کہ محبوبیتِ ذاتیہ سے تعلق رکھتے ہیں حضرت حبیب علیہ وعلی آلہ الصلوات والتسلیمات کے لئے خاص ہیں، یہ معاملات اگرچہ شریعتِ غرا (روشن) کے دائرہ سے باہر ہیں لیکن چونکہ شریعت اصل وبنیاد ہے (اس لئے) اس سے کسی قسم کا استغنا نہیں رکھتے۔ جان لیں کہ یہ مذکورہ معاملات اگرچہ اصالت کے طور پر ان اکابر کے ساتھ مخصوص ہیں لیکن جائز ہے کہ ان کے کامل تابعداروں کو (بھی) وراثت کے طور پر ان سے حصہ مل جائے اور متبوع کی طرح اس کے طفیل میں اس کی خاص دولت سے ہم آغوش ہو جائے (حاصل کرلے) ع

دمد صبح از گریبانم گر آں مہ در کنار آید [اگر وہ ماہ (محبوب) گود میں آجائے تو میرے گریبان سے صبح طلوع ہو جائے]

۱۷۶ چونکہ تابع ہمیشہ طفیلی اور اس کے دسترخوان سے کھانے والا ہے (اس لئے) متبوع کے ہمسر ہونے کی بہ نسبت اس کے مساوی اور افضل ہونے کا توہم لازم نہیں آتا ہے، یہ معارف حضرت عالی (مجدد الف ثانی قدس سرہٗ) کے خاص اسرار میں سے ہیں، اور تابع کامل سے مراد وہ (حضرت مجدد الفِ ثانی قدس سرہٗ) خود ہیں یا جو اُن کے مثل ہے ہم جیسے بوالہوسوں کو ان امور کا بیان کرنا اور سننا بھی حسن قبول کی شرط کے ساتھ غنیمت ہے، اور اس کا ایمان رکھنا داخلِ کمال ہے۔ رَبَّنَآ اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا وَاغْفِرْ لَنَا اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ والسلام

مولانا حسن علی کے نام اس بارے میں تحریر فرمایا کہ حال کا علم نہ ہونے کی وجہ سے حال کی نفی نہیں کرنی چاہئے اور یہ کہ طریقت کی تعلیم دینے کی اجازت دو طرح پر ہے۔

الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفٰی: مولانا حسن علی احسن اللہ سبحانہ حالہ و حصل آمالہ [اللہ سبحانہ وتعالیٰ اس کے حال کو اچھا رکھے اور اس کی امیدوں کو پورا فرمائے] کا مکتوب مرغوب پہنچا حق سبحانہ وتعالیٰ اپنے پسندیدہ طریقہ پر قائم رکھے اور حصولِ مطلوب کے موانع سے بچائے۔

آپ نے لکھا تھا کہ "نہ تو علوم میں مشغول ہونے سے جاناں (محبوب) کی کوئی بو دماغ میں آتی ہے اور نہ ذکر و فکر ہی سے کوئی چیز جان کے حلق میں آتی ہے اس کے درمیان تذبذب نقدِ وقت ہے۔" میرے مخدوم! نسبت کا علم نہ ہونے کی وجہ سے باطنی نسبت کی نفی مطلقاً نہیں کی جا سکتی اس لئے کہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ باطن کو ایک ایسی نسبت حاصل ہوتی ہے جو اس عالم (دنیا) کے مناسب ہے اور ظاہر کو ہرگز اس کی اطلاع نہیں ہوتی اور وہ اس کی نفی کرتا ہے اور اس کی وجہ سے قلق و اضطراب میں رہتا ہے پس ہم میں سے وہ شخص بھی ہے

جس نے اس کو جان لیا اور وہ شخص بھی ہے جس نے اس کو نہیں جانا، پس آپ جیسے لوگوں کو علم کی نفی کرنا اصل کی نفی کرنے سے بہتر ہے اور نیز چونکہ یہ گھر (دنیا) عمل کا گھر ہے اور اجر (بدلہ) کا گھر آگے آنے والا ہے (اس لئے) خود کو اعمال کی پابندی میں مشغول رکھنا چاہئے اور کسی مذبذب کے بغیر بتائے ہوئے طریقہ کی پابندی کرنی چاہئے، عمل کے وقت میں اجر طلب کرنا اور اس کے ساتھ عمل سے رُک جانا اپنے آپ کو اجر سے باز رکھنا ہے، حقیقی ملاقات کا مقام آگے ہے، "مَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ اللّٰهِ فَاِنَّ اَجَلَ اللّٰهِ لَاٰتٍ"[1] [جو شخص اللہ تعالیٰ سے ملاقات کی امید رکھتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی مقرر کی ہوئی وہ ساعت آنے والی ہے] اس مقام (دنیا) میں انتظارِ مطلوب جو کہ محبت سے پیدا ہوتا ہے مطلوب میں مستغرق رہنے سے بہتر ہے اس لئے کہ پہلی چیز (انتظارِ مطلوب) عمل ہے اور وہ ترقی بخشنے والا ہے اور دوسری چیز (مطلوب میں مستغرق رہنا) اجر ہے جس کا کہ دوسرے عالم (آخرت) میں وعدہ کیا گیا ہے طالبین کی تسلی کے لئے جس چیز کا وعدہ کیا گیا ہے اس کے کچھ نمونے اور اس کے ظلال میں کسی ظل کے ساتھ آرام دیتے ہیں اور بعض کو یہ آرام بھی نہیں دیتے اور اجر موعود میں (وعدہ کئے ہوئے اجر میں) کمی نہیں کرتے۔ ایک بزرگ نے حضرت رسالت پناہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کو خواب میں دیکھا انھوں نے پوچھا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) توحید کیا چیز ہے؟ آپ نے فرمایا جو چیز تیرے دل میں گذرے یا جو کچھ تیرے خیال میں آئے پس اللہ تعالیٰ اس کے برعکس ہے" اور شاید آپ یہ چاہتے ہیں کہ مطلوب کو اس عالم میں آغوش میں لے آئیں اور عنقا کو جال میں پھنسا لیں، یہ مشکل ہے ؎

عنقا شکار کس نشود دام باز چیں　　　کا ینجا ہمیشہ باد بدست ست دام را

[عنقا کو کوئی شخص شکار نہیں کر سکتا تو اپنا جال اٹھالے کیونکہ یہاں ہمیشہ جال کے ہاتھ میں ہوا ہی یعنی اس کو کچھ حاصل نہیں ہی]

دوسری بات آپ نے یہ لکھی تھی کہ "شیخ ہونے اور ارشاد (ہدایت کرنے) کا مقام شرائط رکھتا ہے مثلاً طالبین کی قابلیتوں اور استعدادوں اور ان میں اثرات کے حاصل ہونے پر مطلع ہونا"۔ آپ جان لیں کہ طریقہ سکھانے کی اجازت دو قسم کی ہے ایک یہ کہ کسی کامل شخص کو خلافت دے اور مشیخت (پیر ہونے) کے مقام پر بٹھائے اور یہ وہ نہیں ہے جس کے متعلق ہم گفتگو کر رہے ہیں (اس لئے) شرائط کی ضرورت نہیں ہے۔ (اجازت کی) دوسری قسم یہ ہے کہ کوئی کامل بزرگ کسی ناقص شخص کو اجازت دے اور اس مجاز (اجازت یافتہ شخص) اور اس کے مریدوں کے بعض فائدے اس ضمن میں ملحوظ رکھے اس صورت میں تمام شرائط درکار نہیں، ہمارے حضرت قطب المحققین (مجدد الف ثانی) قدسنا اللہ سبحانہ بسرہ الاقدس نے رسالہ مبدا و معاد[2] میں تحریر فرمایا ہے "کبھی ایسا ہوتا ہے کہ کوئی کامل بزرگ کسی ناقص (مرید) کو طریقہ سکھانے کی اجازت دیتا ہے اور اس ناقص کے

---

[1] سورہ ۲۹ آیت ۵ [2] مبدا و معاد منہا ۴۹

مریدوں کے اجتماع کے ضمن میں اس ناقصِ کا کام بھی تکمیل کو پہنچ جاتا ہے الخ" اور نیز اسی جگہ لکھا ہے "کہ نقص اگرچہ اجازت کے منافی (خلاف) ہے لیکن (جب) کامل مکمل بزرگ ناقص کو اپنا قائم مقام بناتا ہے اور اس کے ہاتھ کو اپنا ہاتھ جانتا ہے (تو اس) نقص کا ضرر دوسرے تک تجاوز نہیں کرتا، واللہ اعلم بحقائق الامور کلھا (اللہ تعالےٰ ہی تمام امور کی حقیقتوں کا زیادہ جاننے والا ہے) اور جو اجازت کہ آپ کو دی گئی ہے ان دونوں قسم کی اجازت سے نیچے درجہ کی ہے جو کہ چند اشخاص تک محدود ہے تاکہ آپ شغل و مراقبہ میں اکیلے نہ رہیں اور کچھ لوگ شریک ہو جائیں کیونکہ اس طریقہ عالیہ میں یہ معیت (مل کر ذکر و مراقبہ کرنا) بہت بڑا اثر رکھتا ہے اور ایک دوسرے میں فنا ہونے کی شرط کے ساتھ صحبت مطلق تنہائی سے بہتر ہے کیونکہ صحبت میں ایک کے فیوض دوسرے پر فائض ہوتے ہیں، اس قسم کی اجازت کو جو کہ محض سفارت (پیغام رسانی) ہے، آپ مشیخت (پیری) اور بہت بڑا کام تصور کر کے اس سے گریز کر رہے ہیں اور لکھ رہے ہیں کہ "اس قسم کا شخص جو کہ مرید کو جیسا کہ وہ ہے اس سے دوسری طرح کا نہیں کر سکتا (اس کے حالات میں تبدیلی نہیں لا سکتا) اگر وہ شخص پیر ہونے کی ہوس نہ کرے تو بہتر ہے چنانچہ کسی بزرگ کی یہ رباعی مشہور ہے ع با ہر کہ نشستی و نشد جمع دلت الخ

میرے مخدوم! آپ نے ابھی تک تو کسی شخص کو ذکر کی تلقین بھی نہیں کی ہے (تو پھر) کہاں سے یقین کر لیا کہ اس کے حالات میں تبدیلی نہیں آئے گی اور دل کی جمعیت اس کے حق میں حاصل نہیں ہوگی، آدمی کی قیمت اس کی ہمت کے مطابق ہوتی ہے، جب آپ پہلے ہی قدم میں ہمت چھوڑ رہے ہیں اور پانی دیکھے بغیر موزے اُتار رہے ہیں (تو پھر معلوم (ہی) ہے کہ اس کا انجام کیا ہوگا اور اس کا کیا نتیجہ حاصل ہوگا ؎

اگر گوئی کہ بتوانم قدم درنہ کہ بتوانی وگر گوئی کہ نتوانم برو بنشیں کہ نتوانی

ص ۱۷۸

[اگر تو یہ کہتا ہے کہ میں کر سکتا ہوں تو قدم رکھ (شروع کر) کیونکہ تو (ضرور) کر سکتا ہے اور اگر تو یہ کہتا ہے کہ میں نہیں کر سکتا تو جا بیٹھ جا کیونکہ تو نہیں کر سکے گا] آپ کو مریدوں کے احوال تبدیل کرنے میں کیا دخل ہے آپ قاصد سے زیادہ نہیں ہیں اگر خبر دینے والے پر اعتماد رکھتے ہوتے تو ہرگز اس قسم کی بات نہ لکھتے۔ جان لیں کہ یہ گفتگو آزار (رنج) کی وجہ سے نہیں ہے کیونکہ یہاں پوری طرح دل صاف ہے بلکہ خطا کے مواقع پر تنبیہ (ہدایت) کے طور پر ہے جو کہ پیر کو مرید کے بارے میں ضروری ہے۔ والسلام علیٰ من اتبع الھدیٰ۔

مکتوب ۶۲
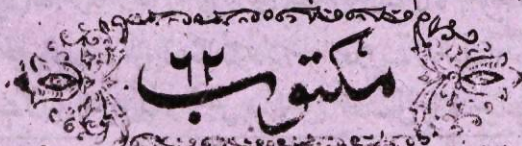
ملا محمد قلی کے نام اس بارے میں تحریر فرمایا کہ رضا کے مقام میں دو اعتبار ہیں۔

بسم اللہ والسلام علیٰ رسول اللہ، رضا کے مقام میں جو کہ مقامات میں سب سے آخری مقام ہے دو اعتبار ہیں پہلا اعتبار ہے حق سبحانہ وتعالیٰ کا بندے سے راضی ہونا اور دوسرا اعتبار ہے بندے کا حق سبحانہ وتعالیٰ سے راضی ہو جانا، دوسرا اعتبار پہلے اعتبار پر فوقیت رکھتا ہے اس لئے کہ پہلے حق تعالیٰ کی رضا ہے اس کے بعد بندے کی رضا، جیسا کہ حق سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد ہے رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ[1] (اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ تعالیٰ سے راضی ہوئے) والسلام

مکتوب ۶۳

مخدوم زادہ عالی مقام جامع کمالات صوری و معنوی شیخ محمد صبغۃ اللہ سلمہ ربہٗ کی خدمت میں اس بیان میں کہ مخلوق کے ساتھ حق سبحانہ وتعالیٰ کی نسبت تمثیل کے طور پر ہے اور اس کے مناسب بعض معارف کے ذکر میں تحریر فرمایا۔

وَلِلّٰهِ الْمَثَلُ الْاَعْلٰی[2] (اور اللہ تعالیٰ کے لئے اعلیٰ مثال ہے) عالم کے ساتھ اللہ سبحانہ تعالیٰ وتقدس کی نسبت کی مثال ایسی ہے جیسا کہ گھومنے والے نقطہ کو اس دائرہ موہومہ کے ساتھ نسبت ہے جو اس نقطہ کے تیزی کے ساتھ گھومنے کی وجہ سے پیدا ہوا ہے لیکن اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے عالم کو ایسے وجود کے ساتھ موجود بنایا ہے جو کہ اُس (اللہ) سبحانہ وتعالیٰ کے وجود کا ظل ہے (اور) وہ کسی ایسے خارج کے ساتھ خارج نکلا ہوا ہے جو کہ حق سبحانہ کے خارج کا ظل ہے اور اُس (اللہ) سبحانہ وتعالیٰ کو عالم کے ساتھ متعارف احاطہ و سریان کی کوئی نسبت نہیں ہے لیکن ہم جانتے ہیں کہ وہ سبحانہ وتعالیٰ عالم کو اس طرح احاطہ کئے ہوئے ہے جس کا ہماری عقلیں ادراک نہیں کر سکتیں اور جو ہمارے احاطۂ اوہام میں داخل نہیں ہو سکتا۔ اور تو جان لے کہ نقطۂ مذکورہ وجود کے مراتب کے مختلف ہونے کی وجہ سے اس دائرے میں داخل نہیں ہے اور نہ ہی اس سے خارج ہے اس لئے کہ بیشک نقطہ کے وجود کے مرتبہ میں دائرہ کا کوئی اثر و نشان نہیں ہے اور بلا شبہ یہ (دائرہ) وہم کے اندر ہے پس خروج و دخول کی نسبت متصور نہیں ہے اور اس کے باوجود اس دائرے میں اس نقطہ کے سوا کوئی چیز نہیں ہے ساتھ ہی بلا شبہ یہ (دائرہ) اس (نقطہ) کا عین نہیں ہے پس ہم جس بیان کے درپے ہیں اس کو بھی اسی پر قیاس کر لیں پس وہ سبحانہ وتعالیٰ وجود میں اقرب (سب سے قریب) ہے اور وجدان سے ابعد (سب سے دُور) ہے، پس بلا شبہ سیر و سلوک ان کا اپنی اپنی استعداد کے مطابق دائرۂ عالم کو طے کرنا ہے تاکہ وہ (سالک)

۱۲۹

---

[1] سورۃ ۵ آیت ۱۱۹ و ۹/۱۰۰ و ۵۸/۲۲ و ۹۸/۸ ۔ [2] سورت ۱۶، آیت ۶۰

اس کے ساتھ نقطہ واجب تک پہنچ جائے، اور آپ جان لیں کہ بیشک مومنین کا حشر (قیامت کے دن جمع کیا جانا) دائرۂ عالم کے اس نقطہ پر ہو گا جسے نقطہ اصل سے قرب ہے، بعض مومن) اپنے اپنے درجات کے فرق کے مطابق بعض سے اقرب ہوں گے، ہمارے حضرت عالی (مجدد الف ثانی) رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ میری سیر اب اس نقطہ تک پہنچ گئی ہے جو کہ نقطہ اصل سے زیادہ قریب ہے اور اس سے اوپر کوئی سیر متصور نہیں ہے پس لازماً حشر بھی اسی نقطہ پر میسر ہو گا کیونکہ اس نقطہ سے اوپر (سیر) متصور نہیں ہے اس سے ماوراء عابدوں کے لئے کچھ نہیں ہے، اس قرینہ سے میں سمجھتا ہوں کہ وفات کے بعد اور قیامت کے روز اور بہشت میں بعض وہ امور جو کہ اس مقام کی تکمیل کرنے والے ہیں اور اس مقام کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں فائض ہوں گے اور نیز بعض وہ علوم و معارف جو اس دنیا میں ظاہر نہیں ہوئے ہیں اور ان کی شان اس دنیا میں مستور ہونا ہی ہے، اللہ تعالیٰ جل سلطانہ کے فضل و کرم سے ظاہر اور منکشف ہوں گے اور اس قسم کے حقائق و دقایق کہ یہاں جن کی شان پوشیدہ رہنا ہی ہے بہت زیادہ ہیں، اگر ان میں سے تھوڑا سا بھی بیان کیا جائے تو مضمون طویل ہو جائے گا۔ والسلام

مکتوب ۶۴

شہزادۂ دین پناہ سلطان محمد اورنگ زیب سلمہ اللہ تعالیٰ کے نام جہادِ اصغر کے فضائل کے بیان اور جہادِ اکبر کے معارف کی شرح کے بیان میں تحریر فرمایا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ اما بعد ذرۂ احقر عرض کرتا ہے کہ اُن لوگوں کا وقت و حال کتنا اچھا ہے جنھوں نے اس بہت بڑے کام اور عظیم مہم کے لئے کمر ہمت کو پُر مسرت خدمت میں چست باندھا ہے اور نیک نیتی کے ساتھ اس سخت سفر کو جو کہ حقیقت میں خیرات و برکات کا پھل دینے والا اور درجات کی ترقی کا وسیلہ ہے ذوق و شوق کے ساتھ اختیار کیا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ بیشک جنت میں سو درجے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے مجاہدین فی سبیل اللہ کے لئے تیار کیا ہے ہر دو درجوں کا درمیانی فاصلہ آسمان[1] و زمین کے درمیانی فاصلے کی مانند ہے اس کو امام بخاری رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے، اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے روایت کی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اللہ تعالیٰ کے راستے میں ایک ساعت ٹھہرنا شب قدر کو مکہ مکرمہ میں حجر اسود کے نزدیک قیام

م ۱۸۰

[1] اور حدیثوں میں وارد ہوا ہے کہ آسمان و زمین کے درمیان بقدر پانسو برس کے فاصلہ ہے (مترجم)

کرنے سے بہتر ہے، اس کو امام بیہقی و ابن حبان رحمہما اللہ نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے (اس حدیث کے پیشِ نظر) علما نے کہا ہے کہ اس حساب سے اللہ کی راہ میں ایک ساعت قیام کرنا دس کروڑ مہینوں کے قیام سے بہتر ہے اس لئے کہ لیلۃ القدر کو مکہ مکرمہ میں قیام کرنا مکہ مکرمہ کے علاوہ کسی اور جگہ کے دس کروڑ مہینوں کے قیام کی برابر ہے اور حضرت انس رضی اللہ عنہ نے روایت کی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اللہ تعالیٰ کے راستہ میں مسلمانوں کے پیچھے کسی ایک رات پہرہ دیتا رہا اس کو ان تمام لوگوں کی برابر اجر ملے گا جو اس کی پہرداری میں (اطمینان سے) روزے رکھ رہے اور نمازیں پڑھ رہے ہیں، اس کو طبرانی نے جید اسناد کے ساتھ روایت کیا ہے علما نے کہا ہے کہ یہ حدیث اس امر کی دلیل ہے کہ جس حاکم کے علاقہ میں لوگ اس کی حمایت و حفاظت میں امن و امان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں اللہ تعالیٰ اس حاکم کے اعمال نامہ میں بھی ان لوگوں کے نیک اعمال کی مثل لکھ دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ کا یہ فضلِ عظیم کس قدر عالی شان ہے، افسوس کہ یہ ناکارہ اس قسم کی خوشگوار نعمت سے باعتبارِ ظاہر محروم ہے اور بعض مشکلات اور رکاوٹوں کی وجہ سے اس جہاد فی سبیل اللہ کا تارک ہے یٰلَیْتَنِیْ کُنْتُ مَعَھُمْ فَاَفُوْزَ فَوْزًا عَظِیْمًا[1] (کاش کہ ان کے ساتھ ہوتا تو میں بھی عظیم کامیابی حاصل کرتا) لیکن باطن کی رو سے اپنے ساتھ ہی جانیں اور دعا و توجہ کی راہ سے جو کہ فقرا کا معمول ہے ممد و معاون تصور فرمائیں، اگر گوشہ نشین فقرا سالہا سال تک ریاضت کریں اور چلے کھینچیں (تو بھی) اس عمل کی گرد کو نہ پہنچیں، جو طاعات و عبادات اس مقام میں ادا ہوتی ہیں گوشہ نشینی کی طاعات سے کئی گنا زیادہ (افضل) ہیں، اُس جگہ کا ذکر و تسبیح کچھ اور ہی ثواب رکھتا ہے اور وہاں کی نماز علیحدہ مرتبہ رکھتی ہے اور اس مقام کے صدقات و نفقات کا درجہ بہت بڑا ہے اور اس معرکہ کے (اندر لاحق ہونے والے) امراض کا نتیجہ جدا ہے، رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اس شخص کے لئے خوشخبری ہے جس نے جہاد فی سبیل اللہ کے دوران اللہ تعالیٰ کے ذکر کی کثرت کی پس بیشک اس کے لئے ہر کلمہ کے بدلے ستر ہزار نیکیاں ہوں گی ان میں سے ہر نیکی دس گنا ہوگی اس کے ساتھ کچھ ایسے لوگ بھی ہوں گے جن کے لئے اللہ تعالیٰ کے پاس اور زیادہ ہوگا، اس کو طبرانی نے روایت کیا ہے اور نیز آنحضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا میری مسجد میں نماز پڑھنا (کسی دوسری مسجد کی) دس ہزار نمازوں کے برابر ہے اور مسجد حرام میں نماز پڑھنا ایک لاکھ نمازوں کے برابر ہے اور سرحد کی حفاظت کی سرزمین میں ایک نماز پڑھنا بیس لاکھ نمازوں کی برابر ہے، اس کو ابو الشیخ و ابن حبان نے روایت کیا ہے، اور نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ سرحد کی حفاظتی قیام گاہ میں ایک نماز پڑھنا پانسو نمازوں کے برابر ہے اور راہِ (جہاد فی سبیل اللہ) میں ایک دینار و درہم کا خرچ کرنا اس کے علاوہ (کسی اور نیک راہ) میں سات سو دینار

---

[1] سورۃ ۴ آیت ۷۳

۱۸۱ خرچ کرنے سے افضل ہے، اور نیز آنحضرت علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا جس شخص نے کسی مجاہد فی سبیل اللہ یا کسی غازی کے اہل وعیال کی یا کسی مکاتب غلام کی اس کے آزاد کرانے میں مدد کی تو اللہ تعالیٰ اس شخص کو اس روز اپنے سایہ میں رکھے گا جس روز کہ اس کے سایہ کے سوا کوئی سایہ نہ ہوگا، اس کو احمد و بیہقی نے روایت کیا ہے۔ اور نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا البتہ اللہ تعالیٰ کے راستہ میں کھڑا ہونا (اگرچہ) وہ اس میں تلوار میان سے نہ نکالے اور وہ تیر سے کسی کو زخمی بھی نہ کرے اور کسی پر تیر بھی نہ پھینکے ایسی ساٹھ سال کی عبادت سے افضل ہے جس میں آنکھ جھپکنے کی مقدار بھی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہ کی ہو (رواہ ابن البخاری)، نیز آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جو شخص اللہ تعالیٰ کے راستہ میں ایک دن یا دن کا کچھ حصہ یا ایک ساعت بھی بیمار رہا اس کے گناہ بخش دیئے جائیں گے اور اس کے لئے ایک لاکھ ایسے غلام آزاد کرنے کا ثواب لکھا جائے گا جن میں سے ہر ایک کی قیمت ایک لاکھ (درہم) ہو، رواہ ابن زنجویہ۔ (اور اس میں کچھ) شک نہیں ہے کہ یہ خدمت و مہم جس کی طرف آپ متوجہ ہیں جہاد فی سبیل اللہ ہی ہے۔ ابوذر اور ذہبی رحمہما اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مرفوع روایت کی ہے کہ آخری زمانے میں ایک قوم ہوگی جن کو روافض کا نام دیا جائے گا وہ اسلام سے رفض (روگردانی و ترک) کریں گے پس تم اُن کو قتل کرو کیونکہ بیشک وہ مشرکین ہیں۔ اور دار قطنی نے حضرت علیؓ سے اور انھوں نے آنحضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا عنقریب میرے بعد ایک قوم آئے گی جو بد زبان ہوگی ان کو رافضی کہا جائے گا پس اگر تو ان کو پائے تو قتل کر، بیشک وہ مشرکین ہیں، انھوں (حضرت علیؓ) نے کہا کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہؐ ان میں کیا علامت ہوگی؟ آپؐ نے فرمایا وہ تیرے بارے میں اُن باتوں کا اضافہ کریں گے جو تجھ میں نہیں ہیں، اور سلف (پہلے لوگوں) پر طعن کریں گے اور اس (دار قطنی) نے دوسرے طریق (سند) سے بھی اسی کی مثل روایت کیا ہے اور اسی طرح ایک اور طریق سے بھی روایت کیا ہے اور اس میں اس روایت سے یہ الفاظ زیادہ ہیں "اور وہ اپنے آپ کو ہم، اہل بیت کے ساتھ منسوب کریں گے حالانکہ وہ ایسے نہیں ہیں اور ان کی نشانی یہ ہے کہ وہ ابوبکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو سبّ کریں گے (بُرا کہیں گے)۔

احادیث در ذمِ روافض

فصل بالخیر (حدیث) رجعنا من الجہاد الاصغر الی الجہاد الاکبر [(اب) ہم جہادِ اصغر (جہادِ اعداء) سے جہادِ اکبر (جہادِ نفس) کی طرف لوٹتے ہیں] حدیث قدسی میں آیا ہے عاد نفسک فانہا انتصبت بمعاداتی [تو اپنے نفس سے دشمنی کر کیونکہ وہ میری دشمنی پر کمر بستہ ہے] انسان کا نفس امارہ تصدیق قلبی اور اقرار لسانی کے باوجود اپنے کفر و انکار پر مُصر ہے، آسمانی احکام کی طرف مائل نہیں ہوتا اور احکامِ الٰہی جل سلطانہ کی اطاعت نہیں کرتا، وہ (نفس) چاہتا ہے کہ سب اس کے مطیع و فرمانبردار ہوں اور

وہ کسی کا مطیع و فرمانبردار نہ ہو، برابری اور خودی کا دعویٰ اس میں راسخ ہے اور اَنَا رَبُّکُمْ (میں تمہارا رب ہوں) کی صدا اس کے اندر سے نکلتی رہتی ہے اسی لئے اس (نفس) سے دشمنی رکھنا (بارگاہِ الٰہی میں) پسندیدہ و مقبول ہوا اور شریعتِ منورہ کے موافق اس کی مخالفت اور اس کے ساتھ جہاد کرنا جہادِ اکبر قرار پایا۔ آفاقی دشمنوں کے ساتھ جہاد کا کبھی کبھی اتفاق ہوتا ہے اور اندرونی دشمن (نفس) سے جہاد دائمی ہے ارحم الراحمین (اللہ تعالیٰ) نے اپنی کمال رحمت و شفقت سے ایمان حاصل ہونے اور ہمیشہ کے عذاب سے نجات پانے کے لئے تصدیقِ قلبی کو کافی قرار دیا اور نفس کو اقرار و تسلیم کا مکلف نہیں بنایا ہے۔ ۱۸۲

چشم دارم کہ دہد اشک مرا حسنِ قبول   آنکہ دُر ساختہ است قطرۂ بارانی را

(وہ اللہ جس نے بارش کے قطرہ کو موتی بنایا ہے میں امید رکھتا ہوں کہ میرے آنسوؤں کو بھی حُسنِ قبول عطا فرمائیگا)

ہاں افرادِ انسانی میں بعض کاملین ایسے بھی ہوتے ہیں کہ جن کا نفس امّارگی سے نکل کر اطمینان حاصل کر لیتا ہے اور احکامِ الٰہی کا مطیع ہو کر مخالفت کی مجال اس میں باقی نہیں رہتی اور راضی و مقبول ہو جاتا ہے آیۂ کریمہ یَآ اَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ○ ارْجِعِیْٓ اِلٰی رَبِّكِ رَاضِیَةً مَّرْضِیَّةً ○[ل] (اے نفسِ مطمئنہ اپنے رب کی طرف اس طرح لوٹ جا کہ وہ تجھ سے راضی ہو اور تو اس سے راضی ہو) اسی کی شان میں وارد ہوئی ہے ایمانِ کامل اور اسلامِ حقیقی اسی مقام میں جلوہ افروز ہوتا ہے، یہ ایمان زوال اور خلل سے محفوظ ہے بخلاف سابقہ ایمان کے کہ وہ زوال و خلل سے محفوظ نہیں ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسی (کامل) ایمان کی طلب کی ہے، اس موقع پر جبکہ آپ نے امت کی تعلیم کے لئے فرمایا: "اللّٰھم انی اسئلك ایمانا لیس بعدہ کفر" (اے اللہ میں آپ سے ایسا ایمان طلب کرتا ہوں جس کے بعد کفر نہ ہو) اور آیۂ کریمہ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ الآیہ[۲] (اے ایمان والو! اللہ پر ایمان لاؤ الخ) اور آیۂ کریمہ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصِّدِّیْقُوْنَ وَالشُّهَدَآءُ عِنْدَ رَبِّهِمْ[۳] (اور جو لوگ اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے وہی اللہ کے نزدیک صدیق اور شہدا ہیں) میں گویا اسی ایمان کی طرف اشارہ ہے اور حدیثِ نفیس لن یومن احدکم حتی یکون ھواہ تبعا لما جئت بہ (تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک ہرگز مومن نہیں ہو سکتا جبتک کہ اس کی خواہشاتِ نفس میری شریعت کے تابع نہ ہو جائیں) میں یہی ایمان مراد ہے۔

صوفیائے کرام کے طریقے میں اولین مطلوب اسلامِ حقیقی کا حاصل ہونا ہے جو کہ نفسِ امّارہ کے مطیع ہونے کے ساتھ وابستہ ہے اور وہ اسلام جو اطمینانِ نفس سے پہلے محض تصدیقِ قلبی سے حاصل ہوتا ہے (صوفیہ) اُس کو مجازی اسلام کہتے ہیں اور اس کو حقیقی اسلام کہتے ہیں: المجاز ینفی والحقیقۃ تثبت

ل پ ۳۰ سورۂ فجر ۸۹ آیت ۲۷، ۲۸ ۔ ۲ سورۂ ۴ آیت ۱۳۶ ۔ ۳ سورۂ ۵۷ آیت ۱۹ ۔

ولا تنفی [مجاز کی نفی ہو جاتی ہے اور حقیقت ثابت رہتی ہے اور اس کی نفی نہیں ہوتی] ارکانِ اسلام یعنی نماز، زکوٰۃ روزہ، حج، جہاد اور تمام نیک اعمال جو اطمینانِ نفس سے پہلے وقوع میں آئے ہیں وہ گویا اعمال کی صورت (ظاہری شکل) ہے، اگر نماز پڑھتا ہے تو نماز کی صورت ہے اور اگر روزہ دار ہے تو روزہ کی صورت ہے اور اسی قیاس پر تمام اعمال ہیں اس لئے کہ نفسِ امارہ ابھی تک اپنی سرکشی اور انکار پر قائم ہے اعمال کی حقیقت کس طرح ظہور میں آسکتی ہے اور جب نفس اطمینان کی حالت کو پہنچ جاتا ہے اور سرکشی و بغاوت سے باز آجاتا ہے تب اعمال کی حقیقت حاصل ہوتی ہے اور نماز و روزہ وغیرہما کی حقیقت ادا ہوتی ہے اور اس صورت و حقیقت کے فرق کے اندازہ ہی سے آخرت میں جنّت اور اس کی نعمتوں کے درجات اور قربِ الٰہی اور آخرت میں رویتِ باری کے مراتب میں فرق کو خیال کر لینا چاہیئے۔ مقربین کی جنّتوں کو عوام مؤمنین کی جنتوں سے کیا نسبت ہے، قطرہ کو دریا کے ساتھ ایک (طرح کی) نسبت ہے کہ یہ دونوں ایک ہی جنس ہیں اور پانی کے اجزا سے مرکب ہیں، ان دونوں میں فرق اجزا کی کثرت و قلت سے ہے اور صورت کو حقیقت کے ساتھ کچھ بھی نسبت نہیں ہے رویتِ اُخروی (آخرت میں دیدارِ باری تعالیٰ) بھی سب کے لئے یکساں نہیں ہے (بلکہ) دیکھنے والوں کے درجات کے فرق کے مطابق اس کے بھی درجات و مراتب ہیں جیسا کہ امام غزالی قدس سرہٗ نے اس کی تصریح کی ہے پس قیاس کرنا چاہیئے کہ اہلِ صورت و اہلِ حقیقت میں سے۔ ایک کی بے کیف رویت (باہم) کیا نسبت رکھتی ہوگی ؎

بود کہ صدر نشینانِ بارگاہِ قبول کنند گوشۂ چشمے باہلِ صفِ نعال

[کاش ایسا ہو کہ بارگاہِ قبولیت کے صدر نشین جوتوں کی جگہ پر بیٹھنے والوں کی طرف بھی نظر کریں (یعنی کن انکھیوں سے دیکھ لیں)] یہ صورت و حقیقت دونوں ہی شریعتِ عالیہ کے دائرہ میں داخل ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ظاہری سنتوں اور باطنی انوار سے اخذ کی گئی ہیں، ایک شریعت کی صورت ہے اور دوسری شریعت کی حقیقت ہے پس تمام کمالات کا معدن روشن شریعت ہی قرار پائی اور کوئی کمال ایسا نہیں رہا جسے شریعتِ حقہ کے باہر تلاش کرنے کی ضرورت پڑے، اللہ تعالیٰ کی معرفت کہ جس کو اہل اللہ نے ادراکِ بسیط کے معنی میں قرار دیا ہے اور انسان کے کمال کو اس کے ساتھ وابستہ کیا ہے اس کی تکمیل و کمال بھی نفس کی فنا و اطمینان کے ساتھ وابستہ ہے ؎

ہیچ کس را تا نگردد او فنا نیست رہ در بارگاہِ کبریا

[جبتک کوئی شخص مقامِ فنا حاصل نہ کرلے اس کیلئے بارگاہِ الٰہی میں باریابی نہیں ہے] پس (ان تمام باتوں کا حاصل کلام یہ ہے کہ) صاحبِ بصیرت عقلمندوں کے لئے ضروری ہے کہ اپنے حاصلِ کار اور نقدِ روزگار (یعنی تمام افعال و اعمال) میں خوب اچھی طرح غور فرمائیں، جو شخص بھی یہ مطلوبہ دولت رکھتا ہے فطوبیٰ لہم وبشریٰ

[تو اس کے لئے مبارکبادی و خوشخبری ہے) جو کچھ اس کی پیدائش سے مقصود تھا وہ بجا لایا اور نعمت اس کے حق میں پوری ہو گئی ورنہ وہ اس کی طلب سے فارغ نہ رہے اور جہاں کہیں سے (اس کی) کوئی بو اس کے دماغ میں پہنچے اس کے پیچھے جائے (اس کی تلاش کرے) ۔

ترسم کہ یار با ما نا آشنا بماند
تا دامنِ قیامت ایں غم بما بماند

[میں ڈرتا ہوں کہ (مبادا) محبوب ہمارے (حال) سے نا آشنا ہی رہے (اور قیامت کے دامن تک یہ غم ہمارے ساتھ رہے) والسلام اولاً و آخراً

مکتوب ۶۵

مولانا حسن علی کے نام تسویف یعنی آج کا کام کل پر نہ چھوڑنے اور ارادے کی نفی پر ترغیب کے بیان میں تحریر فرمایا

اللہ سبحانہ و تعالیٰ ہم کو اور آپ کو حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شریعت کی حقیقت کے ساتھ متحقق کرے اور ہر اس چیز سے ہمیں نجات دے جو معرفتِ الٰہیہ سے روکے۔ میرے مخدوم! عمر کا اشرف حصہ جو کہ جوانی کا زمانہ اور قوتوں اور اعضا کی تندرستی کا وقت ہے گذر جا رہا ہے اور عمر کا ارذل (گھٹیا) حصہ آنے والا ہے، افسوس کہ سب سے اشرف چیز کو جو کہ معرفتِ الٰہی ہے ارذل (گھٹیا) عمر کے حوالہ کیا جائے جو کہ محض موہوم (وہم و خیال) ہے اور اشرفِ عمر خواہشاتِ نفسانی اور حرص میں جو کہ سب سے رذیل شے ہے صرف ہو، هلك المسوفون [آج کا کام کل پر ڈالنے والے ہلاک ہو گئے] اس عالمِ فانی میں ثقلین (یعنی انسان و جن) کے پیدا کرنے سے مقصود اس معرفت کا حاصل کرنا اور اس قلیل مہلت میں مولائے حقیقی (حق تعالیٰ) کی رضا حاصل کرنا ہے اور ہم جیسے بوالہوس لوگ بیہودہ آرزوؤں کے پیچھے اس دولتِ مطلوبہ سے کب تک محروم رہیں گے اور نفس و شیطان کی رضا و خوشی کے ساتھ اللہ تعالیٰ جل شانہ کی رضا سے کب تک دور و محروم رہیں گے أَلَمْ يَأْنِ لِلَّذِينَ آمَنُوا أَن تَخْشَعَ قُلُوبُهُمْ لِذِكْرِ اللَّهِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ الآیہ [کیا ایمان والوں کیلئے ابھی تک وقت نہیں آیا کہ اُن کے دل اللہ کی یاد اور اس چیز (کی تلاوت) کیلئے جھک جائیں جو حق کی طرف سے نازل ہوئی ہے (یعنی قرآن)] کام روائی خواہش پرستی، بیکار آرزوئیں اور بیہودہ تمنائیں اللہ تعالیٰ کی معرفت کیلئے شدید رکاوٹ اور قوی مانع ہیں (یہ مقولہ کہ) جو کچھ تیرا مقصود ہے وہی تیرا معبود ہے آپ نے سُن رکھا ہو گا أَفَرَأَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلَٰهَهُ هَوَاهُ (الآیہ) [پس کیا تو نے دیکھا کہ جس شخص نے اپنی خواہش کو اپنا معبود بنا لیا] نصِ قرآنی ہے ۔

عشوۂ ابلیس از تلبیسِ تست
در تو یک یک آرزو ابلیسِ تست

گر کنی یک آرزوے خود تمام
در تو صد ابلیس زاید والسلام

(ابلیس کا فریب تیری ہی تلبیس سے ہے، تجھ میں ایک ایک آرزو تیرا ابلیس ہے، اگر تو اپنی ایک آرزو پوری کرے گا تو وہ تجھ میں سینکڑوں ابلیس پیدا کر دے گی) والسلام۔

مکتوب ۶۶

مولانا محمد صدیق پشاوری کے نام انؒ کے عریضہ کے جواب میں تحریر فرمایا جو کہ وارد عظیم پر مشتمل تھا۔

الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ، آپ کے مکتوب گرامی یکے بعد دیگرے وصول ہوئے اور تسلی بخش حالات واضح ہوئے، قُلْ رَّبِّ زِدْنِي عِلْمًا[۱] (آپ کہہ دیجئے کہ اے میرے رب میرا علم زیادہ کر دے) جو وارد قوی (اعلیٰ کیفیت) کہ ظہر کی نماز میں آپ کو ظاہر ہوئی اور جو آپ کے اندر کامل تصرف کر کے آپ کو اپنے شکار میں لے آئی تھی وہ بھی واضح ہو کر روحانی لذتوں کا سبب بنی، اس پر اور اللہ تعالیٰ کی تمام نعمتوں پر اس کا حمد و شکر ہے، شاید کہ شیونِ الٰہیہ جل سلطانہ میں سے کسی شان کی تجلی ہو جو کہ اس اصالت کی مناسبت کی وجہ سے جو وہ آپ کے مبدأ تعین کے ساتھ رکھتی ہے ظاہر ہوئی ہو اور آپ کو اپنے آپ سے بیخود کر کے آپ کی زبان پر اسرار و معارف کے ساتھ گویا ہوئی ہو اور اپنے ساتھ بقا بخشی ہو، إِنَّ الْمُلُوكَ إِذَا دَخَلُوا قَرْيَةً أَفْسَدُوهَا وَجَعَلُوا أَعِزَّةَ أَهْلِهَا أَذِلَّةً[۲] (بیشک جب بادشاہ کسی بستی میں داخل ہوتے ہیں تو اس کو خراب کر دیتے ہیں اور اس کے باعزت لوگوں کو ذلیل کرتے ہیں) یا ذات نے اس شان کے ساتھ متلبس ہو کر فنا و بقا بخشی ہو، ہو سکتا ہے کہ اس معاملہ کا ظہور اس واقعہ کی تعبیر ہو جو کہ آپ نے دیکھا تھا کہ میں ایک دیوار پر باہر نکلا ہوا ہوں لوگ کہتے ہیں یہ عشق کی دیوار ہے الخ۔ یہ معاملہ گویا اس دیوار کی دوسری طرف سے تعلق رکھتا ہے اور یہ دیوار برزخ ہے جو کہ مبدأ تعین ہے اس لئے کہ مبدأ تعین عاشق و معشوق کے درمیان برزخ ہے اور راہِ وصول اس میں منحصر ہے اور اس وقت میں چونکہ قوتِ باطنی اتنی نہیں تھی اس لئے اس دیوار سے ہوا میں ہو گئے تھے اور اس کے اوپر کوئی بلندی حاصل نہیں کی اب قوت کی وجہ سے جو کہ آپ کو حاصل ہو گئی ہے بلندی حاصل کر لی ہے اور دیکھا جو کچھ کہ آپ نے دیکھا، اور شیخ حسن چونکہ آپ کے ساتھ محبت کا تعلق صحیح رکھتا ہے احتمال ہے کہ اس نسبت کا پرتو اندراج کے طور پر اس پر پڑا ہو۔

۱۸۵

آپ جان لیں کہ شان کمالِ ذاتی سے عبارت ہے جو کہ ذاتِ تعالیٰ پر زائد نہیں ہے اور غیب الغیب میں ملی ہوئی ہے اور جب حق سبحانہ و تعالیٰ کا علم کمالاتِ ذاتیہ سے متعلق ہوا تو ملے ہوئے کمالات نے علم میں تمیز و

[۱] سورة ۲۰ آیة ۱۱۴ - [۲] سورة ۲۷ آیة ۳۴ -

تفصیل حاصل کرلی اور مبادئ تعینات سے مراد یہی مفصلہ کمالات ہیں، ہر ایک کمال اشخاص میں سے کسی ایک شخص کا مبدأ تعین ہے اور ہمارے حضرت (مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کی تحقیق) کے مطابق صفاتِ سبعہ یا ثمانیہ کے لئے وجودِ علمی کے علاوہ بھی خارج میں ایک ثبوت ہے جیسا کہ اہلِ سنت وجماعت شکر اللہ تعالیٰ سعیھم [اللہ تعالیٰ ان کی کوششوں کو مشکور فرمائے] کا مذہب ہے۔ مختصر یہ ہے کہ وہ کمال اس علمی کمال کی اصل میں ملا ہوا ہے اور یہ علمی کمال اس کا ظل ہے لیکن اس کمال کا بطون کے مرتبے سے ظاہر ہونا اس علمی کمال کے سبب سے ہے، ہو سکتا ہے کہ اسی اعتبار سے ایک بزرگ نے (یہ) کہا ہو ؎

ولدت امی اباھا ان ذا من العجبات

(میری ماں نے اپنے باپ کو جنا اور بیشک یہ بات نہایت عجیب باتوں میں سے ہے) اس نے ماں اپنے عینِ ثابتہ کو کہا ہوگا جو کہ اس کا مبدأ تعین ہے اور اُس ماں کا باپ شانِ الٰہی کو کہا ہوگا جو کہ اس کی اصل ہے اور چونکہ عینِ ثابتہ اُس شان کے بطون کے مرتبہ سے ظہور کا سبب ہے ولادت کو جو کہ اس ظہور کا سبب ہے دوسری طرف سے بھی ثابت کیا۔ والسلام

مخدوم زادہ عالی قدر جامعِ علومِ ظاہری و باطنی خواجہ محمد نقشبند سلمہ ربہ کی خدمت میں مسئلہ کلامِ الٰہی جل شانہٗ کے بارے میں علما کا مذہب بیان کرنے اور اس مسئلہ میں حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کی تحقیق کے بیان میں تحریر فرمایا۔

کلامِ الٰہی کے مسئلہ میں اہلِ سنت وجماعت شکر اللہ تعالیٰ سعیھم [اللہ تعالیٰ ان کی کوششوں کو مشکور فرمائے] کا مذہب یہ ہے کہ حضرت حق سبحانہ وتعالیٰ ازل سے ابد تک ایک ہی بسیطِ حقیقی کلام کے ساتھ متکلم ہے، تکثر (کثیر ہونا) اور تفصیل کی اس میں کوئی گنجائش نہیں ہے وہ حضرات فرماتے ہیں کہ اسی ایک بسیط کلمہ سے امر و نہی پیدا ہوئے ہیں اور اسی ایک کلمۂ بسیط سے استفہام (پوچھنا) تمنّی (خواہش کرنا) ترجّی (امید کرنا) اخبار (خبر دینا) وعید (ڈرانا) اور وعدہ صادر ہوا ہے اور وہی کلمۂ بسیط ہے کہ جس نے فرقان اور توریت کا نام پایا ہے اور زبور و انجیل کے ساتھ تفصیل اختیار کی ہے اس مقام میں ہمارے حضرت عالی (مجدد الف ثانی) رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایک منفرد قول اور تحقیق کے بعد ایک تدقیق ہے اور وہ یہ ہے کہ کلامِ الٰہی جل شانہٗ میں اجمال و عدم تجزی (اجزا نہ ہونے) کے باوجود تفصیل بھی ثابت ہے اور وسعت و تمیز بھی موجود ہے، بسیط ہونے کے باوجود امر نہی سے ممتاز اور اخبار انشا سے جدا ہے جیسا کہ ہم مرتبہ

ذات تعالیٰ میں اجمال کے باوجود تفصیل و وسعت کا اثبات (بھی) کرتے ہیں کیونکہ وسعت و تفصیل بھی صفات کمال میں سے ہے اللہ تعالیٰ و تقدس نے فرمایا ہے: وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ[1] (اور اللہ بہت وسعت اور علم والا ہے) جاننا چاہئے کہ ہم اس مرتبۂ عالیہ میں جس اجمال و تفصیل کا اثبات کرتے ہیں یہ وہ اجمال و تفصیل نہیں ہے جو ہماری سمجھ میں آجائے اور ہم اس کا ادراک کر لیں کیونکہ اس سے ٹکڑے اور اجزا ہونا لازم آتا ہے تعالی اللہ عن ذٰلک علوا کبیرا (اللہ تعالیٰ کی ذات اس سے بہت ہی بلند ہے) بلکہ (یہ اجمال و تفصیل بھی) ذات و صفات کی طرح بیچون و بیچگونہ ہے عرفت ربی بجمع الاضداد (میں نے اپنے رب کو اضداد کے جمع ہونے سے پہچانا) اور یہ معرفت اگرچہ طریقۂ عقل کے ماوراء ہے لیکن صحیح کشف اور صریح الہام سے اس کی تائید ہو چکی ہے اور جس تمیز کی علمائے کرام نے نفی کی ہے یہ وہ تمیز ہے جو کہ چون و چند کی قسم سے ہے کہ یہ بسیط ہونے کے منافی ہے۔

(فائدہ) چونکہ اس بارگاہ میں لفظ اجمال و وحدت کو لفظ تفصیل و کثرت کے مقابلہ میں زیادہ مناسبت ہے اس لئے کہ تفصیل و کثرت کا لفظ ٹکڑے اور اجزا ہونے کا وہم پیدا کرتا ہے اسی لئے (بزرگوں نے) اس بلند بارگاہ پر اطلاق کے لئے لفظ اجمال و وحدت کو اختیار کیا ہے ورنہ اللہ تعالیٰ جل شانہ اس اجمال و تفصیل سے جو کہ ہماری سمجھ میں آتی ہے منزہ و مبرا (پاک و بری) ہے، اور اگر ہم بے چون وحدت و وسعت (کے الفاظ) اختیار کریں تو دونوں ثابت ہیں، فافهم ولا تکن من القاصرین (پس سمجھ لیجئے اور قاصرین میں سے نہ ہو جائیے)۔
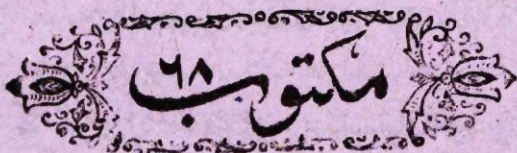
کمترین خادمان محمد عبید اللہ عفی عنہ کے نام بعض مراتب اصول کو اجمال کے طریق پر بیان کرنے کے بارے میں تحریر فرمایا۔

حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ بذاتِ خود موجود ہے نہ کہ وجود کے ساتھ خواہ وہ وجود عیناً (عین ذات کے طور پر) ہو یا زائد ہو اور اسی طرح اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی صفات اس کی ذات کے ساتھ موجود ہیں نہ کہ وجود کے ساتھ کیونکہ اس بارگاہِ قدس میں وجود کے لئے گنجائش نہیں ہے اور اسی طرح وجوب و امکان کو (بھی) اس بلند مرتبہ میں کوئی گنجائش نہیں ہے اس لئے کہ یہ دونوں (وجوب و امکان) وجود اور ماہیت کے

---

[1] سورۂ ۲ آیت ۲۴۷ و ۲۶۸ و ۳/۷۳ و ۵/۵۴ و ۲۴/۲۱

درمیان نسبتیں ہیں پس جبکہ وہاں وجود ہی نہیں ہے تو وجوب و امکان بھی نہیں ہے، ہمارے حضرتِ عالی (مجدّد الفِ ثانی) رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ "جسقدر گہری نظر سے دُور دُور تک پہنچا جاتا ہے محسوس ہوتا ہے کہ اس مرتبۂ عالیہ میں ذات ایسی آٹھ صفات کے ساتھ ہے جو کہ ایک دوسرے سے متمیّز ہیں حقیقت میں اس کے علاوہ کوئی اور امر خواہ وجود ہو یا وجوب نہیں پایا جاتا، اس مرتبہ کے اوپر ایک ایسا مرتبہ ہے جہاں یہ صفات حضرتِ ذات تعالیٰ و تقدس میں محض اعتبارات ہیں اور وہ ذات تعالیٰ پر زائد نہیں ہیں، ہاں صرف اس قدر ہے کہ ان اعتبارات کو اس مرتبہ میں ایک دوسرے کے ساتھ تمیز ثابت ہے اور اس مرتبہ کے اوپر ایک ایسا مرتبہ ہے کہ وہاں یہ تمیز بھی موجود نہیں ہے اور محض اعتبارات کے سوا کوئی اور امر مفہوم نہیں ہوتا، اور اس مرتبہ کے اوپر وہ مرتبۂ مقدسہ ہے جہاں کوئی اعتبار بھی ملحوظ نہیں ہے اور جہل و حیرت اس مقام کے لئے لازم ہے جاننا چاہیئے کہ پہلے تینوں مرتبوں میں چونکہ ذات تعالیٰ صفات کے ساتھ ملحوظ ہے (اس لئے) مثالی صورت دائرہ کی شکل میں ظاہر ہوتی ہے اور دو قوس ظاہر ہوتی ہیں ان میں سے ایک قوس سے ذات مراد ہے اور دوسری قوس صفات سے عبارت ہے اور آخری مرتبہ میں چونکہ کوئی اعتبار و اضافت ملحوظ نہیں ہے لازماً مثالی صورت میں نصف دائرہ جو کہ ذات کی ایک قوس سے کنایہ ہوگا ظاہر ہوتا ہے اور یہی سرّ ہے کہ ہمارے حضرت عالی (مجدد الف ثانی قدس سرہ) نے طریقہ کے بیان والے مکتوب میں لکھا ہے کہ "اس مرتبہ میں ایک قوس کے علاوہ ظاہر نہیں ہوا یہاں کوئی سرّ (بھید) ہوگا کہ جس سرّ پر اطلاع نہیں دی گئی"۔ جاننا چاہئے کہ ان چاروں قسم کے مراتب میں سے پہلا مرتبہ جو کہ مرتبۂ صفات ہے لطیفۂ روح کے نصیب ہے اور دوسرا مرتبہ جو کہ شیونات کا مقام ہے لطیفۂ سر کے نصیب ہے اور تیسرا مرتبہ جو کہ تنزیہ و تقدیس کے ساتھ مناسبت رکھتا ہے لطیفۂ خفی کے نصیب ہے اور چوتھا مرتبہ اخفیٰ کے نصیب ہے اور قلب کا نصیب مرتبۂ افعال سے ہے جو کہ ان (چاروں) مراتب سے نیچے ہے، عالمِ امر کے ان چاروں قسم کے مرتبوں سے گذرنے کے بعد معاملہ عالمِ خلق کے ساتھ جا پڑتا ہے، والسلام

۱۸۸

مکتوب ۶۹

حقائق آگاہ خواجہ محمد صدیق کشمی و خواجہ محمد صالح کولابی کے نام اس بارے میں تحریر فرمایا کہ عارف خواہ کمال الکمال تک پہنچ جائے اس کو ذات تعالیٰ و تقدس کے بعض وجوہ میں سے حصہ ملے گا اور بعض کامل اولیا ایسے ہوں گے کہ جن کو ذات سبحانہ و تعالیٰ کے تمام وجوہ سے حصہ ملے گا۔

الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفٰی، آپ کے دونوں گرامی التفات ناموں نے مشرف کیا اللہ تعالیٰ کے کرم کے امیدوار رہیں۔ ع؎

بتاریکی دروں آبِ حیات ست [تاریکی کے اندر آبِ حیات ہے]

غور سے سُنیں، جب کوئی عارف وصول کے مقامات کو طے کر کے معاملہ ایسے مقام تک پہنچا لیتا ہے جو کہ قرب کی منزلوں میں اس کی ترقیات کا منتہا (آخری درجہ) ہے تو یقیناً اس کا نصیب ذات کی بعض وجوہ سے ہوگا جو کہ اس اسم کے اصول میں سے ایک اصل ہے جو اس عارف کا مبدأ تعین ہے اور اسم کی جامعیت کے مطابق اس وجہ میں بھی جامعیت ہوگی اور جسقدر اسم زیادہ جامع ہوگا وجہ بھی اسی قدر جامع ہوگی لیکن تمام وجوہ سے حصہ ملنا اَور بات ہے اور ایک ایسی وجہ سے جو کہ تمام وجوہ کی جامع ہے حصہ ملنا اَور بات ہی جیسا کہ سمجھ دار آدمی پر یہ بات پوشیدہ نہیں ہے۔

اگرچہ عارف کا معاملہ اصول اور اصولِ اصول سے اوپر چلا جائے لیکن اپنے اس اسم کے مطابق جو کہ اس کا مُربّی (تربیت کرنے والا) ہے پابندی کو بھی اپنے ساتھ لے جائے گا اور وہ تمام وجوہ سے تفصیل کے طور پر حصہ نہیں پائے گا، اگرچہ وصول کے پہلے مرتبہ میں اس وجہ کو تمام وجوہ میں مستہلک (فانی) پائے اور متمیز (ممتاز) نہ دیکھے لیکن حقیقت میں وہ ممتاز ہے جب وہ اس مقام میں پوری طرح قرار حاصل کرلے گا اور نظر کی تیزی رکھتا ہوگا تو تمیز (امتیاز) کو پالے گا۔ جب آپ کو یہ معرفت معلوم ہوگئی تو اور اس سے زیادہ عجیب اور زیادہ گہری معرفت سنیں۔ بعض کاملین اس قسم کے ہوتے ہیں کہ ان کو تمام وجوہ سے حصہ ملتا ہے اس کا بیان یہ ہے کہ اس وجہ کو جو کہ اس اسم کی اصل ہے جو اس سالک کا مبدأ تعین ہے دوسری وجوہ کے ساتھ ایک مابہ الاشتراک (مشترکہ جزو) ہے وہ اس مابہ الاشتراک کے ذریعہ سے تمام وجوہ سے حصہ حاصل کرے گا کیونکہ نوع کو اپنی جنس کی طرف شاہراہ ہے۔ سوال، ماہیت مابہ الاشتراک اور مابہ الامتیاز سے مرکب ہے اور ہر ایک کی خصوصیات علیحدہ ہیں تو کیا یہ ممکن ہے کہ تمام وجوہ کے مابہ الامتیاز سے بھی کچھ حصہ حاصل کرلے۔

ہم جواب (میں) کہتے ہیں چونکہ مابہ الاشتراک کو مابہ الامتیازات پر صدق ہے اگرچہ عرضی ہے اس لئے کہ جنس خاص اپنی انواع کی فصول کے لئے عرضِ عام (ہوتی) ہے پس اس وجہ سے وہ مابہ الامتیازات سے بھی پورا حصہ حاصل کرلے گا اور عرضِ عام کے ذریعے سے اس کے افراد کو پہنچ جائے گا اور ذات تعالیٰ کی تمام وجوہ سے مفصل طور پر حصہ پالے گا اور تمام کمالات سے جن کا حاصل ہونا نوع بشر میں ممکن ہے خاتم الانبیاء علیہ وعلیہم افضل الصلوات واکمل التحیات والتسلیمات کے طفیل سے حصہ حاصل کرلے گا، یہ معرفت انبیائے کرام علیہم التحیات والبرکات کے بعد ہمارے حضرت عالی قدسنا اللہ بسرہ الاقدس کی خاص معرفتوں اور ان کے مخصوص کمالات میں سے ہے۔

۱۸۹

ملا محمد افضل ولد شیخ بدرالدین سرہندی کے نام حدیث القبر روضۃ من ریاض الجنۃ کے معنی اور اس بشارت کے بیان میں کہ جس کے ساتھ حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہ مشرف ہوئے ہیں تحریر فرمایا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم بسم اللہ العظیم ومصلیا علی رسولہ الکریم وآلہ اجمعین۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث شریف میں آیا ہے کہ القبر روضۃ من ریاض الجنۃ [قبر جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے] قبر کے باغ ہونے سے مراد (بظاہر) یہ ہے کہ جو پردہ اور مسافت بقعۂ قبر اور جنت کے درمیان واقع ہے دور ہوجاتی ہے اور ان دونوں مقاموں کے درمیان کوئی پردہ اور رکاوٹ باقی نہیں رہتی گویا زمین بقعۂ قبر کو جنت کے ساتھ فنا وبقا حاصل ہوجاتی ہے پس سمجھ لیجئے۔ اور یہی معنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول کے بھی ہیں مابین قبری ومنبری روضۃ من ریاض الجنۃ [میری قبر اور میرے منبر کا درمیانی حصہ جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے] جاننا چاہئے کہ اس طرح کا باغ اخص الخواص حضرات کے لئے مخصوص ہے ہر مؤمن کو میسر نہیں ہے زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ جب مؤمنوں کی قبریں ایک طرح کی صفائی اور نورانیت پیدا کر لیتی ہیں تو ان میں اس بات کی صلاحیت پیدا ہوجاتی ہے کہ جنت کا عکس اُن قبروں پر منعکس ہوجائے اور صفائی حاصل کئے ہوئے آئینہ کی طرح ہوجائیں۔

پوشیدہ نہ رہے کہ ہمارے حضرت عالی مجدد الف ثانی (قدس سرہ) کو بھی سرور دین ودنیا علیہ افضل الصلوات واکمل التحیات کے غایت درجہ کے اتباع کی وجہ سے یہ بشارت دی گئی تھی کہ روضۂ متبرکہ جس میں آنجناب کی قبر مبارک ہے اور اس روضۂ مقدسہ کا صحن قدیم "جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے" (حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ) فرماتے تھے کہ مجھے اس بات کی بشارت دی گئی ہے کہ "اگر اس بشور روضہ کی مٹی کی ایک مٹھی کسی شخص کی قبر میں ڈال دیں تو بہت بڑی امید ہے" پس جو شخص اس روضہ میں دفن ہوا اُس کیلئے کیا کچھ بشارت ہوگی الحمد للہ رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ محمد وآلہ اجمعین۔

۷۱

محمد مومن بیگ کابلی کے نام اس بارے میں تحریر فرمایا کہ ماسوی اللہ سے تعلق رکھنا نہایت شدید مرض ہے

سلام علیکم طبتم [تم پر سلام ہو تم خوش رہو] ع

ہرچہ جز عشق خدائے احسن است ۔۔۔ گر شکر خوردن بود جاں کندن است

[اللہ تعالیٰ کے عشق کے بغیر کوئی چیز خواہ کتنی ہی اچھی ہو اگرچہ وہ شکر (مٹھائی) کھانا ہی ہو وہ بھی جان لیوا ہے]

حق سبحانہ وتعالیٰ کے سوا کسی چیز کی محبت میں گرفتار ہونا دل کا نہایت شدید مرض ہے اس کے ازالہ کی فکر کرنا سب سے زیادہ اہم کام ہے۔ ع

درخانہ اگر کس است یک حرف بس است [اگر گھر میں کوئی ہے تو اس کے لئے ایک حرف کافی ہے]

ملا مسافر کے نام قضائے الٰہی جل شانہ پر راضی رہنے کی ترغیب میں تحریر فرمایا ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ برادرم ملا مسافر خیر و عافیت سے رہیں اور یادِ الٰہی جل شانہ کے ساتھ خوش و خرم رہیں، آپ کے مکتوبات موصول ہوئے، جو رنج و غم بھی (انسان کو) پہنچتا ہے چونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے ارادے اور تقدیر سے ہے اس لئے رضامندی کے سوا کوئی چارہ و تدبیر نہیں ہے طاعات کے معمولات پر مستعد رہیں اور تکالیف و امراض پر صبر و تحمل کرتے رہیں اور اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے عافیت طلب کرتے رہیں اور مخلوق میں سے کسی کو درمیان میں نہ دیکھیں اور تمام امور کو حق سبحانہ وتعالیٰ ہی کی طرف سے جانیں اور اس کے دور کرنے کو بھی اسی سے چاہیں کیونکہ اس سبحانہ وتعالیٰ کی تقدیر کے بغیر کوئی شخص کسی کو ضرر نہیں پہنچا سکتا اور اس کے ارادہ کے بغیر کوئی شخص ضرر (تکلیف) کو دور نہیں کر سکتا بندگی کا راستہ یہی ہے۔ والسلام

مولانا حسن علی کے نام ایک سوال کے جواب میں تحریر فرمایا جو انہوں نے مرزا عبید اللہ کے نام والے مکتوب پر کیا تھا۔

بسم اللہ حامداً و مصلیاً [اللہ تعالیٰ کی حمد کرتے ہوئے اور رسول اللہ پر درود بھیجتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع کرتا ہوں)۔ برادرم ملا حسن علی نے اللہ تعالیٰ اس کے حال کو اچھا کرے اور اس کی تمناؤں کو پورا فرمائے، میرے ایک مکتوب بنام برادرم عبید اللہ بیگ (مکتوب ۲۹ جس کا ترجمہ گذر چکا ہے) پر ایک شبہ تحریر کیا اور جواب طلب کیا تھا کہ "اچھے اور برے میں فرق و امتیاز مقامِ شریعت میں ہے چنانچہ انہوں نے ایک رسالہ میں دیکھا ہے کہ طریقت میں سراسر صلح اور ہر شخص کے ساتھ دوستی ہے بخلاف شریعت کے کہ اس میں دشمنوں کے ساتھ جنگ ہے اور دوستوں کے ساتھ صلح ہوتی ہے الخ" عجیب واہیات شبہ ہے (بھلا) طریقت کا شریعت سے کیا مقابلہ اور کونسی مساوات ہے، شریعتِ منورہ ایسی وحیِ قطعی سے ثابت ہوئی ہے کہ جس میں شک و شبہ کی ہرگز کوئی گنجائش

نہیں ہے اور اس کے احکام کے لئے ہرگز نسخ و تبدیل نہیں ہے قیامت قائم ہونے تک یہ احکام باقی ہیں اور اس شریعت کے مقتضیٰ پر عمل کرنا ہر خاص و عام کے لئے ضروری و لازمی ہے، طریقت اس کے احکام کو ہرگز رفع و نسخ نہیں کر سکتی اور اپنے اہل (اہلِ طریقت) کو تکالیفِ شرعیہ سے آزاد نہیں کر سکتی، اہلِ سنت و جماعت کے قطعی (یعنی مسلمہ) عقائد میں سے (یہ عقیدہ بھی) ہے کہ بندہ (ہوش و حواس کی حالت میں) ہرگز ایسے مقام کو نہیں پہنچ سکتا کہ تکالیفِ شرعیہ اُس سے ساقط ہو جائیں (اس پر فرض و واجب نہ رہیں) جو شخص اس کے خلاف عقیدہ رکھتا ہے وہ اہلِ اسلام کے گروہ سے خارج ہے جس جماعت کو حق سبحانہٗ و تعالیٰ اپنا دشمن قرار دے اور اُن کے ساتھ دشمنی و سختی و جہاد و قتال کرنے کا حکم دے اس جماعت کے ساتھ صلح و دوستی کرنا قاعدۂ اسلام سے خارج ہے، اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی محبت کا دعویٰ اس کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتا اور اُس بات کی طرف جانے نہیں دیتا کیونکہ محبوب کی اطاعت اور محبوب کے دوستوں سے محبت کرنا اور اس کے دشمنوں سے تبری و بیزاری کرنا مقامِ محبت کے لوازم میں سے ہے۔

ہاں (یہ ضرور ہے کہ) اس راہ کے بعض سالکین پر بعض ایسے امور جو بظاہر کتاب و سنت کے مخالف ہوتے ہیں بکثرت وارد ہوتے رہتے ہیں کہ آخر اُن سے گزرنا ہی پڑتا ہے ایسے وقت میں شریعت کی باگ ڈور کو ہاتھ سے نہ دے اور سنت کو دانتوں سے مضبوط پکڑ لے (یعنی مضبوطی سے سنت پر عمل کرے) اور اپنے کشف و وجدان کے برخلاف اہلِ سنت و جماعت کی تقلید پر اعتقاد و عمل اختیار کرے (بعض اوقات) اس راستہ کے خس و خاشاک اِنِّیْٓ اَنَا اللّٰہُ الآیہ[1] [بیشک میں ہی اللہ ہوں] کی صدا بلند کرتے ہیں اور سالک بیچارہ کو اعلیٰ مطالب سے باز رکھ کر اپنی پرستش (عبادت) کی دعوت دیتے ہیں، ایسے وقت میں صاحبِ استقامت سالک کو چاہئے کہ خلیل (حضرت ابراہیم علیہ السلام) کی متابعت تلاش کرے اور لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِیْنَ[2] [میں زائل ہونے والی چیزوں سے محبت نہیں کرتا] کہے اور وَجَّھْتُ وَجْھِیَ[3] الآیہ [میں نے اپنا چہرہ اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ کر لیا] کے مصداق غیب الغیب کی طرف دوڑے اور اللہ تعالیٰ کے حبیب (حضرت محمد مصطفیٰ) صلی اللہ علیہ وعلی الخلیل وسائر الرسل وسلم کی متابعت کے ذریعہ نظر کی کجی میں مبتلا نہ ہو، اور کبھی (سالک) اپنے آپ کو اُن حضرات کے مساوی جانتا ہے جو بالاجماع اس سے افضل ہیں اور کبھی (اپنے آپ کو اُن سے) افضل دیکھتا ہے، مسجد اور بُت خانہ کو یکساں خیال کرتا ہے اور اسلام اور کفر کو برابر پاتا ہے اگر (ایسا سالک) اعتقاد و عمل میں کتاب و سنت کی باگ ڈور کو ہاتھ سے نہ دے تو وہ معذور ہے کیونکہ وہ کشف و وجدان میں اختیار نہیں رکھتا، والسلام اولاً و آخراً۔

---

[1] سورت ۲۸ آیت ۳۰ [2] سورت ۶ آیت ۷۶ [3] سورت ۶ آیت ۷۹۔

۱۹۲

مکتوب ۷۲

خقائق آگاہ نعمت اللہ قادری کے نام اس بارے میں تحریر فرمایا کہ سبقت اصل کی طرف سے ہے اور ظل میں جو کچھ ہے وہ اصل سے مستعار ہے اور اصل سے ظل کا نصیب اضمحلال ہے۔

بسم اللہ حامداً و مصلیاً، آپ کے عنایت نامۂ نامی اور مکتوب گرامی نے جو کہ آپ نے اس بے حاصل کے نام تحریر فرمایا تھا مشرف کیا، امید رکھتا ہے کہ اسی طریق پر اس ناکارہ کو کبھی کبھی اپنے محبت سے پُر نور دل کے پہلو میں جگہ دیتے رہیں گے اور خاص اذواق کے ساتھ نوازتے رہیں گے (اس جانب سے) کسی خط کی سبقت کے بغیر اس مکتوب کا وارد ہونا جو کہ عین مہربانی سے تھا ایک غیر مترقبہ نعمت تھی اس کے وصول ہونے سے فتوحات و ترقیات کا امیدوار ہوا، بیشک سبقت بزرگوں (ہی کی طرف) سے ہوتی ہے اور کرم کریموں (ہی کی جانب) سے شایاں ہے ع

درخانہ بکد خدائی ماند ہمہ چیز　　[گھر کی ہر چیز گھر کے مالک ہی کی ہوتی ہے]

پہلے ہی سے ایسا (دستور) چلا آرہا ہے اور شوق کا اشد ہونا اصل ہی کی طرف منسوب ہوا ہے بدایت (شروع ہونا) مبدأ سے اور آغاز اصل سے ہے، يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهٗ الآیہ [وہ (اللہ تعالیٰ) اُن سے محبت کرتا ہے اور وہ جس (اللہ تعالیٰ) سے محبت کرتے ہیں] جو خیر و کمال کہ ظل رکھتا ہے وہ سب اصل سے مستفاد و مستعار ہے ظل بذاتِ خود کسی چیز میں استقلال نہیں رکھتا اگر وہ خیر و کمال کی نسبت اپنی طرف کرے تو وہ خائن ہے اور اصل کے ساتھ برابری کا دعوی کرتا ہے اس کے حق میں کمال یہ ہے کہ کمال کی نفی کرے اور نیکی یہ ہے کہ وہ نیکی کی نفی کرے، جو حصہ کہ وہ اصل سے رکھتا ہے منتسبات (تعلقات) کے مطابق اس کے ساتھ محو و متلاشی (فانی) ہے جسقدر اصل کا ظہور زیادہ ہوگا اُسی قدر ظل کا محو و لاشے ہونا زیادہ ہوگا بیچارہ (ظل) جو کہ نفی ہونے کے سوا اصل سے کچھ حصہ نہیں رکھتا اس کے کمال سے کیا خبر رکھے گا اور اس کے جمال کا کس طرح پتہ لگائے گا ؎

گیرم کہ بغمخانۂ ما یار خرامد　　کو حوصلہ و طاقتِ دیدار کہ دارد

[میں مانتا ہوں کہ ہمارے غم خانۂ (دل) میں یار خوش خرام ــــ ہے لیکن اس کے دیدار کا حوصلہ و طاقت کس کو ہے]ــــ

لے میری امیدگاہ! اس وقت میں جو کہ عہدِ نبوت سے دوری کا زمانہ ہے اور سنت کے انوار کی کمی اور بدعت کی ظلمات کے ہجوم کا وقت ہے آپ جیسے شاہبازوں کا وجود بہت غنیمت ہے اگر ہم جیسے گمنامی کے گوشہ نشین گمنامی کے کونے میں ہزاروں ریاضتیں بھی کریں اور ہاتھ پیر ماریں (تو یہ) آپ کے اُس ایک کلمۂ حق کے برابر نہیں ہوتا

جو کہ بادشاہوں کے دل میں اثر کر جائے اور (بلکہ ہماری ریاضتیں) اس کی گرد کو بھی نہیں پہنچ سکتیں، حق سبحانہ وتعالیٰ نے بادشاہوں کو دنیا میں جسم کے اندر روح کی مانند بنایا ہے کہ روح کی درستی جسم کی درستی ہے اور روح کا فساد (خرابی) جسم کا فساد ہے، اسی طرح سلاطین کی اصلاح تمام عالم (دنیا) کی اصلاح ہے (بھلا) کونسا عمل ہے جو اس کی گرد کو پہنچے۔ ۱۹۳

میرے مکرم! نیکی کے آثار والے شیخ محمد صالح جو کہ مجالس اور معرکوں میں آپ کے ثنا گو اور آپ کے اوصافِ جمیلہ کی اشاعت کرنے والے ہیں اور آپ کے اخلاق واحسان کی باتیں سناتے رہتے ہیں چونکہ اُن حدود (یعنی آپ) کی طرف جا رہے تھے اپنی ناقابلیتوں کے باوجود غیر مربوط کلمات کے ساتھ اپنے آپ کو آپ کے معطر دل میں یاد کرایا اور آپ کے اوقات شریف میں خلل انداز ہوا ہوں، آپ کے افادہ وارشاد کے ظلال سایہ انداز اور دراز رہیں۔

مکتوب ۷۵

مرزا طاہر بیگ کے نام اس بارے میں تحریر فرمایا کہ ذکر کو کسی غرض کے ساتھ مخلوط نہ کریں اگرچہ مواجید واحوال ہی ہوں۔

اللہ تعالیٰ اپنے ماسوی کی غلامی سے آزاد کرے اور مدارجِ قرب میں ترقیات عطا فرمائے، مقبول بندہ وہ ہے جو دائمی ذکر کے ساتھ متصف ہو اور ایک لمحہ بھی غفلت اور خواہشِ نفسانی میں مشغول نہ ہو اور ذکر کو اپنی اغراض سے آلودہ نہ کرے اور اخلاص والا ہو بلکہ اپنے احوال ومواجید کا بھی ذکر میں لحاظ وخیال نہ کرے، آیت کریمہ فَاذْكُرُونِي أَذْكُرْكُمْ الآیہ[1] (تم مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کروں گا) کے مطابق ضرور اس طرف سے بھی یاد کریں گے، دیکھئے وہ کس طریق پر یاد کرتے ہیں اور کس عطیہ کے ساتھ نوازتے ہیں بلکہ اس وقت میں أَذْكُرْكُمْ (میں تم کو یاد کروں گا) بھی منظور وملحوظ نہ ہو اور خلوصِ سینہ و خلوصِ تمنا کے ساتھ متوجہ وحاضر رہے بلکہ ایسا حضور ہو کہ اس کی ذات بھی درمیان میں نہ ہو اور وہ بھی اپنا سامان عدم کے صحرا کی طرف لے جائے اور حضور خود بخود رونما ہو جائے ع

این کار دولت ست کنوں تا کرا دہند (یہ نصیب کی بات ہے دیکھئے اب کس کو عنایت کرتے ہیں)۔

والسلام علیٰ من اتبع الھدیٰ والتزم متابعۃ المصطفیٰ علیہ وعلیٰ آلہ من الصلوات افضلھا ومن التسلیمات اکملھا۔

---

[1] سورۃ ۲ آیہ ۱۵۲

مکتوب ۷۶

مرزا امان اللہ برہانپوری کے نام سورۂ اخلاص کی تاویل کے بیان میں تحریر فرمایا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ہ نحمدہ ونصلی علٰی رسولہ الکریم مرع

از ہرچہ می رود سخن دوست خوشتر است (دوست کی جو بات بھی بیان کی جائے پسندیدہ ہے)

۱۹۴ ہر کہنے والے سے زیادہ معزز ذات (اللہ تعالیٰ) نے فرمایا ہے قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۔ کلمۂ ھو گویا غیب ہویت کی طرف اشارہ ہے اور اس ذات کے لئے استعمال کیا گیا ہے جو کہ شیون و اعتبارات سے حتیٰ کہ اطلاق کی قید سے بھی بلند و معرا ہے، اور اللہ سے مراد قابلیتِ اولیٰ اور وحدتِ ذاتیہ ہے جو تجرد اور تمام اوصافِ کمال کے ساتھ متصف ہونے کے خاص اعتبار کے لئے ذات تعالیٰ و تقدس کی قابلیت ہے اور احد احدیتِ مجردہ سے کنایہ ہے جو کہ صفات و اعتبارات سے مجرد ہونے کے ساتھ مقید ہے، اَللّٰهُ الصَّمَدُ ، واحدیت کی طرف اشارہ ہے جو کہ صفاتِ افعالیہ و تمام صفاتِ ثبوتیہ و شیون و اعتباراتِ ذاتیہ کے اوصافِ کمال کے ساتھ متصف ہونے کا مرتبہ ہے اس لئے کہ مقامِ صمدیت کے لئے یہ اتصاف ناگزیر ہے اسی لئے ھو الصمد کی بجائے اللہ الصمد آیا کیونکہ اس اتصاف کی قابلیت خاص اسی مرتبہ کے لئے ہے اور اس مرتبہ میں جس کی تعبیر ھو سے واقع ہوئی ہے یہ قابلیت برزخیتِ کبریٰ کے وسیلہ کے بغیر جو کہ مقامِ لاحق ہے ہرگز ملحوظ نہیں ہے، لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ، صفاتِ سلبیہ اور تنزیہات و تقدیسات ذاتیہ کی طرف اشارہ ہے کہ جن کی تفصیل اور اسی طرح شیونِ ثبوتیہ کی تفصیل اللہ واحد و قہار کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ پس یہ سورۂ عالیہ الفاظ کے اختصار و قلت کے باوجود مراتبِ وجوب کی جامع اور اسرار و معارفِ الٰہیہ پر حاوی ہے اور لفظِ مبارک صمد جس طرح سے کہ مرتبۂ وجوب کے شیون و کمالات کا جامع ہے (اسی طرح) مراتبِ کونی و تعینات امکانی کی طرف بھی اشارہ کرتا ہے کیونکہ صمدیت احتیاج کا مطالبہ کرتی ہے پس یہ سورۂ مبارکہ متبرکہ اجمال کے طور پر تمام وجوبی و امکانی مراتب کی جامع واقع ہوئی ہے اور کوئی کمال ایسا نہیں رہا کہ جس کی خبر اس سورۃ نے نہ دی ہو، اس کے قاری (پڑھنے والے) کو چاہئے کہ اس پر سرسری طور سے نہ گذر جائے اور اس کے معانی و اسرار سے بے خبر نہ رہے اور کمالِ صفات کے ملاحظہ اور جمالِ لازوال کے مشاہدہ سے بے بہرہ نہ جائے اور اخلاقِ کمال کے ساتھ متخلق ہونے اور اوصافِ جمال کے ساتھ متحقق ہونے کا کچھ حصہ حاصل کرے اور ہویتِ ذات تعالیٰ کے ساتھ کچھ یقین حاصل کرے اور اجمال و تفصیل کے مرتبہ سے استعداد کے مطابق بہرہ مند ہو جائے اور صمدیت

باری تعالیٰ جل عظمتہ کے ملاحظہ سے اپنی ذاتی احتیاج اور فطری فقر کا مطالعہ کرے اور خیر و کمال کے اوصاف کلّی طور پر حق تعالیٰ کے ساتھ منسوب و مخصوص جانے اور نفسِ امارہ کی انانیت (میں پن) سے پوری طرح رہائی حاصل کرے اس وقت اس کی پیدائش سے جو کچھ مقصود تھا حاصل ہو جائے گا اور صفاتِ تنزیہ و تقدیس سے کہ جن کے ساتھ یہ سورۃ ختم ہوئی ہے اس کے حق میں نعمت تمام ہو جائے گی۔

۱۹۵ جان لیں کہ سالک جس قدر بھی عروج کے درجات میں ترقی کرتا اور قرب پیدا کرتا اور فنا و بقا سے مشرف ہوتا ہے ہر وقت اس کو دوئی و بیگانگی لاحق ہے اور وہ اس بارگاہ کے ساتھ کسی قسم کی بھی مجانست اور اتحاد پیدا نہیں کرتا اور اس کی ذات و صفات میں کوئی مشارکت حاصل نہیں کرتا کیونکہ بندہ ہمیشہ بندگی کا طوق گلے میں ڈالے ہوئے ہے اور وہ سبحانہ و تعالیٰ ہمیشہ اپنے تنزیہ و تقدیس کے ساتھ موصوف ہے۔ ماللتراب و رب الارباب [چہ نسبت خاک را با عالمِ پاک]۔ آپ نے اپنے اور بعض اپنے دوستوں کے جو بعض واقعات و کشوف و احوال لکھے تھے اعلیٰ و پسندیدہ ہیں ان کے مطالعے نے بہت زیادہ فرحت بخشی، اللہ تعالیٰ فتوح و ترقیات کے دروازے ہمیشہ کھلے رکھے بالنون والصاد۔
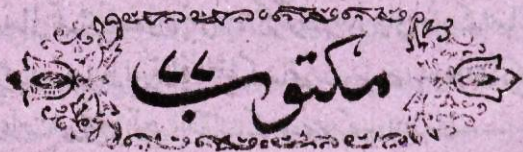
شیخ عبدالحمید برہانپوری کے نام اس بارے میں تحریر فرمایا کہ درجۂ کمال تک پہنچنے کے لئے علامات ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ مخزم بھائی شیخ عبدالحمید اس دور افتادہ (کی طرف) سے سلام عافیت انجام پڑھیں، اس بھائی کا پسندیدہ مکتوب جو کہ اس ناکارہ کے نام موسوم تھا شہر ملتان سے پہنچا، اس کے مطالعہ نے بہت زیادہ فرحت بخشی اور اس میں بعض بلند احوال اور اعلیٰ مقامات بھی مندرج تھے، اگر حق سبحانہ و تعالیٰ (کسی) بندہ کو بعض فضیلتوں کے ساتھ مخصوص فرما دے اور اکابر کے بلند مقامات پر سرفراز کر دے تو کیا تعجب ہے اِنَّ رَبِّیْ رَحِیْمٌ وَّدُوْدٌ [بیشک میرا رب نہایت رحم کرنے والا اور بہت محبت کرنے والا ہے] لیکن اس قسم کے امور کے لئے سنّتِ عالیہ کا اتباع اور ناپسندیدہ بدعت سے اجتناب شرط ہے اور دوسری شرط یہ ہے کہ اس (بندہ) کی خواہش احکامِ شرعیہ اور سننِ پسندیدہ کے تابع ہو جائے۔ حدیث شریف کا مضمون ہے: لن یؤمن احدکم حتی یکون هواه تبعا لما جئت به [تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن (کامل) ہرگز نہیں ہو گا جب تک اس کی خواہش میری لائی ہوئی شریعت کے تابع نہ ہو جائے] حق سبحانہ و تعالیٰ قرب کے درجات میں ترقیات نصیب فرمائے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی

بلند مقامات تک پہنچنے، دوستوں سے فاتحہ یا ذکر کی دعا کا امیدوار ہوں۔

مکتوب ۷۸

میر محمد ابراہیم ولد سیادت دستگاہ میر محمد نعمان کے نام رابطہ وفنا فی الشیخ واتباع سنت حاصل کرنے اور شیخ کامل کی صحبت اور فنا فی اللہ کے اختیار کرنے پر جوکہ اس راستہ کا پہلا قدم ہے ترغیب دینے کے بیان میں تحریر فرمایا ہے

۱۹۹ بسم اللہ حامداً للہ العظیم ومصلیاً علی رسولہ الکریم ۔ اے سرداری اور نقابت کو پناہ دینے والے! ہمارے طریقہ میں کمال کے درجہ پر پہنچنے کا مدار شیخ مقتدا کے ساتھ محبت کا رابطہ رکھنے سے وابستہ ہے، طالبِ صادق اس محبت کے راستے سے جو وہ شیخ کے ساتھ رکھتا ہے اس کے باطن سے فیوض وبرکات اخذ کرتا رہتا ہے اور باطنی مناسبت کے ذریعہ سے ساعت بساعت اس کے رنگ میں رنگ جاتا ہے، بزرگوں نے کہا ہے فنا فی الشیخ فنائے حقیقی کا مقدمہ ہے، مذکورہ رابطہ اور فنا فی الشیخ کے بغیر تنہا ذکر اللہ تعالیٰ تک پہنچانے والا نہیں ہے، ذکر اگرچہ وصول (الی اللہ) کے اسباب میں سے ہے لیکن غالب طور پر محبت کے رابطہ اور فنا فی الشیخ کے ساتھ مشروط ہے، ہاں طریقۂ ذکر کو لازم پکڑے بغیر آدابِ صحبت کی رعایت اور شیخ کی توجہ والتفات کے ہوتے ہوئے یہ رابطہ تنہا

بھی موصل ہے اور اختیاری سلوک وتسلیک میں جوکہ دوسرے طریقوں کے ساتھ وابستہ ہے کام کا مدار اوراد واذکار کی پابندی پر ہے اور معاملہ کی بنیاد ریاضتوں اور چلّوں پر ہے اور پیرِ طریقت سے اس طرح کا رجوع نہیں ہے اور اس طریقہ میں جوکہ صحابۂ کرام علیہم الرضوان کا طریقہ ہے افادہ (فائدہ پہنچانا) اور استفادہ (فائدہ حاصل کرنا) انعکاسی ہے، آداب کی رعایت کے ساتھ شیخ مقتدا کی صحبت کافی ہے، اوراذکار و طاعات کی پابندی بھی امدادی اور معاون امور میں سے ہے، کمالات حاصل کرنے میں خیر البشر علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والزکیات والتسلیمات والتحیات النامیات کی صحبت ایمان وتسلیم اور اطاعت کی شرط کے ساتھ کافی تھی، اسی لئے وصول کی راہ اس طریقہ میں اقرب (سب سے زیادہ قریب) ہوگئی ہے اور شیخ کامل ومکمل سے فیوض وبرکات اخذ کرنے میں نہایت بوڑھے، بچے، شیوخ، زندہ اور مُردہ سب برابر ہیں، اس طریقۂ عالیہ میں جوکہ بدایت میں نہایت کے درجہ ہونے کو شامل ہے سنتِ منورہ کا اتباع کرنا اور بدعتِ ناپسندیدہ سے اجتناب کرنا ہے حضرت خواجہ احرار قدس سرہ نے فرمایا ہے "اگر لوگ پوچھیں کہ حضرات خواجگان قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کے خاندان کے درویشوں کا اعتقاد کیا ہے تو تو کہہ دے کہ اہلِ سنت و

جماعت کے مطابق اعتقاد اور دوامِ عبودیت ہے جو کہ عبادت ادا کئے بغیر متصور نہیں ہے اور وہ کسی غیر کے وجود کے شعور کی مزاحمت کے بغیر بلکہ وجودِ حق سبحانہٗ آگاہی کی صفت سے بھی ذہول (نسیان اور بھول جانے) کے ساتھ حضرت حق سبحانہٗ کی مقدس بارگاہ میں دوام آگاہی مراد ہے، اس سعادتِ عظمیٰ کا پانا جذبہ کے تصرف کے بغیر جس سے مراد محبتِ ذوقیہ کا ظہور ہے میسر نہیں ہے۔ جذبہ کے طریق میں کسی ایسے شخص کی صحبت سے زیادہ قوی ذریعہ کوئی نہیں ہے کہ جس کا سلوک جذبہ کے طریق سے واقع ہوا ہو اگر حق سبحانہٗ و تعالیٰ محض اپنی عنایت سے کسی ایسے شخص کی صحبت میں پہنچا دے کہ (جس کے) جذبہ کے تصرف کا اثر ظاہر ہو جائے جس سے مراد ذوق کے طور پر حق سبحانہٗ کے ساتھ آگاہی ہے اور دل کو اس آگاہی میں ایک لذت ہے، اس کو چاہئے کہ اپنی سعادت ہر کلی و جزئی امر میں اس کی اطاعت میں جانے اور اپنی بدبختی اس سے روگردانی میں جانے، ہمیشہ اپنے اوقات کو اس کے ادب کی نگاہداشت میں صرف کرے اور جو چیز بھی اس کو ناپسند ہے اُس سے اپنے آپ کو بچائے اور اس کی مرضی کے خلاف کاموں میں اپنے آپ کو مصروف نہ کرے، چنانچہ جو کچھ اس کا محبوب (پسندیدہ) ہو اس کو اپنا محبوب بنائے اور جو کچھ اس کو ناپسند ہو طبعی طور پر اس سے نفرت کرے تاکہ ایسا ہو جائے کہ اُس کی مراد کے سوا اِس کی اور کوئی مراد نہ ہو اور تمام مرادیں اس کے سینہ کی وسعت سے نکل جائیں اور جب حالت یہاں تک پہنچ جائے تو اس لائق ہے کہ وہ وصف جو دل پر وارد ہوا ہے بقا حاصل کرلے"۔ تم کلامہ [حضرت خواجہ احرار قدس سرہٗ کا کلام پورا ہوا]۔ اس طریقہ کے بزرگوں نے کہا ہے مصرع

ص ۱۹۷

سایۂ رہبر بہ ست از ذکرِ حق

[رہبر کا سایہ حق تعالیٰ کے ذکر سے بہتر ہے] اور ان بزرگوں نے سایۂ رہبر کا اشارہ طریقۂ رابطہ کی طرف کیا ہے کہ جس سے مراد شیخ کی صورت کی اس طریقے پر حفاظت ہے جو کہ اس طریقہ میں مقرر ہے یعنی رابطہ کا طریقہ بتدی طالب کے لئے ذکر (حق) سے زیادہ فائدہ مند ہے، اگرچہ ذکر فی نفسہٖ بزرگی اور فضیلت رکھتا ہے اس کی تشریح یہ ہے کہ مرید بیچارہ چونکہ عالمِ سفلی (دنیا و ما فیہا) میں گرفتار ہے (اس لئے) وہ عالمِ علوی (عالمِ بالا) سے مناسبت نہیں رکھتا کہ وہ اس بارگاہ سے بلاوسیلہ فیوض و برکات حاصل کرسکے (اس لئے) اس کے لئے دونوں طرف سے حصہ رکھنے والا ایک واسطہ چاہئے جو عالمِ علوی سے کچھ حظ حاصل کر کے مخلوق کی دعوت و ارشاد کے لئے عالمِ سفلی کی طرف متوجہ ہوا ہو اور پہلی (عالمِ بالا کے ساتھ) مناسبت کی وجہ سے عالمِ غیب سے فیوض اخذ کر کے دوسری مناسبت کے ذریعہ سے جو کہ وہ عالمِ سفلی کے ساتھ رکھتا ہے اُن فیوض کو اُن کی استعداد والوں کو پہنچائے، پس طالب رشید شیخ کے ساتھ مناسبت کی

رابطہ و تصورِ شیخ کی تشریح و فضیلت

جسقدر روجوع زیادہ رکھتا ہوگا اس کے باطن سے اسی قدر زیادہ فیوض اخذ کرے گا ؎

زاں روے کہ چشم تست احول معبودِ تو پیرِ تست اول

چونکہ تیری آنکھ بھینگی (ایک چیز کو دو دکھاتی) ہے (اسلئے) اول تیرا معبود تیرا پیر ہے] اور جن چیزوں سے کہ شیخ کے ساتھ مناسبت پیدا ہوتی ہے وہ ظاہر اور باطن میں اس کی محبت و خدمت اور اس کے آداب کی رعایت ہے۔ آپ نے سنا ہوگا کہ "کوئی بے ادب خدا تک نہیں پہنچ سکتا" اور عبادات و عادات میں اس کا اتباع ہے اور اپنی مرادوں کو اس کی مرادوں کے تابع کر دینا ہے اور تمام امور میں اپنے آپ کو اس کے سپرد کر دینا جیسا کہ مردہ غسل دینے والے کے ہاتھوں میں ہوتا ہے اور رابطہ کا طریقہ ان (مذکورہ بالا) امور میں سب سے بڑا امر ہے اور شیخ کے ساتھ بہت ہی زیادہ مناسبت پیدا کرتا ہے، اور ان مذکورہ بالا امور کو جن کے ذریعہ مناسبت حاصل ہوتی ہے آسان کرنے والا ہے، اور جب رابطہ کی نسبت غالب آجاتی ہے تو وہ (سالک) اپنے آپ کو عینِ شیخ دیکھتا ہے اور اپنے آپ کو اس کے لباس اور وصف سے موصوف پاتا ہے اور جہاں کہیں دیکھتا ہے شیخ کی صورت دیکھتا ہے ؎

۱۹۸ ازیں بتاں ہمہ در چشمِ من تو می آئی بہر کہ می نگرم صورتِ تو می بینم

[ان سب بتوں (حسینوں) میں سے تو ہی میری نگاہ میں آتا ہے میں جس کسی کو بھی دیکھتا ہوں تیری ہی صورت دیکھتا ہوں]

میرے مخدوم! آپ نے طلب پیدا ہونے کے بارے میں ظاہر کیا تھا، آپ جان لیں کہ حق سبحانہ فرماتا ہے اَلَا لِلّٰهِ الدِّيْنُ الْخَالِصُ [آگاہ رہو اللہ تعالیٰ کے لئے خالص دین ہی ہے] طالبِ حق کے لئے لازم ہے کہ اُس تعالیٰ شانہ کی طلب و محبت میں یک سُو اور یک رُخ ہو جائے کیونکہ یہ عظیم امر شرکت کی گنجائش نہیں دیتا جسقدر کوئی شخص کثرت کے ساتھ اُلجھا ہوا ہے اور کثرت کی جہتیں اپنے ساتھ رکھتا ہے اگرچہ طلب و علم اور محبت کے ساتھ ہو حقیقی وحدت سے دور و محروم ہے اور وہ جسقدر کثرت کو ساقط (دُور) کرے گا خواہ توجہ والتفات و طلب کی رُو سے دور کرے یا دید و دانش (دیکھنے اور جاننے) کی رُو سے دُور کرے وحدت کے زیادہ قریب ہوگا۔ جبتک سالک (کثرت کے) اسقاط (دُور کرنے) کے درپے ہے وہ مقامِ طریقت میں ہے اور جب معاملہ اسقاط (دُور کرنے) سے سقوط (دُور ہو جانے) تک پہنچ جائے اور ماسوا کی محبت اور دید و دانش سے نجات حاصل کرلے تو حقیقت کو پہنچ جاتا ہے، اس مقام میں دل کو ماسوی اللہ سے اسقدر انقطاع و نسیان حاصل ہو جاتا ہے کہ اگر کئی سال تک تکلف کے ساتھ ماسوا کو یاد و مستحضر کرے (تب بھی) میسر نہ ہو اور یاد نہ آئے، یہ کمالاتِ ولایت میں سے پہلا کمال ہے اور دوسرے کمالات کے لئے شرط ہے اور اس معاملہ کو فنائے قلبی سے تعبیر کیا جاتا ہے، کوشش کرنی چاہیئے تاکہ پہلا کمال

حاصل ہو جائے اس کے بعد دوسرے کمالات کے بارے میں بات کی جائے ع

درخانہ اگر کس است یک حرف بس است [اگر گھر میں کوئی ہے تو ایک حرف (ہی) کافی ہے]

مکتوب ۷۹

خواجہ محمد حنیف کے نام مقام بندگی کی تحقیق اور سورۂ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ کے رموز و اسرار کے بیان میں تحریر فرمایا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بندگی کی حقیقت اور طاعات کی حلاوت اس وقت حاصل ہوتی ہے جبکہ توجہ کا قبلہ بارگاہِ صمدیت کے سوا اور کوئی نہ ہو اور تمام امور میں مرجعِ حقیقی اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی نہ رہے اور خواہشاتِ نفسانی کی تدبیر سے گذر کر تمام امور اُس لم یزل و لایزال (اللہ تعالیٰ) کی پاک بارگاہ کے سپرد کر دے اور اعتماد کی پشت فانی اور ہلاک ہونے والے کاموں پر نہ رکھے کیونکہ اس کا نتیجہ مطلبِ اعلیٰ سے دوری و محرومی کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔

اے بھائی! دنیا میں کسی کی طرف رجوع کرنے کا باعث اور کسی موجود پر اعتماد کرنے کا سبب یا تو یہ ہوتا ہے کہ وہ مُربّی (پرورش کرنے والا) ہے اور ظاہری و باطنی تربیت اس کے ساتھ وابستہ ہے اور آیۂ کریمہ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ [تو کہہ میں پناہ میں آیا لوگوں کے رب کی] کے مطابق حقیقی مُربّی اللہ تعالیٰ و تقدس کی پاک بارگاہ ہے اور ظاہر و باطن کی تربیت حقیقت میں اسی سبحانہ و تعالیٰ کے ساتھ وابستہ ہے اور پیر، استاد، ماں، باپ اور جو اُن کے مثل ہیں یہ سب دنیا میں اللہ تعالیٰ جل شانہ کے حکم سے مُربّی ہیں، ان سب کی طرف شریعتِ عالیہ کے موافق رجوع و تواضع کرنا چونکہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہے اس لئے حقیقت میں اس عنوان سے ان کے ساتھ تواضع و رجوع کرنا اللہ تعالیٰ کے ساتھ تواضع و رجوع کرنا ہے، یا (رجوع کا سبب) سلطنت و بادشاہت ہوا کرتی ہے اور سلطنت و بادشاہت بھی آیۂ کریمہ مَلِكِ النَّاسِ [لوگوں کے بادشاہ کی] کے بموجب اُسی (اللہ تعالیٰ) جل سلطانہ کے لئے (مسلّم) ہے، یا (رجوع کا سبب) معبودیت و الوہیت ہوتی ہے کیونکہ عقل و عرف کی رو سے دنیا میں رجوع و اعتماد و تواضع و خشوع (کا معاملہ) الٰہ و معبود کے ساتھ ہونا مستحسن (اچھا) بلکہ واجب و لازم ہے اور (یہ) معبودیت و الوہیت بھی آیۂ کریمہ اِلٰهِ النَّاسِ [لوگوں کے معبود کی] کے مطابق بیچونِ حقیقی کی پاک بارگاہ کے لئے مسلّم و مخصوص ہے نفسِ انسانی و وسوسۂ شیطانی کہ جس کے شر سے

۱۹۹

پناہ مانگنے کا حکم حق سبحانہ و تعالیٰ آیۂ کریمہ مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ الَّذِیْ یُوَسْوِسُ فِیْ صُدُوْرِ النَّاسِ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ (میں) وسوسہ ڈالنے والے پیچھے ہٹ جانے والے کے شر سے جو لوگوں کے دلوں میں وسوسہ ڈالتا ہے (پناہ مانگتا ہوں) خواہ وہ جنات میں سے ہو یا انسانوں میں سے۔ میں فرماتا ہے، یہ (دونوں) دشمن گھات میں لگے ہوئے ہیں چاہتے ہیں کہ اس تحقیقی مربی و معبود اور حقیقی بادشاہ سے بندہ کو دور و محجوب کر دیں اور اس کے ماسوا میں گرفتار کر دیں اور جلی (نمایاں) اور خفی (پوشیدہ) شرک کی طرف رہنمائی کریں، اس قسم کے ملعون (دشمن) کے شر سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگنا ضروری ہے، ہمیشہ پناہ مانگتے رہنا چاہئے اور ان تینوں اوصاف کو جو کہ اس سورۂ مبارکہ میں مذکور ہیں مکمل طریقے پر اس مقدس بارگاہ میں منحصر تصور کرنا چاہئے تاکہ دشمن کے شر سے محفوظ رہے اور بارگاہِ قدس میں راستہ پائے: رَبَّنَا آتِنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً وَّهَيِّئْ لَنَا مِنْ أَمْرِنَا رَشَدًا ۱۰ (اے رب! ہم کو اپنے پاس سے رحمت عطا فرما اور ہمارے کام میں ہمارے لئے ہدایت کا سامان مہیا فرما) ۱۸/۱۰

مکتوب ۸۰

مرزا محمد فاروقی کے نام بندگی اور ارادہ میں تضاد کے بارے میں اور حضرت ایشاں (مجدد الف ثانی قدس سرہ) کے روضۂ مبارکہ کی تعریف اور شہر سرہند کی بزرگی کے بیان میں تحریر فرمایا۔

اللہ تعالیٰ مرادوں کے حصول کے ساتھ آپ کی عزت افزائی فرمائے بلکہ (دیگر) تمام مرادوں سے خالی کر دے اور اپنے ارادے کے ساتھ قیام بخشے، بندگی کا مقام جو کہ نیستی اور بے وجودی (عدم و فنائیت) ہے ارادہ کے وصف کی گنجائش نہیں رکھتا کیونکہ (ارادہ) ہستی اور خودی کی خبر دینے والا ہے اور ہستی و انانیت (میں پن) کا ایک نقطہ بھی محب کے سینہ پر کوہِ قاف اور سدِّ سکندری (بہت بڑا بوجھ اور رکاوٹ) ہے کہ جس کا دور کرنا کرم (فضل) کے وسیلہ کے بغیر ممکن نہیں ہے، باطنی جذبات کے بغیر صرف ظاہری اعمال اس گرداب سے نہیں نکالتے، اور جب تک شوق کی آگ کا شعلہ باطن کے گھر روشن نہ کریں اور حرکت سوزِ عشق نہ دیں اس بھاری بوجھ سے نجات اور رہائی محال ہے، جب تک سالک اپنے ارادے کی قید میں ہے مرید ہے اور جب ارادے اور مرادوں سے رہائی حاصل کر لیتا ہے اللہ تعالیٰ کے ارادہ کے ساتھ قائم ہو جاتا ہے تو ارادے کے مقام سے نکل جاتا ہے اور شیخی کے مقام کے لائق ہو جاتا ہے۔

اس زمانے میں یہ معنی جو کہ ولایت کے کمالات میں سے پہلا کمال ہے اسی طرح ولایت کے تمام کمالات پیشوائے اکابر حضرت پیر دستگیر قدسنا اللہ سبحانہ بسرہ الاقدس کے مزار فائض الانوار سے

مفاض و مستفاد (جاری و حاصل) ہیں اور اس روضۂ منورہ کے مجاورین (پڑوسی) بلکہ اطراف و اکناف کے طالبان جو کہ صحیح اعتقاد کے ساتھ آتے ہیں اور نیاز مندی کا سر اس آستانۂ بلند سے گھستے ہیں ان دولتوں سے فیضیاب و بہرہ ور ہوتے ہیں اور ایک گھونٹ پی کر صد جوش و خروش کے ساتھ اپنے آپ کو ترک کر کے مطلب کو پہنچ جاتے ہیں۔ آج سرہند کی زمین فیوض و انوار کی کثرت اور اسرار کے ظہور کی بہتات کی وجہ سے ہند و غیر ہند کے لئے رشک (کی جگہ) ہے، لوگ اس کو ہندوستان سے نہ جانیں کیونکہ یہ ولایت (غیر ہند) کی کھڑکی ہے ہندوستان کی خاک ولایت کے پانی کے ساتھ مل گئی ہے اور محبت کی شراب جمع کی افیون کے ساتھ اس کی طینت میں گھل مل گئی ہے اس لئے سُکر کے جوش سے عین و اثر کو اس کے طالبوں سے دُور کر دیا ہے، اُس جگہ کے رقص کرنے والوں سے سر و دستار اُٹھا دیا ہے، کسی نے کیا اچھا کہا ہے ؎

ازاں افیون کہ ساقی در مے افگند　　　حریفاں را نہ سر ماند نہ دستار

[اس افیون کی وجہ سے جو کہ ساقی نے شراب میں ڈال دی ہے حریفوں کو نہ سر (کا ہوش) رہا ہے اور نہ پگڑی (کا)]

اس کے باوجود جمع الجمع کے شربت سے سیراب ہے اور صحو و دعوت کے دودھ سے تروتازہ ہے یہ سب ہدایت و ارشاد اس (بُقعہ) کا اثر ہے اور یہ دید و داد (دیکھنا اور دینا) اُس (جگہ) کا پرتو ہے اس بقعہ (قطعۂ زمین) کی طینت کی لطافت کہاں تک بیان کرے اور اس کے وجود کے فیوض و اسرار اور اس کے جود و ایثار کو کہاں تک ظاہر کرے کہ یہ چیز عقل و ہوش والے طالبوں سے چھپی ہوئی نہیں ہے اور صفائی کی طبیعت والے منصفوں پر پوشیدہ نہیں ہے اس کے اسرار کے سمندروں سے ایسا موتی ہاتھ آتا ہے کہ دوسری جگہوں میں کمیاب ہے اور اس کے شراب خانے سے مشتاقین کے حلق میں ایک ایسا گھونٹ پہنچتا ہے جو کہ آفاق و انفس سے بے خبر کر دیتا ہے ؎

بس کنم خود زیرکاں را ایں بس است　　　بانگ بر کردم اگر در دہ کس است

[میں بس کرتا ہوں کیونکہ عقلمندوں کے لئے یہی کافی ہے، اگر گاؤں میں کوئی شخص ہے تو میں نے خطرہ کی آواز لگا دی ہے] والسلام اولاً و آخراً

مکتوب ۸۱
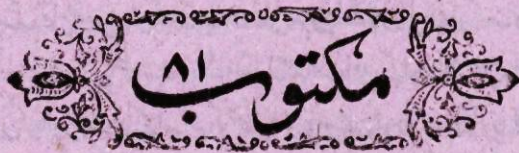
رفعت بیگ کے نام اس بارے میں تحریر فرمایا کہ کثرت کا ترک کرنا اس راستہ کی شرط ہے۔

قُلِ اللّٰہُ ثُمَّ ذَرْھُمْ [تو کہہ اللہ نے، پھر ان کو چھوڑ دے] وحدت و کثرت ایک دوسرے کی ضد ہیں

طالبِ وحدت کے لئے کثرت کو ترک کرنا ضروری ہے، کثرت کی جسقدر جہتیں اپنے ساتھ رکھتا ہے اسی قدر دُور و محروم ہے طلب و محبت کی رُو سے بھی وحدانی رہ اور علم و ارادے کی رو سے بھی تاکہ تو مناسبت پیدا کرلے اور وحدت کا آئینہ ہو جائے اور توحیدِ حقیقی کو پہنچے، التوحید اسقاط الاضافات (اضافوں (تعلقات اور نسبتوں) کو ساقط (دُور) کرنا ہی توحید ہے)۔

محمد کاشف کے نام اس بارے میں تحریر فرمایا کہ مطلوب تک پہنچنا اپنے سے گذرے بغیر ممکن نہیں ہے

مَا عِنْدَ كُمْ يَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ [جو کچھ تمہارے پاس ہے وہ فنا ہونے والا ہے اور جو کچھ اللہ تعالیٰ کے پاس ہے وہ باقی رہنے والا ہے] حق تعالیٰ جل و علا کا طالب جبتک عارِیتی لباس کو نہ اُتارے اور ماسوی اللہ سے رہائی حاصل نہ کرے اور تعلقات اور نسبتوں سے خالی نہ ہو جائے اور اپنے آپ سے گذر نہ جائے اُس سبحانہ و تعالیٰ کی بارگاہِ مقدس میں کوئی راستہ نہیں پائے گا اور باقی رہنے والے اخلاق کے ساتھ متخلق نہیں ہو گا ع

با مارِ سیہ نشین و با خود منشین [سیاہ سانپ کے ساتھ بیٹھ اور اپنے نفس کے ساتھ مت بیٹھ]

مکتوب ۸۳

خواجہ عبد الصمد کے نام اس بارے میں تحریر فرمایا ہے کہ ظاہری اسباب کا ختم ہونا باطنی معاملہ کا مددگار ہے

بسم اللہ الرحمن الرحیم، اللہ تعالیٰ فتوح (کامیابیوں) کے دروازے ہمیشہ کھلے رکھے، اہل اللہ کے سیر و سلوک میں سب عبارتوں سے کامل ترین عبارت یہ آیۂ کریمہ ہے مَا عِنْدَ كُمْ يَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ [ط] طالبِ صادق جبتک تمام نسبتوں اور تعلقات سے خالی نہ ہو جائے لازوال انوار کے ساتھ بقا حاصل نہیں کرتا، اگرچہ اس معاملہ میں عمدہ چیز باطن ہے اور فنا و بقا بالاصالت اس کے اوصاف میں سے ہے لیکن صوری ساز و سامان کو زائل کرنا اور معیشت کے اسباب کو ختم کرنا اور ظاہری حوادث کو ساقط کرنا باطنی معاملات کے معاونین اور معنوی ترقیات کے اسباب میں سے ہے، کوئی شاہباز ہونا چاہیئے جو کہ اس آیتِ کریمہ کے اسرار کے سمندروں میں غوطہ لگائے اور کلمۂ مَا کے عموم سے جو کہ اس آیت میں دو جگہ آیا ہے بہرہ ور ہو جائے والسلام۔

[۲۰۱] ع۵ [ترجمہ: جو کچھ تمہارے پاس ہے وہ ختم ہو جائیگا اور جو کچھ اللہ تعالیٰ کے پاس ہے وہ باقی رہنے والا ہے]

مکتوب ۸۴

مولانا محمد صدیق پشاوری کے نام اس بارے میں کہ ذوق و شوق، مشاہدہ اور حضور وغیرہ سب توسط (درمیانی منزل) میں ہے اور انتہا میں خوف و حزن ہے اور اس کلمہ کی شرح میں جو اعلیٰ بشارت کے ضمن میں الہام ہوا تھا تحریر فرمایا۔

۲۰۲ الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ، برادر عزیز مولانا محمد صدیق کے گرامی نامہ نے وصول ہو کر مسرور و لطف اندوز کیا اس میں درج تھا کہ "اگر اس سے پہلے پُر شوق گریہ ہوتا تھا تو اب پُر خوف گریہ ہوتا ہے، اور اگر اس سے پہلے نیستی کے وصف کا مراقبہ رکھتا تھا تو اب حیرت و سرگردانی کے سوا کچھ نہیں رکھتا، اور اگر اس سے پہلے نسبت و حلاوت رکھتا تھا تو اب بے نسبتی اور بے حلاوتی ہے تمام حالات میں نسبت و اسرار و معارف کے مراقبہ سے خالی اور بَری ہو کر حیرت کے جنگل اور نکارت (ناآشنائی) کے صحرا میں سرگرداں ہے نہ گرفتارِ فنا ہے اور نہ طالبِ بقا ہے، نہ حضور کی جستجو کرنے والا ہے اور نہ ہی شہود کے لئے بھاگ دوڑ کرنے والا۔"

میرے مخدوم! شوق و حلاوت، مراقبہ و نسبت اور نیستی یہ سب احوال کے وسط میں ہیں، اور کام کے آخر میں خوف و حیرت، سرگردانی و بے حلاوتی اور بے نسبتی ہے، جب معاملہ اصل الاصل سے پڑتا ہے بلکہ اصل کو (بھی) ظل کی طرح راستہ میں چھوڑ دیتا ہے اور اس بلند بارگاہ کے ساتھ اپنی بے مناسبتی کا احساس کرتا ہے تو وہ شوق و حلاوت و خیال و نسبت و اسرار و معارف کہ جن سے وہ مالوف و مانوس تھا زائل ہونے لگتے ہیں اور اُن کی جگہ خوف و حیرت و بے حلاوتی اور جہل و ناآشنائی لے لیتی ہے، وہ جہل و ناآشنائی نہیں جو کہ عوام کا حصہ ہے (بلکہ) یہ ایک ایسا امر ہے کہ جب تک اس کے ساتھ متحقق نہ ہو جائے اس کو نہیں پاتا، یہ وہ جہل و نکارت ہے جو علم و دانش پر ہزاروں درجہ فضیلت رکھتی ہے اور یہ وہ خوف و حیرت ہے کہ کئی وجوہ سے شوق و حلاوت پر ترجیح رکھتا ہے، یہ اطلاقات مدح بما یشبہ الذم [وہ تعریف جو مذمت کے مشابہ ہو] کی قسم سے ہیں، جب تک سالک کی سیر اصول میں ہے شوق و حلاوت و معرفت اور اسرار معارف بیان کرنے میں زیادہ بولنے اور احاطہ و سریان و اصالت و ظلیت اور مرآتیت (آئینہ ہونا) کی نسبت کے ثابت کرنے وغیرہ کی گنجائش ہوتی ہے اور جب معاملہ اصول سے اوپر چلا جاتا ہے اور اصل کو ظل کی طرح چھوڑ دیتا ہے تو کَلَّ لِسَانُہٗ [زبان گونگی ہو گئی]

دکا مقام حاصل ہو جاتا ہے اور مذکورہ نسبت پوشیدہ ہو جاتی ہے ما للتراب و رب الارباب (چہ نسبت خاک را با عالم پاک) اور یہ معرفت و حلاوت ختم ہو جاتی ہے۔ اس مقام میں اگر علم اور لذت حاصل کرنا ہے تو وہ دوسری وجہ سے ہے، یہ ایک ایسا امر ہے کہ جس کو جہل و حیرت سے تعبیر کرنا زیادہ مناسب ہے من لم یذق لم یدر (جس نے نہیں چکھا اس نے نہیں جانا) اگرچہ آپ کی بعض عبارتیں اس معنی کو ادا کرنے والی نہیں ہیں جو کہ اوپر مذکور ہوئے ہیں اور فی الجملہ اس پر محمول ہونے سے انکار کرتی ہیں لیکن امید ہے کہ آپ اس کے ارد گرد سے کچھ حصہ رکھتے ہیں اور المرءُ مع من احب (آدمی اس کے ساتھ ہے جس سے محبت کرتا ہے) کے مصداق آپ نے ایک (قسم کی) معیت اس نسبت والوں کے ساتھ حاصل کر لی ہے۔

۲۰۳ آپ نے لکھا تھا کہ واضح یقین کے ساتھ یہ بات حاصل ہو گئی ہے کہ خواہش و آرزو کی کوئی گرد بھی دل کے آئینہ میں نہیں بیٹھی ہے اور اسی ضمن میں ایک قسم کی حلاوت و لذت حاصل ہوئی ہے کہ تمام عمر میں اس قسم کی حلاوت ظاہر نہیں ہوئی ہو گی عین خاص الخاص لذت حاصل کرنے میں تھا کہ ہوش کے کان میں آواز دی گئی کہ یہ تسلیم و رضا کا مقام ہے لیکن اس کے بعد میں نے اپنے آپ کو نور محض پایا اور بے کیف دیکھا الخ اور آپ نے لیکن کے معنی میں تحیر میں مبتلا ہو کر بہت سے احتمال (شکوک) لکھے ہیں" لیکن کا معنی جو کچھ (میرے) دل میں آتا ہے وہ یہ ہے کہ" لیکن مطلوبِ حقیقی تک پہنچنا اس سے ماوراء ہے، اور جو کچھ آپ نے آنحضرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلسِ مبارک سے اس کے معنی کا استفادہ کیا ہے کہ بخ بخ لکن استقم (آفرین لیکن اس پر استقامت حاصل کر) ہو سکتا ہے کہ اس معنی کے ساتھ جمع ہو جائے یعنی لیکن اس پر مستقیم رہ تاکہ انتہائی مطلب تک ترقی حاصل کرے۔ اور یہ جو کہا گیا ہے کہ مطلبِ اعلیٰ تک پہنچنا اس کے ماوراء ہے، یہ اس لئے ہے کہ تسلیم و رضا و فنائے ارادہ شروط میں اور موانع کے دور کرنے میں داخل ہیں، کاملین کے قدموں کا باہم افضل ہونا دوسرے امور کی وجہ سے ہے اس قسم کے امور کا ہونا قدرِ مشترک ہے جو کہ ضروری ہے۔

اگر یہ کہیں کہ قوم (صوفیہ) کے نزدیک یہ بات مسلّم ہے کہ مقامِ رضا تمام مقامات سے اوپر ہے، ان حضرات نے مقامات میں سے پہلا مقام توبہ کو اور ان میں سے آخری مقام رضا کو کہا ہے، تو پھر مقامِ رضا سے ترقی کس طرح متصور ہو گی۔ ہم کہتے ہیں کہ یہ سلوک کے مقامات کا انتہا (آخری مقام) ہے کہ جس کا حاصل ہونا کسب و ریاضت سے وابستہ ہے یہ مطلق مقاماتِ عروج کا انتہا نہیں ہے۔

اور یہ جو آپ نے لکھا ہے کہ" اس وقت سے جبکہ یہ واقعہ منکشف ہوا ہے کمر ٹوٹ گئی ہے کہ اگر اس شخص میں استقامت ہوتی تو بظاہر اس خطاب سے مخاطب نہ ہوتا کیونکہ تحصیل حاصل (حاصل چیز کو

حاصل کرنا محال ہے" یہ کوئی تحصیل حاصل نہیں ہے کیونکہ لفظ استقم (استقامت حاصل کر) مستقبل کا لفظ ہے یہ حال کی استقامت کے منافی نہیں ہے، اللہ تعالیٰ اپنے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خطاب کرتے ہوئے فرماتا ہے فَاسْتَقِمْ كَمَا أُمِرْتَ [پس تو استقامت حاصل کر جیسا کہ تجھ کو امر کیا گیا ہے] بیشک استقامت مشکل کام ہے اور اس کا امر کرنا کمر کو توڑنے والا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سورۂ ھود نے مجھ کو بوڑھا کر دیا۔ اور آپ نے واقعہ میں جو کچھ فقیر کا اعتراض مشاہدہ کیا ہے آپ کی فرمانبرداری و تسلیم کے بعد وہ اعتراض اس کی ضد میں تبدیل ہوگیا ہے گویا آپ کے انقیاد (فرمانبرداری) اور تسلیم کا امتحان ہوا ہے۔ رَبَّنَا أَتْمِمْ لَنَا نُورَنَا وَاغْفِرْ لَنَا إِنَّكَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ [اے اللہ ہمارے لئے ہمارے نور کو پورا فرما دے اور ہماری مغفرت فرما دے بیشک تو ہر چیز پر قادر ہے]۔

مکتوب ۸۵

پیرزادہ خواجہ محمد عبید اللہ کے نام اُن شبہات کے حل میں جو کہ انھوں نے حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہ کے کلام پر کئے تھے اور حضرت ذات تعالیٰ سے تنزل وجود خواہ عیناً ہو یا زائداً کے بارے میں حضرت عالی قدس سرہٗ کے مذہب اور حیات کے علم پر مقدم ہونے کی تحقیق اور تعین وجودی و حبی اور ہر مقام کے متعلق مناسب تحقیقات کے بارے میں تحریر فرمایا۔ ۳۰۴

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ خصوصاً علیٰ سید الوریٰ امام التقی محمد المصطفیٰ صاحب قاب قوسین او ادنیٰ وعلیٰ آلہ شموس الدجیٰ وصحبہ نجوم الھدیٰ اما بعد [اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو کہ نہایت مہربان اور بہت ہی رحم والا ہے سب تعریف اللہ تعالیٰ کے لئے ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر خصوصاً مخلوق کے آقا و سردار، متقیوں کے امام حضرت محمد مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) پر جو کہ قاب قوسین او ادنیٰ کے مالک ہیں اور آپ کی آل پر جو کہ تاریکیوں کے سورج ہیں اور آپ کے اصحاب پر جو کہ ہدایت کے ستارے ہیں سلام ہو، اس کے بعد] پس یہ وہ فقرات ہیں جو تنزیہات کی نرم ہواؤں سے مترشح ہوئے ہیں اور وہ باغات ہیں جو تقدیسات کی خوشبوؤں سے مہکے ہیں، احدیت کے وہ انوار ہیں جو کہ فتوحات کی شعاعوں سے ظاہر ہوئے ہیں اور وہ پاکیزہ حالات و واقعات ہیں جو عطیاتِ (الٰہی) کے ترشح سے نمودار ہوئے ہیں، وہ الہامات ہیں جن میں بیمار عقل کے لئے علاج ہے اور وہ انعامات ہیں جن سے روح کے لئے تر و تازگی و زندگی ہے، مشکلات کو حل کرنے میں کلمات کاملہ ہیں اور قلیل سرمایہ سے حقیر سا ہدیہ ہیں

جو اُس مخدوم مکرم کی طرف بھیجا گیا ہے جو کہ کمالات کا جامع ہے، شوق و وجد اور لذات کی چادر میں ناز سے چلنے والا ہے، وہ جذبات کا مورد، انعامات کا مہبط، معقولات کے دلائل کی گہرائیوں میں غوطہ لگانے والا تصوف و الٰہیات کے دقائق میں غور کرنے والا ہے اور بیشک اُس نے ہماری طرف ایک بزرگ گرامی نامہ ارسال کیا تھا جو بلند معارف اور نادر سوالات پر مشتمل تھا اور جو کچھ اس خط میں تھا میرے پاس اس کی مثل نہیں تھا تو اس سے بہتر کس طرح ہوتا (حالانکہ نص میں) وارد ہے فَحَيُّوا بِأَحْسَنَ مِنْهَا أَوْ رُدُّوهَا [پس تم اُن سے بہتر (الفاظ میں) سلام کرو یا انہی الفاظ کو لوٹا دو] اور یہ میرے فہم کی کوتاہی اور میرے ادراک کی کمی کی وجہ سے ہے خاص طور پر اسرارِ الٰہیہ سے کہ جن کی صحراؤں (وسعتوں) میں قدم لڑکھڑا جاتے ہیں اور جن کی تمہیدوں میں عقلیں بھٹکتی رہتی ہیں اور اسی لئے میں توجہ کی باگ کو اس طرف سے پھیر لیتا تھا کہ اُن کے مقابلہ میں کوئی چیز صراحۃً یا کنایۃً لکھوں، اسی طریقہ پر ایک سال گذر گیا اور ہماری جانب سے ہرگز کوئی جواب ظاہر نہ ہوا یہاں تک کہ مخدوم مکرم کی جانب سے متعدد مکتوبات موصول ہوئے کہ اس کے جواب میں جو کچھ تو جانتا ہے لکھ، پس میں قلم پکڑنے پر مجبور ہوا اور میں نے انوارِ قِدم (اللہ تعالیٰ) سے مدد طلب کی پس مالا یدرک کلہ لا یترک کلہ [جو چیز پوری حاصل نہ ہو سکے اس کو بالکل چھوڑ نہیں دینا چاہئے یعنی جسقدر ملے لے لینا چاہئے] کے مصداق میں نے اس (تعمیلِ ارشاد) میں (لکھنا) شروع کیا اور کام کی بزرگی اللہ تعالیٰ ہی کیلئے ہے اور اسی سے اس کا عقد و حل ہے۔

پس میں کہتا ہوں کہ جب میں نے اس مکتوب میں غور کیا تو میں نے اس کے بعض مسائل کو طبیعیات سے متعلق اور بعض کو ریاضی سے اور بعض کو تصوف و الٰہیات سے متعلق پایا اور میں نے دیکھا کہ طبیعیات و ریاضی کے دقائق میں مشغول ہونا عزیز اور قابلِ قدر وقت کو ضائع کرنا اور دنیا و آخرت کے اعتبار سے بے ضرورت کاموں میں مشغول ہونا ہے بلکہ قریب ہے کہ ان علوم کے ساتھ کثرت سے مشغول ہونا دینی عقائد میں سستی پیدا کر دے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا "بندہ سے اللہ تعالیٰ کی روگردانی کی علامت اس (بندہ) کا بے ضرورت کاموں میں مشغول ہونا ہے" اور اگر نفس کا کوئی معتد بہ کمال ان دونوں علموں کے ساتھ وابستہ ہوتا تو صاحبِ شرع (علیہ الصلوٰۃ والسلام) اس کو ترک نہ فرماتے اور سلف اس سے روگردانی نہ کرتے بلکہ وہ اس کے حاصل کرنے میں رغبت کرتے اور اس کی تعلیم پر رغبت دلاتے اور (چونکہ) ایسا نہیں ہوا پس (یہ معاملہ بھی) ایسا نہیں ہے اور جو چیز کہ تصوف سے تعلق رکھتی ہے تو اس میں سے ایک وہ چیز ہے جو مسئلہ وحدۃ الوجود کی شرح اور مخلوق اور حق تعالیٰ و تقدس کے درمیان اتحادِ ذاتی سے متعلق ہے اور بلا شبہ یہ مسئلہ صوفیائے وحدۃ الوجود کی کتابوں میں تفصیل کے ساتھ

بیان کیا گیا ہے اور ہم اس مسئلہ سے بے تعلق ہیں اور ان میں سے بعض چیزیں وہ ہیں جو ہمارے شیخ و امام و قبلہ حبیبِ رحمانی و مجدد الفِ ثانی (قدس سرہ العزیز) کے بعض معارف سے متعلق ہیں تو ہم اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کرتے ہوئے جو کہ غالب اور قوی ہے اور اسی پر بھروسہ کرتے ہوئے ان کے بارے میں کلام کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور ہم اللہ تعالیٰ سے مغفرت چاہتے ہیں اور ہمیں اللہ تعالیٰ کی مدد کے بغیر گناہوں سے بچنے اور نیک کاموں کے کرنے کی طاقت نہیں ہے۔

قولہ (اس کا یہ قول کہ) "کیا ان کے نزدیک یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ وجودِ ذاتِ واجب تعالیٰ پر زائد ہے یا اس کا عین ہے اور پہلے قول (یعنی زائد ہونے) کی بنا پر ان دلائل عقلیہ سے کس طرح رہائی ہے جو اس کے عین ہونے پر دلالت کرتے ہیں اور کثرتِ شہرت کی وجہ سے ان کو یہاں بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہے اور علی رغم المخالف (مخالف کی مرضی کے خلاف) یہ دلائل قطعی ہیں انتہیٰ" (اس کے جواب میں) میں کہتا ہوں کہ یہاں ایک تیسری صورت بھی ہے اور وہ یہ ہے کہ بلاشبہ وہ سبحانہ تعالیٰ بذاتِ خود ثابت ہے نہ کہ وجود کے ساتھ پس اس کی ذاتِ عالیہ اپنے ثبوت میں کافی ہے وجود کی محتاج نہیں ہے اور وہاں وجود کے لئے کوئی گنجائش نہیں ہے خواہ عیناً ہو یا زائداً ہو۔ یہ اُس تحقیق کی بنا پر ہے جو کہ انشاء اللہ تعالیٰ عنقریب آئے گی پس اس سبحانہ وتعالیٰ کے اس وجود کے ساتھ موجود ہونے کی وجہ سے جو کہ ماہیت پر زائد ہے دلائل نافیہ اس پر وارد نہیں ہوتے پس اگر یہ کہا جائے کہ اس تعالیٰ شانہٗ کے بنفسہ موجود ہونے اور صوفیائے کرام کے مذہب کے مطابق وجود کے اس کی عینِ ذات ہونے کا مرجع ایک ہی ہے اس لئے کہ وجود کے اس کا عین ہونے کا مطلب یہ ہے کہ جو کچھ وجود پر مرتب ہوتا ہے وہ ذاتِ تعالیٰ پر بھی مرتب ہوتا ہے تو ہم (جواباً) کہتے ہیں کہ بات اس طرح نہیں ہے اس لئے کہ اس سبحانہ وتعالیٰ کے اپنی ذات کے ساتھ موجود ہونے کے معنی یہ ہیں کہ اس سبحانہ وتعالیٰ کی حقیقت اپنی ذات میں وجود سے ماوراء ہے، (اور) اس پر وجود کے آثار مرتب ہونے کیلئے کافی ہے اور اس تحقیق کی بنا پر جو کہ ہمارے شیخ و امام (حضرت مجدد الف ثانی) رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مذہب کی وضاحت میں انشاء اللہ تعالیٰ عنقریب آئے گی، وجود اس مرتبۂ عالیہ سے متنزل (نیچے کے مرتبہ میں) ہے۔

اور وجود کے اس کی عینِ ذات ہونے کے یہ معنی کہ اس سبحانہ وتعالیٰ کی حقیقت یہی وجود ہے صرف اس بنا پر ہیں جو اُن حضرات کی تحقیقات سے مستفاد ہوتی ہے پس اُس مرتبۂ مقدسہ پر وجود کا اطلاق ان کے نزدیک حقیقت ہے اور اگر وجود کی عینیت سے یہ مراد لی جائے کہ جو کچھ اس پر مترتب ہوتا ہے وہی وجود پر بھی مترتب ہوتا ہے تو اس سبحانہ وتعالیٰ پر وجود کا اطلاق بطریقِ مجاز و تشبیہ و

نظیر ہوگا اور (چونکہ) مجاز کی نفی ہو جاتی ہے پس اس سے وجود کی نفی صحیح ہو جائے گی، اور ذات تعالیٰ فی نفسہٖ وجود کے سوا ہوگی۔ اور وہ صوفیائے کرام جو وجود کی عینیت کے قائل ہیں اس کو جائز نہیں کہتے جیسا کہ یہ بات ان لوگوں پر پوشیدہ نہیں ہے جو اُن کے کلام میں جستجو کرتے ہیں اور ان کے اطوار سے واقف ہیں، وہ (صوفیائے کرام) کہتے ہیں کہ حق سبحانہ و تعالیٰ کی حقیقت وجودِ بحت ہے اس کے سوا اور کچھ نہیں ہے اور اپنی ذات سے کسی چیز کا سلب کرنا محال ہے اور اگر ان کے نزدیک اس تعالیٰ سبحانہ پر وجود کا اطلاق حقیقت کے طور پر نہ ہوتا تو عینیتِ وجود کے قائلین کے درمیان حق سبحانہ کے وجودِ مطلق ہونے یا اُس کا کوئی فرد ہونے میں اختلاف کے لئے کوئی　　حاصل شدہ معنی نہ ہوتے اور ان کے نزدیک اس مرتبۂ عالیہ پر وجود کے اطلاق کی مجاز کے طور پر کس طرح گنجایش ہوگی حالانکہ مسئلہ وحدۃ الوجود کا مبنیٰ یہ ہے کہ وہ تعالیٰ شانہ وجودِ مطلق ہے، علاوہ ازیں اس کی عینیت پر اکثر دلائل غیر صحیح و نامکمل ہیں پس ان کا قطعی ہونا غیر مسلّم ہے اور مخالف کے گمان پر اُن (ادلّہ) کا قطعی ہونا ہمارے لئے مضر نہیں ہے۔

قولہ (اس کا یہ قول) "اور تعینِ وجودی جس کی طرف ہمارے شیخ و امام و قبلہ قدس سرہ الاقدس گئے ہیں اس سے مراد، یا وجودِ عام ہے یا وجودِ خاص یا وجودِ مطلق؟" (جواباً) ہم کہتے ہیں کہ وہ مرتبہ جس کو بعض صوفیائے عالی مرتبہ وجودِ بحت کہتے ہیں اور وہ گمان کرتے ہیں کہ یہ مرتبۂ لاتعین ہے وہ ہمارے نزدیک مرتبۂ ذاتِ عُلیٰ سے نیچے کا مرتبہ ہے اور اس کے تعینات میں سے ایک تعین ہے خواہ وہ اس کو وجودِ خاص کے نام سے موسوم کریں یا موجودِ عام سے یا وجودِ مطلق سے، اور اگر یہ کہا جائے کہ وہ وجودِ مطلق ہے تو یہ بھی بعید نہیں ہے لیکن وہ اطلاق کی قید سے آزاد نہیں ہے اس لئے کہ وہ متعین و متنزل ہے اور ایسا اطلاق لاتعین کے مناسب ہے بلکہ وہ قیود سے مطلق (آزاد) ہے (اور) اطلاق کے ساتھ مقید ہے پس وہ ایک لحاظ سے مطلق اور ایک لحاظ سے مقید ہے اور اس پر کوئی غبار نہیں ہے جیسا کہ ان حضرات نے مرتبۂ وحدت میں کہا ہے لیکن ہم کہتے ہیں یہ تردید درست نہیں ہے اس لئے کہ اگر مطلق سے مطلقِ حقیقی مراد ہے تو تردید حصر والی نہیں ہے اور اگر اس سے مطلق اضافی مراد ہے تو تردید کے عدم انحصار کے باوجود جو دلیل کہ اس کے باطل قرار دینے پر لائی گئی جو کہ آگے عنقریب آئے گی اس کے لئے غیر مطابق ہے اور اگر وہ معنی مراد ہیں جو ان دونوں معنوں کو شامل ہیں تو مدعی کی طرف سے دلیل ناقص و نامکمل ہے پس آخری دونوں صورتوں میں تقریب کامل نہیں ہوتی۔

قولہ (اس کا یہ قول) پہلی صورت کی بنیاد پر اس سے چارہ نہیں کہ زائد ہو پس اس صورت میں خلاف متحقق نہیں ہوگا کیونکہ ابنِ عربی اور ان کے متبعین رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی اسی طرف گئے ہیں کہ

صادرِ اول وجودِ عام ہی ہے بلکہ عموم وانبساط کی نسبت ہے" (اس کے جواب میں) ہم کہتے ہیں کہ اختلاف کا دور ہونا ممنوع ہے کیونکہ انھوں نے وجودِ عام کو وجودِ مطلق کے مغائر نہ ہونے کا حکم کیا ہے اور ہم ذاتِ اعلیٰ پر تعینِ اول کے زائد ہونے کے قائل ہیں اور اس کی اس سے مغائرت اور نسبت کی زیادتی خلاف یا غیر وجود کی نسبت کو رفع نہیں کرتی پھر اس کے قول بل نسبۃ العموم والانبساط [بلکہ عموم وانبساط کی نسبت ہے] میں ترقی کی بے قدری پوشیدہ نہیں ہے۔

قولہ (اس کا یہ قول) اور تیسری اور چوتھی صورت کی بنا پر وہ تعین حاصل نہیں ہوتی جو مرتبۂ سابقہ میں نہیں تھی کیونکہ ذات پر کوئی چیز زائد نہیں ہے (اس کے جواب میں) ہم کہتے ہیں جب ذاتِ علیٰ اپنی ذات میں وجود کے سوا ہے تو اس قول کے کچھ معنی نہیں کہ ذات پر کوئی چیز زائد نہیں ہے۔

قولہ (اس کا یہ قول) لیکن وجود کے مطلق وجود ہونے کی صورت میں تو ظاہر ہے کیونکہ وہ غیر متعین ہے۔" ہم کہتے ہیں کہ مطلق اضافی تعین کے منافی نہیں ہے اور وجودِ متعین کے محتملات میں سے ہونے کی وجہ سے لفظِ مطلق سے (مخالف کی) تردید میں یہ معنی (مطلقِ اضافی) مراد لینا زیادہ مناسب ہے اور رہا مطلقِ حقیقی مراد لینا تو یہ طبعِ سلیم کے نہایت منافی ہے اس لئے کہ متعین غیر متعین کا احتمال ہرگز نہیں رکھتا، پس مخالف کا مذہب تسلیم کرتے ہوئے کہ وجود متعین ہے تو اب اس سے پوچھا جائے کہ اس متعین سے تیری مراد غیر متعین ہے یا کوئی دوسری چیز ہے۔

قولہ (اس کا یہ قول)" اور لیکن وجودِ خاص ہونے کی بنا پر پس بیشک ذاتِ محض کی طرف نسبت ہونے کے باوجود وہ ایک وجود ہے اور وہ نسبت جو غیرِ حقیقی واعتباری کو مستلزم نہیں ہے وہ تعین زائد کو واجب نہیں کرتی"۔ (اس کا جواب یہ ہے کہ) اس میں بحث ہے اول اس لئے کہ کسی چیز کی اپنی ذات کی طرف نسبت تغائر کو لازم نہیں کرتی اور وجود ذاتِ مقدس کا غیر ہے اور ذات کی طرف اس کی نسبت سے تعین حاصل ہوتا ہے۔ اور دوسرے اس لئے کہ علم تمہارے نزدیک عینِ ذات تعالیٰ ہے اور ذاتِ تعالیٰ کی طرف اس کی نسبت سے تمہارے نزدیک تعین حاصل ہوتا ہے اور تیسرے اس لئے کہ غیر اعتباری نسبت کا لازم نہ ہونا ممنوع ہے۔ اور جاننا چاہیئے کہ ہمارے نزدیک ذاتِ علیٰ کی طرف وجود کی نسبت ایسی ہے جیسا کہ صادر کی نسبت مصدر کی طرف ہوتی ہے کیونکہ وہ فی نفسہٖ وجود سے بے نیاز اپنی ذات کے ساتھ موجود ہے پس اس صورت میں اس کے اس قول کا کوئی فائدہ نہیں ہے کہ" اگر یہ تعین وجودی ذات پر زائد نہیں ہوگا تو قریب ہے کہ درمیان سے اختلاف دور ہو جائے۔ پس وجود کے ساتھ متعین ہونے کے معنی یہ ہیں کہ وہ من حیث ھو [جس حیثیت سے کہ وہ ہے] وجود ہے لیکن

چاہئے کہ وہ وجود وجودِ محض ہو اس لئے کہ نسبت، باوجودیکہ وہ وہ ہے خصوصیت کو لازم کرتی ہے مگر یہ کہ مراد یہ ہو کہ وہ وجود ہو گیا یا موجود ہو گیا، اور وجود زائد چیز ہے اور یہ بات پوشیدہ نہیں ہے کہ اس سے یہ لازم آتا ہے کہ ذات تعالیٰ من حیث ھو [جس حیثیت سے کہ وہ ہے] غیر موجود ہو، پس اس کو وہ دلیلیں رد کرتی ہیں جو دلالت کرتی ہیں کہ واجب ہی وجود ہے خواہ خاص ہو یا عام انتہیٰ"۔ آپ نے جان لیا کہ ان دلائل میں سے اکثر مدخولہ قابلِ اعتراض ہیں پس یہ ہم پر وارد نہیں ہوتے۔

ص ۲۰۸ قولہ" اور یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ یہ تعین زائد ہو، اور پہلے گذر چکا ہے کہ یہ ممکن نہیں ہے کہ تعین وجودی زائد ہو" (جواباً) ہم کہتے ہیں کہ زیادتی ممکن نہ ہونے کے جوابات بھی پہلے گذر چکے ہیں پس یاد کر لیجئے۔

قولہ" پھر اس تقدیر پر کہ (اس کا وجود) زائد ہے، وہ علم میں یا خارج میں موجود ہو گا یا معدوم ہو گا"۔ (جواباً) ہم کہتے ہیں کہ یہاں ایک اور شق بھی ہے اور وہ یہ ہے کہ یہ تعین ظلِ خارج میں موجود ہو اور اس کی نفی کے لئے دلیل کا ہونا ضروری ہے۔

قولہ" پس تحقیق نفسِ امر علم اور خارج سے خالی نہیں ہے"۔ ہم کہتے ہیں کہ یہ ممنوع ہے کیونکہ بعض کے افادہ کی بنا پر کلی طبیعی اس کے خارجی و ذہنی امتیازات سے قطع نظر کرنے کے باوجود نفس الامر میں ثابت ہوتی ہے اور وہ دلیل اس کے ممنوع ہونے پر لائی گئی ہے وہ اعتراض سے خالی نہیں ہے اور نیز اگر خارج سے علم کے ماسوا مراد لی جائے تو ہم یہ اختیار کرتے ہیں کہ وہ خارج میں موجود ہے کیونکہ خارج کے لئے چند مراتب ہیں جن میں سے بعض دوسرے بعض کے اوپر ہیں پس ذاتِ مقدس مراتب میں سب سے اعلیٰ مرتبہ میں ہے اور وجود اس مرتبہ میں ہے جو کہ ذات تعالیٰ سے نیچے کا مرتبہ ہے پس یہ دونوں ایک مرتبہ میں نہیں ہیں اور اگر اس سے اس کا سب سے اعلیٰ مرتبہ مراد لیا جائے جو کہ ذاتِ عُلیٰ کا مرتبہ ہے تو پھر علم و خارج میں حصر ممنوع ہے۔ ہم مزید کہتے ہیں کہ تحقیق یہ ہے کہ وجود علمی و خارجی مطلق وجود کی اقسام سے ہے اور مطلق اقسام سے ماوراء ہے۔ پس چاہئے کہ وجود علم و خارج کے ماوراء ثابت ہو، اور اس معنی کی کشف اور صحیح فراست سے تائید ہوتی ہے۔

قولہ"، اور پہلی صورت کی بنا پر لازم آتا ہے کہ (یہ) صفت ہو پس وہ کسی دوسرے وجود کا تقاضا کرتی ہے"۔ ہم کہتے ہیں کہ یہ بات غیر وجود میں مسلم ہے اور وجود میں ممنوع ہے۔

قولہ"، اور دوسری صورت کی بنا پر مرتبۂ وجود یعنی خارجی (وجود) میں تکثر (کثیر ہونا) لازم آتا ہے کیونکہ خارج میں موجود وہی ذات ہے اس کے سوا اور کچھ نہیں"۔ ہم کہتے ہیں کہ یہ ممنوع (غیر مسلم) ہے کیونکہ یہ جائز ہے کہ خارج کیلئے مختلف مراتب ہوں اور وجود کا مرتبہ ذات تعالیٰ و تقدس کے مرتبہ سے نیچے ہو جیسا کہ پہلے گذر چکا ہے

قولہ "اور برہانِ قطعی اس کی تردید کرتی ہے کیونکہ وجود سے مراد مبدأ ہی ہے"۔ ہم کہتے ہیں کہ یہ ممنوع ہے اس لئے کہ مبدأ ذاتِ تعالیٰ ہے اور وجود (اُس) بے نیاز ذاتِ عالیہ سے کمالات کے افاضہ کے لئے واسطہ ہے پس یہ جو کہا جاتا ہے کہ وجود ہر خیر و کمال کا مبدأ ہے ہمارے نزدیک اس کے معنی یہ ہیں کہ ہر خیر و کمال اس سبحانہ وتعالیٰ سے فائض (جاری) ہے، پس وجود فیض کے پہنچنے میں واسطہ ہے کیونکہ وہ تعالیٰ اپنی ذاتِ مقدس سے اس وجود کے ملاحظہ کے بغیر تمام جہانوں سے بے نیاز ہے۔

قولہ "اور ضروری ہے کہ سب سے اول مبدأ ہو ورنہ کوئی چیز نہیں پائی جائے گی، پس یہ حکم کہ وجود زائد ہے اس کی عینیت کو لازم کرتا ہے اس لئے کہ زائد ہونے کی صورت میں اس کا کوئی مبدأ ہوگا ورنہ وہ بالذات واجب ہوگا اور واجب بالذات کا متعدد ہونا محال ہے اور اگر مبدأ ذات مع وجود ہو تو مبدأ دو ہو جائیں گے اور ہر دو ہونے والی چیز (جوڑا) ممکن ہوتی ہے اور یہ مشہور دلائلِ قطعیہ میں سے ہے جن کے ذکر کی ضرورت نہ ہونے کے باوجود قلم سے ان کا ذکر ہو گیا ہے انتہیٰ"۔ ہم (جواباً) کہتے ہیں کہ علتِ تامہ کا مرکب ہونا اور اس کے اجزا کا متعدد ہونا محال نہیں ہے بلکہ واقع ہے اور فاعل ذاتِ واجب عزّ وجلّ ہے اس کے سوا نہیں ہے اور وجود واسطہ اور شرط ہے پس پہلی صورت کی بنا پر مبدأ کے دو ہونے اور اس کے متعدد ہونے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے اور دوسری صورت کی بنا پر تعدد ممنوع ہے۔ ۲۰۹

قولہ "اور اس مقام کے مناسب امور میں سے یہ ہے کہ تعینِ اول تعینِ ذاتی سے عبارت ہے اور ہر موجود کے لئے اس کے موجود ہونے میں اس سے چارہ نہیں ہے کیونکہ کوئی چیز جب تک متعین و متمیز نہ ہو کم از کم عدم سے تو وہ پائی نہیں جائے گی اور لاتعین کے معنی اس تعین کا دوسرے تعینات سے مزاحم نہ ہونا ہے بلکہ اس کا اس میں منحصر نہ ہونا اور اس کا پابند نہ ہونا ہے پس حقیقتِ الٰہیہ کے لئے تعینِ اول تمام صفات کے لئے اجمالی طور پر حقیقتِ جامعہ ہے خواہ وہ صفات فعلیہ ہوں یا انفعالیہ اور ہم نے "اجمالی طور پر" اس لئے کہا ہے کہ صفات کی تفصیل کے وقت غیر متناہی تعینات حاصل ہو جاتے ہیں اور ہم نے "تعمیم" (عمومیت) کے ساتھ اس لئے کہا ہے کہ صفاتِ فعلیہ کے ساتھ مقید رب ہے اور وہ بندے سے متمیز ہے اور (اسی طرح) بالعکس ہے، تعینِ اول ذاتی سے تنزل کے بعد واجب کی حقیقت اس کا ربوبیت کے ساتھ تعین ہے، پس ربوبیت اس کا تعینِ اولِ ذاتی نہیں ہے (اس کو) وجود کا نام دینا بعید نہیں ہے لیکن وہ زائد نہیں ہے جیسا کہ یہ بات ثابت ہو چکی ہے اور یہ جو ان حضرات کی بعض عبارتوں میں واقع ہے کہ تعینِ اول تعینِ علمی اجمالی ہے تو یہ اس کے مخالف نہیں ہے جو ہم نے

ذکر کیا ہے کیونکہ اس سے یہ مراد نہیں کہ واجب کی حقیقت فقط یہی علم ہے پھر اس نے نزول فرمایا اور دوسری صفات ہو گیا کیونکہ اس مرتبہ میں جس طرح کہ وہ عین علم ہے اسی طرح وہ عین قدرت وارادہ وغیرہا ہے یا (یہ مراد نہیں ہے کہ وہ فی نفسہ علم کی حقیقت سے ماوراء ہے پھر اس نے نزول فرمایا اور علم کی حقیقت ہو گیا بلکہ انھوں نے اس حقیقتِ جامعہ سے تمام صفات کے ساتھ اس کا اجمال حقیقتِ علم کے ساتھ تعبیر کیا ہے اس لئے کہ صفات کو جب اس مرتبہ میں ثبوت ہے اگرچہ اندراجی اور اندماجی (ایک دوسرے میں مل جانے کے) طور پر ہو اور تعدد کا ثبوت صرف علم میں ہے اور نیز علم احاطہ کے طور پر عالم اور معلوم کا عین ہے کیونکہ علم کی حقیقت کو اس حیثیت سے کہ وہ ہر معلوم کا عین ہے

ص۲۱ علم کی حقیقت سے تعبیر کرنا جائز ہے اور البتہ دوسری صفات مثلاً قدرت جیسی کہ وہ ہے تو وہ عینِ ارادہ نہیں ہے اور نہ ہی عینِ مقدور ہے پس علم جو کہ تعینِ اول ہے اس علم کے سوا ہے جس کے ساتھ دوبارہ مرتبۂ تفصیل میں تنزل واقع ہوا ہے اور اس مرتبہ میں بہت سے تعینات ہیں ان میں سے ایک تعین علمی ہے اس حیثیت سے کہ وہ تعین ارادی وغیرہا سے متمیز ہے، اور اس طول کلامی سے مقصود یہ ہے کہ آپ (اس) سب سے حقیر مرید پر اِن مسائل میں صواب وخطا پر متنبہ فرمانے کے ساتھ احسان فرمائیں انتہیٰ"۔ میں (جواباً) کہتا ہوں کہ جو کچھ اس تحقیق سے مستفاد ہوتا ہے اس کا ماحصل ذات تعالیٰ وتقدس کا اس کے مراتبِ تعینات میں حصر اور ذاتِ عُلیٰ کے لئے تعینات کے ماوراء مرتبہ ہونے کی نفی ہے اور لاتعین کے معنیٰ کسی معین تعین میں اس کا منحصر نہ ہونا ہے پس تعینِ اول اجمالی طور پر صفات کی حقیقتِ جامعہ ہے، اور اسی کو وجود کا نام دیا جاتا ہے پس یہ مرتبہ تعین وجودی اور تعینِ علمی اجمالی ہوگا، البتہ اس کا وجود ہونا اس لئے ہے کہ وجود حق عزوجل کی حقیقت ہے اور اس کے لئے اس مرتبہ سے اوپر کوئی مرتبہ ثابت نہیں ہے اور البتہ اس کا علمی ہونا اس لئے ہے کہ علم احاطہ کے طور پر عینِ عالم اور عینِ معلوم ہے بخلاف دوسری صفات کے کہ وہ اس کی مانند نہیں ہیں پس اختلاف رفع ہو گیا اور تعینِ اول دونوں فریق کے نزدیک ایک ہی چیز ہو گئی خواہ آپ اس کو علم کا نام دیں یا وجود کا۔ اور آپ کو معلوم ہے کہ یہ شیخ (محی الدین ابنِ عربی قدس سرہ) اور ان کے متبعین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے مذہب کی تنقیح ہے ورنہ یہ ایسی صلح ہے جس پر دونوں فریق میں سے کوئی راضی نہ ہوگا، اور اس جگہ چند بحثیں ہیں: اوّل یہ کہ اُس بنا پر جو کہ اُن کے نزدیک مسلّم ہے تعینِ اجمالی وتفصیلی دونوں علمی ہیں پس اِس بنا پر واجب تعالیٰ موجوداتِ علمیہ میں سے ہوگا (حالانکہ) اللہ تعالیٰ اس سے بہت بلند ہے۔ دوئم یہ کہ یہ بات محال ہے کہ کوئی چیز اپنی ذات کے علم میں موجود ہو اور اس کے لئے اس کے وجودِ علمی کے سوا اور کوئی وجود نہ ہو اس لئے کہ

تعینات خارجیہ اس تعین سے پیچھے آنے والے ہیں اور حادث ہیں۔ سوم یہ کہ جب وجود کی حقیقت موجود علمی ہے تو اس کے تعینات کس طرح خارجی ہوں گے جیسا کہ انھوں نے کہا ہے کہ اجمالی و تفصیلی تعین کے علاوہ (کچھ) تعینات خارجی بھی ہیں اور البتہ جو کچھ اُس سلمہ ربہٗ کی عبارت سے مستفاد ہوتا ہے کہ اس کو علم کے نام سے موسوم کرنا اس سے محض تعبیر ہے نہ یہ کہ وہ فی نفسہٖ علم کی حقیقت ہے، پس یہ غور طلب ہے اوّل اس لئے کہ یا اس مرتبہ میں ذات تعالیٰ کا حضور اس کے نفس کے لئے اس کے علم میں اعتبار کیا جائے جیسا کہ ان حضرات کے نزدیک مسلّم ہے یا اعتبار نہ کیا جائے اور پہلی صورت میں اس مرتبہ پر علم کا اطلاق حقیقت کے طور پر ہوگا نہ کہ محض تعبیر کے طور پر، اور دوسری صورت میں اس کے لئے اس کے حضور سے قطع نظر کرنے کے باوجود خارج میں موجود ذات پر علم کے اطلاق کا جائز ہونا ہم نہیں مانتے اس لئے کہ علم کے معنی عینِ عالم ہونا و عینِ معلوم ہونا (یعنی) دونوں کا عین ہونا دونوں کے عالم و معلوم ہونے کے اعتبار سے ہے کیونکہ حکم کا مشتق کے ساتھ معلق ہونا علیت (علت ہونے) کا پتہ دیتا ہے، پس زید کے لئے جو کہ خارج میں موجود ہے یہ نہیں کہا جائے گا کہ وہ علم ہے پس نسبتوں اور اعتبارات سے خالی ذات کو اس کے نفس کے لئے اس کے حضور سے قطع نظر کرنے کے باوجود اس کو علم کے ساتھ تعبیر کرنا کس طرح جائز ہوگا حالانکہ تعبیرات اس مرتبہ میں ساقط ہیں، پس ظاہر ہوا کہ اس مرتبہ پر علم کا اطلاق محض تعبیر نہیں ہے جیسا کہ ان کی صریح عبارات اس پر دلالت کرتی ہیں جیسا کہ تحقیق کرنے والے پر یہ بات پوشیدہ نہیں ہے کیونکہ وہ کہتے ہیں کہ اس کی ذات کا تعقل (سمجھنا) اس کی ذات کے ساتھ ہی اور اسی لئے وہ اس کو عقل و حضرتِ علمیہ و علمِ مطلق و وجودِ مطلق بمعنی غیر مقید بالتفصیل کا وجدان کے نام سے موسوم کرتے ہیں نقد النصوص میں کہا ہے "اور یہ معرفت کلی اجمالی معرفت ہے" اور فصوص میں ہے کہ "نسبتِ علمیہ ذاتیہ سے تعلق رکھنے والے تعینات میں سب سے اول تعین وحدۃ الحق اور اس کے وجود کا واجب ہونا اور اس کا مبدا ہونا سمجھا جاتا ہے اور خاص طور پر اس حیثیت سے کہ اس کا اپنے نفس کو فی نفسہٖ جاننا اور اس کا اپنی ذات کے واسطہ سے جاننا ہر چیز کے لئے اس کے علم کا سبب ہی اور دوسرے مقام میں اس نے اس تعین کو علمِ وجدانی کے ساتھ تعبیر کیا ہے اور نیز اس میں ہے کہ غیبِ ھویتِ حق سے لاتعین کے اعتبار سے اس کے اطلاق کی طرف اشارہ ہے اور وحدتِ حقیقت جو تمام نسبتوں اور اسماء و اضافات اور اعتبارات کو مٹانے والی ہے اس سے مراد حق کا اپنے نفس کو سمجھنا اور اس کا اپنے تعین اور اتصاف کی حیثیت سے اپنے نفس کا ادراک کرنا ہے اور اس (کے تعین) سے مراد نسبتِ علمیہ ذاتیہ میں وجود کا تعین ہے اور اس کے اتصاف سے مراد اپنے تعلق میں اپنے تعین کی حیثیت سے

اس کے اپنے نفس کے علم کی صورت ہے اور اس طرح کی مثالیں ان کے کلام میں بے شمار ہیں ــــــ
اور دوم۲ اس لئے کہ اگر اس پر علم کا اطلاق مجاز کے طور پر ہو تو اس سے علم کی نفی کرنا جائز ہوگا حالانکہ یہ ان کے نزدیک جائز نہیں ہے اس بنا پر جو کہ پوشیدہ نہیں ہے ــ اور سوم۳ اس لئے کہ علم کا عالم اور معلوم کے ساتھ اتحاد صرف علمِ حضوری میں ہے اور اس علم کا جس سے بعض صفات کو بعض سے تمیز کیا جاتا ہے علم حضوری ہونا ممنوع ہے بلکہ وہ علم حصولی کے قبیل سے ہے کیونکہ اس سے معلومات کی صورتیں اور اعیانِ ثابتہ کا حصول ہوتا ہے اور اگر اس (علم) کا (علمِ) حضوری ہونا مان لیا جائے تو ذاتِ بحت کے ساتھ اس کا اتحاد اس کے ساتھ اس کے اعتبار کو ملاحظہ کئے بغیر ممنوع ہے بلکہ تحقیق یہ ہے کہ علمِ حضوری میں بھی اس کے اعتبارات میں سے کسی اعتبار کے ساتھ ہی ذات ملحوظ ہے نہ کہ ذاتِ بحت جیسا کہ بعض محققین نے اس کا افادہ کیا ہے ــ اور چہارم۴ اس لئے کہ ایک چیز کا دوسری چیز کے ساتھ متحد ہونا اس کا مقتضی نہیں ہے کہ جو اسم ان میں سے ایک کے ساتھ مخصوص ہے اس کا اطلاق دوسرے پر بھی جائز ہو، کیا تو نہیں دیکھتا کہ مثلاً ہر ایک ہنسنے والا اور چلنے والا انسان کے ساتھ متحد ہے لیکن انسان کی ماہیت پر جیسی کہ وہ ہے اس کا اطلاق جائز نہیں ہے اور اس لئے بھی کہ مقید اور جزئی، مطلق اور کلی کے ساتھ متحد ہیں، اس کے باوجود ان دونوں میں سے ایک کے ساتھ جس حیثیت سے کہ وہ ہے جو اسماء و احکام مخصوص ہیں ان کا اطلاق دوسرے پر اس حیثیت سے جیسا کہ وہ ہے جائز نہیں ہے جیسا کہ صوفیہ موحدہ وغیرہم نے اس کو ثابت کیا ہے۔

ع گر فرقِ مراتب نکنی زندیقی [اگر تو مراتب میں فرق نہیں کرتا تو زندیق ہے]

اور پانچویں اس لئے کہ علم میں صفات کا متعدد ہونا صفاتِ مندرجہ و مندمجہ (داخل شدہ) میں ہر صفت کے ساتھ علم کے اتحاد کا مقتضی ہے اور ذات تعالیٰ کے ساتھ اس کا اتحاد لازم نہیں آتا کہ اس پر اس کا اطلاق جائز ہو، یہ نہیں کہا جائے گا کہ صفت اس مرتبہ میں ذات تعالیٰ سے متمیزہ نہیں ہے، پس اس کا ان دونوں میں ایک کے ساتھ اتحاد دوسرے کے ساتھ اتحاد ہے، اس لئے کہ ہم کہتے ہیں کہ اس بارگاہ میں تمیز کا بالکل مرتفع ہو جانا ان چیزوں میں سے ہے جن کے بارے میں بحث مباحثہ کیا جاتا ہے کیونکہ یہ جائز ہے کہ وہاں اس علمی تمیز کے سوا ایسا تمیز ہو جس کی کیفیت مجہول ہو، معلوم نہ ہو۔ اور یہ تمیزِ علمی اس تمیز کا اثر ہو اور علم کا تعلق ان دونوں میں سے ہر ایک کے ساتھ جدا جدا ہونا ان چیزوں میں سے ہے جو اس کی تائید کرتی ہیں، اور اگر یہ تسلیم کر لیا جائے تو ہم تسلیم نہیں کرتے کہ ان دونوں میں سے کسی ایک کا علم بعینہ دوسرے کا علم ہے بلکہ ذات کا علم جیسی کہ

ص ۲۱۲

وہ ہے صفت کے علم کا غیر ہے جیسی کہ وہ ہے اگرچہ وہ اس سے غیر متمیز ہو جیسا کہ یہ بات پوشیدہ نہیں ہے کیونکہ حیثیت کے مختلف ہونے سے علم بھی مختلف ہو جاتا ہے پس اگر کہا جائے کہ مثلاً قادر کے متعلق (ہمارا) علم اس کی ذات و صفت کا ایک ساتھ علم ہے کیونکہ قادر کے معنی وہ ذات ہے جس کو قدرت ہے تو جائز ہے کہ یہاں بھی اسی قبیل سے ہو کیونکہ اس مرتبہ میں ذات صفات کے ساتھ ملحوظ ہے اگرچہ اجمالاً ہو، صفات سے معرا نہیں ہے۔ پس اس کا جواب دو طرح پر ہے ایک یہ کہ اس صورت میں ذاتِ بحت کے لئے کوئی مرتبہ نہ ہو گا کیونکہ اس مرتبہ سے اوپر کوئی اور مرتبہ ثابت نہیں ہوا ہے۔ اور دوسرا جواب یہ کہ یہ بات غیر مسلم ہے کہ قادر کے متعلق علم ذات و صفت کا (ایک ساتھ) علم ہے بلکہ صرف صفت کا علم ہے۔ کیا تو نہیں دیکھتا کہ اربابِ معقول نے کہا ہے کہ کسی چیز کے بالوجہ علم میں فقط بالوجہ علم ہے پس ذاتِ شئی کی طرف نسبت کرتے ہوئے جہل متحقق ہو گیا اور ششم اس لئے کہ اطلاق کے جواز کی صورت میں ان کے لئے خارج میں موجود ذات کے لئے علم کا نام دینے کا کوئی سبب نہیں ہے۔ چوتھی بحث یہ ہے کہ اگر ذات تعالیٰ اپنے تعینات کے مراتب میں منحصر ہو جائے اور مطلق کا کوئی علیحدہ وجود اس کے تقییدات کے وجود کے ماوراء نہ ہو تو اس سے لازم آئے گا کہ واجب سبحانہ اپنے وجود میں ممکنات کے وجود کی طرف محتاج ہو اور اسی طرح تمام کمالات و صفات میں بھی اور (لازم آئے گا کہ) ممکنات کا وجود اور اس کی صفات واجب تعالیٰ کے وجود اور اس سبحانہ کی صفات پر مقدم ہو جائینگی اور اس کا باطل ہونا پوشیدہ ہونے سے زیادہ ظاہر و واضح ہے۔ پانچویں یہ کہ یہ تحقیق اس کے مخالف ہے جو کچھ کہ قوم کے نزدیک تعینات کے ماوراء مرتبۂ اطلاق کے اثبات کے متعلق مقرر ہے اور اسی لئے وہ ذاتِ معراد محض) میں تفکر سے منع کرتے ہیں۔ نقد النصوص میں کہا ہے جب حق سبحانہ اپنی حقیقت کے اعتبار سے اپنی عزت کے حجاب میں اس طرح ہے کہ اس کے اور ماسوا کے درمیان کوئی نسبت نہیں تو اس میں اس وجہ سے غور و فکر کرنا اور (اس کی) طلب کی طرف شوق کرنا وقت کو ضائع کرنا اور ایسی چیز کی طلب کرنا ہے کہ کلی اجمالی صورت کے سوا جس کا حاصل کرنا اور اس میں کامیابی ممکن نہیں ہے اور وہ یہ ہے کہ ہر تعین کے ماوراء ایسا امر ہے کہ جس سے ہر متعین ظاہر ہوا ہے اسی لئے سبحانہ و تعالیٰ نے رحمت و ارشاد کی زبان سے فرمایا ہے: وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌ بِالْعِبَادِ [اور اللہ (تعالیٰ) تم کو اپنی ذات سے ڈراتا ہے اور اللہ (تعالیٰ) اپنے بندوں پر بہت ہی مہربان ہے] پس معلوم ہوتا ہے کہ مرتبۂ ذات موجود ہے اس میں تفکر ممکن نہیں ہے، نہ یہ کہ وہ تعبیر محض ہے اور وہ کہتے ہیں کہ لزوم احاطہ و تمیز اور مرتبۂ تعینِ اول میں تفکر کی وجہ سے اس سبحانہ کا علم اس کی مقدس ذات سے متعلق نہیں ہوتا اور اپنے لئے اس

۲۱۳

پ ۳ سورۃ ۳ آیت ۳۰

سبحانہ وتعالیٰ کے علم کا احاطہ غیر ممنوع ہے اور نیز وہ کہتے ہیں کہ سب سے پہلے جو چیز اس تعالیٰ شانہ سے صادر ہوئی وہ تعین اول ہے اور وہ اس کو صادرِ اول کے نام سے موسوم کرتے ہیں اور یہ لازمی طور پر معلوم ہے کہ ہر صادر کے لئے مصدر موجود ہوتا ہے۔ لاہجی نے کہا ہے کہ "ارادۂ الٰہی وقدرتِ نامتناہی نے نفسِ رحمانی کے ساتھ جب تعین اول ایجاد کیا" نیز انھوں نے کہا ہے کہ "اول مرتبہ جس نے اس فیض کو قبول کیا تعین اول ہے اور حدیثِ نبوی علی مصدرہا الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ میں ہے اول ماخلق اللہ تعالیٰ نوری (سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے جس چیز کو پیدا فرمایا وہ میرا نور ہے) اور دوسری روایت میں ہے: اول ماخلق اللہ العقل (سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے جس چیز کو پیدا کیا وہ عقل ہے) اور مختصر یہ ہے کہ اس مرتبہ اور اس کے بعد کے مراتب کے صادر ہونے میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں ہے، اور یہ بات محال ہے کہ صادر بھی اور مصدر بھی ایک ہی چیز ہوں" نیز وہ کہتے ہیں کہ "تعین اول حق تعالیٰ اور مخلوق کے درمیان واسطہ اور وجوب وامکان کے درمیان برزخ ہے" فصوص میں کہا ہے کہ "یہ شرط وجودی ہی عقل اول ہے جو حق تعالیٰ اور ہر اس چیز کے درمیان واسطہ ہے جس کا قیامت تک ممکنات میں سے ہونا مقدر ہے" لاہجی نے کہا ہے کہ "ذاتِ احدیت نے جب تعینِ اول کا اقتضا کیا جو کہ وجوب وامکان کے درمیان برزخ جامع ہے" اور واسطہ اور برزخ کے لئے لازمی ہے کہ اس کے دو اطراف موجود ہوں اور مختصر یہ کہ ذات تعالیٰ کا اس کے تعینات کے مراتب میں حصر حقیقت میں ذات تعالیٰ وتقدس کی نفی ہے، پس اگر یہ کہا جائے کہ اس سلمہ ربہ (اللہ تعالیٰ اس کو سلامت رکھے) نے مرتبۂ لاتعین کو ثابت کیا ہے (تو) میں (جواباً) کہتا ہوں کہ اس نے اس مرتبہ کو اعتبار محض قرار دیا ہے اور تعینات کے ماوراء اس کا مستقل وجود ثابت نہیں کیا ہے اور اسی لئے اس نے اولِ تعینات میں وجود کی عینیت کو ثابت کیا ہے اور اگر وجود کے ماوراء کوئی مرتبہ ثابت ہو جائے تو وجود کے ماوراء جس مرتبۂ ذات کے ثبوت کا ہم نے دعویٰ کیا ہے وہ ثابت ہو جائے گا نیز اگر ان کے نزدیک تعینات کے ماوراء، مرتبۂ اطلاقِ ذاتی موجود نہ ہوتا تو اس بارے میں جھگڑنے کا کوئی جواز نہ ہوتا کہ مطلق جو کہ کسی چیز کی شرط کے ساتھ نہیں ہے کس طرح موجود ہو گا باوجودیکہ مطلق مقید کے ضمن میں ہی پایا جاتا ہے اور یہ حضرات اس سے خلاصی حاصل کرنے میں حیلہ وتدبیر نہ کرتے اور بعض محققین اس کو کشف ووجدان پر محمول نہ کرتے۔

۲۱۴

پس اگر یہ کہا جائے کہ "انھوں نے تعین اول کے ذات پر زائد نہ ہونے کا حکم لگایا ہے اس لئے وہ ذات تعالیٰ کے ساتھ متحد ہو گا اور وہی موجود ہو گا تو اختلاف رفع ہو جاتا ہے اور اسی لئے فصوص میں کہا ہے کہ حقیقتِ حق اس کی ذات کے سمجھنے میں اس کے تعین کی حیثیت سے اس کی ذات کے ساتھ

اس کے علم کی صورت سے عبارت ہے اس طرح پر کہ علم اور عالم اور معلوم پایا جائے "۔ ہم کہتے ہیں کہ بیشک تعینِ اول ذاتِ مطلق کے اعتبارات میں سے ایک اعتبار اور اس کے تعینات میں سے ایک تعین ہے جو کہ حضور ذاتی کے ساتھ مقید ہے پس وہ وجودِ بحت (محض) نہیں ہوگا اور رہا ان کا ذات پر زائد نہ ہونے کا حکم لگانا تو زیادہ ہونے کی نفی سے مراد خارج میں اس کے وجود کی نفی ہے پس بلا شبہ خارج میں جو موجود ہے وہ وہی ذاتِ مقدس ہے اس کے سوا اور کچھ نہیں ہے اور یہ تعین بیشک علم ہی میں ہے، یا یہ مراد ہے کہ علم کے احاطہ میں ذاتِ عُلیٰ کے سوا صفات و اضافاتِ متمیزہ میں سے کوئی چیز داخل نہیں ہوئی اور ان میں سے کسی چیز سے اتحاد لازم نہیں آتا اور ہم اس کو نہیں مانتے اور اگر اس کو تسلیم کر لیا جائے تو ایک چیز کے دوسری چیز کے ساتھ متحد ہو جانے سے یہ لازم نہیں آتا کہ جو اسماء و احکام ایک چیز کے ساتھ جیسی کہ وہ ہے مختص ہیں ان کا اطلاق دوسری چیز پر بھی جائز ہو جیسا کہ عام و خاص اور ماہیت و عارض میں ہوتا ہے جیسا کہ پہلے گذر چکا ہے، اور رہی فصوص کی عبارت تو وہ تعین و تقید کی حیثیت سے حقیقت بیان کرنے کے لئے ہے جیسا کہ اس پر وہ عبارات شاہد ہیں اور ہماری گفتگو مطلق کے بارے میں ہے اور کیوں نہ ہو ورنہ ذات صورِ علمیہ متعینہ میں سے ہو جائیگی اور یہ باطل ہے پس اختلاف باقی رہے گا۔

پس اگر یہ کہا جائے کہ" ان حضرات نے لفظِ مطلق کا تعینِ اول پر بھی اطلاق کیا ہے تو اس کی کیا وجہ ہے"۔ ہم کہتے ہیں کہ یہ وہ اطلاق ہے جس کی ضد تقید ہے پس وہ مطلق مقید ہوا اور مرتبہ لاتعین کا اطلاق صفتِ اطلاق سے بھی اطلاق ہے جیسا کہ تجرد و تقید سے بھی اطلاق ہے پس وہ قطعاً مطلق ہوگا۔ محقق دوانی نے کہا ہے کہ " وہ وجودِ مطلق کو یعنی وجود کو اس حیثیت سے کہ وہ ہے تجرد و اطلاق کی شرط اور اس کے علاوہ صفاتِ حقیقیہ کے عوارض کی شرط کے بغیر حق جانتے ہیں اور اس کے لئے مراتب ثابت کرتے ہیں اور مرتبۂ اول غیب ہویت ہے الخ "۔ پس ظاہر ہوا کہ اس کے وجود میں موجودِ اصلی ان کے نزدیک بیشک وہ مرتبہ ہے جس کو وہ غیب ہویت اور وجود بحت سے تعبیر کرتے ہیں اور وہ تعینات سے ماوراء ہے اور تعینات اس میں اعتبارات ہیں اس لئے کہ موجود وہی تعین ہے اور لاتعین محض اعتبار ہے پس ان اکابر کی مراد ہرگز یہ نہیں ہے یہ تو ان کی تحقیق ہے، اور ہمارے مذہب کی تحقیق یہ ہے کہ طالب یقین اور صاحبِ فطرتِ سلیمہ جب صحیح فکر اور سچے تأمل کے ساتھ اپنے وجدان کی طرف رجوع کرے گا اور اپنے آپ سے انصاف کرے گا تو پائے گا کہ اللہ تعالیٰ کی ذاتِ مقدس کو اپنے وجود میں اپنے غیر کی طرف محتاج نہیں ہونا چاہئے اور اس کو اپنی ذات میں وجود سے خالی ہونا چاہئے

اور اس کے ثبوت میں وجود کی طرف کوئی احتیاج نہیں ہے اور نیز وہ پائے گا کہ اس سبحانہ کی ماہیت و حقیقت وجود نہیں ہونی چاہئے اس لئے کہ وجود اپنی ذات میں مصادر و احداث میں سے ہونے کے باوجود ہمارے لئے یہ کہنے کی ضرورت نہیں ہے کہ وہ اس واجب کی حقیقت ہے جو وجودِ اصلی کے ساتھ خارج میں موجود ہے اور (نہ اس کی ضرورت ہے کہ) غیر کی طرف اس کی عدمِ احتیاج کے واسطہ سے اس پر کوئی اصطلاح قائم کی جائے اور اس کے ساتھ ساتھ شرع میں بھی یہ بات وارد نہیں ہوئی ہے، پس حق یہ ہے کہ اس سبحانہ وتعالیٰ کے لئے وجود کے ماوراء ایک ماہیت و حقیقت ہے جو اپنی ذات کے ساتھ ثابت ہے اور وہ اپنے لئے وجود کے عارض ہونے سے مستغنی ہے اور جو کچھ وجود پر مترتب ہوتا ہے وہ بذاتِ خود اس ماہیت پر مترتب ہوتا ہے پس وہ اپنی ذاتِ مقدسہ کے ساتھ موجود ہے نہ کہ وجود کے ساتھ خواہ وہ وجود عین کے طور پر ہو یا زائد ہو۔

اور ہمارا یہ قول کہ وہ بذاتہ موجود ہے یہ ہمارے قول ہست (ہے) کی محض تعبیر ہے نہ یہ کہ وجود امرِ زائد ہے جو اس تعالیٰ کے ساتھ ثابت و قائم ہے یا اس کا عین ہے پس اس بارگاہِ عالیہ میں جو کہ تمام نسبتوں اور اعتبارات سے عاری ہے وجود کے لئے کوئی گنجائش نہیں ہے جیسا کہ وہاں عدم کی بھی کوئی گنجائش نہیں ہے پس اس سبحانہ کے انتہائی مقدس ہونے کی وجہ سے کوئی نسبت اس کی طرف نہیں پہنچتی کیونکہ وہ ان (نسبتوں) میں سے ہر ایک کا خالق ہے پس ہر دو نقیض اس مرتبۂ مقدسہ سے نیچے کے مرتبہ میں ہیں ان دونوں کا وہاں کوئی تصور نہیں ہے کہ جس سے ارتفاع نقیضین کا تصور ہو پس تمام اعتبارات سے عاری ذات کے مرتبہ میں کسی چیز کے لئے دوسری چیز کے ساتھ تناقض نہیں ہے کہ ارتفاع نقیضین کو محال سمجھا جائے کیونکہ ارتفاع و ثبوت ان اعتبارات اور نسبتوں میں سے ہی جو اس بارگاہ سے منفی ہیں، کیا تو اس کو نہیں دیکھتا جو کہ بعض محققین نے افادہ کیا ہے کہ "جسم اپنے وجود کے اس مرتبہ میں جو بیاض پر سابق ہے نہ ابیض ہے اور نہ ہی لا ابیض ہے اور یہ ارتفاع نقیضین محال نہیں ہے اس لئے کہ محال ان دونوں کا مطلقاً نفس الامر کے اعتبار سے ارتفاع ہے نہ کہ مراتب میں سے کسی مرتبہ کے اعتبار سے کیونکہ جن امور کے درمیان تقدم و تأخر و معیت کا تعلق نہیں ہے ان میں سے بعض کے لئے دوسرے کے مرتبہ میں نہ کوئی وجود ہے اور نہ کوئی عدم ہے انتہیٰ"۔ پس جب ممکنات میں ان جیسے امور کی گنجائش ہے تو پھر ممکنات کے خالق تعالیٰ و تقدس کی شان میں تیرا کیا گمان ہے وَلِلّٰہِ الْمَثَلُ الْاَعْلٰی [اور اللہ تعالیٰ کے لئے اعلیٰ مثال ہے] پس اس بنا پر ذاتِ مقدس کے غیر کی طرف محتاج ہونے کی نفی کرنے کے لئے اس پر کسی ایسے لفظ کے اطلاق کی ضرورت نہیں جس کا لغوی مفہوم معقولات ثانیہ اور ان معانی میں سے ہو جو

ص ۲۱۶

نحل آیت ۶۰

غیر کے ساتھ قائم ہیں۔ . . . .

. . . .

. . . اور اگر ایسا ہوتا تو صاحبِ شرع ذاتِ منزہ کو وجود کے ساتھ تعبیر کرنے اور اس کی خبر دینے کے زیادہ حقدار تھے جیسا کہ اس (تعالیٰ شانہ) کے تمام اسماء و صفات و کمالات کی تعبیر کی خبر دی ہے اور جب یہ نہیں ہے تو وہ بھی نہیں ہے۔ پس اللہ عزوجل اپنی ذاتِ عُلیٰ کے ساتھ اپنے لئے وجود کے عارض ہونے سے بے نیاز ہے، پس جو چیز وجود پر متفرع ہوتی ہے وہ اس سبحانہ پر متفرع ہوتی ہے اور یہی حال تمام صفات کے بارے میں ہے پس جو کچھ ان صفات پر متفرع ہوتا ہے اس کی ذاتِ عُلیٰ اس میں کافی ہے اور اس کے باوجود اس سبحانہ کے لئے صفاتِ ازلیہ موجود ہیں جو اس کی ذات کے ساتھ قائم ہیں اس لئے کہ یہ بات شرع میں وارد ہوئی ہے اور جبکہ اس سبحانہ کی عادتِ جاریہ یہ ہے کہ جو چیز عالمِ حقیقت میں ثابت ہو اس کے لئے عالمِ مجاز میں کوئی نمونہ بنائے تاکہ اس سے اس پر استدلال کیا جائے تو اس نے وجود کو اپنے وجود اور اپنی ذات کا نمونہ بنایا نہ کہ وجود کے ساتھ کیونکہ وجود اگر پایا جائے تو وہ وجود کے بغیر اپنی ذات کے ساتھ موجود ہوگا المجاز قنطرۃ الحقیقۃ [مجاز حقیقت کا پُل ہے] پس ذاتِ غنی و اعلیٰ پر وجود کے زائد ہونے اور وجود کے اس کا عین نہ ہونے کے بارے میں ہم جمہورِ متکلمین سے موافقت کرتے ہیں لیکن ہم ذاتِ مقدس کے وجود کی طرف محتاج ہونے اور اس کے بذاتہ کامل ہونے کے باوجود غیر کے ساتھ اس کے کمال حاصل کرنے کے قائل نہیں ہیں، اور ہم امید کرتے ہیں کہ زیادتِ وجود سے سلف کی مراد یہی معنی ہیں اگرچہ اُن سے اس بارے میں کوئی روایت ہو لیکن ظاہر یہ ہے کہ سلف سے اس بارے میں کوئی نقل نہیں ہے بلاشبہ یہ ہمارے اصحاب رحمہم اللہ سبحانہ میں سے متاخرین کا قول ہے بخلاف زیادتِ صفاتِ کے کہ بیشک نصوص ان کے لئے مددگار ہیں پس حاصل یہ ہے کہ بیشک حق عزوجل اپنی ذات کے ساتھ موجود ہے اور اُس کی ساتوں بلکہ آٹھوں صفات ذاتِ حق تعالیٰ کے ساتھ وجود کے بغیر موجود ہیں پس وجود جس طرح مرتبہ ذاتِ مقدس سے نیچے کے مرتبہ میں ہے اِسی طرح اُس کی صفاتِ حقیقیہ سے بھی نیچے کے مرتبہ میں ہے پس جب حضرتِ ذاتِ مقدس اور صفاتِ عالیہ میں وجود درمیان میں نہیں آتا تو وجوب اور امکان بھی درمیان میں نہ آئیں گے اس لئے کہ امکان اور وجوب ماہیت اور وجود کے درمیان نسبت ہیں پس جب وجود نہیں ہے تو نہ وجوب ہے نہ امکان، لہٰذا اس تحقیق سے وہ سخت اشکال دور ہو گیا جو صفاتِ حقیقیہ پر وارد کیا جاتا ہے کہ وہ یا تو اپنی ذوات کے اعتبار سے ممکنہ ہیں یا واجبہ ہیں، پس پہلی صورت کی بنا پر اِن کا حادث ہونا لازم آتا ہے اس لئے کہ ان کے نزدیک ہر ممکن حادث ہے اور نیز اِن کا ذات سے جدا ہونا لازم آتا ہے

پس اس سے حق تعالیٰ کے جہل و عجز کا جواز لازم آتا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ اس سے بلند ہے، اور دوسری صورت کی بنا پر واجب لذاتہ کا متعدد ہونا لازم آتا ہے جو کہ توحید کے منافی ہے۔ ہمارے شیخ و امام امامِ ربانی مجدد الف ثانی (قدس سرہٗ) نے فرمایا "پس اس سبحانہ و تعالیٰ کی ذات و صفات اُن تینوں منحصرہ صورتوں سے بالاتر ہے زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ جب اس ذات تعالیٰ کا تصور کیا جائے اور اس سبحانہ کی صفات کا وجوہ اور اعتبارات کے لحاظ سے تعقل کیا جائے کیونکہ کنہ (حقیقت) کی طرف کوئی سبیل نہیں ہے، تو تصوری ظلی وجود میں ذات سبحانہ کے لئے وجوب عارض ہوگا، کیونکہ وہی (وجوب) اس تعالیٰ کے غنا کے لائق اور مناسب ہے، اور وجود ذہنی کے ساتھ اس سبحانہ کی صفات کے لئے امکان عارض ہوگا، کیونکہ ذات کی طرف اس کے محتاج ہونے کی وجہ سے وہ (امکان) ہی اس کے مناسب ہے، پس اس تعالیٰ شانہٗ کی ذات اور اس سبحانہ کی صفات اپنی ذوات کی حد میں وجوب و امکان کے مرتبہ سے اوپر ہیں بلکہ مرتبۂ وجود سے بھی اوپر ہیں اور وجودِ تصوری ظلی کے اعتبار سے وجوب ذات تعالیٰ کے مناسب ہے اور امکان صفاتِ تعالت و تقدست کے مناسب ہے پس صفات تعالت وجودِ خارجی کی حیثیت سے نہ واجبہ ہیں نہ ممکنہ بلکہ یہ وجوب و امکان سے اوپر ہیں اور وجودِ ذہنی کے اعتبار سے ممکنہ ہیں اور اس امکان سے حادث ہونا لازم نہیں آتا اس لئے کہ یہ اُن (صفات) کی ذوات کے لئے نہیں ہے جیسا کہ ممکنات کے لئے ہے بلکہ ان کے ظلی وجودات کیلئے ہے اور یہ معرفت اربابِ معقول کے اس قول کے مناسب ہے کہ کلیّت و جزئیت ——— وجودِ ذہنی کی خصوصیت کے اعتبار سے ماہیت کے لئے عارض ہوتی ہیں، پس وجودِ خارجی کی حالت میں ماہیت ان دونوں میں سے کسی کے ساتھ متصف نہیں ہوتی ہے مثلاً زید جو خارج میں موجود ہے تعقل سے پہلے وہ جزئی نہیں ہے جیسا کہ وہ بلا شبہ کلی بھی نہیں ہے بلکہ اس کے لئے وجودِ ذہنی ظلی کے بعد جزئیت عارض ہوتی ہے بلکہ ہم کہتے ہیں کہ صفاتِ ثمانیہ موجودہ کے علاوہ تمام انتسابات و اضافات اور احکام و اعتبارات جن کا اس تعالیٰ شانہٗ پر حمل کیا جاتا ہے مثلاً الوہیت و ربوبیت و اوّلیت و ازلیت اس سبحانہ و تعالیٰ پر ان کا اطلاق تصور و تعقل کے اعتبار سے ہے ورنہ ذات جس حیثیت سے کہ وہ ہے کسی صفت کے ساتھ متصف اور کسی اسم کے ساتھ موسوم اور کسی حکم کے ساتھ محکوم نہیں ہے پس بیشک صاحبِ شرع تعالیٰ شانہٗ نے اپنی ذات پر اسماء و احکام کا اطلاق تناسب و تشابہ کے اعتبار سے کیا ہے تاکہ مخلوق کی عقلوں کے قریب ہو جائے اور ان کے ساتھ کلام کرنا ان کی عقلوں کے انداز کے مطابق ہو، جیسا کہ زید کے لئے جو کہ وجودِ ذہنی کا لحاظ کئے بغیر خارج میں موجود ہے تشبیہ و تنظیر کے طور پر یہ کہا جاتا ہے کہ وہ جزئی ہے اور ان کا جزئی ہونے کا حکم لگانا ان کے

۲۱۸

یہ حکم لگانے سے کہ وہ کلی ہے، انسب و اشبہ ہے پس اسی طرح ذاتِ غنی و علیٰ پر وجوب و وجود کا حکم لگانا امکان و امتناع کا حکم لگانے سے اولیٰ و انسب ہے ورنہ اس ذات مقدس تعالیٰ کی بارگاہ میں نہ وجوب پہنچتا ہے نہ وجود جیسا کہ اس تعالیٰ کی جناب تنزیہہ میں نہ امکان مناسب ہے نہ امتناع، پس اس بزرگ و مقدس معرفت کو سمجھ لیجئے کیونکہ یہ دین کی بنیاد اور ذات و صفاتِ تعالت و تقدست کے علم کا خلاصہ ہے اور عظماء و اکابرین میں سے کسی نے ایسی بات نہیں کہی، اللہ تعالیٰ نے اس بندہ کو اس معرفت کے ساتھ نشاندہی فرمائی ہے اور اس شخص پر جو ہدایت کی پیروی کرے سلام ہو"۔ (انتہیٰ)

اور ان چیزوں میں سے جن کا ہمارے شیخ و امام (مجدد الف ثانی) قدسنا اللہ سبحانہ بسرہ السامی نے افادہ کیا ہے ایک یہ ہے کہ صفاتِ حقیقیہ مرتبۂ ذات میں موجود ہیں اور ان (صفات) کے اثبات سے اس بارگاہِ عالیہ میں ہرگز کوئی تعین و تنزل حاصل نہیں ہوا اور صفات کے حضرتِ ذات میں مندرجہ کمالات کیلئے تفاصیل ہونے کے باوجود ان سے ہرگز کوئی دوسرا مرتبہ حاصل نہیں ہوا، پس ان کا حکم تمام اجمالات و تفصیلات کے احکام سے ممتاز ہے کیونکہ ان میں ہر ایک کا مرتبہ دوسرے کے مرتبہ سے ممتاز ہے پس تفصیل کا مرتبہ اجمال کے مرتبہ سے نیچے ہے اور یہ معنی اس مقدس بارگاہ میں مفقود ہیں اور تفصیل مرتبۂ اجمال میں ثابت ہے اور اس مرتبہ کا ثبوت علم اور خارج سے ماوراء ہے اور وجود ذہنی اور خارجی کی تقسیم بلاشبہ مرتبۂ امکان میں ہے پس اس بارگاہ میں نہ خارج کے لئے کوئی گنجائش ہے اور نہ علم کے لئے اس لئے کہ جب وہاں وجود کے لئے کوئی گنجائش نہیں ہے تو وجودِ خارجی و علمی تو اس کی فرع ہے اور یہ بلکہ وہ تمام جو عنقریب آئے گا معرفت کشفی ہے، اور یہ جو ہم نے وجود وغیرہ کی تحقیق اور صفات کے اثبات کے بارے میں ذکر کیا ہے حالانکہ جو کچھ کہ صفاتِ عالیہ پر مترتب ہوتا ہے اس کے بارے میں ذاتِ مقدس کافی ہے تو یہ ذوقی و کشفی امور ہیں اور ان کے اثبات میں جو کچھ لایا جاتا ہے یہ بدیہیات پر تنبیہات کی قسم سے ہے جن میں بحث کی کوئی گنجائش نہیں ہے، اور علمِ واجبی جو کہ اس مرتبۂ مقدسہ میں ان صفات کے ساتھ متعلق ہے علمِ حضوری کے مشابہ ہے جیسا کہ اس سبحانہ کا علم اپنی ذاتِ علیٰ اور اپنے اُن کمالات کے ساتھ ہے جو کہ ذات میں مندرج ہیں اور یہ صفات مع ان کی زیادتیوں کے گویا کہ وہ نفسِ عالم ہیں اور اُن کا حضور نفسِ عالم کا حضور ہے، پس یہیں سے صوفیۂ کرام کا ایک بہت بڑا گروہ اس طرف گیا ہے کہ یہ صفات ذات واجب تعالیٰ کے ساتھ عینیت رکھتی ہیں اور وہ ان کی غیریت کی نفی کرتے ہیں اور انبیاء کرام علیٰ اجمعھم عموماً وعلی افضلھم خصوصاً الصلوات والبرکات والتحیات (ان سب پر بالعموم اور ان میں سب سے افضل پر خاص کر رحمتیں و برکات اور سلامتیاں ہوں) کے علوم کے مذاق کے عین موافق اور اہلِ سنت و جماعت

۲۱۹

شکر اللہ تعالیٰ سعیھم [اللہ تعالیٰ ان کی کوششوں کو مشکور فرمائے] کی آراء کے مطابق یہ ہے کہ اُن (صفات) کی غیریت کی نفی کا قائل ہوتے ہوئے اُن (صفات) کی عینیت کی نفی بھی کی جائے اور یہ کہا جائے، لاھو ولا غیرہ [نہ وہ (ذات) ہی ہیں اور نہ اس کا غیر ہیں] اور اسی لئے ہم نے کہا ہے کہ ان (صفات) کا علم اس (ذات) کا عین نہ ہونے کی وجہ سے علمِ حضوری کے مشابہ ہے اور جبکہ اس سے صورۃً الگ نہیں ہے اور ان کی ذات کا حضور موجود ہے تو یہ علمِ حضوری کی قسم سے ہوگا اور اس سے نقیضین کے ارتفاع کا وہم نہ کیا جائے اس لئے کہ تناقض (ٹکراؤ) کے حصول میں زمان و مکان کا اتحاد شرط ہے اور اس بارگاہِ مقدس میں زمان و مکان بالکل نہیں ہے پس تناقض متصور نہیں ہے اور لفظ غیر میں جو تصرف کیا جاتا ہے اور غیر سے اصطلاحی غیر مراد لیا جاتا ہے تو کشفی نظر اس تخصیص کی نفی کرتی ہے اور غیریت کی بھی نفی کرتی ہے خواہ کسی معنی میں ہو کیونکہ بلاشبہ اربابِ کشف ذوق و فراستِ صحیحہ سے جو کہ مشکوٰۃِ نبوت سے اخذ کی گئی ہے یہ بات پاتے ہیں کہ صفات جس طرح اپنے زائد ہونے کی وجہ سے عین ذات نہیں ہیں اسی طرح غیر ذات بھی نہیں ہیں اگرچہ وہ (ذات پر) زائد ہیں اور ان دونوں (ذات و صفات) میں دوئی کی نسبت ہے، پس اُس بارگاہ میں اربابِ معقول کا یہ قاعدہ ٹوٹ جاتا ہے کہ دو چیزیں آپس میں متغائر ہوتی ہیں۔

جب تو نے یہ سمجھ لیا تو جان لے کہ بلاشبہ اس مرتبۂ مقدسہ کیلئے جو کہ صفاتِ حقیقیہ تعالت و تقدست کے ساتھ ذات کا مرتبہ ہے مرتبۂ ثانیہ میں کسی تغیر و تبدل کے بغیر ایک ظہور ہے اور یہ مرتبہ مرتبۂ وجود ہے جو کہ خیرِ محض اور کمالِ صرف ہے اور وجود کے سوا کسی چیز میں بھی ظلیت کے طور پر تمام کمالات کا مظہر ہونے کی قابلیت نہیں ہے اور اسی لئے اگر علم اس مرتبۂ مقدسہ کے ساتھ متعلق ہو جائے اور اس کے کمالات جدا ہو جائیں تو جو چیز اس (ذات) سے سب سے پہلے جدا ہو گی وہ حضرتِ وجود ہے اور دوسرے کمالات اس کے تابع ہیں اور اسی لئے صوفیہ کرام وغیرہم کی ایک جماعت ذاتِ مقدس کے لئے وجود کے عین ہونے کی طرف گئی ہے اور اس کے تعین ہونے کے باوجود انھوں نے اس کو لاتعین تصور کیا ہے اور اس تعینِ وجودی کا ثبوت علم اور خارج کے ماوراء ہے اس لئے کہ خارجی اور علمی وجود مطلق وجود کی اقسام میں سے ہیں اور مقسم کا مرتبہ اقسام کے مرتبہ سے اوپر ہوتا ہے پس حضرتِ وجود اس حیثیت سے کہ وہ ان دونوں وجودوں پر سبقت رکھتا ہے اور وہاں نہ خارجی وجود متصور ہے اور نہ ذہنی وجود جیسا کہ پہلے گذر چکا ہے۔ اور حضرتِ وجود ظلیت کے طریق پر تمام کمالاتِ ذاتیہ و صفاتیہ کا اجمالی اور تفصیلی طور پر جامع ہے پس اجمال تعینِ اول ہے اور تفصیل گویا کہ تعینِ ثانی ہے، پس وجود کے مرتبۂ اجمال میں ایک کمال

ص ۲۲۰

دوسرے کمال سے اور ایک صفت دوسری صفت سے متمیز نہیں ہوگی اور وجود کے مرتبہ تفصیل میں کمالات ممتاز ہوجاتے اور صفات ظاہر ہوجاتی ہیں پس وجود کی تفصیل میں پہلی چیز جو ثابت ہوئی ہے حیات (زندگی) ہے جو کہ تمام صفات کی ماں ہے اور یہ صفت گویا کہ اس صفتِ حیات کا ظل ہے جس کے لئے حضرتِ ذاتِ منزہ کے مرتبہ میں ثبوت ہے اور اس کے حق میں لاھو ولا غیرہ [نہ وہ عین ذات ہے اور نہ اُس کا غیر ہے] صادق آتا ہے اور چونکہ اس ظل کا ثبوت اس مرتبہ میں ہے جو مرتبۂ ذات تعالیٰ سے نیچے ہے اس کے حق میں لاھو [وہ عین ذات نہیں ہے] صادق آتا ہے اور لا غیرہ [اور اس کا غیر نہیں ہے] صادق نہیں آتا بلکہ ذاتِ حق عزوجل سے مغائر ہوگا اور تمام صفاتِ تعالت کا یہی حال ہے، اور صفتِ حیات کے بعد صفتِ علم ظاہر ہوئی ہے پھر دوسری صفات یعنی ارادہ و قدرت وغیرہ اور علم تعینِ وجودی کا جزو اور اس کے حصوں میں سے ایک حصہ ہونے کے باوجود تمام صفات کا جامع ہے اور دوسری صفات اپنے استقلال کی وجہ سے گویا کہ صفتِ علم کے اجزاء ہیں اس لئے کہ اس صفت کے لئے اس کے موصوف کے ساتھ ایک قسم کا اتحاد ہے، یہ اتحاد اس کے غیر کے لئے نہیں ہے کیونکہ علم، عالم اور معلوم کے ساتھ متحد ہوجاتا ہے اور قدرت، قادر و مقدور کے ساتھ متحد نہیں ہوتی اور اسی طرح ارادہ و سمع (سننا) وغیرہما موصوف کے ساتھ متحد نہیں ہوتے اور صفتِ علم کے لئے اس کی جامعیت کے ساتھ اجمال ہے جس میں صفات متمیزہ ظاہر نہیں ہوتیں اور تفصیل ہے جس میں کمالاتِ متمیزہ ظاہر ہوتے ہیں جیسا کہ وجود کے لئے اور اس کے اجمال کے لئے دائرہ کے مرکز کا حکم ہے اور اس کی تفصیل کے لئے اس (دائرہ) کے محیط کا حکم ہے پس یہاں سے وہ (اعتراض) بھی دور ہوجاتا ہے جو کہ وارد کیا جاتا ہے کہ تمام صفات سے حیات کا متمیز ہونا علم کی تفصیل میں ہے جس کو واحدیت کہتے ہیں اور البتہ مرتبۂ اجمال میں تو وہاں ایک صفت کے لئے دوسری صفت سے تمیز نہیں ہے پس اُس کی بناء پر جو کہ ہمارے شیخ و امام (مجدد الف ثانی) قدس سرہٗ کی عبارتوں میں واقع ہے علمِ اجمالی پر حیات کے مقدم ہونے کا حکم کس طرح لگایا جاسکتا ہے اور اس اعتراض کرنے والے پر تعجب ہے کہ وہ اس طائفہ کی اصطلاح کو جو کہ مخالف کے نزدیک غیر مسلم ہے اس کے خلاف حجت کے طور پر کس طرح وارد کرتا ہے، اور اس قسم کی باتیں مخالف کے مذہب کی حقیقت اور اس کی اصطلاح پر اطلاع نہ ہونے کی وجہ سے ہیں پس وہ اپنی جہالت کو اعتراض شمار کرتا ہے، اور تو نے جان لیا کہ وہ تمیز جو صفتِ حیات کے لئے وجود کی تفصیل میں اس کے حضرتِ اجمال میں مندرج ہونے کے بعد حاصل ہوتی ہے وہ علمِ اجمالی و تفصیلی پر سبقت رکھتی ہے، پس حاصل یہ ہے کہ وہاں پر دو تفصیلیں

ہیں، ایک تفصیل ان کمالات کی ہے جو وجود کے اجمال میں مندرج ہیں اور حیات وہاں علم پر اپنی دونوں قسموں کے ساتھ مقدم ہے، اور دوسری تفصیل حضرتِ علم میں ہے جبکہ وہ اس کے اجمال میں مندرج ہو جائے اور حیات یہاں پر علم سے مؤخر ہے پس علمِ محاط (احاطہ کیا ہوا علم) حیات کے ساتھ مسبوق ہے (یعنی حیات اس پر سبقت رکھتی ہے) اور محیط (احاطہ کرنے والا) اس پر سبقت رکھتا ہے، اور تجھے معلوم ہے کہ صفتِ حیات جو علم سے مسبوق ہے (یعنی علم جس پر مقدم ہے) وہ حقیقت میں صفتِ حیات نہیں ہے بلکہ اس صفت کی صورتِ علمیہ ہے پس صفتِ حیات البتہ علم پر مقدم ہے اور اس کی صورتِ علمیہ علم کے بعد ہے اور ان تمام باتوں سے جو ہم نے ذکر کی ہیں قطع نظر کرنے کے باوجود پس شانِ حیات کا شانِ علم پر مقدم ہونا ان چیزوں میں سے ہے جو فطرتِ سلیمہ رکھنے والے کے نزدیک دلیل و تنبیہ کی طرف محتاج نہیں ہیں۔ اور میرے شیخ و امام (مجدد الف ثانی) قدسنا اللہ بسرہ السامی نے کسی دوسرے مقام پر ایک اور افادہ کیا ہے کہ حقیقۃ الحقائق اور حقیقتِ محمدیہ علی مظہرہا الصلوۃ والسلام والتحیہ تعین اور ظہورِ حُبّی ہے اور حُب (تمام) ظہورات کا مبدأ اور مخلوقات کی پیدائش کا منشا ہے، حدیثِ قدسی میں وارد ہوا ہے: کنت کنزا مخفیا فاحببت ان اعرف فخلقت الخلق لاعرف (میں ایک مخفی خزانہ تھا پس میں نے چاہا کہ میں پہچانا جاؤں تو میں نے مخلوق کو پیدا کیا تاکہ میں پہچانا جاؤں) پس اگر یہ حُب نہ ہوتی وہ ہرگز کسی موجود کو پیدا نہ کرتا پس یہاں سے لولاک لما خلقت الافلاک (اگر تو نہ ہوتا تو میں آسمانوں کو پیدا نہ کرتا) کا بھید ظاہر ہو گیا اور ایک روایت میں ہے لما اظہرت الربوبیۃ (میں اپنی ربوبیت کو ظاہر نہ کرتا) اور یہ حُب مرکز ہے اور اس کا محیط خُلّت ہے جو اس مرکز کے لئے ظل کی مانند ہے، پس مرکز حقیقتِ محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے اور اس کا محیط وہ دائرہ ہے جو کہ اس مرکز کے لئے ظل کی مانند ہے اور خُلّت حضرت ابراہیم خلیل اللہ علی نبینا و علیہ الصلوۃ والسلام کی حقیقت اور ان کے تعین کا مبدا ہے اور جائز ہے کہ خُلّت تعینِ ثانی ہو لیکن کشفی نظر میں یہ مرکز اور محیط ایک ہی تعین ہے اور تعینِ ثانی کشفی نظر میں تعینِ وجودی ہے جو اپنی اصل کے عنوان کے ساتھ جو کہ تعینِ حُبّی ہے اس اصل کے ظہور سے پہلے ظاہر ہوا ہے۔ پس اگر یہ کہا جائے کہ حُب وجود کی فرع ہے کیونکہ وجود کے بغیر حب کا تصور نہیں کیا جا سکتا، تو حُب وجود کی اصل کس طرح ہو گی۔

ہم (جواباً) کہتے ہیں، پہلے گزر چکا ہے کہ حق جل سلطانہ اپنی ذات کے ساتھ موجود ہے اور اس کی صفاتِ ثمانیہ تعالت (آٹھ صفات) ذاتِ حق کے ساتھ موجود ہیں اور وہاں وجود اور وجوب کے لئے کوئی گنجائش نہیں ہے بلکہ وجود و وجوب اعتبارات میں سے ہیں جو کہ اس بارگاہ سے نیچے کے درجے میں ہے

۲۳۳

پس پہلا اعتبار جو ایجادِ عالم کے لئے ظاہر ہوا وہ حُبّ ہے اس کے بعد وجود ہے جو کہ ایجاد کا مقدمہ ہے اس لئے کہ ان دونوں اعتبارات کے بغیر اس مرتبۂ مقدسہ کو ایجادِ عالم سے غنائے ذاتی ہے اِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ؕ [بیشک اللہ تعالیٰ البتہ عالمین سے غنی ہے]

سورۂ عنکبوت ع

اور اگر تُو اس مقام کی تفصیل اور اس مقصد کی پورے طور پر تحقیق کرنا اور مقامِ خُلّت و حُبّ وجود کی حقیقت جاننا چاہتا ہے تو تجھ پر امام غوث الانام ہمارے شیخ و قبلہ (مجدد الف ثانی) جزاہ اللہ سبحانہ عنا خیر الجزاء [اللہ تعالیٰ ان کو ہماری طرف سے جزائے خیر عطا فرمائے] کے کلام کا مطالعہ کرنا لازم ہے۔ اور جان لے کہ تعینِ علمی اجمالی جس کا ذکر پہلے گذر چکا ہے وہی ہے جس کو شیخ محی الدین ابنِ عربیؒ اور ان کے متبعین قدس اسرارہم نے وحدت و تعینِ اول و حقیقتِ محمدیہ کے نام سے موسوم کیا ہے اور وہ کہتے ہیں کہ یہ تعینات میں سب سے زیادہ وسیع ہے اور وہی مشہودِ کل ہے اور وہی تجلّی ذاتی ہے اور اس کے لئے توحید کا اعلیٰ مقام اور اس کا مبدأ ہے اور وہ اعتبارات کا ماخذ اور اُن انتسابات و اضافات کا منبع ہے جو وجود میں ظاہر اور عقلوں اور ذہنوں کے میدان میں باطن (پوشیدہ) ہے اور اس کے بارے میں کہا گیا ہے کہ وہ وجودِ مطلق واحد واجب ہے، اور وہ کہتے ہیں کہ حق تعالےٰ پر اسم ذات کا اطلاق اس تعین کے اعتبار ہی سے صادق آتا ہے اس کے علاوہ نہیں اور اس کے ماوراء مرتبۂ لاتعین اور وجودِ مطلق ہے۔ پس میں کہتا ہوں کاش کہ مجھے معلوم ہوتا کہ انھوں نے نسبتوں اور اضافتوں سے پاک ذات کے لئے اس کی صفات میں سے کسی صفت کے تعین ہونے کا کس طرح حکم کیا ہے بلکہ اظہر یہ ہے کہ یہ کہا جائے کہ یہ تعین صفتِ علم کا تعیّن ہے اور اس کا ظہور مرتبۂ ثانیہ میں ہے اور صفت حقیقت میں موصوف کا غیر ہے اور مناسب نہیں ہے کہ یہ کہا جائے کہ اس صفت کے ساتھ ذات کا تعین ہے کیونکہ ذات صفت کے ساتھ متعین نہیں ہوتی اور اربابِ معقول نے کسی چیز کے بالوجہ علم کے بارے میں کہا ہے کہ معلوم وہی وجہ ہے پس چیز کی ذات کی طرف نسبت کرنے کے اعتبار سے جہل متحقق ہوگا اور ثابت شدہ امر کے ساتھ متحقق ہو چکا ہے کہ یہ تعین اس وجود کے حصوں میں سے ایک حصہ ہے جو کہ وجود کی تفصیل میں متمیز و متعین ہو گیا ہے لیکن وہ سب سے زیادہ جامع حصہ ہے اور وہ صفتِ حیات کے بعد ہے اور حیات وجود کے اجمالی و تفصیلی دونوں مرتبوں کے بعد ہے اور وجود خلّت کے بعد ہے اور خلت حُبّ کے بعد ہے اور حُبّ تعینِ اول ہے اور سب سے پہلا اعتبار ہے پس تعینِ علمی اجمالی تعینِ اول سے چھ مراتب نیچے ہے اور اس مرتبہ سے جو اس سے اوپر ہے سات مراتب نیچے ہے اور اُن چیزوں میں سے جن کا جاننا ضروری ہے یہ ہے کہ

۲۲۳ہمارے نزدیک تعین کے یہ معنی نہیں ہیں کہ حق عزّ وجلّ نیچے اُتر آیا پس وہ حُبّ یا وجود ہو گیا بلکہ تعین کے معنی صدور (ظہور) ہیں کیونکہ وہ تنزیہ کے زیادہ لایق ہے اور انبیاءِ کرامؑ کی زبان کے زیادہ مناسب ہے علی اجمعھم عموماً وعلی خاتمھم خصوصاً الصلوات والتسلیمات والتحیات والبرکات (ان سب پر بالعموم اور ان کے خاتم پر بالخصوص رحمتیں اور سلام و برکات نازل ہوں)

مکتوب ۸۶

مولانا محمد حنیف کے نام نسبتِ فیوضیہ کے حاصل ہونے اور اصالت و محبوبیتِ ذاتی و کمالِ انفعالی سے حصہ پانے کے بارے میں تحریر فرمایا۔

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ، برادرِ عزیز مولانا محمد حنیف اس مسکین سے دعا و سلام مطالعہ کرنے کے بعد معلوم کریں کہ جس وقت حضرت مجدد الف ثانی قدسنا اللہ سبحانہ بسرہ الاقدس نے اپنے مخلصوں میں سے ایک درویش کو خلعتِ قیومیت سے نوازا اور اس کو اس امرِ عظیم سے سرفراز فرمایا، اس درویش کو خلوت میں طلب کر کے فرمایا کہ اس مجمعگاہ (دنیا) کے ساتھ میرے ارتباط کا تعلق یہی قیومیت کا معاملہ رہا ہے جو کہ تجھ کو عطا کر دیا گیا ہے اور مکونات (موجودات) پورے شوق کے ساتھ تیری طرف متوجہ ہو گئے ہیں، اب میں اس فانی دنیا میں اپنے رہنے کا کوئی سبب نہیں پاتا ہوں۔ اور اس پُر آشوب دنیا سے اپنے رحلت فرمانے کا وقت قریب ہونے کی بابت فرمایا، وہ زخمی دل درویش اس مذکورہ بشارت کے سننے کے باوجود جگر سوختہ اور چشم پُر نم ہو کر اپنے اندر نہایت غم و اندوہ میں ڈوب گیا نہ زبان کو کہنے کی طاقت رہی اور نہ ہی کانوں کو سننے کی تاب رہی جب حضرتِ عالیؒ نے اس تبدیلی کو اس مسکین میں مطالعہ کیا (تو) نہایت مہربانی سے فرمایا غم مت کر، اللہ تعالیٰ کی سنت (طریقہ) اسی طرح جاری ہوئی ہے کہ کسی ایک کو اپنے پاس بُلاتے ہیں اور کسی دوسرے کو اس کی جگہ پر بٹھاتے ہیں، اور نہایت لطف و مہربانی سے اُس عزیز کی عبارت کو جو کہ وہ نفحات میں لاتا ہے زبان مبارک پر جاری فرمایا کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اٹھا لیا گیا اور حضرت ابو بکر (رضی اللہ عنہ) آپ کی جگہ بیٹھے (پھر حضرت) ابو بکر (رضی اللہ عنہ) کو اٹھا لیا گیا اور (حضرت) عمر (رضی اللہ عنہ) ان کی جگہ پر بیٹھے اور (پھر حضرت) عمر (رضی اللہ عنہ) کو اٹھا لیا گیا (اور حضرت) عثمان (رضی اللہ عنہ) ان کی جگہ پر بیٹھے اور (پھر حضرت) عثمان (رضی اللہ عنہ) کو اٹھا لیا گیا اور (حضرت) علی (رضی اللہ عنہ) ان کی جگہ بیٹھے

اُس درویش نے چونکہ اس معنی کی کوئی قابلیت اپنے اندر نہیں پائی اور مذکورہ رنج و غم بھی اس کے دل میں چھپا ہوا تھا ہاں یا نہیں کچھ بھی نہیں کہا اور جن امور کا انکشاف ضروری تھا درمیان میں نہ لایا، یہی وجہ تھی کہ جب حضرت عالیؒ نے فرمایا کہ اشیاء میری قیومیت سے تیری قیومیت کے ساتھ زیادہ راضی اور خوش ہیں (یہ درویش) اس کی لِم و علّت کو پوچھنے کی بھی جرأت نہ کر سکا کسی نے کیا خوب کہا ہے ؎ ۲۲۳

وحشی گذشت یار و نکردی حکایتے   اے خان و مان خراب زبانِ تو بستہ بود

(اے وحشی! یار گزر گیا اور تو نے کوئی بات بھی نہ کی - اے خانماں برباد کیا تیری زبان بندھی ہوئی تھی؟) جب حضرتِ عالی (قدس سرہٗ) نے اس درویش کا غم بہت ہی زیادہ دیکھا تو فرمایا کہ "میرے رحلت کرنے میں قدرے مُہلت (تاخیر) ہے لیکن میں دیکھتا ہوں کہ کیا تعلق درمیان میں ہے"، متوجہ ہو کر ایک لمحہ کے بعد فرمایا "میرے وصال کے دنوں تک تیرا قیام میرے ساتھ ہوگا اور افرادِ عالم کا قیام تیرے ساتھ ہوگا۔ یہ قول اس مسکین کے غمگین دل کو قدرے تسکین دینے والا ہو گیا، اس ماجرا (واقعہ) کے ایک سال اور چند روز کم تین ماہ بعد حضرت عالیؒ کے وصال) کا واقعہ پیش آیا کیونکہ یہ گفتگو سن ایک ہزار بتیس (۱۰۳۲ھ) کے ماہ ذی الحجہ کے پہلے عشرہ میں ہوئی تھی اور اس ہادیٔ انام کا ارتحال (وصال) اٹھائیس ۲۸ صفر سن ایک ہزار چونتیس (۱۰۳۴ھ ہجری) کو ہوا تھا۔ اس خلعت کے عنایت فرمانے سے دس گیارہ سال پہلے جس زمانہ میں وہ درویش چودہ سال کی عمر کے لگ بھگ تھا آپ کی خدمتِ اشرف میں اس نے عرض کیا تھا کہ میں اپنے اندر سے ایک نور پاتا ہوں کہ تمام دنیا اس سے منوّر ہے اور وہ نور ذراتِ عالم کے ہر ذرہ میں آفتاب کی طرح سرایت کئے ہوئے ہے اگر وہ نور ختم ہو جائے تو دنیا تاریک ہو جائے حضرتِ عالیؒ نے اس کو بشارت دیتے ہوئے فرمایا کہ تو اپنے وقت کا قطب ہوگا اور میری یہ بات یاد رکھ، اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ جس چیز کا وعدہ کیا گیا تھا وہ پوری ہو گئی اور بشارت کا اثر حاصل ہو گیا کیونکہ قطب ہونا قیومیت کا ایک شعبہ ہے۔

اب ہم اصل بات کی طرف جاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ قیوم اس عالم میں حق جل وعلا کا خلیفہ اور اس کا نائب مناب (قائم مقام) ہوتا ہے، اقطاب و ابدال اس کے دائرہ ظلال میں داخل اور افراد و اوتاد اس کے کمال کے محیط میں شامل ہوتے ہیں، تمام افرادِ عالم اس کی طرف رُخ رکھتے ہیں اور اہلِ جہان کی توجہ کا قبلہ وہی ہوتا ہے خواہ وہ جانیں یا نہ جانیں بلکہ اہلِ عالم کا قیام اسی کی ذات سے ہے اس لئے کہ افرادِ عالم چونکہ اسماء و صفات کے مظاہر ہیں کوئی ذات ان کے درمیان کائن (موجود) نہیں ہے (اس لئے) سب کے سب اعراض و اوصاف ہیں اور اعراض و اوصاف کو ذات و

جوہر کے بغیر چارہ نہیں ہے تاکہ اُن کا قیام اس کے ساتھ ہو۔ اللہ تعالیٰ کی عادت جاری ہے کہ طویل زمانوں کے بعد کسی عارف کو ذات سے حصہ عطا فرما کر اس کو ایک ایسی ذات عطا فرماتے ہیں کہ وہ نیابت وخلافت کے طور پر اشیاء کا قیوم ہو جاتا ہے اور اشیاء اس کے ساتھ قائم ہوتی ہیں۔

جاننا چاہئے کہ نسبتِ قیومیت کا حاصل ہونا کسی شخص کو اس وقت تک میسر نہیں ہے جبتک وہ اصالت سے کچھ حصہ نہ رکھتا ہو، اُن عالی حضرت ومتعالی منقبت (حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ) نے جس درویش کو نسبتِ قیومیت کے حاصل ہونے کی بشارت دی تھی اس کو مقام اصالت کے ثابت ہونے کی خوشخبری کے ساتھ بھی سربلند کیا اور نیز فرمایا کہ جس قدر تو اصالت سے حصہ رکھتا ہے اسی کے موافق محبوبیت کی فطرت تیری ذات میں ودیعت کی گئی ہے یعنی محبوبیتِ ذاتی وکمالِ انفعالی کی بھی اس کے حق میں نشاندہی فرمائی ہے۔ وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ ؀ [اور یہ بات اللہ تعالیٰ کے لئے مشکل نہیں ہے]۔

ص ۲۲۵ — سورۂ ۱۴ آیت ۲۰

مکتوب ۸۷
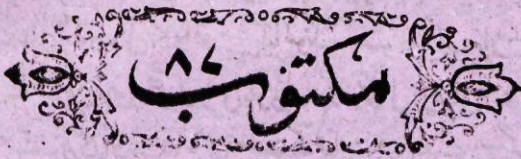
میر منصور کے نام اُن امور کے بیان میں تحریر فرمایا کہ جن کی تبلیغ ضروری ہے۔

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ۔ جو آیتِ کریمہ ان کفار اہلِ کتاب کے بارے میں (نازل ہوئی) ہے جو کہ حیلہ ومکر کے ساتھ اہلِ اسلام کو کفر وارتداد پر رہنمائی کرتے تھے آپ نے وہ آیتِ مبارکہ تعریض (دوسروں کو چھیڑنے) کے طور پر اس جماعت کے لئے فرمائی تھی اور اپنے آپ کو اپنے زعم کے مطابق مسلمان اور برحق قرار دیا تھا اور دوسری جانب والوں کو بہکانے اور گمراہ کرنے میں یہود وابلیسِ لعین کے ساتھی قرار دیا تھا (یہ سب) واضح ہوا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ ؀ [اللہ تعالیٰ ہم کو کافی ہے اور اچھا وکیل ہے] تم اپنے آپ کو مسلمانوں اور درویشوں کے گروہ میں شامل کرتے ہو، ہم نے تم کو یا کسی دوسرے کو کب راہِ حق سے روکا ہے، اس بارے میں کوئی بات بھی ہمارے اور تمہارے درمیان نہیں ہوئی ہے بہتان کی بھی کوئی حد (ہوتی) ہے اور ہماری صحبت میں مرتد و گمراہ وکافر کون ہے اور نیز اس گمراہی وارتداد کی طرف رہنمائی کرنے سے مراد شریعت کی گمراہی اور ارتداد ہے یا طریقت کی گمراہی وارتداد ہے کہ جس کو شیخ کی اطاعت وطریقت سے خروج کے ساتھ تعبیر کرتے ہیں جیسا کہ مقرر ہے، پہلی بات خود ہی مراد نہیں ہے اور اگر آپ لوگ یہ مراد لیں تو کیا

سورۂ ۳ آیت ۱۷۳

علاج ہے، رہی دوسری بات طریقت کی ردّت ہے جو کہ وقت کا نصیب ہے۔ آنجناب کو معلوم ہے کہ ہم اس وقت میں اس ملک میں نہیں تھے سیر (سفر) پر گئے ہوئے تھے معلوم نہیں کہ اس ارتداد پر رہنمائی کرنے والا کون تھا اس کا گناہ ہمارے سر تھوپنا معقول نہیں ہے دیگر اس جانب سے غیرت وغیرہ کی کوئی بات جو کہ صوفیۂ کرام کے طریقہ کا لازمہ ہے کچھ بھی درمیان میں نہیں آئی ہے دوسری مرتبہ ہے کہ تم لڑائی کی ابتدا کرتے ہو اور ایذا پہنچاتے ہو، ادنیٰ درجہ کے مسلمان کے دل کو ایذا دینے کا کیا (برا) نتیجہ ہے پس اہلِ حقوق کو اذیت دینا کیسا ہوگا، تم لوگ خداوند تعالیٰ جل سلطانہ کی غیرت سے نہیں ڈرتے کہ سوئے ہوئے فتنہ کو بیدار کرتے ہو، اس قدر جان لیں کہ ایک کا مقبول سب کا مقبول ہوتا ہے اور ایک کا مردود سب کا مردود ہوتا ہے، ایک سے قطع تعلق کر کے ترقی و وصول کی ہوس (خواہش) اپنے خاطرِ شریف سے نکال دیں ، اگرچہ جائز ہے کہ استدراج کے طور پر کشایش و ترقی کی صورت ظاہر ہو جائے لیکن اس کی حقیقت و معنی سے بے بہرہ ہے شیطان قوی دشمن ہے اس کے مکر سے کوئی شخص امن میں نہیں ہے پس ڈرنا چاہئے اور پھر ڈرنا چاہئے۔ بات دوسرے مقام کے بارے میں ہے کہ جس پر کشایش و ترقی متفرع ہے پس ڈرنا چاہئے اور پھر ڈرنا چاہئے۔ چونکہ تم نے سلسلہ جنبانی کی ہے (اس لئے) اس قدر کہا گیا ہے ورنہ دوسرے اہم امور در پیش ہیں اس قسم کی باتیں کہنے اور لکھنے کی نوبت نہیں آتی اور نیز آشنائی کے حقوق کا بھی تقاضا تھا کہ ایک دفعہ معاملہ کی حقیقت پہنچا دی جائے - والسلام

۲۳۶

مکتوب ۸۹
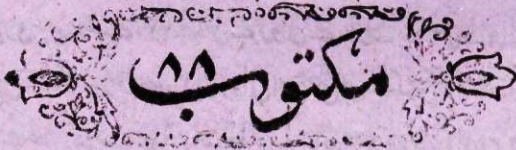
مولانا محمد حنیف کے نام اقربیت کے معارف اور اس سیر کی تفصیل میں جو کہ آفاق و انفس سے ماوراء ہے اور فناء کے دقائق اور حضرتِ عالی (مجدد الف ثانی قدس سرہٗ) کے طریقۂ عالیہ میں عجز و حیرت کے غلبہ کے راز کو منکشف کرنے کے بیان میں تحریر فرمایا۔

الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفٰی: سعادت آثار برادرم مولانا محمد حنیف نے اس دور افتادہ ضعیف سے کچھ استفسار کیا تھا اس کے حل کے سلسلہ میں چند سطریں لکھتا ہے ہوش کے کانوں سے سماعت فرمائیں۔ ہر کہنے والے سے زیادہ معزز ذات (اللہ تعالیٰ) نے فرمایا ہے: وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْہِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ ۝ [اور ہم اس کی طرف اس کی شاہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہیں]

حضرت واجب الوجود (اللہ تعالیٰ) جل سلطانہ کی ذات اور اسی طرح اس تعالیٰ شانہ کے کمالاتِ ذاتیہ
بندہ سے خود بندہ کی ذات کی نسبت زیادہ نزدیک ہیں پس جو سیر کہ ان مراتب سے تعلق رکھتی ہے
وہ سیرِ آفاقی و انفسی سے ماوراء اور اوپر ہوتی ہے اور جذبہ و سلوک سے بھی ماوراء ہوتی ہے اس لئے
کہ سلوک سیرِ آفاقی (کا نام) ہے اور جذبہ سیرِ انفسی (کا نام) ہے، سیر آفاقی کو بُعد در بُعد کہا گیا ہے
اور سیر انفسی کو اگرچہ قُرب در قُرب کہا گیا ہے لیکن وہ قُربِ ظلّی ہے اس قرب و اتحاد سے گذر جانا چاہئے
تاکہ اقربیت کا معاملہ رونما ہو جائے جس طرح اشیاء کے علمِ حصولی کا زوال کہ جس کو فنائے قلبی سے
تعبیر کرتے ہیں سیرِ آفاقی کی تکمیل کے بغیر ممکن نہیں ہے اور سیرِ انفسی میں شروع ہوئے بغیر میسر نہیں ہے
اسی طرح کسی شخص کے علمِ حضوری کا زوال جو کہ اس کی اپنی ذات و صفات سے متعلق ہے اور حقیقت
میں فنائے نفس ہے، سیر انفسی کی انتہا اور مراتبِ اقربیت میں داخل ہونے کے ساتھ وابستہ ہے
اور سیرِ انفسی میں عارف کا علمِ حضوری اپنی جگہ پر قائم ہے اس لئے کہ انفس اس مقام میں حقانیت
کے عنوان کے ساتھ ظاہر ہے اور اس کی قید سے پوری طرح رہائی حاصل نہیں ہوئی ہے کہ (جس سے)
مطلوبِ حقیقی تک وصول ظاہر ہو جائے کیونکہ مذکورہ آیہ کریمہ کے مطابق مطلوب انفس سے ماوراء ہے ص ۲۲۷
اور جو کچھ انفس میں ظاہر ہے رہنمائی کرنے والی نشانیوں میں سے ہے جیسا کہ قرآن مجید اس کے بارے
میں اطلاع دیتا ہے: سَنُرِيهِمْ اٰيٰتِنَا فِي الْاٰفَاقِ وَفِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ[1]
[ہم عنقریب اُن کو اپنی نشانیاں آفاق میں اور ان کے انفس میں دکھائیں گے حتیٰ کہ ان کو ظاہر ہو جائے گا کہ وہی حق ہے]
اور چونکہ علمِ حضوری عین عالم ہے اس لئے اس کے زوال سے عارف کے نفس کا زوال ہو جائے گا اور
اس کا کوئی اثر نہیں رہے گا اور علمِ حضوری کا زوال اس معنی میں ہے کہ جو علم عارف کی ذات سے تعلق
رکھتا تھا وہاں سے اکھڑ کر واجب تعالیٰ (اللہ تعالیٰ) کے ساتھ متعلق ہو جائے اور اس مقام میں حق سبحانہٗ
و تعالیٰ موجود ہو نہ کہ اس (عارف) کی ذات، اور اس کا بیان یہ ہے کہ جو کوئی کمال بھی ممکن میں ظاہر ہے
وہ سب مرتبۂ وجوب تعالت و تقدست یعنی وجود و حیات و علم و قدرت وغیرہ سے مستفاد و مستعار
ہے اور ممکن نے ان کمالات کو اپنے آپ سے سمجھ کر امانت میں خیانت کی ہے اور جب کسی عارف کو
محض فضل و کرم سے اس عاریتی ہونے کی دید سے نوازتے ہیں تو ہو سکتا ہے کہ آیتِ مبارکہ اِنَّ اللّٰهَ
يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا[2] [بیشک اللہ تعالیٰ تم کو حکم دیتا ہے کہ امانتیں ان کے اہل کو دیدو]
کے حکم کے بموجب دوبارہ امانتوں کو اہل امانات کے سپرد کر دے۔ اور چونکہ اس کا علمِ حضوری مطلوب کے

[1] سورت ۴۱ آیت ۵۳ [2] سورت ۴ آیت ۵۸۔

حضورِ ذاتی کا پرتو ہے (اس لئے) یہ حضور تمام کمالات کی طرح جو کہ اپنے اصول کے ساتھ مل جاتے ہیں اس حضورِ ذاتی کے ساتھ مل جائے گا، اس وقت میں عارف اپنے آپ کو بالکل خالی پائے گا اور خالص عدم کے ساتھ ملحق دیکھے گا وہ نہ کوئی ذکر اپنے اندر محسوس کرے گا اور نہ کوئی توجہ، نہ کوئی یافت (پانا) ہوگی نہ حضوری، اصل کے ساتھ مل جانے کے بعد اگر یافت (پانا) ہے تو وہ از خود بخود ہے اور اگر حضور ہے تو وہ بھی از خود بخود ہے اس لئے کہ حادث جب قدیم کے ساتھ ملا دیا گیا تو اس کا کوئی اثر باقی نہیں رہا۔ اس مقام میں جو کہ فنائے نفس کا مقام ہے عارف سے کلمۂ اَنَا کا اطلاق (مَیں پن) پوری طرح زائل ہو جاتا ہے اور عارف اپنے آپ کو اَنَا کے ساتھ تعبیر نہیں کر سکتا کیونکہ فنائے نفس کے بعد جو کہ کلمۂ اَنَا کا مَورد (وارد ہونے کی جگہ) ہے انا کے لئے کوئی مَورد (وارد ہونے کی جگہ) نہیں رہتا جس پر اس کا اطلاق ہو، یہ معنی نہیں ہیں کہ انا کا حق پر اطلاق ہو اور (عارف) اپنے آپ کو حق دیکھے کیونکہ خودی درمیان میں نہیں رہی ہے اور انانیت دور ہو چکی ہے۔ اور جو کچھ حضرت عالی قدسنا اللہ سبحانہ بسرہ الاقدس نے اپنے مکتوبات کی جلد اول کے کسی مکتوب میں کلمۂ انا کے زوال (کا متصور ہونا) سکر (کی وجہ) سے لکھا ہے اور فرمایا ہے کہ صحو میں اس قسم کی باتیں متصور نہیں ہیں انھوں نے (یہ) سیر انفسی کے بارے میں لکھا ہے بلکہ اُس فنائے جذبہ کے بارے میں (لکھا ہے) جس کے ساتھ کامل سلوک شامل نہیں ہوا ہے اس لئے کہ اس مقام میں ابھی کلمۂ انا کا مورد (نفس) اپنی جگہ پر ہے لیکن محبت کے غلبہ کی وجہ سے جو سُکر کا منشا (جائے پیدائش) ہے، چھپ گیا ہے زائل نہیں ہوا ہے اُس کے زوال کا حکم لگانا محض سُکر ہے اگر وہ شخص صحو میں آجائے تو اس کے مورد (وارد ہونے کی جگہ) کو پالے اور اس کے زوال کا حکم نہ لگائے کیونکہ اس سیر کا تمام ہونا ولایتِ صغریٰ کے تمام ہونے کے ساتھ ہے، پس اس بنا پر ولایتِ صغریٰ کے کمالات میں جو کہ سیرِ انفسی سے وابستہ ہیں کلمۂ انا کا چھپ جانا بھی درجۂ کمال سے نیچے ہوگا اور وہ کمال کہ جس کا بیان اس مکتوب میں کیا جا رہا ہے ولایتِ کبریٰ کے کمالات میں سے ہے جو کہ آفاق و انفس کے ماوراء سے متعلق ہے اور فنائے نفس کی حقیقت اس مقام میں متحقق ہے اور اس مقام میں کلمۂ انا کا مورد جڑ سے اُکھڑ گیا ہے کہ اس کے لوٹنے کی کوئی صورت نہیں ہے، فنا و بقا اور صحو و سُکر اس کے لئے یکساں ہے وَالزَّائِلُ لَا یَعُوْدُ [اور زائل واپس نہیں لوٹتا]۔ اور یہ جو ہم نے کہا ہے کہ فنائے نفس کی حقیقت اُس مقام میں متحقق ہے یہ اس لئے ہے کہ فنائے نفس اجمال کے طور پر ولایتِ صغریٰ میں بھی حاصل ہو جاتی ہے لیکن اس کا کمال اس مقام میں ہے چنانچہ اس کی تحقیق مکتوبات شریف (حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ) کی دوسری جلد میں تفصیل کے ساتھ بیان کی گئی ہے۔

اور جب عاشق بیچارہ اپنے آپ کو کلمہ اَنَا کے ورود کے لائق نہیں پاتا اور خودی کو شرک دیکھتا ہے اور انانیت سے پاک ہو کر تبری (بیزاری) اختیار کرتا ہے تو ہو سکتا ہے کہ معشوق اپنے فضل و احسان کی رو سے آیۂ مبارکہ ھَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ ۝ [کیا احسان کا بدلہ احسان کے سوا کچھ اور ہے] کے بموجب اس گم شدہ کو اپنی اَنَا کی خلوت گاہ میں جگہ دے اور عاشق صادق سب سے منہ موڑ کر اور بیخود ہو کر، کعبۂ مقصود کی بارگاہِ خاص میں اعتکاف اختیار کرے اس طرح نہیں کہ عاشق عین معشوق ہو جائے

سورۂ رحمٰن آیت ۶۰

خیالِ کج مبر این جا و بشناس کسے کو در خدا گم شد خدا نیست

[اس جگہ کج خیالی مت کر اور پہچان لے کہ جو شخص خدا میں گم ہو گیا وہ خدا نہیں ہے] اس مقام میں دردمند عاشق کا کوئی نشان نہیں ہے معشوق ہی ہے جو کہ خود بخود جلوہ گر ہے اور (اس نے) عاشق کو درمیان سے اٹھا دیا ہے۔

سوال: جبکہ علمِ حضوری عینِ عالم ہو جاتا ہے اور وہ علم کمال (حاصل ہونے) کے بعد اپنی اصل کے ساتھ جو کہ واجب تعالیٰ کا علمِ حضوری ہے ملحق ہو جاتا ہے اور (یہ بات) طے شدہ ہے کہ ہر کمال کا لحوق اپنی اصل کے ساتھ ہوتا ہے نہ کہ اس امر کے ساتھ جو اس کی اصل کے متضاد ہو تو اس سے لازم آتا ہے کہ ہر شخص کی حقیقت اور اس کا مبدأ تعین علم ہو اور حالانکہ دوسری صفات بھی مخلوق کے مبادی تعینات ہیں چنانچہ ہمارے حضرت عالی قدسنا اللہ بسرہ الاقدس (کی تحقیق) کے مطابق تکوین حضرت آدم علیہ السلام کا مبدأ تعین ہے اور کلام حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مبدأ تعین ہے اور قدرت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مبدأ تعین ہے (علیٰ نبینا و علیہم الصلوات والتسلیمات) اور جو لوگ کہ ان بزرگوں (مذکورہ انبیاء کرام علیہم السلام) کی ولایتوں میں داخل ہیں ان کے مبادی تعینات درجات کے فرق کے مطابق ان صفات کی جزئیات اور جزئیات کی جزئیات ہیں۔

جواب: جیسا کہ اس گروہ کے نزدیک طے شدہ ہے کہ حقیقتِ محمدی علیٰ مصدرہا الصلوٰۃ والسلام حضرتِ علم کا اجمال ہے اور تمام مخلوق کے حقائق اس اجمال کی تفصیل ہیں پس اس معنی پر نظر کرتے ہوئے کہہ سکتے ہیں کہ تمام مخلوق کے حقائق علم ہے اس لئے کہ تمام مخلوق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور و تفصیل ہے۔ القصہ اس اجمالی حقیقت کے لئے تفصیل کے مرتبہ میں علم کے تفصیلی کمالات کے اندازے کے مطابق جو کہ حضرتِ اجمال میں درج ہیں بے شمار حصے (اجزاء) ہیں پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سوا باقی اشخاص میں سے ہر شخص کی حقیقت علم کے حصوں (اجزاء) میں سے ایک حصہ (جزو) ہوگی جو کہ اجمال میں مندرج کمالات میں سے کسی کمال کے ساتھ تفصیل کے مرتبہ میں علم کے تعلق کی وجہ سے حاصل ہوا ہے مثلاً حضرت ابو البشر (آدم) علیٰ نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مبدأ تعین علم کا ایک حصہ ہے

۲۲۹

جو کہ اس کے تعلق سے تکوین کی صفت کے ساتھ جو کہ اجمال میں شامل تھی حاصل ہوا ہے اور اسی پر تمام حقایق کو قیاس کر لیا جائے لیکن چونکہ حصص وحقایق کے درمیان تمیز اُن کمالات کے ساتھ ہے (اس لئے) ہر شخص کی حقیقت کو اُن کمالات میں سے اس کمال کے ساتھ مسمی کیا گیا ہے جو کہ اس شخص کے ساتھ خاص نسبت رکھتا ہے کہ اس کی تمیز کا سبب ہوا ہے پس (صفتِ) علم تمام صفات میں اشرف و بزرگ ہوئی اور اس کی برکات تمام موجودات کو شامل ہوئیں۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ کسی چیز کے کسی چیز کے ساتھ متحد ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ پہلی چیز دوسری چیز کی حقیقت ہو جیسے خاصہ (خاصیت) کو ماہیت کے ساتھ اتحاد کی نسبت ہے حالانکہ یہ عوارض میں سے ہے۔ اگر کہا جائے کہ اس تقدیر پر کہ علم انسان کی ذات وحقیقت نہیں ہوتی تمام موجودات کے حقایق کو حقیقتِ محمدی کی تفصیل کہنا کس طرح درست ہوگا اس لئے کہ حقیقتِ محمدی علم ہے (اس کے جواب میں) ہم کہتے ہیں کہ ضروری نہیں ہے کہ اجمال ذاتی تفصیل ہو کیونکہ (جنس) حیوان کے تحت درج شدہ انواع کو ماشی (چلنے پھرنے والا) کی تفصیل کہہ سکتے ہیں اگرچہ (صفت) ماشی، (چلنے پھرنے والا ہونا) اس کی ذاتی (صفت) نہیں ہے، اور اگر مان لیا جائے تو ہم کہتے ہیں کہ حقیقتِ محمدی کو تمام حقایق کا اجمال و کل کہنا ان حقائق کے ساتھ علم کے اشتمال وجامعیت (شامل وجامع ہونے) کے اعتبار سے ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ ہم کہتے ہیں ہو سکتا ہے کہ حقیقتِ محمدی سے مراد تمام کمالاتِ ذاتیہ ہوں جو کہ علم سے اجمال کے طور پر تعلق رکھتے ہوں نہ کہ نفسِ علم سے جیسا کہ وہ ہے لیکن چونکہ اس مرتبہ میں علم کو ان کمالات سے کوئی تمیز (حاصل) نہیں ہے اور حضور وانکشاف کے سوا کوئی امر اس مقام میں ظاہر ومعلوم نہیں ہے اس لئے اس مرتبہ کو وحدت کہتے ہیں اور قابلیتِ محض سے موسوم کرتے ہیں اور نیز علم کو معلوم کے ساتھ بہت سے محققین کے نزدیک اتحاد ہوتا ہے اس لئے انھوں نے اس حقیقت کو علم سے تعبیر کیا ہے لہٰذا تفصیل کے مرتبہ میں وہی کمالاتِ متمیزہ تمام اشخاص کے حقائق ہیں اور اس صورت میں اجمال کا تفصیل کے ساتھ بے تکلف تقابل ہو جاتا ہے اور اس کے بغیر ایسا نہیں ہے، اور اس توجیہ کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ ہمارے حضرت عالی قدس اللہ سرہ الاقدس کے نزدیک حقیقتِ محمدی تعین وجودی یا تعینِ حُبّی کا اجمال ہے کہ تعینِ علمی اُس سے کئی درجے نیچے ہے جیسا کہ اس کی تحقیق کسی دوسری جگہ لکھی جا چکی ہے۔ اگر یہ کہیں کہ بعض اکابر کے کلام میں یہ بات آئی ہے کہ علم انسان کی حقیقت ہے چنانچہ مولوی (رومی) قدس سرہ نے فرمایا ہے ع

اے برادر تو ہمیں اندیشہ الخ　　[اے بھائی تو ہی اندیشہ وفکر ہے]

م ۲۳

اور حضرت عالی (مجدد الف ثانی قدس سرہ) سے بھی بعض اوقات میں اس کے مثل سنا گیا ہے۔ ہم کہتے ہیں ہو سکتا ہے کہ ان اکابر نے تجوز و مبالغہ کے طور پر فرمایا ہو یعنی تجھ میں عمدہ چیز ہی فکر و اندیشہ ہے، چاہئے کہ وہ مطلوب حقیقی کے سوا اور کسی میں صرف نہ ہو بلکہ پورے طور پر اس مقدس بارگاہ کی طرف مصروف ہو۔ اس مقام میں تحقیق وہ ہے جو ہمارے حضرت (قدس سرہ) نے افادہ کیا ہے جس جگہ کہ فرمایا ہے" اس بیان سے لازم آتا ہے کہ علم حضوری میں بھی معلوم کی صورت معلوم کے حضور نفس کے باوجود پائی جاتی ہے کیونکہ نفس معلوم کی حضوری خالص نہیں ہے کسی اعتبار نے اس میں راستہ پالیا ہے جو اس کو نفس (ذات) سے صورت میں لے آیا ہے ہر شخص کی سمجھ اس باریکی کو نہیں پہنچتی اور جب تک ذات بحت (محض) سے واصل نہیں ہوتا (محض) بیچونی کے وصول سے اس باریکی کو نہیں پاتا"۔

فصل بالخیر، اے بھائی! وہ جو آپ نے اس فقیر سے دریافت کیا تھا کہ کیا سبب ہے کہ ہمارے حضرت عالی قدس سرہٗ کے طریقہ میں جہل و حیرت کی نسبت غالب ہے جو (سالک کی) سمجھ میں کم ہی آتی ہے" اس کا حل سابقہ تحقیق سے واضح ہو گیا کیونکہ حضرت عالی (مجدد الف ثانی قدس سرہ) کی نسبت آفاق و انفس سے ماوراء اور اقربیت کے ساتھ متعلق ہے۔ اور اوپر گذر چکا ہے کہ اقربیت کا معاملہ علم حضوری سے تعلق رکھتا ہے علم حصولی سے نہیں، اور یہ بات معلوم ہے کہ پانا اور لذت حاصل کرنا علم حصولی میں ہے علم حضوری میں نہیں ہے۔ کیا آپ نے کسی شخص کے بارے میں سنا ہے کہ اس نے اپنی یافت اور حضور سے لذت حاصل کی ہے، علم حضوری میں اگر یافت (پالینا) اور التذاذ (لذت حاصل کرنا) ہے (تو وہ) متعارف (مشہور) یافت و التذاذ کی قسم سے نہیں ہے (بلکہ) ایک ایسی یافت ہی جس کی کیفیت نامعلوم ہے اس لئے اگر کوئی شخص چاہے کہ اپنے احوال پر اطلاع پائے اور اپنے ذاتی و صفاتی کمالات کو جانے تو وہ اپنی ذات و صفات (دوبینی) کے تصور کا محتاج ہوگا اور اس کے بغیر اپنی ذات و صفات کا پتہ نہیں لگا سکے گا اور اپنے آپ کو اپنے آپ سے گم کرنے والا جانے گا چونکہ اس نے دوبینی کی بہت زیادہ عادت کی ہوئی ہے اس لئے وہ حضور ذاتی کو علم نہیں سمجھتا اور جب تک اس کا مدرک اس سے جدا نہ ہو جائے اگرچہ وہ جدائی تصور میں ہی ہو وہ اس کو نہیں پا سکتا۔ اگر کہا جائے کہ اقربیت کے معاملہ میں مزایلت و مباینت (جدا و مخالف ہونا) موجود ہے کیونکہ اقربیت دوئی (دو ہونے) کو چاہتی ہے، اتحاد ہے جو کہ مزایلت (جدائی) نہیں رکھتا اور دوئی ہونے سے بری ہے پس سیر انفسی کو علم حضوری پر موقوف ہونا چاہئے کیونکہ اتحاد (کا حاصل ہونا) اور دوئی کا رفع ہونا اس مقام میں ظاہر ہوتا ہے نہ کہ اقربیت کے معاملہ میں جو کہ آفاق و انفس سے ماوراء ہے اور مزایلت (آفاق و انفس کے زوال) کے بغیر متصور نہیں ہے۔

ہم کہتے ہیں چونکہ انفس کے آئینوں میں شہودِ مطلوب کے ظلال میں سے کوئی ظل ہے اور اس پر دلالت کرنے والی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے اس لئے لازماً اس کا حضور و شہود مطلوب کا حضور و شہود نہیں ہے اگرچہ سیر انفسی والا سالک اس کو مطلوب کا غیر نہ جانتا ہو لیکن حقیقت میں وہ غیر ہے پس اصل مطلوب کی نسبت سے وہ علم حصولی ہوگا کیونکہ ظل کا حضور اصل کا حضور نہیں ہے بلکہ اس مشہود کی نسبت سے بھی جو کہ انفس کے آئینے میں ہے علمِ حصولی واقع ہوا ہے کیونکہ آئینے کو اس صورت کے ساتھ جو کہ اس میں دکھائی دے رہی ہے حصولی کی نسبت ہے نہ کہ حضور کی نسبت، اگرچہ شہود کے وقت میں آئینے کی ظاہری صورت پوشیدہ ہے اور مشہود نہیں ہے لیکن حقیقت میں آئینہ اپنی اصلی حالت پر ہے اس کا زوال نظر میں ہے اور بس، اور اس طرح کا ارتفاع (دور ہونا) صرف شہود میں ہے کیونکہ قلبِ حقیقت محال ہے اور مطلق کا مقید ہو جانا محض خیال ہے اور اقربیت کے معاملہ میں زائل اور دور ہونے کا حکم لگانا وہم کے احکام میں سے ہے اور اس طرح ہے جس طرح آئینہ میں منعکس ہونے والی صورت کا صورت والے کے ساتھ زائل ہو جانا کہ یہ مزایلت (زائل ہونا) بھی ایک وہم ہے۔ چونکہ قرب کو دوری کے ساتھ تضاد ہے، اور اتحاد میں کہ یہ بھی قرب کے افراد میں سے ہے مزایلت نہیں ہوتی (اسلئے) اقربیت میں جو کہ بہت زیادہ نازک ہے دوری و مزایلت زیادہ مفقود ہوگی اگرچہ دوئی ہوگی لیکن بُعد و مزایلت نہیں ہوگی یہ معاملہ عقل کے طریقے سے ماوراء ہے، حرمِ عقل کے پابند کے لئے مشکل ہے کہ اس سِرّ (بھید) کو پاسکے، صحیح کشف اور فراست (باطنی سوجھ بوجھ) جو کہ نبوت کے چراغ دان سے حاصل کی گئی ہو ہونی چاہئے تا کہ اس معنی کے ساتھ کچھ ایمان حاصل کرے اور اس مشرب سے کوئی گھونٹ پائے۔

اور (اعتراضِ مذکورہ بالا کو) مان لینے کی صورت میں ہم کہتے ہیں جو مزایلت کہ درک (پانے) کو آسان کرنے کا سبب ہے وہی مزایلت ہے جو کہ بعد و دوری کی راہ سے پیدا ہوئی ہے نہ کہ وہ مزایلت جو اقربیت کی راہ سے وہم میں آئی ہو کہ (یہ مزایلت) نسبتِ اتحاد کی یافت و درک سے بھی بہت دور ہے۔ یا یہ کہ ہم کہتے ہیں کہ اقربیت کے معاملہ کا علم حضوری کے ساتھ تعلق اس معنی میں نہیں ہے کہ عارف کا نفس ابھی اپنی جگہ پر ہے اور اس کا علمِ حضوری قائم ہے اس کے باوجود وہ اصل مطلوب کے ساتھ علمِ حضوری رکھتا ہے (یعنی) اس کو دو چیزوں کا حضور ہے کہ یہ محال ہے یا نفسِ (ذات) حاضر کو عین مطلوب خیال کر کے حضورِ نفس کو عین اسی کا حضور جان لیا ہے (یعنی اس معنی میں بھی نہیں ہے اسلئے) کہ یہ معاملہ سیر انفسی کے مناسب ہے بلکہ (اقربیت کے معاملہ کا علمِ حضوری کے ساتھ تعلق) اس معنی میں ہے کہ عارف اپنے آپ سے معدوم ہو گیا ہے اور اپنے ذاتی حضور سے ہٹ گیا ہے اس کا حضور جو کہ

حضور واجبی تعالیٰ جل سلطانہ (حضورِ الٰہی) کا پرتو ہے اللہ تعالیٰ کے حضور کے ساتھ ملحق ہو جاتا ہے اور مکمل لحوق کے بعد چونکہ اس کا حضور اس کے ساتھ ہوتا ہے اس لئے کہ عارف اور اس کے حضور سے کوئی اثر باقی نہیں رہتا اس لئے باطنی نسبت ادراک سے دور جا پڑتی ہے اور علمِ حضوری کی نسبت کے نہ پلنے سے جو کہ اوپر بیان ہو چکی ہے زیادہ متصف ہو جاتا ہے، یہ ہے اس کی وضاحت۔

اب ہم اصل بات کی طرف جاتے ہیں، علمِ حصولی والا منازلِ وصول قطع کرنے کے مراتب میں کمال درجہ کے ذوق و شوق میں ہوتا ہے اور اپنے کشف و شہود کے ساتھ لذت اندوز و خوش و خرم اور ہمیشہ حضور کے استغراق میں فانی ہوتا ہے اور اس کی صحبت جذب و کشش بخشنے والی عشق سے ملی ہوئی رلانے والی اور وجد کو ابھارنے والی ہوتی ہے اور وہ شخص جس کا معاملہ آفاق و انفس سے ماوراء ہے وہ شوق سے گذر چکا اور شہود کی پابندی اور مشہود میں مستغرق رہنے سے رہائی حاصل کر چکا ہوتا ہے (اسلئے) اس کا معاملہ ظہورات سے ماوراء ہے اور اس کار خانۂ ظلال سے برتر ہے کیونکہ ظہور ظلیت کی آمیزش کے بغیر نہیں ہے اور ظل کی نہایت انفس کی نہایت کے ساتھ ہے انفس سے باہر ظل نہیں ہے اگرچہ مراتب بے شمار ہوں، ان بزرگوں کی صحبت بعینہ اصحاب کرام علیہم الرضوان کی صحبت ہے، کیا تو نے کبھی سنا ہے کہ ان بزرگوں کی صحبت میں کسی شخص نے تواجد کیا اور شوق کا نعرہ بلند کیا اور تجلی و شہود کا دم مارا ہے ان مقبولین کا آرام انعامات والی ذات جل وعلا شانہٗ کی طاعات میں ہے اور ان کی نیک بختی اللہ تعالیٰ کی بندگی میں ہے ان کا کام ہمیشہ نیاز (عاجزی) ہے اور ان کی لذت کا کمال نماز میں ہے۔ حدیث ارحنی یا بلال [اے بلال! مجھ کو نماز کے ساتھ راحت پہنچاؤ) اور حدیث قرۃ عینی فی الصلوۃ (میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے] ان بزرگوں کے معاملہ کی شاہد (گواہ) ہے۔ اربابِ ظلال کو جو کچھ کام کے آخر میں میسر ہے وہ ان بزرگواروں کا پہلا قدم ہے اصل کے ساتھ وصول ان بزرگواروں کے لئے مسلّم (ثابت) ہے اور وجد و یافت کی حقیقت بھی انہی کو میسر ہے، یہ وجد و یافت سابقہ وجد و یافت سے ماوراء دوسری کیفیت سے ہے۔ وَتَرَى الْجِبَالَ تَحْسَبُهَا جَامِدَةً وَّهِيَ تَمُرُّ مَرَّ السَّحَابِ [اور تو پہاڑوں کو دیکھتا ہے تو خیال کرتا ہے کہ یہ (ہمیشہ کیلئے) جمے ہوئے ہیں اور (حالانکہ قیامت کے دن) یہ بادل کی طرح اڑتے پھریں گے] پہلے مقام میں اگر وصل ہے تو وہ وصل کی صورت ہے اور اگر یافت ہے تو وہ بھی یافت کی صورت ہے اس لئے کہ علمِ حصولی علمِ حضوری کے ظل کے درجہ میں ہے۔

پ ۲۰ نمل ۸۸

تنبیہ: لفظ جہل و حیرت سے جو کہ اوپر بیان ہوا تو یہ گمان نہ کرے کہ اس بلند نسبت والے حضرات اپنی نسبت کا علم نہیں رکھتے، ایسا ہرگز نہیں ہے (بلکہ) علم و یافت کی حقیقت اس مقام میں ثابت ہے

لیکن چونکہ ہر سمجھ میں جلدی آنے والی بلکہ عوام کے نزدیک جو کہ اسفلِ سافلین (نہایت پستی) کے مقام میں ہیں متحقق بات یہ ہے کہ علم و یافت معلوم کی صورت کے حصول کے ساتھ ہے اور بس، علمِ حضوری ان کے نزدیک گویا علم نہیں ہے، اس بنا پر اس معاملہ کو جہل و حیرت سے تعبیر کیا جاتا ہے اور حق بات یہ ہے کہ اس نسبت کو جیسی کہ وہ ہے دریافت کرنا کثرتِ علم اور کمالِ معرفت کے بغیر دشوار ہے اگرچہ وہ نسبت حاصل ہو اور اس نسبت کے دریافت کرنے کا طریقہ یا اس طرح پر ہے کہ حق تعالیٰ کسی عارف کو اس قسم کی تیز بصیرت عطا فرمائے کہ معلوم کی صورت کے حصول کے بغیر تمیز کر سکے اگرچہ محدود عقل اس کا پتہ نہیں لگا سکتی لا یحمل عطایا الملک الا مطایاہ [بادشاہوں کی بخششیں ان ہی کی سواریاں اٹھا سکتی ہیں] یا اس طریقہ پر کہ اس مجہول کیفیت والے معاملہ کو اس کی مثالی صورت میں ظاہر کریں یا اللہ تعالیٰ کی طرف سے الہام ہو جائے یا رہبر وغیرہ کے بتانے سے معلوم کرے یا حصولِ نسبت کا یقین ان لذتوں کے ساتھ دیں جو کہ اس پر مرتب ہوتی ہیں اور درک کا ادراک حاصل نہ ہو، اور جائز ہے کہ بعض کو وہ معاملہ حاصل ہو اور اس کا علم کسی راستے سے بھی حاصل نہ ہو احوال و مقامات کا تفصیلی علم سب کو نہیں دیتے کسی کسی کو عطا فرماتے ہیں اور دوسروں کو اس علم کے ساتھ کفایت کرتے ہیں لیکن یہ دونوں نفسِ وصول میں برابر ہیں فرق صرف علم ہونے یا علم نہ ہونے کا ہے جو کہ جزئی فضیلت کی قسم سے ہے اور علم میں بھی مختلف مراتب (درجات) ہیں، مختصر یہ ہے کہ جو کچھ مطلوب ہے وہ اس نعمتِ عظمیٰ کا حصول ہے اس کا علم جسقدر بھی ہوگا فنِ بلاغت میں محسنات بدیعی (عمدہ صنائع و بدائع) کی مانند زائد احسانات و انعامات کی قسم سے ہوگا یہ اس مکتوب کا آخر ہے، الحمد للہ اولاً و آخراً والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ دائماً و سرمداً وعلی الہ الکرام وصحبہ العظام الی یوم القیام۔

مکتوب ۸۹

یہ بھی مولانا محمد حنیف کے نام عارف کی جامعیت کے متعلق اشارہ کے بیان میں تحریر فرمایا۔

حمد و صلوٰۃ اور تبلیغ الدعوات کے بعد برادرِ عزیز کی خدمت میں عرض رساں ہے کہ اس حدود کے فقراء کے احوال حمد کے لائق ہیں اور اللہ تعالیٰ سے تمہاری عافیت و شریعتِ مقدسہ اور سنت عالیہ المصطفویہ علی مصدرہا الصلوٰۃ والسلام التحیہ پر استقامت اور ظاہری و باطنی درجات پر تمہاری ترقی اور آخرت کی ابدی سعادتوں اور تخلیہ و فنا و انقطاعِ کلی کے لئے دعا کی گئی ہے پس جب تو تخلیہ و فنا سے کما حقہما

خالی وفانی ہو جائے گا تو تجھ کو ایسا نور و جمال دیا جائے گا کہ ہر چیز میں تیرے جمال کے سوا اور کچھ متجلی نہیں ہوگا اور عالم سفلی و علوی تیرے نور و چمک کے آئینے اور تیرے حسن و جمال کے مظاہر ہو جائیں گے اور تو تمام جہانوں کے لئے مرکز و اجمال ہو گا بظاہر ہر چیز میں خلیفہ اور مخلوق میں امام ہو گا اور تیرے حق میں نعمت پوری ہو جائے گی۔ فَانْظُرْ اِلٰٓی اٰثٰرِ رَحْمَتِ اللّٰہِ کَیْفَ یُحْیِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِھَا (پس تو اللہ تعالیٰ کی رحمت کے آثار کی طرف دیکھ کہ وہ زمین کو اس کی موت کے بعد کس طرح زندہ کرتا ہے) والسلام

۲۳۴ سورت ۳۰ آیت ۵۰

مکتوب ۹۰

خواجہ دینار کے نام عارف کی عدمیت کے بیان میں تحریر فرمایا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ، سعادت آثار میاں دینار! اس مسکین خاکسار سے دعائیں مطالعہ فرمائیں، اس حدود کے فقراء کے احوال حمد کے لائق ہیں۔ دور افتادہ دوستوں کی خیریت کے لئے حضرتِ وہاب جل سلطانہ کے کرم سے دعا کی جاتی ہے اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔ ممکن بیچارہ کہ مطلوب حقیقی سے جس کا نصیب سوائے استہلاک و اضمحلال کے (کچھ) نہیں ہے اس کے کمال کے ادراک سے عاجز و قاصر ہے اور جب اس کی بارگاہِ وحدت واحدیت میں معدوم ولاشئے ہونے کے سوا کچھ حاصل نہیں ہے اس کے حسن و جمال کے ادراک سے خالی و حیران ہے ؎

گیرم کہ بغم خانۂ ما یار خرامد کو حوصلہ و طاقتِ دیدار کہ دارد

[میں مانتا ہوں کہ ہمارے غمخانہ (دل) میں محبوب خوش خرام ہے (لیکن) اس کے دیدار کا حوصلہ و طاقت کس کو ہے] وہی ہے جو کہ الکبریاء ردائی [بزرگی میری چادر ہے] کی خلوت گاہ میں اپنے کمال کا خود ہی مشاہدہ کرنے والا ہے اور انت کما اثنیت علیٰ نفسک [تو ویسا ہی ہے جیسا کہ تو نے اپنی آپ تعریف کی ہے] کی محفل میں اپنے جمال کا خود ہی نظارہ کرنے والا ہے، پس وہی ہے جس نے اپنی ذات کی تعریف خود کی ہے اور اپنی صفات کے کمال کی ثنا کی ہے پس وہی عارف و معروف ہے اور وہی شاہد و مشہود ہے، عاشق بیچارہ نے اس جلوہ گاہ میں سامان عدم کے صحرا کی طرف کھینچا ہے اور ہستی (ہونا) و دانش (جاننا) و توانائی (کر سکنا) کو اس کے اہل کے حوالہ کر دیا ہے ؎

جسمم ہمہ اشک گشت و چشمم بگریست در عشقِ تو بے جسم ہمی باید زیست والسلام

[میرا تمام جسم آنسو بن گیا اور میری آنکھ نے گریہ کیا، تیرے عشق میں جسم کے بغیر ہی جینا چاہیئے]

مکتوب ۹۱

شیخ طاہر بدخشی جونپوری کے نام اپنے پیر دستگیر (حضرت مجدد الف ثانی) رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی محبت اور حضرتِ عالی کے اصحاب کی محبت کے اظہار میں تحریر فرمایا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم ۔ حضرتِ حق سبحانہ وتعالیٰ آپ کو قرب وارشاد کے مراتب میں ترقیات بخشے، آنجناب معارف آگاہ دور افتادوں کو فراموش نہ فرمائیں چونکہ المرء مع من احب [آدمی اس کے ساتھ ہے جس سے وہ محبت کرتا ہے) کے مطابق جہاں کہیں بھی محبت کا رابطہ درمیان میں ہے اس کے اندازے سے باطنی معیت بھی ثابت ہے امید ہے کہ زمانہ جدائی کی درازی سابقہ نسبت میں کوئی کمی نہیں لائے گی بلکہ اگر مذکورہ بالا محبت کا رابطہ زیادہ قوی ہو جائے جیسا کہ دوستوں سے اس کی توقع کی جاتی ہے تو مذکورہ بالا نسبت بھی اور زیادہ ہو جائے گی اور بیش در بیش ہوتی جائے گی۔ اس فقیر کو اس جماعت سے جو کہ حضرت قطب المحققین پیشوائے طالبانِ خدا حضرتِ عالی (مجدد الف ثانی قدس سرہ) کی خدمت وقدم بوسی کے شرف سے مشرف ہو چکے ہیں ایک علیحدہ نسبت ہے (میری) نظر میں وہ لوگ دنیا سے جدا ہیں کسی سے کوئی مناسبت نہیں رکھتے کیونکہ یہ جماعت محبوب کے آئینے ہیں اور اس بے نشان کی ایک نشانی رکھتے ہیں، محبوب کی خدمت کرنے والے لوگ اس کی غیبت (غیر موجودگی) کے وقت خاص طور پر نہایت محبوب ومرغوب ہیں، عاشقوں اور مشتاقوں کے نزدیک اس جماعت کی قدر بہت ہی زیادہ ہے اگرچہ یہ لوگ بے پرواہ ہوں اور مذکورہ رابطہ کے لوازم سے دور ہوں لیکن ہم لوگوں کے نزدیک نہایت عزیز ہیں اور ان کی خدمت ومحبت ہم پر لازم ہے بہرحال دعا سے غافل نہ رہیں اور توجہ فرمائیں کہ کل (قیامت کے روز) حضرتِ عالی (مجدد الف ثانی قدس سرہ) کے محبت کرنے والوں اور خادموں کے زمرہ میں ایک ہی جگہ ہمارا حشر ہو اور اُن کے مبارک پرچم کے نیچے جگہ پائیں، رَبَّنَا اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا وَاغْفِرْ لَنَا اِنَّکَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ (اے ہمارے رب! ہمارے لئے ہمارا نور (ہدایت) پورا فرما دے اور ہمیں بخش دے بیشک تو ہر چیز پر قادر ہے)۔

۲۳۵

سورۃ ۶۶ آیت ۸

مکتوب ۹۲

شیخ حمید احمدی کے نام طریقہ بندگی حاصل کرنے پر ترغیب دینے اور اعمال میں عُجب پیدا ہونے کے علاج کے بیان میں تحریر فرمایا۔

محبت آثار برادرم شیخ حمید دعا وسلام پڑھیں اور احوال کے لکھنے سے فارغ نہ رہیں، طاعات وعبادات کے ادا کرنے میں مردوں کی طرح رہیں اور کمرِ ہمت کو مولیٰ تعالیٰ جل وعلا کی بارگاہ میں چست باندھیں، آج کا دن کام کرنے کا دن ہے، اجر (مزدوری) کا دن کل (قیامت) کا دن ہے، کام کے وقت میں اجر (مزدوری) کی انتظار میں بیٹھنا حقیقت میں اپنے آپ کو اجر سے باز رکھنا ہے اور خدمات (طاعات) کی ادائیگی میں لذتوں کے پابند نہ رہیں، اگر لذت دیں تو نعمت ہے اور اگر نہ دیں تو طاعت (بندگی) کو ہاتھ سے نہیں چھوڑنا چاہیئے، بندگی سے مقصود محنت ومشقت ہے جو کہ نفس سے دشمنی اور خواہش کی مخالفت ہے نہ کہ عیش وراحت کہ جس کو ہوا ونفس چاہتا ہے، وہ لذت وراحت اور چیز ہے جو اس طرف سے عطا ہوتی ہے اور نفس وخواہش کو اس میں ہرگز کوئی دخل نہیں ہوتا کیونکہ نفس اس لذت میں نالہ وفریاد کرتے میں ہوتا ہے لیکن چونکہ وہ لذت عطائی ہے (بخشش کی ہوئی ہے) (اس لئے) طاعات کو اُس کے نہ ہونے سے چھوڑا نہیں جاسکتا، طاعات کے حاصل کرنے میں جان کے ساتھ کوشش کریں، نجات کی امید (اللہ تعالیٰ کی) رحمت سے چاہیں اور طاعات کو بھی اس کی رحمت کا اثر جانیں اور اس کی توفیق کی طرف لوٹنے والی سمجھیں اور اپنی قوت وطاقت کو ہرگز اس میں دخل نہ دیں تاکہ عُجب (خود پسندی) سے نکل جائیں اور اگر کبھی قوت وطاقت کو اپنی طرف عائد دیکھیں تو اس سے نادم ہوں اور استغفار کریں (تاکہ) طاعات ناچیز (ضائع) نہ ہو جائیں اور گناہ میں تبدیل نہ ہو جائیں لیکن اس بہانہ سے اعمال وطاعات سے رُک نہ جائیں، طاعت (بندگی) بھی کریں اور اس طاعت سے استغفار بھی کریں اور اس (طاعت) کو اس پاک بارگاہ کے لائق نہ جانیں اور امیدوار رہیں کہ یہ ندامت واستغفار آہستہ آہستہ اس طاقت وقوت کے دیکھنے (اپنی طرف منسوب کرنے) کا علاج کردے اور اعمال کو قبولیت کے قابل بنادے ؎

چشم دارم کہ دہی اشک مرا حسن قبول　　　اے کہ دُر ساختہ قطرۂ بارانی را

[اے (اللہ) کہ جس نے بارش کے قطرے کو موتی بنادیا ہے میں امید رکھتا ہوں کہ تو میرے آنسوؤں کو حُسنِ قبول عطا فرمائے گا]- ایک بزرگ نے کہا ہے کہ "عمل کر اور استغفار بھی کر بندگی کا طریقہ یہی ہے"۔

اللھم مغفرتک اوسع من ذنوبی ورحمتک ارجٰی عندی من عملی [اے اللہ! تیری مغفرت میرے گناہوں سے زیادہ وسعت والی ہے اور تیری رحمت میرے نزدیک میرے عمل سے زیادہ باعثِ امید ہے] ؎

دادیم ترا از گنج مقصود نشان　　　گر ما نرسیدیم تو شاید برسی

[ہم نے تجھ کو مقصود کے خزانے کی نشان دہی کردی ہے، اگر ہم نہیں پہنچے تو شاید تو ہی پہنچ جائے]

والسّلام

مکتوب ۹۳

حقائق آگاہ شیخ نور محمد پٹنی کے نام اس بات کے حل میں تحریر فرمایا کہ فنا حاصل ہو جانے کی صورت میں فنا کا علم کس طرح ہوگا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ۔ معارف دستگاہ کے خدام اس شکستہ آوارہ سے مشتاقانہ دعائیں قبول فرمائیں۔ ع

از ہر چہ میرود سخنِ دوست خوشتر است [دوست کی جو بات بھی بیان کی جائے پسندیدہ ہے]

سوال: ماسوا کا نسیان (بھول جانا) اور علم کا پوری طرح زائل ہو جانا فنا کہلاتا ہے پس فنا حاصل ہو جانے کی صورت میں اگر وہ اپنی فنائیت کا علم رکھتا ہے تو اس کو فنا حاصل نہیں ہے اور اگر علم نہیں رکھتا تو وہ کس طرح جانتا اور کہتا ہے کہ اس کو فنا حاصل ہے جیسا کہ فنا والوں نے اس کی خبر دی ہے۔

جواب: مذکورہ حالت کے گذر جانے کے بعد وہ جان لے گا کہ فنا حاصل ہو گئی ہے اور اس کے متعلق پتہ لگ جائے گا اور دوامِ فنا کی صورت میں جیسا کہ ہمارے حضرت عالی قدسنا اللہ تعالیٰ بسرہ الاقدس کے نزدیک مختار ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ اس صورت میں فنا کے لئے بقا لازم ہے، وہ عین فنا میں باقی اور عین بقا میں فانی ہے، پس اس مقام میں عارف کے صفات و افعال اپنے آپ سے فانی ہو کر واجب تعالیٰ و تقدس کے صفات و افعال کے ساتھ متحقق ہو جاتے ہیں مثلاً ممکن کا علم اپنے آپ سے فنا حاصل کر کے واجب تعالیٰ و تقدس کے علم کے ساتھ بقا حاصل کر لیتا ہے اور تمام صفات اسی قیاس پر ہیں، پس اگر عارفِ فانی اس مقام میں بعض اشیا کو علم کے ساتھ باقی پائے تو یہ اس کے علم کی فنا کے منافی نہیں ہوگا کیونکہ اس نے اس علم سے جو کہ فنا حاصل کر چکا ہے اشیاء کو نہیں پایا ہے تاکہ خرابی لازم آتی۔ الزائل لا یعود (زائل واپس نہیں لوٹتا)۔ یہ دوسرا ہی علم ہے کہ جس سے وہ اشیاء کا ادراک کر رہا ہے۔ م ۳۷

ایک بزرگ کہتے ہیں عرفت اللہ باللہ وعرفت الاشیاء بنور اللہ (میں نے اللہ تعالیٰ کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ پہچانا اور اشیاء کو اللہ تعالیٰ کے نور سے پہچانا) اشیاء کی یہ معرفت اشیاء کے نسیان کے منافی نہیں ہے۔ یا ہم یہ کہتے ہیں کہ (یہ) درست ہے کہ انسان کے لطائف میں سے ایک لطیفہ کو فنا حاصل ہو جائے اور اس (فنا) کا علم کسی دوسرے خاص لطیفہ کو ہو، یا ہم کہتے ہیں کہ فنا خاص باطن کو

حاصل ہو کہ یہ اس کا کام ہے اور اس کی فنا کا علم ظاہر کو ہو کیونکہ دوام فنا حاصل ہونے کی صورت میں عارف جیسا کہ فنا سے پہلے تھا فنا کے بعد بھی اسی نہج (حالت) پر رہے بیوی بچوں اور تمام دوستوں کو سابقہ طریقوں پر پہچانتا ہے اگر وہ اپنے باطن کے بعض حالات کو بھی معلوم کرلے اور اُن پر مطلع ہو جائے تو تعجب کا مقام نہیں ہے اگر کہیں کہ دانش (جاننے) کا مقام قلب ہے اور جب قلب فانی ہو گیا تو ظاہر کو بھی دانش (جاننے) سے بے نصیب ہو جانا چاہئے۔ ہم کہتے ہیں اگر مراد یہ ہے کہ قلب کی دانش کے بغیر ظاہر سے دانش کی مطلقاً نفی کی گئی ہے اور دانش قلب ہی پر منحصر ہے تو یہ ممنوع ہے اس لئے کہ ہم واضح طور پر پاتے ہیں کہ قلب ماسوٰی کی دید و دانش سے مطلقاً رہائی حاصل کئے ہوئے ہے اس کے باوجود ظاہر اپنی دانش پر (قائم) ہے، اور اگر کوئی اور معنی مراد ہے تو وہ بھی ہمارے مقصد میں مضر نہیں ہے اور تحقیق یہ ہے کہ فنائے قلب ثابت ہونے کے بعد دانش جو کہ اس سے تعلق رکھتی تھی کسی دوسری جگہ منتقل ہو جاتی ہے اور دانش کا محل وہ جگہ ہو جاتی ہے۔ والسلام اولاً و آخراً۔

مکتوب ۹۴

حقائق و معارف آگاہ شیخ عبدالحی پٹنی کے نام صاحبِ نزہت کے اس شبہ کو دور کرنے کے بیان میں تحریر فرمایا جو کہ انھوں نے قوم کے ثابت شدہ اصول پر کیا ہے کہ گم ہو جانے (فنا) کی صورت میں یافت (پا لینا) کس طرح ہوگا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم الحمد للہ رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علی سید المرسلین و آلہ الطاہرین، اس فرقت زدہ گنہگار کی کامل دعا قبول فرمائیں۔ اس بات پر اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا ہے کہ ان فقراء کے حالات عافیت آمیز ہیں آپ کی سلامتی و استقامت کے لئے دعا کی گئی ہے۔

٥٢٣٨

میرے مخدوم! فنا کے بارے میں صاحبِ نزہت کے اشکال کے حل میں جو چند سطریں لکھی ہیں کسی تقریب سے لکھوائی گئی تھیں اس وقت اس کے مضمون کو ہدیہ کے طور پر آنعزیز الوجود (آپ) کی خدمت میں ارسال کیا ہے ـــــ سوال، صاحبِ نزہت کہتا ہے ؎

گو بید عنان خود چہ تابی	گم شو کہ چو گم شوی بیابی
ایں نکتہ نمود نا صوابم	چوں گم شوم آں گہے چہ یابم
یابندہ اگر کسے دگر خواست	از گم شدنم پس او چہ می خواست

[وہ کہتے ہیں اپنی باگ کیا موڑ رہا ہے، تو گم ہو جا جب تو گم ہو جائے گا تو پالے گا، مجھ کو یہ نکتہ غلط معلوم ہوتا ہے، جب گم ہو جاؤں گا تو اس وقت میں کیا پاؤں گا، اگر پانے والے نے کسی دوسرے کو چاہا تو میرے گم ہونے سے وہ کیا چاہتا ہے]
(اس کا) مجمل جواب یہ ہے کہ گم ہونے کی نسبت ماسوا کے ساتھ ہے اور یافت (پانے) کی نسبت حق جل شانہ کے ساتھ ہے پس اس میں کوئی منافاۃ (تضاد) نہیں ہے۔ اور مفصل جواب یہ ہے کہ گم ہونا فنا کے مقام میں ثابت ہے جو کہ عین الیقین کا مقام ہے اس لئے کہ اس مقام میں علم عین کے منافی (مخالف) ہے اور یافت (پانا) بقا کے مقام میں جو کہ حق الیقین کا مقام ہے صورت پذیر ہوتا ہے پس گم ہونا یافت (پانے) کے لئے شرط ہوا، اگرچہ (یہ دونوں) ایک وقت میں جمع نہ ہوں پس کوئی اشکال نہیں ہے اور یہ اس صورت میں ہے جبکہ ہم یافت سے ادراک مرکب مراد لیں اور اگر ادراک بسیط مراد لیں تو عین گم ہونے کے وقت ادراک بسیط حاصل ہے جیسا کہ مقرر (مسلّم) ہے۔ ایک بزرگ کہتے ہیں [1]

از حضرتِ ذات بہرہ استہلاک است　　استہلاکی کہ از تصور پاک است
آں معرفتے است نامش ادراکِ بسیط　　آنجا چہ محل دانش و ادراک است

[حضرتِ ذات سے نصیب استہلاک ہے، اور یہ وہ استہلاک ہے جو کہ تصور سے پاک ہے، وہ ایک معرفت ہے جس کا نام ادراکِ بسیط ہے اس جگہ دانش و ادراک کی کیا گنجائش ہے]۔ اور اس تقدیر پر بھی اشکال دور ہو جاتا ہے کیونکہ فنا شہودی ہے نہ کہ وجودی، اور فنائے وجودی کو فرض کر لینے کی صورت میں بھی جواب وہی ہے جو کہ پہلی شق میں اوپر بیان ہو چکا ہے کیونکہ وجودِ موہوب کے ساتھ موجود کرنے کے بعد جو کہ ولادتِ ثانیہ سے وابستہ ہے یافت حاصل ہے۔ پس حاصل یہ ہے کہ گم ہونے سے مراد شہودی ہے یا وجودی اور نیز یافت سے مراد بسیط ہے یا مرکب ہر صورت میں محذور (اعتراض) دفع ہو جاتا ہے، کیونکہ اگر شہودی مراد ہے جیسا کہ جمہور کے نزدیک مقرر ہے، یافت سے جو معنی بھی مراد لئے جائیں مدعا ثابت ہے لیکن ادراکِ مرکب مراد لینے کی صورت میں یافت البتہ متاخر ہے اور ارادۂ بسیط مراد لینے کی صورت میں معیت حاصل ہے لیکن تقدم ذاتی میں اختلاف کیا گیا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ جب تک نہیں پائے گا رہائی حاصل نہیں کرے گا۔ اور بعض نے کہا ہے کہ جبتک رہائی (فنائیت) حاصل نہیں کرے گا نہیں پائے گا اور اس کی تحقیق (حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کے مکتوبات کی) جلد ثانی کے مکتوبات سے طلب کرنی چاہیئے۔ اگر وجودی فنائیت مراد ہے تب بھی یافت مرکب کو جیسا کہ عام طور پر متبادر ہوتا ہے یافت سے تاخر (پیچھے ہونا) ہے جیسا کہ گذر چکا ہے پس ہر صورت میں درست ہوا کہ جب گم ہو جائیگا تو پائے گا۔ والسلام علیکم۔

[1] مثلاً مکتوب ۳۴

۲۳۹

مکتوب ۹۵

خواجہ مومن جذبی کے نام ان بزرگواروں کی نسبت حاصل کرنے پر ترغیب دینے کے بیان میں تحریر فرمایا۔

حمد و صلوٰۃ و تبلیغ دعوات کے بعد اپنے بزرگ بھائی کی خدمت میں عرض ہے کہ اس فقیر کے احوال ہر لحاظ سے حمد و شکر کے مستحق ہیں اور دوستوں کی خیریت و جمعیت کے لئے دعا اور امید کی گئی ہے آپ کے خطوط پہنچتے رہتے ہیں اور اس طرف سے جواب بھیجنے میں قصور واقع ہو جاتا ہے (امید ہے کہ معذور رکھیں گے، ہر حال میں غائبانہ دعا سے فراموش نہ کریں اور کیفیات تحریر فرماتے رہیں اور طاعات کی پابندی میں قدم مضبوط رکھیں اور مطلوب حقیقی کی بارگاہ میں شاہدی و مشہودی کے وصف کے بغیر دائمی توجہ پیدا کریں کیونکہ اس مقام میں توجہ و حضور خود بخود ہے اور عارف کو استہلاک و اضمحلال کے سوا اس (مقام) میں کچھ نصیب نہیں ہے، اس کے بعد ان ثمرات کے منتظر رہیں جو کہ اس نسبت پر مرتب ہوتے ہیں اور دوستوں کو بھی اس معنی کا طالب بنائیں، والسلام علیکم۔

مکتوب ۹۶

خواجہ محمد کاظم کے نام نصیحت کے بیان میں تحریر فرمایا۔

برخوردار سعادت اطوار قرۃ العین خواجہ محمد کاظم ظاہری و باطنی عافیت کے ساتھ رہیں، اس حدود کے فقراء کے حالات حمد و شکر کے مستحق ہیں، آپ کی سلامتی و استقامت کے لئے دعا کی گئی ہے حالات لکھتے رہیں اور کوشش کریں کہ اللہ تعالیٰ کی پاک بارگاہ میں عجز و نیستی کے وصف کے ساتھ دائمی حضور و توجہ پیدا کریں اور جو چیز اس دولت کے منافی ہو اس سے علیحدگی اختیار کریں اور جوانی کی قوت کو بندگی کے معمولات میں صرف کریں کیونکہ یہ زمانہ بہت ہی غنیمت ہے، اس قوت میں فتور آجانے کے بعد اس کی قدر معلوم ہوتی ہے اور حسرت باقی رہ جاتی ہے۔ مختصر یہ ہے کہ اس وقت کو بے فائدہ کاموں میں صرف کرنا ایک ایسا الم ہے کہ جس کا تدارک ممکن نہیں ہے والسلام

⁂

ارشاد پناہ میر محمد نعمان کے نام دوستانہ شکایت کے اظہار میں تحریر فرمایا۔

ص ۲۴۰ الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفٰی، سیادت ونقابت پناہ کے خدام ظاہری وباطنی عافیت کے ساتھ رہ کر دُور افتادہ دوستوں کو یاد کرتے رہیں، قلم خود بخود رک گیا ہے کیا چیز لکھے کہ اولادِ (حضرت فاطمہ) بتول (رضی اللہ تعالٰی عنہا) میں سے اس برگزیدہ بزرگ کی قبولیت کے لائق ہو اور اس قابل ہو کہ اس سخاوت کی کان کی جانب سے اُس کا جواب ظاہر ہو، جسقدر مذکورہ فکر کے سمندر میں غوطہ زنی کی تاکہ کوئی موتی حاصل کرے اور اس کو اہل بصیرت کے لیے تحفہ بنائے (لیکن) میسر نہیں ہوا اور خالی ہاتھ اس کے ساحل سے سر باہر نکالا، آخر کار عاجزی کا اعتراف کر کے اور اپنے آپ کو اس محال تمنا سے ہٹا کر دو نامربوط کلموں سے آپ کے فیض کی نشانیوں والے دل میں اپنی یاد دلائی ؎

حافظ وظیفۂ تو دعا گفتن است وبس در بند آن مباش کہ نشنید یا شنید

(اے حافظ! تیرا کام دعا کرنا ہے اور بس، تُو اس فکر میں مت رہ کہ اُس نے سنا ہے یا نہیں سُنا) اگر کبھی دعا و توجہ کے ساتھ یاد کریں تو بعید نہیں ہوگا اگرچہ محال ہونے میں یہ تمنا سابقہ تمناؤں سے بھی مضبوط قدم رکھتی ہے پس اس کے بعد اللہ تعالٰی ہی ہم کو کافی ہے اور وہ اچھا وکیل ہے۔

مکتوب ۹۸

مولانا حسن علی کے نام عبودیت کے پسندیدہ طریقہ کے بیان میں تحریر فرمایا۔

حمد وصلوٰۃ وتبلیغ دعوات کے بعد سعادت آثار برادرم مولانا حسن علی سے عرض ہے کہ اس حدود کے فقرا کے احوال بحمد اللہ عافیت آمیز ہیں، دور افتادہ دوستوں کی خیریت کی امید اور دعا کی جاتی ہے (آپ کو) چاہیئے کہ حالات لکھتے رہیں اور اوقات کو (معمولات سے) آباد رکھیں اور اہم کاموں میں صرف کریں اور خلوت وجلوت میں خوف وتقویٰ کے ساتھ رہیں اور جوانی کی قوت کو طاعات میں صرف کریں اور شب بیداری کو غنیمت جانیں اور اندھیری راتوں کو اذکار وافکار، گریہ وزاری، گناہوں کو یاد کرنے اور قبر وقیامت کی فکر کے ساتھ منور رکھیں اور جہاں تک ہو سکے سنت پر عمل کرنے کو ہاتھ سے نہ جانے دیں، بدعت وبدعتی سے

بچتے رہیں، کوشش کرتے رہیں کہ ماسویٰ اللہ کی مزاحمت کے بغیر اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے ساتھ دائمی حضور حاصل کرلیں اور ہمت اس بات پر صرف کریں کہ نفسِ حاضر (اس کی اپنی ذات) بھی درمیان سے اٹھ جائے تاکہ اس کا حضور اس کے ساتھ حاصل ہو جائے اور اُس کے اوصاف واخلاق اِس کے اوصاف واخلاق کی کی بجائے متمکن ہو جائیں (یعنی متخلق باخلاق اللہ ہو جائے) اور نفسِ امارہ کی انانیت زائل ہونے لگے۔ کسی نے کیا اچھا کہا ہے ؎

۲۴۱

چو جان آئی بجانِ من نشینی — مرا دیگر بجائے من نہ بینی
توئی از ہر دو عالم آرزویم — ترا چوں یافتم از خود چہ گویم

[تو جان کی طرح آجائے اور میری جان میں بیٹھ جائے (پھر) تو مجھ کو دوبارہ میری جگہ نہ دیکھے۔ دونوں جہانوں سے تو ہی میری آرزو ہے جب میں نے تجھ کو پالیا تو اپنے بارے میں کیا کہوں] مختصر یہ ہے کہ اگر نجات مطلوب ہے تو حق سبحانہ وتعالیٰ کی مرادوں کو اپنی مرادوں پر ترجیح دینی چاہیے بلکہ اپنے آپ کو تمام نسبتوں سے خالی دیکھنا چاہیے اور کلمہ لَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ [اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی طاقت نہیں ہے] کو اس سے سننا چاہیے بیشک وہی حمید ومجید ہے، بندگی کا طریقہ یہی ہے، بیشک وہ ہر دشواری کو آسان کرنے والا ہے اور وہ جو کچھ چاہتا ہے اس پر قادر ہے اور اس لائق ہے کہ قبول کرے، امید ہے کہ اس بے حاصل کو سلامتی خاتمہ کی دعا کے ساتھ یاد کرتے رہیں گے کیونکہ غائبانہ دعا کرنا قبولیت کے زیادہ قریب ہے۔

هود ۳۹

مکتوب ۹۹

خواجہ محمد فاروق کے نام معرفت حاصل کرنے پر ترغیب دینے اور ضبطِ اوقات کے بارے میں تحریر فرمایا۔

میرے مخدوم ومکرم! چونکہ نوعِ بنی آدم (انسان) کی ایجاد (پیدائش) کا اصلی مقصد صانع (اللہ تعالیٰ) جل وعلا کی معرفت حاصل کرنا ہے اور یہ بات طے شدہ ہے کہ معروف میں فنا حاصل ہوئے بغیر معرفت حاصل نہیں ہوتی، پس ہم جیسے مہجوروں کے لئے ضروری ہے کہ عمرِ عزیز کو اس مطلوبہ دولت (کے حاصل کرنے) میں صرف کریں اور اس فانی زندگی میں فنا (موت) سے پہلے فانی ہو کر حقیقی باقی عزشانہ کی بقا کے ساتھ کوشش کریں۔ افسوس ہے کہ جو کچھ اس شخص سے طلب کیا گیا ہے وہ بجا نہیں لاتا اور دوسرے کاموں میں مشغول ہوتا ہے اور جس چیز کی تخریب چاہی گئی ہے اس کی تعمیر کے درپے ہوتا ہے اور وقتِ عزیز کے سرمایہ کو فانی لذتوں کے پورا کرنے کے لئے خرچ کرتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے

"ناز و نعمت کی زندگی سے پرہیز کر پس بیشک اللہ تعالیٰ کے بندے ناز و نعمت والے نہیں ہوتے"، نہایت خجالت و شرمندگی ہے کہ انسان اس قلیل فرصت میں مطلوب کی طرف سے دعوت کے باوجود اس کو اپنی آغوش میں نہ لیتے ہوئے اور قبول نہ کرتے ہوئے اس دعوت کی جگہ سے سامان باندھ لیتا ہے اور اپنے آپ کو بُعد و حجاب (دوری و پردہ) کے عذاب میں جو کہ دوزخ کے عذاب سے بھی بدتر ہے ٹھہرا لیتا ہے اور قرب و وصال کی لذت سے بھاگتا ہے۔ پس اس شخص پر افسوس ہے کہ جس نے اللہ تعالیٰ سے روگردانی کی اور اس شخص پر حسرت ہے جس نے اللہ تعالیٰ کے احکام سے تجاوز کیا، دنیا میں دوبارہ آنا نہیں ہے: وَمَنْ كَانَ فِيْ هٰذِهٖۤ اَعْمٰى فَهُوَ فِى الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى وَاَضَلُّ سَبِيْلًا [اور جو شخص اس دنیا میں اندھا رہا پس وہ آخرت میں بھی اندھا اور راستہ سے بہت بھٹکا ہوا ہوگا] ؎

سورۂ ۱۷ آیت ۷۲

ترسم کہ یار با ما نا آشنا بماند تا دامنِ قیامت ایں غم بما بماند

[ڈرتا ہوں کہ (مبادا) محبوب ہمارے (حال) سے نا آشنا (ہی) رہے اور یہ غم قیامت تک ہمارے ساتھ رہے] مختصر یہ ہے کہ کام کرنا چاہئے ۲۴۲ صرف کہنے سننے سے کوئی راستہ نہیں کھلتا۔ امید ہے کہ اس ناکارہ کے بارے میں اس جگہ کے صلحا سے توجہ و دعا کی درخواست کریں گے۔ والسلام

مرزا لطف اللہ کے نام صوفیۂ کرام کے طریقۂ عالیہ کے ماحصل اور بعض نصیحتوں کے بیان میں تحریر فرمایا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ۔ مکتوبِ گرامی کے ورود سے مشرف ہوا، کتنی اچھی نعمت ہے کہ عین شباب اور عیش و کامرانی کے اسباب کی موجودگی میں مطلوبِ حقیقی کے عشق کا سودا دل کی گہرائی میں پیدا ہو جائے اور ہویتِ غیبت (حق تعالیٰ) کی محبت جان کی پیشانی سے ظاہر ہو جائے، درویشوں کی محبت اس کی نشانی ہے اور ان کے ساتھ نیازمندی کا ہونا اس پر واضح دلیل ہے، پیرِ انصار قدس سرہ فرماتے ہیں: یا الٰہی یہ کیا حالت ہے جو تو نے اپنے دوستوں کے لئے کر دی ہے کہ جس نے ان کو پہچان لیا تجھ کو پالیا اور جب تک تجھ کو نہ پایا ان کو نہیں پہچانا، اس گروہ سے محبت کرنے والا اس گروہ کے ساتھ ہے المرء مع من احب [آدمی اسی کے ساتھ ہے جس سے وہ محبت کرتا ہے] آپ نے سنا ہوا ہوگا۔ اے سعادت کے آثار والے! اس جوانی اور فراغت کے زمانہ کو غنیمت جانیں اور اس (جوانی) کی قوت کو مولیٰ (اللہ تعالیٰ) کی طاعات میں صرف کریں کام کا وقت یہی عمر ہے ۱

بڑھاپے اور اعضا کی سستی کے وقت زندگی و فراغت کی تقدیر پر معلوم ہے کہ کیا کچھ ہو سکتا ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے: سات قسم کے لوگ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ اس دن اپنے سایہ میں رکھے گا جبکہ اس کے سایہ کے سوا اور کوئی سایہ نہیں ہوگا، امام عادل[1] اور وہ جوان[2] جو اللہ کی عبادت میں پروان چڑھا اور وہ شخص[3] جس کا دل مساجد کے ساتھ لگا رہا، اور وہ دو آدمی[4] جنھوں نے اللہ تعالیٰ کے لئے آپس میں محبت کی اسی پر اکٹھے ہوئے اور اسی پر جدا ہوئے، اور وہ آدمی[5] جس کو منصب و حسن و جمال والی عورت نے (گناہ کی) دعوت دی تو اس نے کہا کہ میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہوں اور وہ آدمی[6] جس نے کوئی صدقہ دیا پس اس کو چھپایا حتیٰ کہ جو کچھ اس کے داہنے ہاتھ نے خرچ کیا اس کا بایاں ہاتھ (بھی) اس کو نہیں جانتا، اور وہ آدمی[7] جس نے تنہائی میں اللہ تعالیٰ کو یاد کیا پس اس کی دونوں آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ اس کو امام بخاریؒ و امام مسلم وغیرہ نے روایت کیا ہے۔ کوشش کریں کہ اخیر کے چھ اعمال پر قائم رہیں اور امام کی نیابت کے ساتھ عدالت پر مستقیم رہیں۔

جان لیں کہ ہمارے بزرگوں قدسنا اللہ تعالیٰ باسرارہم العلیہ کے طریقہ کا ماحصل سنت کا اتباع اور بدعت سے اجتناب اور اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی پاک بارگاہ میں عجز و نیستی کے وصف کے ساتھ دائمی توجہ و حضور ہے اس حد تک کہ دل کو اللہ تعالیٰ کے ماسوا سے کامل قطع تعلق حاصل ہو جائے اور اشیاء سے اس کا علمی و حبی تعلق ٹوٹ جائے اور ماسوا کی غلامی سے آزاد ہو جائے نہ وہ اس کی خوشی پر خوش ہو اور نہ اس کی غمی سے غمگین، اور نیز دل کو مطلوبِ حقیقی کے ساتھ حضور و آگاہی اس قسم کی پیدا ہو جائے جس کے بعد غیبت (عدمِ حضور) نہ ہو وہ حضور جس کے بعد غیبت ہوتی ہے ان اکابر کے نزدیک معتبر نہیں ہے، جبتک حضور و آگاہی ملکہ (عادتِ ثانیہ) نہ ہو جائے اور اس کا ذاتی وصف نہ بن جائے جیسا کہ سننا کان کی صفت اور دیکھنا آنکھ کی صفت ہے، یہ نسبت شریفہ حاصل نہیں ہوتی، اور نفسِ حاضر (اپنی ذات) کی نفی کرتا ہے، جب اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے فضل سے کلی طور پر فنائیت ہو جائے اور مطلوب کا حضور و شہود خود بخود پیدا ہو جائے تو اس وقت کسی شاہد و مشہود کے وصف کے بغیر شہود ہوتا ہے اس کے بعد مَنْ قَتَلْتُهٗ فَاَنَا دِیَتُهٗ [جس کو میں قتل کرتا ہوں تو میں اس کا خون بہا ہو جاتا ہوں] کے مصداق وجودِ موہوب (عطائی وجود) کے ساتھ موجود ہوتا ہے اس وقت میں معشوق کی سیر عاشق میں ہے، کسی نے کیا اچھا کہا ہے ؎

آئینہ صورت از سفر دور است کاں پذیرائے صورت از نور است

[عاشق آئینہ کی طرح سفر سے دور ہے (یعنی سفر کا محتاج نہیں ہے) کہ وہ صورت کو نور کی وجہ سے قبول کرتا ہے]

اور جو کچھ میں نے اوپر کہا ہے کہ "ہمارے بزرگوں کے طریقہ کا ما حصل یہ ہے الخ" یہ اس لئے کہ ان برگزیدہ بندوں کی حقیقت اس گفتگو کے ماوراء ہے۔ یہ ایک ایسا بھید ہے کہ اس کی تعبیر اس قسم کی عبارتوں سے کرنا مشکل بلکہ ناممکن ہے۔ من لم یذق لم یدر [جس نے نہیں چکھا اس نے نہیں جانا]۔ جاننا چاہئے کہ ان مذکورہ معانی کا ذوق و وجدان کے ذریعہ پانا اس طریقۂ عالیہ کے اکابر کی طویل صحبت وخدمت کے بغیر دشوار ہے، اس فرقت زدہ گنہگار سے جو کہ ان امور کے ذکر کرنے سے لرزاں و ترساں (کانپتا اور ڈرتا) ہے ان معانی کے حصول کا سوال کرنا ایسا ہے جیسا کہ کسی سائل سے سوال کرنا۔ فقیر نے اگرچہ اس عالی مرتبہ گروہ کی محبت کی راہ سے ان معانی کے ساتھ قدرے ایمان حاصل کیا ہے لیکن چونکہ محبت میں ناقص ہے (اس لئے) ان چیزوں میں بھی جو کہ محبت سے حاصل ہوتی ہیں ناقص ہی ہونا چاہئے کیونکہ محبت کرنے والے کے لئے محبوب کی اطاعت کرنا لازم ہے: ان المحب لمن یھواہ مطیع [محبت کرنے والا اپنے محبوب کا مطیع ہوتا ہے] اور جب ان اکابر کے طریقے اپنے اندر بہت کم پاتا ہے تو اس پر متفرع ہونے والی چیز کو کامل درجہ پر کس طرح پائے گا۔ ہاں حدیث قدسی انا عند ظن عبدی بی [میں اپنے بندے کے گمان کے ساتھ ہوں] کے مصداق چونکہ آپ ان ناکارہ فقرا کے ساتھ حسنِ ظن رکھتے ہیں احتمال ہے کہ آپ کے ظن کے مطابق آپ کے ساتھ معاملہ کریں ؎

می تواند کہ دہد اشک مرا حسن قبول   آنکہ در ساختہ است قطرۂ بارانی را

[جس (اللہ) نے بارش کے قطرہ کو موتی بنا دیا ہے وہ میرے آنسوؤں کو بھی قبولیت کا شرف بخش سکتا ہے]

والسلام علیکم وعلی سائر من اتبع الھدیٰ والتزم متابعۃ المصطفیٰ علیہ وعلی آلہ الصلوات والبرکات العلیٰ۔

ص ۲۴۴

سیادت پناہ میر محمد نعمان کے نام اس بارہ میں تحریر فرمایا کہ صوفیۂ کرام کی نسبت کے حصول کا مصداق احکام شریعت کے ساتھ آراستگی ہے۔

بسم اللہ حامداً ومصلیاً علی رسولہ الکریم۔ اللہ تعالیٰ (آپ کی) ذات بابرکات کو اپنے الطاف میں شامل رکھ کر ارشاد (ہدایت) کی مسند پر جلوہ فرما رکھے اور ہستی موہوم (انانیت) سے آزاد کر کے ہمیشہ کی نیستی (فنائیت) کے ساتھ موصوف کرے تاکہ حقیقی ہستی (بقا باللہ) جلوہ گر ہو اور خود اپنے ساتھ

حاضر رہے، یہ معنی ذوقی اور وجدانی ہیں کہنے اور سننے میں صحیح طرح پر نہیں آتے اور نظر و فکر سے یہ معمہ نہیں کھلتا کہ آسمانی (فطری) تکالیف کے باوجود نہ ہونے کے کیا معنی ہیں اور ہونا اور نہ ہونا ایک ہی وقت میں کس طرح ہوگا عرفت ربی بجمع الاضداد [میں نے اپنے رب کو ضدوں کے جمع ہونے سے پہچانا] ایک بزرگ نے کہا ہے کہ ہر چیز میں رحمت ہے سوائے عشق کے کہ قتل کرتے ہیں اور مقتول سے خون بہا مانگتے ہیں۔ یعنی گم شدہ (فانی) سے احکامِ بندگی معاف نہیں کرتے اور اس نسبت کا مصداق شرعی احکام کے ساتھ آراستہ ہونا ہے کیونکہ اس کا کمال فنا اور اطمینانِ نفس تک پہنچتا ہے اور نفسِ مطمئنہ سے موافقت کے سوا اور کچھ نہیں آتا۔ شریعت کا مخالف اور اس میں سُستی کرنے والا جو شخص بھی اس نسبت کا دعویٰ کرتا ہے مغز سے سوائے چھلکے کے اور کچھ حاصل نہیں رکھتا اور جو کچھ رکھتا ہے وہ استدراج کے راستہ سے ہے۔ وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ○ [اور جو شخص اسلام کے سوا کوئی اور دین چاہے گا وہ اُس سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا اور وہ آخرت میں خسارہ والوں میں سے ہوگا] امید ہے کہ اس ناکارہ کو دعائے خیر سے نہیں بھلائیں گے اور قبولیت کے اوقات میں اس کیلئے استقامت کی دعا کرتے رہیں گے پس بیشک استقامت کرامت سے افضل ہے۔ والسلام۔

پ ۳ ع ۱۷ آیہ ۸۵

مکتوب ۱۰۲

اکبرآباد کے احباب خصوصاً ارشاد پناہ میر محمد نعمان کے نام صانع جل وعلا (اللہ تعالیٰ) کی معرفت حاصل کرنے پر نصیحت اور اس سے محرومی پر خوف دلانے کے بارے میں تحریر فرمایا۔

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ، اما بعد: یہ اِس زخمی دل خستہ و خراب کی جانب سے ہوشیار دوستوں کے لئے ایک یاددہانی ہے پس اے آنکھوں والو! عبرت حاصل کرو، جان لیں کہ انسان کی پیدائش سے مقصود حق تعالیٰ جل وعلا کی معرفت حاصل کرنا ہے اور معرفت میں لوگوں کی استعدادات کے تفاوت کے اعتبار سے لوگوں کے قدم مختلف ہیں (کہ) بعض کو بعض پر فوقیت ہوتی ہے، ہر شخص نے معرفت کے بارے میں اپنے عرفان کے بقدر بات کی ہے لیکن جس بات پر اس بلند مرتبہ گروہ کا اجماع ہے اور جو بات قدمِ مشترک ہے اور قرب کے درجات میں ضروری ہے وہ یہ ہے کہ معروف میں فنا ہوئے بغیر معرفت حاصل نہیں ہوتی ؎

۲۴۵

ہیچ کس را تا نہ گردد او فنا　　نیست رہ در بارگاہِ کبریا

[جب تک کوئی شخص فنا نہ ہو جائے اس کیلئے بارگاہ الٰہی میں باریابی نہیں ہے]۔

ازتست حجاب تو یقین است ۔ شرط ہمہ رہروان ہمین است
می بین ومگوے مذہب این است ۔ می باش ومباش مشرب این است

[یہ یقینی بات ہے کہ تیرا حجاب تجھ ہی سے ہے، سب راستہ چلنے والوں کی شرط یہی ہے۔ مذہب یہی ہے کہ دیکھا رہ اور کچھ نہ کہہ، اور مشرب یہی ہے کہ موجود رہ اور مت رہ] پس عقلمند دوستوں پر لازم ہے کہ اپنے کام کے نتیجہ اور موجودہ حالت میں اچھی طرح غور فرمائیں جس کسی کو اوپر لکھی ہوئی معرفت حاصل ہے پس اس کے لئے سعادت وبشارت ہے، چاہیئے کہ اس حاصل (شدہ معرفت) کو اُن امور میں صرف کرے جو حاصل نہیں ہوئے اور ہمت اس بات پر لگائے کہ اصل کو ظل کی طرح چھوڑ دے اور جس شخص کے لئے معرفت کی راہ نہیں کھولی گئی اور اس دولت کی طلب اور گم شدگی کا درد بھی نہیں دیا گیا پس اس کے لئے نہایت ہی افسوس ہے، جو کچھ اس کی پیدائش سے مقصود تھا وہ اس نے ادا نہیں کیا اور اس عالم میں اس سے جو چیز طلب کی گئی تھی وہ اس کو بجا نہیں لایا اور دوسرے کاموں میں مشغول ہو گیا اور اس سے جس چیز کی تخریب کا مطالبہ کیا گیا ہے اُس نے اُس کی تعمیر کی اور عمر عزیز کے سرمایہ کو خواہش اور لایعنی امور میں خرچ کر دیا اور اسباب حاصل ہونے کے باوجود اپنی استعداد کی زمین کو بیکار چھوڑ دیا نہایت شرمندگی ہے کہ اس قلیل فرصت میں مطلوب کو اس کی طرف سے دعوت کے باوجود (اپنی) آغوش میں نہ لا کر اس دعوت گاہ سے سامانِ (سفر) باندھ لیتا ہے کل (قیامت کے روز) کس مُنھ سے اس کی بے نیاز بارگاہ میں آئے گا اور کونسے حیلہ کے ساتھ عذر کی زبان کھولے گا، دُوری اور محرومی دوزخ کے عذاب سے بھی بدتر ہے جیسا کہ قرب ووصال کی لذت جناتِ نعیم (بہشت) کی لذتوں سے زیادہ ہے پس اس شخص پر افسوس ہے جس نے اللہ تعالیٰ سے روگردانی کی اور اس شخص پر حسرت ہے جس نے احکامِ الٰہی سے تجاوز کیا۔ دوبارہ دنیا میں آنا نہیں ہے: مَنْ كَانَ فِي هٰذِهٖٓ اَعْمٰى فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى وَاَضَلُّ سَبِيْلًا [جو شخص اس (دنیا) میں اندھا رہا پس وہ آخرت میں بھی اندھا اور راستہ سے بھٹکا ہوا ہوگا] ۔

ترسم کہ یار با ما ناآشنا بماند ۔ تا دامنِ قیامت این غم بما بماند

[ڈرتا ہوں کہ یار ہم سے ناآشنا رہے (اور) قیامت کے دامن تک یہ غم ہمارے ساتھ رہے]۔

کہتے ہیں کہ استاد ابوالقاسم قشیری رحمہ اللہ تعالیٰ نے بوعلی دقاق قدس سرہ کو وفات کے بعد خواب میں دیکھا کہ بہت بے چین تھے اور روتے تھے۔ انھوں نے کہا اے استاد کیا ہوا ہے، کیا دوبارہ دنیا میں واپس آنا چاہتے ہو؟ انھوں نے کہا ہاں لیکن دنیا کی مصلحت کے لئے نہیں اور نہ اس لئے کہ میں مجلس بیان کروں

۲۴۶ بلکہ اس لئے کہ کمر باندھوں اور لاٹھی لوں اور ہر روز ایک ایک دروازے پر جاؤں اور حلقہ (کنڈی) اور لاٹھی دروازے پر ماروں اور کہوں کہ مت کرو (کیونکہ) تم نہیں جانتے ہو کہ تم کس سے باز رہ جاتے ہو ؎

صاحب خانۂ ما دہم آواز　　کز پئے ہیچ ماند از ہمہ باز
عمر بگذشت در پریشانی　　بنگری کز چہ باز می مانی

[میں گھر کے مالک کو آواز دوں کہ وہ ہیچ چیز کے لئے تمام چیزوں سے محروم رہ گیا، عمر پریشانی میں گذر گئی تو دیکھ کہ تو کس چیز سے محروم ہو رہا ہے] پس ہم جیسے ہجرت زدوں پر لازم ہے کہ قابلِ قدر عمر کو ان عجیب و غریب معانی میں غور و خوض کرنے کے لئے صرف کریں اور اس فنا ہونے والی زندگی میں اس اصول کی سمجھ تک پہنچنے کی حکمت طلب کریں اور صالحین کی سیرتوں اور عارفین کے بیانات سے ان معانی کی تشریح اور اس حدیث کی تفسیر تلاش کریں اور اس کی طلب میں جان کے ساتھ کوشش کریں اور جس جگہ سے بھی اس کی بو دماغ میں پہنچے اس کے پیچھے ہو جائیں اگرچہ طمع کا ہاتھ اس خزانہ کی نقدی سے خالی ہو لیکن اس کی طلب اور نہ پانے کے درد سے ذرا بھی فارغ نہ رہیں اور سرکشوں کے گروہ سے الگ ہو جائیں کسی نے کیا اچھا کہا ہے ؎

ہیچوید　بچہ مشغول کنم دیدہ و دل را کہ مدام　　دل ترا می طلبد دیدہ ترا می خواہد

[میں آنکھ اور دل کو کس چیز کے ساتھ مشغول کروں کیونکہ ہمیشہ دل تجھ کو طلب کرتا ہے اور آنکھ تجھ کو چاہتی ہے] طالب کو چاہیئے کہ طلب میں اپنے آپ کو آرام نہ دے اور ہمیشہ مضطرب (بے چین) رہے ۔ ابو بکر طمستانی قدس سرہ نے کہا ہے کہ تصوف اضطراب (کا نام) ہے جب سکون آگیا تو تصوف نہ رہا۔ محب کو محبوب کے بغیر چین نہیں ہے اور اس کے ماسوا کے ساتھ کسی طرح بھی انس و الفت اختیار نہیں کرتا، اور بزرگوں نے کہا ہے کہ مرید کو اس صفت کے ساتھ ہونا چاہیئے جو کہ کلام مجید میں لکھی ہوئی ہے: حَتّٰٓى اِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ اَنْفُسُهُمْ وَظَنُّوْٓا اَنْ لَّا مَلْجَاَ مِنَ اللّٰهِ اِلَّآ اِلَيْهِ[1] [یہاں تک کہ جب اُن پر زمین باوجود کشادہ ہونے کے تنگ ہو گئی اور اُن پر ان کی زندگیاں تنگ ہو گئیں اور وہ سمجھ گئے کہ اللہ تعالیٰ سے (بچنے کے لئے) کہیں پناہ نہیں مگر اسی کی طرف] جب طالب آوارہ اس صفت کا ہو جاتا ہے تو ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوْبُوْا[2] [پھر اللہ تعالیٰ اُن پر مہربان ہوا تاکہ وہ لوٹ آئیں] کے مصداق امید ہے کہ بخشش کا سمندر جوش میں آئے اور عاشقِ صادق کو اس خروش (جوش) سے نکال لائے اور معرفت کی کوئی کھڑکی اس کے باطن میں کھول دے، اس بے نشان کا کوئی نشان ظاہر کر دے اور رِجَالٌ لَّا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ الآیہ[3] [یہ وہ لوگ ہیں جن کو

[1] و [2] سورۃ ۹ آیۃ ۱۱۸　[3] سورۃ ۲۴ آیۃ ۳۷

خرید و فروخت اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل نہیں کرتی) کے گروہ میں شامل کر دے۔ اور لَا یُصِیْبُھُمْ ظَمَأٌ وَّلَا نَصَبٌ وَّلَا مَخْمَصَۃٌ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ الآیۃ [ان کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں جو پیاس، محنت اور بھوک پہنچتی ہے یا وہ ایسی جگہ چلتے ہیں کہ جہاں کافروں کو غصہ آئے یا دشمنوں سے کوئی چیز لے لیتے ہیں تو ہر بات پر ان کیلئے نیک عمل لکھا جاتا ہے اور یقیناً اللہ تعالیٰ نیکی کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں کرتا] ص ۲۴۷

بس کنم خود زیر کان را این بس است بانگ دو کردم اگر در دہ کس است

[میں بس کرتا ہوں، عقلمندوں کے لئے یہی کافی ہے اگر گاؤں میں کوئی ہے تو میں نے درندہ (کے خطرہ) کی آواز لگادی ہے] مقبول دوستوں سے امید کی جاتی ہے کہ اس دور افتادہ کو مقبول دعاؤں سے فراموش نہیں کریں گے اور اس کے بارے میں مذکورہ بالا معانی کے حصول کے لئے دعا فرمائیں گے۔ بیشک وہ (اللہ تعالیٰ) قریب ہے اور قبول کرنے والا ہے۔ رَبَّنَا اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا وَاغْفِرْ لَنَا اِنَّکَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ[۲] وصلی اللہ تعالیٰ علی سید المرسلین کلما ذکرہ الذاکرون وکلما غفل عن ذکرہ الغافلون وعلی آلہ وصحبہ وسلم تسلیما کثیرا کثیرا وعلی جمیع الانبیاء والمرسلین وعلی ملائکۃ المقربین وعلی عباد اللہ الصالحین ٥

مکتوب ۱۰۳

ارشاد پناہ میر محمد نعمان کے نام محبت کے اظہار اور قصورِ اعمال کے دیکھنے کے بیان میں تحریر فرمایا۔

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ، شرافت و نجابت دستگاہ کے خدام ان دور افتادہ دوستوں کو دعائے خیر سے نہ بھلائیں، باطنی محبت کا رابطہ اور ظاہری ملاقات کا شوق جو کہ اس حقیر کو آپ کی ذات کے ساتھ ہے محتاج تحریر نہیں ہے چونکہ دل کو دل سے راہ (تعلق) ہوتی ہے اس لئے اپنی حقیقت جامعہ کی طرف رجوع فرمائیں المجاز قنطرۃ الحقیقۃ [مجاز حقیقت کا پل ہے] اس جگہ ایک بہت عجیب و غریب بھید ہے: ان اللہ خلق آدم علی صورتہ [بیشک اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو اپنی صورت (صفات) پر پیدا کیا] اس سر (بھید) کا ظاہر کرنا اس دلفگار کا کام نہیں ہے اگر آیت کریمہ اِنَّ اللّٰہَ یَحُوْلُ بَیْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِہٖ[۳] [بیشک اللہ تعالیٰ آدمی اور اس کے قلب کے درمیان حائل ہو جاتا ہے] سے اس سر کا پتہ لگا سکتے ہوں تو ممکن ہے کیونکہ یہ آیہ کریمہ ایک بے پایاں سمندر ہے کوئی غوطہ خور ایسا ہونا چاہیے جو وہاں سے زمانہ کے بیش قیمت موتیوں کو حاصل کرے: اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَذِکْرٰی لِمَنْ کَانَ لَہٗ قَلْبٌ[۴] [بیشک اس میں اس شخص کیلئے نصیحت ہے جس کے پاس (سمجھ والا) دل ہے] سبحان اللہ

---

[۱] سورت ۹ آیت ۱۲۰ [۲] سورت ۶۶ آیت ۸ [۳] سورت ۸ آیت ۲۴ [۴] سورت ۵۰ آیت ۳۷

بات اپنے حوصلہ سے باہر چلی گئی اور ایسی جگہ تک پہنچ گئی کہ جہاں سے وہ خود راہ بین ہے۔ ہم جیسے بوالہوس لوگوں کو اس قسم کی باتوں سے کیا نسبت ہے، جو شخص گناہوں کی گہرائی میں ڈوبا ہوا ہو اس کو اپنے گناہوں کی فکر اور خطاؤں کا ماتم کرنا تمام امور سے زیادہ اہم ہے، آج یا کل ہے کہ یکایک موت کا طمانچہ خوشگوار عیش و آرام کے مُنہ پر پہنچے گا اور قبر و قیامت کے معاملات پیش آنے والے ہیں اور اس شخص کا عیبوں سے بھرا ہوا نامہ اعمال علام الغیوب (اللہ تعالیٰ) کے حضور میں ظاہر ہو جائے گا اور اس کے معاملہ کی بُرائی اس بارگاہ میں ظاہر ہو جائے گی پس ہمارے اعمال پر شرمندگی ہے اور ہماری نافرمانیوں پر حسرت ہے۔ ربنا لا تؤاخذنا ان نسینا او اخطأنا [اے ہمارے رب ہماری بھول اور خطاؤں پر ہمیں نہ پکڑ]۔

مکتوب ۱۰۴

میرزا عبید اللہ کے نام فنائے نفس کی تحقیق اور آدابِ شرعیہ کے التزام پر دلالت کرنے اور مطلوب جل وعلا کے ماوراء ہونے کے بیان میں تحریر فرمایا۔

حمد و صلوٰۃ و تبلیغ دعوات کے بعد عرض کرتا ہے کہ اس معزز بھائی کے مکتوبِ لطیف اور پسندیدہ حالات کے مطالعہ سے مسرور و لطف اندوز ہوا۔ آپ نے لکھا تھا" کہ دل ماموره اذکار کے عمل سے آرام پذیر نہیں ہے اور تمام افعال کے اپنی طرف منسوب ہونے کو تہمت وہمی کی نسبت کے سوا اور کچھ نہیں جانتا اور اپنے وجود کو بلکہ تمام وجودوں کو ایک ایسے وجود کے غلبہ کے تحت مضمحل پاتا ہے جس کے نفی و اثبات میں لا دھوکی منزل پیچھے رہنے والوں میں سے ہیں اور اوامر کی ادائیگی اور نواہی سے اجتناب میں وقت کو جبراً لگا کر تکلف کے ساتھ بجا لاتا ہے"۔ میرے مخدوم! یہ مراقبہ اور ایسا دیکھنا پاکیزہ و عمدہ ہے اور اس مراقبہ کا کمال یہ ہے کہ اوصاف و افعال کی یہ وہمی نسبت بھی اپنے ساتھ نہ دیکھے اور یہ افعال و اوصاف پوری طرح اصل کے حوالہ کر دے اور اپنے آپ کو عدم صرف کے ساتھ ملا ہوا پائے اور محض لاشئے اور خالص نیست دیکھے تاکہ اپنے آپ کو انا کے ساتھ تعبیر نہ کر سکے، اس کی علامت یہ ہے کہ اپنے اندر نہ کوئی ذکر پائے اور نہ کوئی توجہ، نہ کوئی ہمت دیکھے اور نہ کوئی حرارت، دل سے ذکر کی حرکت اور مذکورہ توجہ بالکل سلب ہو جائے اور اگر کبھی دل میں کوئی حرکت یا کوئی توجہ و حرارت پائے تو اس کو مذکورہ بالا مراقبہ کی صفائی نہ ہونے کی دلیل سمجھے

۲۴۸

دل کو ذکر سے آرام اس وقت ہوتا ہے جبکہ نفسِ ذکر جاگزیں ہو جائے، ذکر و توجہ دوری اور نہایت جدائی کا پتہ دینے والے ہیں اور جب یہ گمان درمیان سے اُٹھ گیا تو قہار واحد کے سوا کچھ نہیں رہا، اس معنیٰ میں نہیں کہ ممکن واجب ہو گیا اور اس پاک ذات کے ساتھ اتحاد پیدا کر لیا، کیونکہ یہ واقع کے خلاف ہے بلکہ اس معنی میں کہ ممکن نہیں رہا اور اپنی وہمی خلعت سے تجرد (انخلاع) اختیار کر لیا اور واجب اپنے مطلق محض ہونے پر جیسا کہ تھا اب بھی ہے اور (آئندہ بھی) رہے گا۔ افعال و اوصاف کے اصل کے ساتھ لاحق ہو جانے کے بعد اگر ذکر و توجہ ہی تو از خود بخود ہی کسی نے کیا اچھا کہا ہے ؎

ولوجہہ من وجہہ قمر ولعینہ من عینہ کحل

[اور اس کے چہرہ کے لئے اسی کے چہرہ سے چاند ہے۔ اور اس کی آنکھ کے لئے اسی کی آنکھ سے سرمہ ہے]

اور دیگر کیفیات جو آپ نے لکھی ہیں ان سب میں بہترین وہی مراقبہ ہے جو کہ اوپر بیان ہوا، چاہیئے کہ تمام واردات میں شرعی آداب وحدود کی اچھی طرح رعایت رکھیں اور ان آداب میں سے کسی ادنیٰ ادب کے ترک کرنے میں تساہل نہ برتیں اور اگر علماء کے فیصلے کے خلاف کوئی امر ظاہر ہو جائے تو جان لیں کہ وہ سُکر اور محبت کے غلبہ کی وجہ سے ہے اور نجات دینے والی حق بات وہی ہے جس کو علماء نے بیان کر دیا ہے، سیر و سلوک سے مقصود حصولِ فنا و نیستی ہے اور مطلوبِ حقیقی (اللہ تعالیٰ) کے ماسوا کیا آفاق اور کیا انفس سب کی گرفتاری (محبت) کا زائل ہونا ہے تاکہ بصیرت (باطن) کی آنکھ میں کوئی چیز منظور و مشہود نہ رہے حتیٰ کہ شہود و محبت میں اسماء و صفات بھی ذات مجرد کے ساتھ شریک نہ ہوں، احدیتِ مجردہ کی بارگاہ کے گرفتار (محبت کرنے والے) کسی امر کی شرکت کے لئے راضی نہیں ہیں اور تمام مشہودات اور محبت کو لا کے نیچے لا کر نفی کرتے ہیں خواہ وہ اسم ہو یا صفت۔ اور آپ نے لکھا ہے کہ خیالی صورتوں کے وجود کو چونکہ صفات کے شیون کے ظلال جانتا ہے (اس لئے) ان کی نفی کو وقت کے خلل کا باعث شمار کرتا ہے اور واضح یقین کے ساتھ (یہ بات) عین علمی کے نصیب ہوئی ہے کہ خطاکار و درست کار میں سے ہر ایک وجود کے فرمانِ قہرمان کے تحت میں ہے اور ان کی تلوین کا مُلوِّن دوسرا ہے۔

میرے مخدوم! اگرچہ سب کے سب وجود کے فرمانِ قہرمان کے تحت میں ہیں لیکن چاہیئے کہ جس سے طلب و محبت کا تعلق ہو وہ اس درجہ کا ہو کہ کسی نسبت و اضافت نے اس بلند بارگاہ کی طرف راہ نہ پائی ہو اور مشہودات و متخیلات سے ماوراء ہو، ظہورات و ظلال سے منہ موڑ کر ہمت کا مرجع سوائے اس ذات ظاہر کے جو کہ ان مراتب سے ماوراء ہے اور کوئی چیز نہ ہو۔ چاہیئے کہ تمام

مشہودات کو لا کے نیچے لائیں تاکہ ان سب کی نفی ہو جائے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی حمد ہے کہ اس قسم کے مشہودات (آپ کی) نظر میں پست معلوم ہوئے ہیں جیسا کہ آپ نے لکھا ہے کہ "یہ سب کشاکش عدم وصول کی وجہ سے ہے اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کی توجہ سے ماسوی سے رہائی کی درخواست رکھتا ہے۔ اللّٰھم ارنا الحق [اے اللہ! ہمیں حق بات دکھا دیجئے]"۔ اور یہ جو آپ نے لکھا ہے "اگر کوئی وارد پیش آئے تو دل کو وقت کا تابع بنائے"۔ میرے مخدوم! جو وارد بھی ظاہر ہو اس کا شکر بجا لائیں اور اس میں تمکن (پختگی) حاصل ہونے کے بعد اس سے ترقی کے طالب رہیں اور ھل من مزید [کیا اور بھی ہے] کہتے ہوئے اس کے پیچھے دوڑتے رہیں ؎

نہ حُسنش غایتے دارد نہ سعدی را سخن پایاں ‌‌ ‌ بمیرد تشنہ مستسقی و دریا ہمچناں باقی

[نہ اس کے حسن کی انتہا ہے اور نہ ہی سعدی کے سخن کی انتہا ہے، استسقا کی بیماری والا شخص پیاسا مر جاتا ہے اور دریا اُسی طرح باقی رہتا ہے] یہاں تک کہ وقتِ مقررہ آجائے۔

مکتوب ۱۰۵

شیخ محمد صالح تھانیسری کے نام فقر کی فضیلت اور فنا حاصل کرنے پر ترغیب دینے کے بیان میں تحریر فرمایا۔

برادرِ عزیزم شیخ محمد صالح کا مکتوبِ مرغوب پہنچا، مسرور کیا، آپ نے زمانہ کی تنگیوں کے بارے میں لکھا تھا، حق سبحانہٗ وتعالیٰ کے فعل و ارادہ پر راضی بلکہ لذت یاب ہونا چاہیئے اور فقر کی سختی اور فاقہ کی تلخی کو خوشگوار نعمت جان کر اس کو جمیل مطلق (اللہ تعالیٰ) کے فعل و صفت کا آئینہ تصور کرنا چاہیئے اور (اس فقر و فاقہ کی سختی کو) اللہ تعالیٰ جل سلطانہ کے حبیب (صلی اللہ علیہ وسلم) کا جو کہ خلقت سے مقصود اور خلت و محبت کے دائرہ کا مرکز ہیں پسندیدہ طریقہ جاننا چاہیئے۔ حدیث شریف

۲۵۰ الفقراء الصابرون جلساء اللّٰہ غدا یوم القیامۃ [صابر فقراء کل قیامت کے روز اللہ تعالیٰ کے جلیس ہوں گے] آپ نے سنی ہوگی۔ دنیاوی زندگی چند روز سے زیادہ نہیں ہے اس تھوڑی سی فرصت میں قبر و قیامت کی فکر ضروری ہے اور معنوی بیماری کا علاج کہ جس کو ماسوی اللہ تعالیٰ کے ساتھ گرفتاری و محبت سے تعبیر کرتے ہیں، سب سے اہم کام ہے جو دل غیر اللہ کا گرفتار ہے اس سے خیر کی کیا توقع ہے دل کی سلامتی [illegible] راستہ کی سب سے پہلی شرط ہے اس وقت متحقق ہوتی ہے کہ ماسوی کے لئے

دل میں کوئی گنجائش نہ رہے، نہ محبت کے طور پر گنجائش رہے اور نہ علم کے طور پر، اس طرح پر کہ اگر اشیاء کو تکلف کے ساتھ بھی یاد کرے تب بھی اس کو یاد نہ آئیں وہ اُس وقت اُس نسیان کے ذریعہ سے جو دل کو ماسوی اللہ سے حاصل ہوا ہے اسرار کے وارد ہونے اور قدامت کے انوار نازل ہونے کا محل ہو جاتا ہے اور تجلیاتِ بے کیف کا مقام ہو جاتا ہے مصرع

ایں کار دولت است کنوں تا کرا دہند [یہ نصیب کی بات ہے دیکھئے اب کس کو عنایت کرتے ہیں]

وَفِي ذَٰلِكَ فَلْيَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُونَ [اور چاہئے کہ رغبت کرنے والے اس میں رغبت کریں] والسلام

مکتوب ۱۰۶

خواجہ محمد فاروق کے نام اس بارے میں تحریر فرمایا کہ محبتِ ذاتی میں جمال سے زیادہ جلال لذت بخشتا ہے۔

خوشی اور تکلیف میں اللہ تعالیٰ کا شکر ہے اور سردارِ انبیا اور آپ کی آل اصفیا پر صلوٰۃ و سلام ہو جو مصیبت کہ ان دنوں میں زمانہ کی اس معزز ہستی کو پہنچی ہے وہ دور افتادہ دوستوں کے لئے رنج و غم کا باعث ہوئی، إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ ۝ [بیشک ہم سب اللہ تعالیٰ کے ہیں اور ہم سب اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں] لیکن چونکہ حق تعالیٰ جل وعلا کا فعل ہے اور خاص اپنے فاعل کی طرف دلالت کرتا ہی خوش نصیبوں کے لئے اس بارگاہِ عالی کے وصول کا وسیلہ ہے اور یہ ظاہری تلخی کتنی ہی باطنی حلاوتوں کا سبب ہے ؎

می تلخ است جورِ گلعذاراں کہ ہر چندش خوری باشد گواراں
ہر آتش کان بیفروزد بتِ سیم خلیلاں را بود باغِ براھیم

[پھول جیسے رخساروں والے (حسینوں) کا جور تلخ شراب ہے کہ اس کو جتنا بھی تو پیئے گا پسندیدہ ہو گی، ہر وہ آگ جس کو وہ چاندی کا بت (حسین محبوب) جلاتا ہے وہ خلیلوں کے لئے باغِ ابراہیم (علیہ السلام) ہے]

جو لذت کہ محبوب کے جلال و ایلام (رنج و الم دینے) کے ذریعہ سے ہے عاشقِ صادق کے لئے اس کے جمال و انعام کی لذت سے زیادہ ہے کیونکہ دوسری قسم کی لذت کے برخلاف پہلی قسم کی لذت خواہش نفس کی آمیزش سے پاک ہے اور (یہ) محبوب کی خالص مراد ہے، یہ کمال محبت ذاتی سے پیدا ہوتا ہی بلکہ محبتِ ذاتیہ میں بھی علیحدہ خصوصیت رکھتا ہے کیونکہ مطلق ذاتی محبت کا تقاضا یہ ہے کہ رنج والم

اور انعام دونوں برابر ہوں اور ایلام کا زیادہ ہونا ایک دوسری کیفیت رکھتا ہے اور وہ دوسری شان لاتا ہے کسی نے کیا اچھا کہا ہے ؎

۲۵۱

آں دارد آں نگار کہ آنست ہر چہ ہست　　　آنرا طلب کنید حریفاں کہ آں کجاست

[وہ محبوب ایسی شان رکھتا ہے کہ جو کچھ ہے وہی ہے، اے ساتھیو! اس کو طلب کرو کہ وہ کہاں ہے۔]

مکتوبات شریفہ یکے بعد دیگرے پہنچے ہیں اور جواب میں کوتاہی واقع ہوئی ہے (امید ہے کہ) آپ معذور رکھیں گے چونکہ اُس طرف کا قصد کرنے والا کوئی شخص معلوم نہیں تھا اس لئے اس مقصد سے رُکا رہا۔ والسلام

مکتوب ۱۰۷

شاہ فضل اللہ برہانپوری کے نام مطلوب کی عظمت اور طالب صادق کی بزرگی کے بیان میں تحریر فرمایا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم ہمیشہ رحمانی عنایات کے ساتھ ممتاز رہیں، نہیں جانتا کہ دور افتادہ دوستوں کو کیا لکھے، محبوب کی مہربانیاں اس سے زیادہ ہیں کہ اِس فضول گو کی زبان پر جاری ہوں اور معشوق کی خوبیاں اس سے برتر ہیں کہ اس بوالہوس کا قلم اس کی ترجمانی کا خیال کرے جبکہ ان دقایق کی یاد و خیال ہوش باختہ کر دیتا ہے اور فکر و اندیشہ کا خیال اس کے تصور سے لغزش کھاتا ہے تو اس بات کی گنجایش ہے کہ زبان اُن اسرار کی ترجمانی کے میدان میں گونگی ہو جائے اور قلم اس کی تعبیر کی وادیوں میں پھٹ جائے، بیچارے عاشق کا معاملہ اس حد تک پہنچ جاتا ہے کہ اس کے تصور و خیالات کو بھی اس جگہ اجازت نہیں دیتے، دوسرے اس کی حقیقت کو کیا معلوم کر سکیں ؎

دلہا ہمہ آب گشت و جانہا ہمہ خون　　　تا چیست حقیقت از پسِ پردہ بروں

[تمام دل پانی ہو گئے اور تمام جانیں خون ہو گئیں تاکہ (معلوم کریں کہ) پردے کے پیچھے سے باہر حقیقت کیا ہے]

ہاں معشوق کی غیرت اس کے احسان کے مطابق ہے جسقدر احسان زیادہ ہوگا اسی قدر) غیرت زیادہ ہوگی۔

مکتوب ۱۰۸

محمد فاروق ولد خواجہ عبدالغفور سمرقندی کے نام نصیحت کے بارے میں تحریر فرمایا۔

برخوردار سعادت اطوار اس گرفتار (کی طرف) سے دعا پڑھیں، چاہیئے کہ دینی علوم کے حاصل کرنے میں پوری کوشش کریں اور اہتمام کریں کہ عمل اس (علوم دینی) کے مطابق حاصل ہو جائے اور ناجنس و اہل تفرقہ (دنیاداروں) اور اہل بدعت کی صحبت سے احتراز کرتے رہیں اور باطن کو حاصل کی ہوئی نسبت سے آباد رکھیں اور اس کے دوام میں کوشش کریں اور ہر اس چیز سے جو کہ اس کے دوام کے منافی ہو اعراض کریں۔ (یہ) کتنی بڑی نعمت ہے کہ ظاہر شرعی احکام کے ساتھ آراستہ ہو اور باطن اس نسبت سے آباد ہو اور اپنے بڑے بھائی کی صحبت و خدمت کو غنیمت شمار کریں، اذکار میں مشغول ہونے کو اُن کی مجلس میں تازہ رکھیں اور وہ جس طریقے سے بھی رہنمائی کریں حتی الامکان اس کی رعایت رکھیں اور حالات لکھتے رہیں اور فقرا کی محبت پر قائم رہیں۔ والسلام

۲۵۲

مکتوب ۱۰۹

خواجہ محمد فاروق کے نام تحریر فرمایا ہے اُس حالت کی تفصیل میں جو کہ قیامت میں اور موت اور نیند کے وقت میں پیش آتی ہے اس نسبت پر جو کہ اس دار (دنیا) میں حاصل ہوتی ہے اور جاگنے کی حالت میں پیش آتی ہے اور اس بارے میں کہ جس طرح دنیا میں عالم امر اصل ہے اور عالم خلق اس کے تابع ہے آخرت میں معاملہ برعکس ہے اور بعض کاملین ایسے ہوتے ہیں کہ ان کی دنیا کے لئے آخرت کا حکم ہوتا ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ الکریم وعلی من تبعہ فی سلوک المنہج القویم۔ میرے مخدوم! سنا گیا ہے کہ آپ اوقات کی تعمیر (آبادی) میں پوری کوشش کرتے ہیں اور حتی الامکان لایعنی امور میں مشغول نہیں ہوتے حمد اللہ سبحانہ علیٰ ذٰلک [اس پر اللہ تعالیٰ کا حمد و شکر ہے] کتنی بڑی نعمت ہے کہ جوانی کے ایام اور کامیابی کے اسباب کی موجودگی میں اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی پاک بارگاہ میں متوجہ ہو کر اوقات کی جمعیت میں کوشش کی جائے اس نعمتِ عظمیٰ کا شکر بجا لائیں اور اس کے اضافہ میں کوشش کریں لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ [اگر تم شکر کرو گے تو میں ضرور تم کو اور زیادہ دوں گا] اور جان لیں کہ جمعیت صوری جو کہ ظاہر کے ساتھ وابستہ ہے معنوی نسبت کا اثر ہوتی ہے جو کہ باطن کا حصہ ہے اور ضروری نہیں ہے کہ باطن کی نسبت جیسی کہ وہ ہے ظاہر پر جلوہ گر ہو جائے کیونکہ وہ نسبت بمنزلہ اس کے معشوق کے ہے اور ظاہر اس کے عاشق کی مانند ہے اور (یہ بات) مشکل ہے کہ معشوق عاشق کی قید میں آجائے کیونکہ ناز و ادا معشوق کی خصوصیت ہے اور حیا اس کی دامنگیر ہے، عاشق بیچارہ معشوق کا جس قدر والہ و شیدا ہو گا اسی قدر

سورۂ ابراہیم ۷

معشوق کے نازو انداز کو زیادہ کر دے گا اور وہ عاشق سے گردن کھینچے گا (منہ موڑے گا) اگرچہ باطن ظاہر کی امداد سے ترقی کرتا ہے اور اس کی دستگیری سے قرب کے مدارج میں عروج حاصل کرتا ہے ؎

عاشقاں را نصیب از معشوق جز خرابی و جاں گدازی نیست

[عاشقوں کو معشوق کی طرف سے خرابی اور جاں گدازی کے سوا اور کچھ نصیب نہیں ہے]

عجیب معاملہ ہے (کہ) ظاہر باطن کی خدمات میں جسقدر کوشش کرتا ہے اور اس کی ترقی میں جسقدر عمدہ سعی کرتا ہے باطن اُس سے آشنائی زیادہ بیگانہ ہو جاتا ہے اور اس کی آغوش سے زیادہ دور چلا جاتا ہے کیونکہ ظاہر کے طاعات و مجاہدات باطن کے حسن و تازگی کو زیادہ کرنے کا سبب ہیں اور اس کی صفتِ معشوقیت کہ ناز و استغنا (بے نیازی) جس کے لوازم سے ہے کمال کو پہنچ جاتی ہے یہی وجہ ہے کہ انتہا میں نسبتِ باطن ادراک سے دور تر چلی جاتی ہے۔ ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ نسبتِ باطن جسقدر جہالت کی طرف لیجاتی ہے اسی قدر زیادہ اچھی ہوتی ہے۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا ہے، العجز عن درک الادراک ادراک [ادراک کے حاصل کرنے سے عاجز ہو جانا ہی ادراک ہے] اور یہ ظاہر کا پیاسا ہونا اور نہ پانا اسوقت تک ہے جبتک کہ ظاہر کا کارخانہ قائم ہے اور جب اس میں خلل واقع ہو جاتا ہے اور الرحیل (کوچ) کی آواز پہنچ جاتی ہے تو باطن میدان خالی پاکر سینکڑوں آب و تاب کے ساتھ بے پردہ ظہور کے جلوہ میں آجاتا ہے اور مدرک ہو جاتا اور مطلوب کی نسبت کے ہم آغوش ہو جاتا ہے کیونکہ اس کا حجاب جو کہ اس نسبتِ ظاہر کی وجہ سے تھا کوچ کر گیا اور نیز چونکہ موت قیامت کے مقدمات (پہلے آنے والی چیزوں) میں سے ہے مشہود اس جگہ اتم و اکمل ہے اور ظلیت سے دور اور اصالت سے نزدیک تر ہے اور چونکہ نیند کو موت کے ساتھ بھائی چارہ اور مناسبت ہے (اس لئے) بعض خوش نصیبوں کو نیند کے وقت میں ایک ایسی حالت پیش آتی ہے جو کہ موت کی حالت سے مشابہ ہوتی ہے اور بیداری کی حالت پر فوقیت رکھتی ہوتی ہے۔ مصرع

زہے مراتب خوابے کہ بہ ز بیداری ست [خواب کے مراتب کیا خوب ہیں کہ بیداری سے بہتر ہیں]

اس معاملہ کی تفصیل کو اس حقیر نے کسی دوسری جگہ لکھا ہے وہاں سے طلب کرنا چاہئے۔

جان لیں کہ جب برزخ صغریٰ (قبر) کا معاملہ انجام کو پہنچ جائے گا اور برزخ کبریٰ (قیامت) ظاہر ہو گی اور منتشر اجزا اور بوسیدہ ہڈیوں کو جمع کریں گے اور معاملہ خلل سے رہائی پائے گا اس وقت میں قرب کی دولت بالاصالت بدنِ عنصری کے لئے ہو گی اور آیۂ کریمہ وَنُرِيدُ أَنْ نَمُنَّ عَلَى الَّذِينَ اسْتُضْعِفُوا فِي الْأَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ أَئِمَّةً وَنَجْعَلَهُمُ الْوَارِثِينَ [اور ہم چاہتے ہیں کہ ان لوگوں پر احسان کریں جن کو زمین (ملک) میں کمزور کیا جا رہا تھا اور ان کو پیشوا بنا دیں اور ان کو وارث بنا دیں]۔

۲۵۳

۲۸/۵

کے مصداق اس نامراد غمگین بدن کو جو کہ کتنی ہی دنیاوی محنتیں اور شدتیں دیکھے ہوئے اور مخلوق کی زیادتی
اور ایذا رسانی برداشت کئے ہوئے اور اوامر و نواہی کے بوجھ کے نیچے دبا ہوا اور موت کی تلخی چکھے ہوئے اور قبر
کی خاکساری کے ساتھ موافقت کئے ہوئے اور فراق کی آگ اور شوق کی سوزش کے ساتھ جلا ہوا ہے سینکڑوں
خوبی و ناز کے ساتھ مخلوقات کے معرکہ میں تختِ سلطنت پر بٹھادیں گے اور نہایت عزت و جاہ کے ساتھ
اس کو عالمِ امر کے لطائف کا امام و پیشوا بنادیں گے اور دنیاوی معاملہ کے برعکس کہ (جس میں) باطن
قرب کے معاملات میں اصل ہوتا ہے اور ظاہر اس کا تابع ہوتا ہے وہاں پر ظاہر اصل ہوتا ہے اور باطن
اس کے تابع ہوتا ہے، اس معنی میں نہیں کہ باطن سے نسبت کو سلب کر کے ظاہر کو دیدیں گے اور اس کو
ظاہر کے تابع کردیں گے بلکہ اس معنی کے لحاظ سے ہوتا ہے کہ باطن سابقہ نسبت کے ساتھ متمکن (مضبوط)
رہتا ہے ظاہر کو ایک ایسا امر دیتے ہیں اور ایسا قرب و عزت بخشتے ہیں کہ باطن اپنے معاملہ کے باوجود
شوق و آرزو کے ساتھ ظاہر کے تابع ہونا چاہتا ہے اور اپنی نسبت کو اس کی نسبت کے مقابلہ میں فانی اور
مٹا ہوا دیکھتا ہے اذا جاء نهر الله بطل نهر عیسی [جب اللہ کی نہر آگئی تو عیسیٰ کی نہر باطل ہوگئی]۔

۲۵۴

(تنبیہ) بعض کاملین ایسے ہوتے ہیں کہ اس عالم (دنیا) میں وہ کچھ پاتے ہیں کہ جو
دوسرے لوگ کل (قیامت کے روز) پائیں گے اور آج ان کے ظاہر کو ان کے باطن پر فضیلت
دیکر اس (ظاہر) کو متبوع اور اس (باطن) کو تابع کردیتے ہیں اور ان کی دنیا کو آخرت کا حکم دیدیتے
ہیں، ان (کاملین) کی آخرت کو اس پر قیاس کرلینا چاہئے کہ اس کا کیا حکم ہوگا، جیسا کہ ہمارے
حضرت عالی قدس سرہ کو اس خطاب کے ساتھ مشرف فرمایا گیا ہے کہ میں نے تیری دنیا کو آخرت کا
حکم (درجہ) دیدیا ہے ؎

اگر ایں لحظہ ممکن کار شب نیست زرحجتِ مقبلاں ایں ہم عجب نیست

[اگرچہ اس وقت رات کا کام ممکن نہیں ہے لیکن اقبال مندوں کے نصیبے سے یہ بھی عجب نہیں ہے]

جاننا چاہئے کہ قرب نبوت عالمِ خلق کے ساتھ اور قرب ولایت عالمِ امر کے ساتھ تعلق رکھتا ہے
جس کسی کو قرب نبوت کے ساتھ نوازتے ہیں اس کے حق میں یہ کمال ثابت ہوتا ہے۔ مصرع

ایں کار دولت است کنوں تا کرا دہند [یہ نصیب کی بات ہے دیکھئے اب کس کو عنایت کرتے ہیں]

بات دوسری طرف چلی گئی مقصود یہ ہے کہ ظاہری جمعیت کے ساتھ رہیں اور المرء مع من احب [آدمی
جس کے ساتھ محبت کرتا ہے اسی کے ساتھ ہے] کے بموجب محبت کی راہ سے اپنے بزرگوں کے ساتھ معیت پیدا کریں
اور دور افتادہ دوستوں کو دعاؤں کے ساتھ یاد کرتے رہیں۔ والسلام علیکم وعلیٰ من لدیکم۔

مکتوب ۱۱

فقیر حقیر محمد عبید اللہ عفی عنہ کے نام عارف بلند مقام شیخ ابو سعید ابو الخیر قدس سرہ کی رباعی کی شرح میں تحریر فرمایا۔

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ۔ رباعی

شبے زلفش بکشی شب دراز آید ازو | چوں بگذاری چنگل باز آید ازو
ور گر یک گرہ از پیچ و خمش بکشائی | عالم عالم مشکِ طراز آید ازو

[جب تو اس کی زلف کو کھینچے تو اس (کی وجہ) سے رات لمبی ہو جائے، جب تو اس کو چھوڑ دے تو اس کا پنجہ واپس آ جائے اگر تو اس کے پیچ و خم میں سے ایک گرہ کھول دے تو تمام عالم میں اس کی وجہ سے مشکِ طراز (ترکستان کا ایک حسن خیز شہر) پھیل جائے] کہتے ہیں کہ اس رباعی کو حضرت شیخ ابو سعید ابو الخیر قدس سرہٗ نے قضا و قدر کے سرّ (بھید) میں کہا ہے، اس کے حل کے بارے میں چند صورتیں (میرے) ناقص دل میں آتی ہیں: پہلی صورت یہ ہے کہ حق سبحانہ وتعالیٰ نے اپنی حکمتِ بالغہ سے اپنی قدرتِ کاملہ کو حکمت کے پردہ میں چھپا دیا ہے اور اسباب کو جو کہ حکمت کا مقتضا ہیں قدرت کو چھپانے والا بنا دیا ہے اور قطعی دلائل کے ساتھ اپنی قدرت پر دعوت دی ہے اور نیز سبب و حکمت کے باقی رکھنے پر دلالت فرمائی اور سبب و مسبب کے درمیان جمع کرنے کو کمال قرار دیا، اسی وجہ سے حضرت یعقوب علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی تعریف اپنی کتاب مجید میں کی کہ انھوں نے دونوں (سبب و مسبب) کے درمیان جمع کیا جس جگہ کہ (قرآن مجید میں) کہا ہے: وَاِنَّهٗ لَذُوْ عِلْمٍ لِّمَا عَلَّمْنٰهُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ [اور اس میں شک نہیں کہ (حضرت یعقوبؑ) ایک علم رکھتے تھے جو ہم نے ان کو تعلیم فرمایا تھا لیکن اکثر لوگ (اس راز سے) واقف نہیں] پس جس شخص کی نظر عالمِ حکمت پر مقصور ہوئی اور وہ اسباب کی قید میں رہ گیا اور اس نے مسببِ حقیقی جل وعلا کی قدرت کا پتہ نہ لگایا وہ گمراہ ہو گیا اور ایک عالم (دنیا) کو گمراہی میں لے گیا اور جس شخص نے سبب کو درمیان میں سے بالکل اٹھا دیا اور حکیم مطلق عز برہانہٗ کی حکمت سے آنکھ بند کر لی اس نے اللہ تعالیٰ کے عظیم کارخانے کو معطل (بیکار) کر دیا اور کام کو اہلِ عالم پر بند کر دیا اور جو شخص کہ سبب کو درمیان میں لایا اور تمام اشیاء میں مؤثر حقیقی اللہ تعالیٰ جل وعلا کے فعل کو دیکھا وہ حق کے مرکز کے ساتھ ہدایت یافتہ ہوا اور دونوں مقاماتِ ہلاکت سے رہائی پا گیا اور عالم (دنیا) کو ہدایت کی طرف لے گیا۔

۲۵۵

۱۲ ۹۸

زلف جو کہ مجاز میں محبوب کے چہرہ کو چھپانے والی ہے حضرت شیخ کی رباعی میں گویا کہ حکمت سے کنایہ ہے، جو کہ قدرت کے چہرہ کو چھپانے والی ہے، اگر تو اس کو قدرت کے چہرہ پر ڈالے اور قدرت کو اس سے چھپائے یا اس کو تو اپنے اوپر کھینچے اور اس کے ساتھ اٹک جائے اور قدرت کا پتہ نشان نہ لگائے تو اس سے رات دراز ہو جائے یعنی تاریکی و گمراہی جو کہ ہدایت کے نور کی طرف کوئی راستہ نہیں رکھتی اس سے ظاہر ہو جائے جب تو (اس کو) چھوڑ دے یعنی اگر تو حکمت کو ہاتھ سے جانے دے اور اسباب کو بالکل ترک کر دے تو پھر اس کا قبضہ ہو جائے یعنی وسعت و بسط کے باوجود تنگی و انقباض پیدا ہو جائے

مصرع گر یک گرہ از پیچ و خمش بکشائی

[اگر تو اس کے پیچ و خم سے ایک گرہ کھول دے] یعنی اگر تو سبب کو اپنی جگہ پر رکھے اور اس کے پیچ و خم کی گرہ کو کہ ایک دنیا جس کے ساتھ بندھی ہوئی ہے اور اس کے پیچ سے رہائی نہیں پائی ہے اور معاملہ کی حقیقت کی طرف نہیں دوڑی ہے کھولے اور اس کی بندش سے رہائی حاصل کرلے اور حقیقت کی طرف دوڑے اور جو اسرار کہ اسباب کی ایجاد میں ودیعت کئے گئے ہیں ان کے چہرہ سے گرہ کھولے اور ان اسرار پر اطلاع پائے تو دونوں طرف کی تنگی سے رہائی پا جائے اور بارگاہِ ذوالجلال کے وصول کی شاہراہ میں آجائے اور ایک دنیا کا رہنما ہو جائے چنانچہ (شیخ موصوف نے اس رباعی میں) کہا ہے:

عالَم عالَم مشکِ طراز آید ازو

[تمام دنیا اس سے مشک کے ساتھ معطر ہو جائے] یعنی زلف جو کہ کثیر جماعت کی گمراہی کا سبب ہے اس وقت میں ہدایت و رہنمائی کا وسیلہ ہو جاتی ہے کہ "مشکِ طراز آید" اسی سے کنایہ ہے یا اس وقت میں خاص اس شخص کو اس زلف سے مشک طراز حاصل ہے کیونکہ مشکِ طراز کی خاصیت اچھی ہے کہ وہ آفاق (دنیا) میں پھیل جاتی ہے اور ایک دنیا اس کے ساتھ گمراہی سے ہدایت کی طرف آجاتی ہے۔ ص ۲۵۶

(اس رباعی کی شرح کی) دوسری صورت یہ ہے کہ بندہ کے افعال کا خالق حق تعالیٰ جل سلطانہ ہے لیکن بندہ کا کسب حق تعالیٰ کے فعل کو چھپانے والا ہو گیا ہے پس زلف سے مراد بندہ کا کسب ہے اور اس صورت میں زلف کی اضافت اُس (اللہ تعالیٰ) کے ساتھ اس بنا پر ہے کہ بندہ کا کسب بھی اللہ تعالیٰ کی واضح قدرت کے ساتھ مستند ہے اگر تو اس کو فعل کے چہرے پر یا اپنے اوپر کھینچے (یعنی اپنی طرف منسوب کرے) اور بندہ کے فعل کو بندہ کا مخلوق جانے جیسا کہ قدریہ کا مذہب ہے تو گمراہی کو بڑھائے گا اور اگر تو بندہ کے کسب کو مطلقاً منظور نہ رکھے اور جبر کی طرف جائے تو پھر اس کے چنگل (قبضہ) میں آجائے اور طاعات و بندگی سے عاجز رہ جائے اور اگر تو گرہ کو کسب کے چہرے سے کھولے اور حق تعالیٰ کی صنعت کو درمیان میں

مطالعہ کرے اور بندہ کے فعل کو حق سبحانہ وتعالیٰ کی جملہ مخلوقات میں سے اور بندہ کا کسب جانے اور جبر وتفویض کی درمیانی راہِ حق کو مانے تو ہدایت پاجائے اور ایک عالَم (دنیا) کو ہدایت کی طرف لے جائے۔

تیسری صورت یہ ہے کہ اگر تُو کثرت کو جو کہ وحدتِ حقیقی کے چہرے کو چھپانے والی ہے وحدت کے چہرے پر کھینچے اور کثرت کے شہود کے ساتھ وحدت کے شہود سے عاجز رہ جائے تو کثرت کی کثیر ظلمتوں میں جا پڑے اور وحدت کے نور سے محجوب (محروم) ہو جائے اور اگر تُو کثرت کو درمیان سے اُٹھا دے اور مرتبۂ جمع میں مستہلک (فانی) ہو جائے اور افعالِ کثیرہ کو ایک فاعل کا فعل جانے اور بندوں کی حرکتِ اختیاری کو رعشہ کے مرض والے شخص کی حرکت کی مانند پائے اور اسباب کو درمیان میں نہ دیکھے اور کفرِ حقیقی کے ساتھ متحقق ہو جائے تو وہ بلا شبہ باز کے چنگل اور صیاد کی گرفت میں آ جائے گا اور تُو جیسا کہ ہونا چاہئے مقامِ ارشاد کے لائق نہیں ہوگا اور اگر تُو کثرت کو جو کہ اس (اللہ تعالیٰ) کی مصنوع (بنائی ہوئی) ہے اور مراتبِ (وجود) میں سے ایک مرتبہ ہے اپنی جگہ پر رکھے تو اس کی قید و بندش سے رہائی پالے یا جو اسرار کہ کثرت میں ودیعت کئے گئے ہیں ان کے چہرہ سے گرہ کو کھولے اور کثرت کے آئینوں میں غیبی اسرار کا اس طرح مطالعہ کرے کہ ایک کا شہود دوسرے کے شہود کا مانع نہ ہو اور جمع سے جمع الجمع میں آ جائے اور فرق بعد الجمع کی طرف مائل ہو جائے اور اسباب کو درمیان میں دیکھے اور بندوں کے افعال کو اہلِ حق کے قول کے موافق پائے اور قضا و قدر کے سرّ (بھید) پر مطلع ہو جائے اور کفرِ حقیقی سے اسلامِ حقیقی کے ساتھ مشرف ہو جائے اور دعوت کے مقام پر جو کہ انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کا مقام ہے پہنچ جائے کہ بزرگوں نے کہا ہے "النہایۃ ھی الرجوع الی البدایۃ" [بدایت (ابتداء) کی طرف رجوع کرنا ہی نہایت ہے] تو تمام دنیا میں اس سے مشکِ طراز پھیل جائے، وہ کثرت جو مطلوب سے دوری اور محرومی کا سبب تھی اس کے قرب و وصال کا وسیلہ بن جائے اور تجھ کو اس مقام کے باعث تکمیل و ارشاد حاصل ہو جائے۔

چوتھی صورت، جو اگرچہ بلا حیلہ و تکلّف قضا و قدر کے سرّ سے مناسبت نہیں رکھتی یہ ہے:

"زلفش بکشی شب دراز آید از د" میں زلف پردۂ تعین سے کنایہ ہے جو کہ ذات تعالیٰ کی غیبِ ہویت کے چہرہ پر اعتبار کیا جاتا ہے اور مرتبۂ لاتعین کو متعین کر دیتا ہے اگر تو اس پردہ کو درمیان سے کھینچ لے اور اُٹھا دے اور اس (غیبِ ہویت) کے پیچھے دوڑے تو غیب کی ظلمت ظاہر ہو جائے اور راستہ گم ہو جائے اس لئے کہ تعین کے ماوراء میں (آگے) کہ لاتعین ہے سیر و سلوک و معرفت و شہود مفقود ہے جیسا کہ بزرگوں نے کہا ہے کہ اس بلند مرتبہ سے سوائے محرومی کے کچھ نصیب نہیں رکھا ہے "جب تو (اس زلف کو) چھوڑ دے گا تو پھر اس کا

چنگل (پنجہ، قبضہ) آجائے گا" یعنی اگر تو تعین کے پردے کو اس کے حال پر چھوڑ دے گا اور اس کو طلب کریگا تو تجھ کو شکار کر لیں گے اور اگر تو اس کا اہل ہو گا تو تیرے ماسوا سے تجھ کو لے لیں گے اور چونکہ طالب صادق نے اس مقام میں ذاتِ بحت اور غیبِ ہویت سے مطلق محرومی اور محض محجوبیت سمجھ لیا ہے اس لئے اس کی تسلی کے لئے فرمایا کہ "اگر تو اس کے پیچ وخم سے ایک گرہ کھول دے یعنی اگر تو اس تعین کی حقیقت کو جیسی کہ وہ ہے پالے اور اس کی دو نمائی (دو دکھلانے والی) کی گرہ کو کھول دے اور یہ جان لے کہ یہ تعین ذات تعالیٰ میں محض اعتبار ہے اور متعین (ذاتِ حق) پر ہرگز کوئی زیادتی نہیں رکھتا اور نیز جان لے کہ یہ پردہ کس کے پردہ کے انکشاف وظہور کا سبب ہے چنانچہ مولوی جامی قدس سرہ نے کہا ہے ؎

باگل رخِ خویش گفتم اے غنچہ دہاں ہر لحظہ مپوش چہرہ چوں عشوہ دہاں
زد خندہ کہ من بعکس خوبانِ جہاں در پردہ عیاں باشم وبے پردہ نہاں

[میں نے اپنے پھول جیسے رخسار والے محبوب سے کہا کہ اے غنچہ جیسے منہ والے ناز وکرشمہ کے منہ والوں کی طرح ہر وقت چہرہ کو مت چھپا، وہ ہنسا کہ میں دنیا کے حسینوں کے برعکس پردہ میں ظاہر ہوتا ہوں اور بے پردہ پوشیدہ رہتا ہوں] تو "عالم عالم مشک طراز آید از و" یعنی اس پردہ نے جب محرومی سے رہائی دی اور بے نصیبی سے چھٹکارا بخشا اور اُس بے نشان کا کچھ پتہ نشان دیدیا اور مطلوب کو ظاہر ونمایاں کردیا تو مشک طراز اس سے ظاہر ہوئی اور وصال کی بو عطا کی اور لازوال شراب کا مدہوش کردیا۔ والسلام علی من اتبع الہدی۔

مکتوب ۱۱۱

مولانا محمد صدیق پشاوری کے نام اُن کے احوال کی شرح میں تحریر فرمایا۔

بسم اللہ حامدا للہ تعالیٰ ومصلیا علی رسولہ الکریم [اللہ تعالیٰ کی حمد کرتے ہوئے اور اس کے رسول کریم پر صلوۃ وسلام بھیجتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع کرتا ہوں]۔ آپ کے مکتوباتِ گرامی پے در پے ویکے بعد دیگرے پہنچے خوش وقت ولذت اندوز بنایا، صد شکر ہے کہ آپ فقراء کی یاد سے غافل نہیں ہیں اور ہمت کی نگاہ ایک مطلب پر جمائی ہوئی ہے کبھی اس کے وصال کے خیال کے ساتھ خوش وخرم ہیں اور کسی وقت اس کے نہ ہونے کے وہم سے غمزدہ ہیں کسی نے کیا اچھا کہا ہے ؎

جاناں غمِ خود دواند اندر برمن من شادیٔ خود فدائے جاناں کردم

[محبوب نے اپنا غم میرے پہلو میں دوڑا دیا ہے، میں نے اپنی خوشی محبوب پر فدا کردی ہے]

۲۵۸ آپ اکثر خاتمہ کا خوف غالب آنے کی بابت لکھتے رہتے ہیں۔ میرے مخدوم! یہ ایسا غم ہے جو قبر کے کنارے تک ساتھ ہے، کسی مسلمان کو اس غم سے خالی نہ رہنا چاہئے خواہ (یہ غم) تھوڑا ہو یا زیادہ، جس کسی کو دوسری شق (غمِ کثیر) عطا ہو جائے تو اس کے ایمان کے کامل ہونے پر دلالت کرتی ہے اس نعمت کا شکر بجالائیں لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ [اگر تم شکر کروگے تو ضرور میں تمہیں اور زیادہ دونگا] آپ نے لکھا تھا کہ ایمان حاصل ہونے کے بارے میں کوئی بشارت میسر نہیں ہوئی، اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی حمد ہے کہ آپ نے کامل ایمان طلب کرنے کی بشارت پائی ہے کیونکہ آپ نے لکھا ہے کہ "ہمیشہ استدعا کرتا تھا کہ حق سبحانہ وتعالیٰ اس شخص کو ذرۂ ایمان نصیب کرے، اب اس بیماری میں جو کہ ماہ رمضان میں لاحق ہوئی تھی الہام کیا گیا کہ ہماری بارگاہ میں کوئی کمی نہیں ہے ایمان کامل کی طلب کرا چاہئے اور جب کوئی کریم ایسی چیز کے مانگنے پر جو کہ اس کے پاس ہے رہنمائی کرے تو یہ عطا کرنے کی نشانی ہے، اگر آپ صریح بشارت بھی پائیں (تو وہ) چونکہ قطعی نہیں ہے (اس لئے) نفسِ ابہام باقی ہے اور خوف دامنگیر ہے ہر چند ابہام سے الہام تک فرق ہے۔ دیگر آپ نے لکھا تھا کہ "بعض اسرار اس بیماری میں حاصل ہوئے ہیں کہ جن کو تحریر برداشت نہیں کر سکتی يَضِيقُ صَدْرِي وَلَا يَنْطَلِقُ لِسَانِي [میرا سینہ تنگ ہو جاتا ہے اور میری زبان نہیں چلتی] ان اسرار کے حسبِ حال ہو جاتا ہے اگرچہ منکشف ہیں اور اظہر من الشمس [سورج سے زیادہ ظاہر] ہو گئے ہیں لیکن تقریر و تحریر میں ہرگز ٹھیک نہیں آتے اس کے مطالعہ سے بہت لطف اندوز ہوا اَللّٰهُمَّ زِدْ [اللہ تعالیٰ اور زیادہ کرے] لیکن اگر آپ اسقدر لکھنے کہ وہ اسرار کس قسم کے ہیں اور کس چیز سے متعلق ہیں صرف تعقل (سمجھ) سے وابستہ ہیں یا تحقق (حصول) کے بارے میں ہیں تو گنجائش تھی۔" آپ نے صوفی محمد شریف کی بے ادبیوں کے بارے میں دوبارہ لکھا ہے۔ "میرے مخدوم! اس نے جو بے ادبی بھی کی ہے صرف آپ ہی کے ساتھ نہیں کی ہے (بلکہ) اس سلسلہ کے بزرگوں کے ساتھ (بھی) کی ہے، جب آپ جو کہ اس کے پیر ہیں اس سے آزردہ رہیں گے تو ہمارے لئے اس کے ساتھ کیا آشنائی رہے گی، انتقامی قوت اس فقیر میں بہت کم ہے دو کلمے غیرت کے تقاضے سے اس کو لکھے گئے ہیں اگر اس نے اثر قبول کیا تو اچھا ہے ورنہ وہ جانے اور اس کا کام جانے۔ آپ نے لکھا تھا بے حلاوتی ہمت کی بلندی کی وجہ سے ہے یا استعداد کی کمی کی وجہ سے۔ میرے مخدوم! نسبتِ باطن جسقدر زیادہ بلند ہو جاتی ہے جہالت کے زیادہ نزدیک ہو جاتی ہے ظاہر کو بے حلاوت رکھتی ہے کیونکہ باطن سے زیادہ دور جا پڑتی ہے اور زیادہ بیگانہ ہو جاتی ہے، عارف معرفت میں جسقدر پیشقدمی کریگا اسی قدر نایابی اور عدم شناخت زیادہ حاصل کرے گا اور جسقدر زیادہ نزدیک ہوتا جائے گا اتنا ہی زیادہ دور

۱۴/۷ ۱۳/۲۶

جا پڑے گا پس وہ واجدِ فاقد (ایسا پانے والا جو نہ پانے والا ہو) اور قریب بعید ہے (ایسا قریب جو بعید ہے) وہی رسّی بٹنے والے کے شاگرد کا قصہ ہے جو اپنے استاد سے کہتا تھا کہ میں جسقدر زیادہ کام کرتا ہوں تجھ سے زیادہ دور ہوتا جاتا ہوں۔ آپ نے لکھا تھا کہ "معلوم ہوتا ہے کہ مخلوق کا رجوع کرنا کمال کے ساتھ وابستہ نہیں ہے" ہاں اسی طرح ہے جبکہ مخلوق میں مقبول ہونا خالق تعالیٰ کے نزدیک مقبول ہونے کی دلیل نہیں ہوتی کیونکہ باطل چیزوں کو بھی مخلوق کی قبولیت حاصل ہے تو (یہ) کمال کی دلیل کیسے ہو سکتا ہے۔ والسلام علیکم۔

۲۵۹

مکتوب ۱۱۲

شیخ محمد شریف کابلی کے نام خطا کے موقع پر تنبیہ کے متعلق اور اس بارے میں تحریر فرمایا کہ مرید کو پیر کی خوشنودی طلب کرنا لازم ہے۔

حمد و صلوٰۃ کے بعد بیان کیا جاتا ہے کہ اس اثنا میں سُنا گیا تم نے مولانا محمد صدیق کو جو کہ تمہارے پیر ہیں رنج پہنچایا ہے اور گستاخیاں و بے ادبیاں کی ہیں اور سابقہ سلوک میں بہت تبدیلیاں آگئی ہیں اور مولانا تم سے بہت زیادہ رنجیدہ ہیں اس حد تک کہ معاملہ تبرا (بیزاری) اور اجازت کے سلب تک پہنچ گیا ہے اُن تواضعات اور رفاقتوں اور خدا طلبیوں سے جو کہ تم سے ظاہر ہوتی تھیں یہ امور بہت ہی خلافِ توقع اور نہایت تعجب خیز ہیں جب تم پیر سے قطع تعلق کرتے ہو تو پھر کس کے ساتھ تعلق جوڑو گے شاید اللہ تعالیٰ جل شانہ سے بھی قطع تعلق چاہتے ہو، مریدوں کی وجہ سے پیر سے قطع تعلق نہیں کرنا چاہیئے اور مخلوق کی رضامندی کے لئے خالق تعالیٰ شانہ سے قطع تعلق نہیں کیا جا سکتا۔ کیا مصیبت ہے دنیا سے حقوق اُٹھ گئے۔ تم جیسے لوگوں سے بھی اس قسم کی نازیبا حرکات ظاہر ہوتی ہیں پس دوستوں اور اہلِ ارادت سے اعتماد اُٹھ گیا جو شخص . . . . تربیت حاصل کرلے گا اور کچھ قبولیت بہم پہنچالے گا یا وہ کسی وقت میں کچھ صفائی (اپنے اندر) دیکھے گا وہ پیر سے روگردانی اور ترکِ آشنائی اختیار کرلے گا، اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ ۔ ہونا یہ چاہیئے کہ ان امور کے مشاہدہ کے ساتھ پیر کے ساتھ محبت کا رابطہ اور اعتقاد کی مضبوطی اور زیادہ ہو جائے اور اس کے آستانے کے ساتھ انکساری و خاکساری زیادہ سے زیادہ ظاہر کرے کیونکہ یہ دولت اس کی بھلائی ہوئی ہے اور یہ صفائی و قبولیت اس کے انوار و برکات سے ہے، نہ کہ اس سے سرکشی کرے اور رعونت (غرور) بہم پہنچائے کیونکہ

۲/۱۵۶

اس وقت میں مشیخت (پیری مریدی کرنا) اور طالبوں کے ساتھ صحبت رکھنا طریقت کے محرمات میں سے ہے ایمان کا سلامت رہنا ہی عجب بات ہے طالبین سے صحبت رکھنا ایک علیحدہ امر ہے۔ نفحات میں ایک بزرگ سے نقل کرتے ہیں کہ "جو شخص تیرے پیر کو رنجیدہ کرے اور تو اس سے نفرت نہ کرے تو کتا تجھ سے بہتر ہے،" چہ جائے کہ مرید خود پیر کو رنج پہنچائے۔ تم نے غلط سمجھا ہے، جلدی تدارک کرو اور جس طرح سے بھی مولانا راضی ہوں اُن کو اپنے آپ سے راضی کرو اس کے علاوہ اور کوئی علاج نہیں ہے، اگر مولانا راضی ہیں تو ہم بھی راضی ہیں ورنہ ہم بھی راضی نہیں ہیں، ہمارا راضی ہونا مولانا کے راضی ہونے کی فرع (شاخ) ہے۔ ایک شخص کہتا تھا کہ تم سرہند آنے کا ارادہ رکھتے ہو، مولانا کو راضی کئے بغیر سرہند آنا محض بے فائدہ ہے کہ پھر پشاور جانا اور (مولانا کو) راضی کرنا پڑے گا جب مولانا ہم کو لکھیں گے کہ ہم فلاں شخص سے راضی ہوگئے ہیں اس کے بعد ہم بھی راضی ہیں خواہ تم (یہاں) آؤ یا نہ آؤ۔ میرے مخدوم! جو کچھ لکھا گیا ہے وہ تمہاری دوستی اور بھلائی کے لئے لکھا گیا ہے بُرا نہ مانیں ؎

من آنچہ شرط بلاغ است باتو میگویم   تو خواہ از سخنم پند گیر وخواہ ملال

[میں تجھ سے وہ بات کہتا ہوں جس کا پہنچانا ضروری ہے خواہ تو میری بات سے نصیحت حاصل کر یا رنجیدہ ہو]

نصیحت بظاہر تلخ ہے، سعادتمند وہ ہے جو اس تلخی کو شکر کی طرح چبائے اور معنوی شیرینی سے بہرہ مند ہو چونکہ مولانا کے بہت سے خطوط تمہاری مختلف قسم کی شکایتوں کے بارے میں پہنچے اس بنا پر لکھا گیا، نہایت تاکید ہے کہ ان چیزوں سے جو کہ درمیان میں آئی ہیں آپ شرمندہ ہوں اور مولانا کی رضامندی میں (دل و) جان کے ساتھ کوشش کریں۔

مکتوب ۱۱۳

مخدوم زادۂ عالی قدر جامع علومِ ظاہری و باطنی خواجہ محمد نقشبند سلمہ ربہ کی خدمت میں آیتِ کریمہ اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الآیہ کی تاویل میں تحریر فرمایا۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔ حدیث شریف میں آیا ہے: اول ما خلق اللہ نوری [اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے جو چیز پیدا کی وہ میرا نور ہے] سب سے پہلی چیز جس کو اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا وہ نورِ محمدی تھا علیٰ صاحبہا الصلوۃ والسلام والتحیۃ، اور تمام علوی و سفلی مخلوقات کو اس نور سے پیدا کیا اور حق تعالیٰ گویا اس جگہ پر اپنی تعریف اس نور کے ساتھ کرتا ہے جہاں فرماتا ہے اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ

وَالْاَرْضِ اَیْ ذُوْ نُوْرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ [اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کا نور ہے یعنی آسمانوں اور زمین کے نور کا مالک ہے] حق سبحانہ وتعالیٰ اس نور کا مالک ہے کہ جس نور سے سب آسمان اور زمینیں اور جو کچھ ان سب کے درمیان میں ہے وہ سب کچھ پیدا ہوا ہے۔ مَثَلُ نُوْرِہٖ (یعنی) اس نور کی صفت (مثال) جو کہ اس ذات (اللہ) تعالیٰ کی طرف منسوب ہے اور وہ نور گویا تعینِ اول اور حقیقتِ محمدی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ سے کنایہ ہے کَمِشْکٰوۃٍ فِیْھَا مِصْبَاحٌ طاقچہ میں (رکھے ہوئے) ایک چراغ کی مانند ہے اور کاف تشبیہ کا مشکوٰۃ پر داخل ہونا اس بنا پر ہے کہ وہ مشکوٰۃ (طاقچہ) مصباح (چراغ) پر مشتمل ہے اور مشکوٰۃ آنسرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے بدنِ عنصری کو تصور کرنا چاہیے اَلْمِصْبَاحُ فِیْ زُجَاجَۃٍ وہ چراغ شیشہ کی قندیل میں روشن ہے اور وہ قندیل گویا اس خلاصۂ موجودات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا باطن مبارک ہے کہ اس نور نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے باطن کی راہ سے بدنِ عنصری کے ساتھ تعلق حاصل کر لیا ہے اور باطن یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قلبِ مبارک ہے یا آپ کی ہیئتِ وحدانی ہے جو کہ عالمِ خلق و عالمِ امر کے دس اجزا کی ترکیب سے حاصل ہوئی ہے۔

یا ہم کہتے ہیں کہ زجاجہ (قندیل) تعینِ وجودی سے کنایہ ہے جو کہ تعینِ ثانی ہے کیونکہ تعینِ اول جو کہ تعینِ حُبّی ہے ما فوق کی نسبت سے تعینِ وجودی کے احاطہ میں ہے اور ہو سکتا ہے۔ زجاجہ تعینِ علمی سے کنایہ ہو کیونکہ علم کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک خصوصیت ہے جو کہ کسی دوسری صفت کو نہیں ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبوبیت کے ساتھ اس صفت کے لئے ایک بھید ہے کہ کوئی دوسرا اس کا محرم نہیں ہے اس لئے ہمارے حضرت عالی قدسنا اللہ سبحانہ بسرہ الاقدس کے مطابق اُس (اللہ) تعالیٰ کے نزدیک سب سے محبوب صفت یہی صفت ہے اور یہ بھی احتمال ہے کہ زجاجہ تعینِ وجودی اور مشکوٰۃ تعینِ علمی ہو۔ مختصر یہ ہے کہ اَلزُّجَاجَۃُ (یعنی) وہ آبگینہ جس معنی میں بھی ہو کمال صفائی و تازگی کے باعث کَاَنَّھَا کَوْکَبٌ دُرِّیٌّ گویا وہ ایک درخشاں ستارہ ہے۔

جاننا چاہیے کہ تعینِ اول و حقیقتِ محمدی ہمارے حضرتِ عالی (قدس سرہ) کے نزدیک تعینِ حُبّی ہے پہلی چیز جو کہ مرتبۂ اطلاق اور پوشیدہ خزانے سے ظہور کے میدان میں آئی اور متعین ہوئی وہ حُبّ ہے جو کہ اعتبارِ وجود کا مبدأ ہے جیسا کہ حدیثِ قدسی کنت کنزا مخفیا فاحببت ان اعرف فخلقت الخلق لاعرف [میں ایک پوشیدہ خزانہ تھا پس میں نے چاہا کہ میں جانا پہچانا جاؤں تو میں نے مخلوق کو پیدا کیا تاکہ میں پہچانا جاؤں] اس پر دلالت کرتی ہے، یہ تعینِ حُبّی جو کہ آنسرور علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کی محبوبیتِ ذاتیہ کا منشا ہے دائرہ کا مرکز ہے اور اس کا محیط خلّت ہے جو کہ حقیقتِ ابراہیمی علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام ہے

مرکز کا حسن ملاحت کے حسن کے ساتھ مناسبت رکھتا ہے اور محیط کا حسن صباحت کے حسن کے ساتھ مشابہت رکھتا ہے، صباحتِ حسن ایک تفصیل ہے جو بیان ہو سکتی ہے جیسا کہ عالمِ مجاز میں اس کو خوش قامتی اور رخساروں کی صباحت اور آنکھ و ابرو کی لطافت وغیرہ سے تعبیر کرتے ہیں اور ملاحت ایک معنوی حسن ہے اور ذوقی ادا ہے جو کہ تعبیر کے احاطہ سے باہر اور مذکورہ بالا خوش قامتی و لطافت سے ماوراء ہے کہ جس سے اس حسن (صباحت) کو تعبیر کرتے ہیں۔ کسی نے کیا اچھا کہا ہے ؎

آں دارد آں نگار کہ آنست ہر چہ ہست　　　آں را طلب کنید حریفاں کہ آں کجاست

[وہ معشوق ایسی شان رکھتا ہے کہ جو کچھ ہے وہی ہے، اے ساتھیو! اس کو طلب کرو کہ وہ کہاں ہے]

اور یہ ایک تعین کا مرکز و محیط ہے جو کہ اُس کے اشرف و اسبق اجزا کے ساتھ مسمّٰی ہے کہ مرکز یعنی حُب ہے اور دوسرا تعین تعینِ وجودی ہے کیونکہ حُب ہی ہے جو کہ وجود و ایجاد کا سبب بنی ہے اور تعینِ علمی تعینِ وجودی کے نیچے ہے اور اس کے حصوں میں سے ایک حصہ ہے لیکن سب سے زیادہ جامع حصہ ہے جیسا کہ اس کی تحقیق دوسری جگہ لکھی جا چکی ہے۔ ص ۲۶۲

ہم اصل بات کی طرف جاتے ہیں کہ وہ روشن چراغ جو کہ آبگینہ (شیشہ) میں ہے یُوْقَدُ جلایا جاتا ہے اور اس کے نور کو زیادہ کیا جاتا ہے مِنْ شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ زَيْتُوْنَةٍ بہت برکت والے اور بہت فائدے والے درخت سے جو کہ زیتون کا درخت ہے کہ شام کی مقدس سرزمین میں اُگا ہے یہ مبارک درخت گویا کہ حضرت ابراہیم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی خُلّت کی حقیقت سے کنایہ ہے اور چونکہ آں حضرت (ابراہیم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام) شجرۂ انبیا ہیں اور قرآن مجید میں آپ کے حق میں وارد ہوا ہے وَبٰرَكْنَا عَلَيْهِ وَعَلٰٓى اِسْحٰقَ [اور ہم نے اس (ابراہیم علیہ السلام) پر اور اسحاقؑ پر برکت نازل کی] اس بنا پر شجرۂ مبارکہ کو آپ سے تعبیر کر سکتے ہیں اور زیتون کو آپ کے ساتھ یہ مناسبت ہے کہ زیتون کے اُگنے کی جگہ ملکِ شام کی سرزمین ہے اور نیز (یہ) درخت مبارک ہے جیسا کہ منقول ہے کہ ستر پیغمبران علیہم السلام نے اس پر برکت کی دعا کی ہے کہ جن میں سے ایک حضرت خلیل علیہ السلام ہیں اور نیز روایت کرتے ہیں کہ زیتون پہلا درخت ہے جو کہ (نوح علیہ السلام کے) طوفان کے بعد اُگا ہے اور آں حضرت (خلیل اللہ علیہ السلام) بھی پہلے اولوالعزم پیغمبر ہیں جو کہ (نوح علیہ السلام کے) طوفان کے بعد ظہور فرما ہوئے ہیں اور چونکہ خلّت کی حقیقت زمین و آسمان کے طبقات سے بہت بلند ہے (اس لئے) اس کو لَا شَرْقِيَّةٍ وَّلَا غَرْبِيَّةٍ [نہ وہ شرقی رخ ہو اور نہ مغربی رخ] فرمایا، يَكَادُ زَيْتُهَا يُضِيْٓءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ قریب ہے کہ اس درخت کا تیل خود بخود روشنی دے اگرچہ اس کو آگ مس نہ کرے۔ ۳۷/۱۱۳

یعنی حقیقتِ خلّت روشنی اور ہدایت دینے میں اس درجہ کی ہے کہ بغیر اس کے کہ محبت کی آگ اس سے مشتعل ہو روشنی دینے والی ہے اور اس کی صباحت ملاحت کی ملاوٹ کے بغیر مطلوب کی طرف رہبر ہے اور جب ولایتِ ابراہیمی ولایتِ محمدی علیہما الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ جمع ہو جاتی ہے اور محبت کا شعلہ خلّت سے روشن کیا جاتا ہے اور اس ولایت کی صباحت اُس ولایت کی ملاحت کے ساتھ مل جاتی ہے اور محیط کے کمالات مرکز میں رونما ہو جاتے ہیں نُورٌ عَلٰی نُورٍ تو نور پر نور بڑھ جاتا ہے اور صباحت کا نور ملاحت کے نور کے ساتھ یکجا ہو جاتا ہے اور ابراہیمی نور محمدی نور علیہما الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ جمع ہو جاتا ہے اور ملاحت صباحت کے ساتھ رنگین ہو جاتی ہے ؎

پدر نور و پسر نورے ست مشہور ازیں جا فہم کن نورٌ علیٰ نور

[باپ نور ہے اور بیٹا ایک مشہور نور ہے یہیں سے نورٌ علیٰ نور کو سمجھ لے] انہی دو نوروں کے اجتماع اور دو سعدوں کے یکجا ہونے سے محبوبیتِ محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم اعلیٰ درجہ پر پہنچ جاتی ہے اور معاملہ عبودیت کے دو طوق سے ایک طوق تک آ جاتا ہے اور ملت ابراہیم علیہ السلام کے اتباع کے امر سے جو مقصود ہے وہ پوری طرح سے ظہور تک پہنچ جاتا ہے اور کما صلیت [جیسا کہ تو نے درود بھیجا حضرت ابراہیمؑ پر] کی دعا کامل طور پر قبول ہو جاتی ہے، (پس) یہ کمال آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حق میں کامل طور پر حاصل ہو گیا اور جس چیز کی دعا کی گئی ہے وہ قبول ہو گئی الحمد للہ سبحانہ علیٰ ذالک وعلیٰ جمیع نعمائہ حمداً کثیراً [اس پر اللہ سبحانہ کے لئے حمد ہے اور اس کی تمام نعمتوں پر بکثرت حمد ہے]

اس معاملہ کے حاصل ہونے کے بعد جو توجہ کہ یہ خود ان پسماندگان کے حال کے ساتھ رکھتا تھا بہت کم ہو گئی ہے اور امت کے افراد میں سے ایک فرد کو ان کی نگہبانی پر مقرر کر دیا ہے اور خود خاص خلوتخانہ میں محبوب کے ساتھ خلوت رکھتا ہے علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ الصلوات والتسلیمات والبرکات والتحیات۔

اور بعض امور کی تفصیل جو بیان اجمال کے ساتھ ذکر کی گئی ہے ہمارے حضرت عالی (قدس سرہ) کے مکتوبات قدسی آیات سے طلب کرنا چاہئے۔ والسلام

مولانا محمد صدیق پشاوری کے نام بلندیٔ ہمت و محبت و حزن کی فضیلت میں تحریر فرمایا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ برادر عزیز مولانا محمد صدیق کے گرامی نامہ نے وصول ہو کر مسرور کیا

آپ نے جو عنایات و برکات، بلند ہمتیوں، پیاس (طلب) اور دیوانگیوں کے وارد ہونے کے بارے میں تحریر فرمایا تھا اس کے مطالعہ سے لذت اندوز ہوا، آدمی کے جوہر کی قیمت اس کی ہمت کے موافق ہے اور جوہر جسقدر زیادہ قیمتی ہوگا اسی قدر زیادہ محبوب و مرغوب ہوگا، یہی وجہ ہے کہ روایت میں آیا ہے ان اللہ یحب معالی الھمم ویبغض مسافلھا [بیشک اللہ تعالیٰ بلند ہمتیوں کو پسند کرتا ہے اور پست ہمتیوں سے بغض رکھتا ہے] بلند ہمتی جب محبت وارفتگی کے نشہ کی کیفیت کے ساتھ جمع ہو جاتی ہے اور حزن و عشق کے ساتھ یکجا ہو جاتی ہے تو نورٌ علیٰ نور ہو جاتی ہے اور قیمت پر قیمت بڑھاتی ہے اور ترقی کی راہ زیادہ سے زیادہ کھول دیتی ہے من یرد اللہ بہ خیرا جعل فی قلبہ نائحۃ [جس شخص کے ساتھ اللہ تعالیٰ بھلائی کرنا چاہتا ہے اس کے قلب میں اپنا گریہ پیدا کر دیتا ہے] اور نیز (روایت میں) آیا ہے ان اللہ یحب کل قلب حزین [بیشک اللہ تعالیٰ ہر غمگین دل کو پسند کرتا ہے] حضور انور علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا اگر کسی امت میں کوئی غمگین شخص روتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے رونے کی وجہ سے اس امت پر رحم کرتا ہے مصرع ؎ اے شادیٔ آں دل کہ دراں دل غم تست

[جس دل میں کہ تیرا غم ہے وہ دل کتنا خوش ہے] عشق و درد ہی تو ہے جس نے آدمی کو تمام مخلوقات پر فضیلت دی ہے اور قرب و معرفت کی دولت سے نوازا ہے، جو شخص کہ محبت و شیفتگی کے نشہ سے خالی ہے وہ حیوانات کے ساتھ ملا ہوا ہے۔ اگر انسان کے لئے فضیلت و بزرگی عشق و محبت کو قرار دیا جائے تو کسقدر اچھا اور زیبا ہے مکمل طور پر محدود عقل کا پابند نہیں ہونا چاہئے اور اس قید سے تھوڑی سی رہائی طلب کرنی چاہئے اس قید سے کسی جگہ پہنچنا دشوار ہے ؎

دل اندر زلفِ لیلیٰ بند کار از عقلِ مجنوں کن کہ عاشق را زیاں دارد مقالاتِ خردمندی

[دل کو لیلیٰ کی زلف میں قید کر دے (اور) مجنوں کی عقل سے کام کر کیونکہ عقلمندی کی باتیں کرنا عاشق کے لئے نقصان دہ ہیں) میرے مخدوم! ملا محمد شریف کابلی کے بارے میں لوگ کہتے ہیں کہ اس نے ان دنوں میں (اپنی) بہت زیادہ اصلاح کر لی ہے اور سابقہ عادات کو تبدیل کر لیا ہے اس بنا پر گنجائش ہے کہ اس کی لغزشوں کو معاف کر دیا جائے اور چونکہ ہدایت و اثر والی صحبت رکھتا ہے اس کو اس عظیم امر پر مقرر کیا جائے اور تعلیم طریقت کی اجازت دیدینی چاہئے اور چونکہ آپ اس کے عادات و اطوار سے فقیر سے زیادہ واقف ہوں گے خوب غور اور استخارہ کر کے دل کے مائل ہونے کے بعد اسکو سرِ حلقہ مقرر کریں اور طریقہ سکھانے کی اجازت دیدیں، جس درجہ کا اخلاص و ارادت بھی رکھتا ہی غنیمت ہے بظاہر کوئی دوسرا اس سے ظہور میں آئیگا جو کہ اس سے بہتر ہو گا آپ کے اجازت دینے کے بعد فقیر بھی اس کے موافق اس کو کچھ لکھدیگا والسلام علیکم وعلیٰ من لدیکم۔

شیخ عبداللطیف لشکر خانی کے نام محبوبِ حقیقی جل شانہ کے تنزیہ (پاکی) کے بیان میں تحریر فرمایا۔

الحمد للہ وسلام علی رسول اللہ، اس مسکین کی غریبانہ دعا فتوحِ ابواب کا وسیلہ ہو، اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا حمد و شکر ہے کہ اس نواح کے فقراء کے حالات نیکی کے طریقہ پر ہیں اور ایک نگرانی کے سوا کسی طرح پر بھی کوئی دوسری نگرانی نہیں ہے اور ظاہری گرفتاریوں (پابندیوں) کے باوجود حقیقت میں ایک ہی گرفتاری ہے اگرچہ اس بے نشان کا کوئی پتہ نشان حاصل نہیں ہے، اس جگہ کا تمام کاروبار سوز و گداز ہے اور اس طرف کی تمام بود و باش درد و انتظار ہے، ایک پوشیدہ درد ہے اور نالہ کے بغیر ایک سوز ہے اور بے حد ہے - **مصرع** که می سوزد دروں چوں شمع و پیراہن نمی سوزد

[کہ باطن شمع کی طرح جلتا ہے حالانکہ پیراہن (لباس ظاہر) نہیں جلتا]

مکتوب ۱۱۶

میرزا عبید اللہ کے نام حق سبحانہ وتعالیٰ کی ورائیت کے بیان میں تحریر فرمایا۔

الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ۔ برادرِ رشید عبید اللہ بیگ اس ناکارہ کو دعائے

۲۶۵

خیر سے فراموش نہ کریں اور ہمیشہ قرب کے مراتب میں جذبات و عنایات کے ساتھ ممتاز رہیں اور گفتگو سے خموشی میں اور علم سے نادانی میں آئیں بلکہ سلوک و جذبہ کے مراتب کے لئے کوشش کریں اور معرفت و جہل (نادانی) سے برتر کو تلاش کریں کیونکہ ہم جس امر کے درپے ہیں وہ جذبہ و سلوک سے بلند تر ہے اور آفاق و انفس سے باہر اور فنا و بقا، تجلیات و ظہورات، دخول و خروج، قرب و بعد، توحید و اتحاد، شہود و مشاہدات، لفظ و معنی، علم و جہل، کثرت و وحدت، اسم و صفت، قید و اطلاق، شیون و اعتبارات، موہومات و متخیلات و مکاشفات اور تجلی افعال و صفات و ذات تعالیٰ و تقدس سے ماوراء ہے۔ اصل اس بارگاہ سے ظل کی طرح راہ میں ہے پس وہ سبحانہ وتعالیٰ وراء الوراء ثم وراء الوراء ہے۔ یہ ورائیت قرب کی جانب میں ہے نہ کہ بُعد کی جانب میں، جو کچھ تصور کیا جائے اس سے نزدیک تر ہے بلکہ اس شخص کی ذات سے بھی اس شخص کے زیادہ نزدیک ہے بُعد کی جانب میں ورائیت (ماوراء ہونا) وہم کی جولانگاہ ہے اور

یہ ورائیت عقل وادراک اور وہم وخیال کی آنکھ سے باہر ہے کیونکہ فہم ووہم کسی اپنے سے زیادہ نزدیک کا تصور نہیں کرسکتے پس وہ ذات تعالیٰ وتقدس وجود میں سب سے زیادہ قریب اور وجدان سے بہت ہی بعید ہے، یہ کمال کمالاتِ ولایتِ انبیاء علیہم الصلوات والبرکات میں سے ہے اس لئے کہ کمالاتِ ولایت اولیا مراتب قرب میں منحصر ہیں کیونکہ قرب کی غایت (انتہا) اتحاد اور دوئی کا رفع ہونا ہے جوکہ اس ولایت کی نہایت ہے اور اقربیت کا معاملہ اتحاد سے بھی زیادہ نازک تر ہے، اتحاد سے گذر جانا چاہئے تاکہ اقربیت کا معاملہ رونما ہو جائے۔ مصرع لذتِ مے نشناسی بخدا تا نہ چشی

[خدا کی قسم جبتک تو نہیں چکھے گا شراب کی لذت کو نہیں پہچانے گا]

ملا شہداد کے نام فنائے قلب ونفس کے حاصل کرنے پر ترغیب دینے کے بیان میں تحریر فرمایا۔

دعائیں دینے کے بعد برادرم ملا شہداد کی خدمت میں عرض کرتا ہے کہ اس فقیر کے احوال لائقِ حمد ہیں اور دوستوں کی خیریت کے لئے دعا وامید کی گئی ہے، چاہئے کہ سنت کی اتباع میں کوشش کریں اور اوقات کو طاعات کی پابندیوں کے ساتھ آباد کرنے میں پوری پوری کوشش کریں اور ذکر وقلبی توجہ پر پوری ہمت کے ساتھ مداومت رکھیں یہانتک کہ مذکور (جس کا ذکر کیا جائے یعنی اللہ تعالیٰ) کے ماسوا (سب کچھ) سینہ کی وسعت سے نکل جائے اور اس کا علمی وحبی تعلق اس (اللہ) تعالیٰ کے ماسواء سے منقطع ہو جائے کہ اگر تکلف سے (بھی) ماسواء کو یاد دلائیں تو (بھی) یاد نہ آئے اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے ساتھ حضور دل کا ملکہ (طبیعتِ ثانیہ) بن جائے جیسا کہ سننا قوتِ سامعہ کی صفت اور دیکھنا قوتِ باصرہ کی صفت ہے اس وقت فنائے قلبی حاصل ہوتی ہے اس کے بعد اگر محض فضل سے نفسِ حاضر (ذاتِ سالک) بھی زوال کی طرف رخ کرے اور پوری طرح فنا ہو جائے اور حضور وتوجہ کی نسبت اس طرف سے منقطع ہو کر اس کے ساتھ مل جائے اور اس کا حضور اس کے ساتھ رونما ہو جائے تو فنائے نفس سے مشرف ہو جائے۔ مصرع

این کار دولت است کنون تا کرا دہند [یہ نصیب کی بات ہے دیکھئے اب کس کو دیتے ہیں]

مولانا محمد صدیق پشاوری کے نام مقامِ مشیخت کی رعایت اور اس کے بعض لوازم کے بیان میں تحریر فرمایا۔

الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ، مکتوب مرغوب نے جو کہ آپ نے اس عرصہ میں ارسال کیا تھا موصول ہو کر مسرور کیا حق سبحانہ وتعالیٰ (اپنے) پسندیدہ طریقے پر استقامت عنایت فرمائے اور مبارک مقصد تک پہنچنے کی رکاوٹوں سے بچائے، آپ نے لکھا تھا کہ حکم کے مطابق طالبین کے مجمع کو ایک طرح سے مشغول رکھتا تھا اور کوئی شخص تاثیر کے بغیر نہیں رہتا تھا حتیٰ کہ ان میں سے اکثر پہلی ہی توجہ میں متاثر ہو جاتے تھے" اس پر اللہ تعالیٰ کا حمد و شکر ہے، اس بڑی نعمت کا شکر بجالائیں اور عُجب (خود پسندی) اور غرور سے ڈرتے رہیں اور اس امر کو جو کہ مقامِ دعوت ہے عظیم اور بزرگ جانیں اور اس کے حق کی ادائیگی سے (اپنے) قصور کا اعتراف کرتے رہیں اور طالبین کی طرف توجہات کرنے اور ان کے احوال کی جستجو میں تساہل نہ برتیں کہ یہ بہت بڑی عبادتوں میں سے ہے، اس امر سے فراغت اور اس کا حق ادا کرنے کے بعد اپنی طاقت کے مطابق دوسری طاعات مثلاً درس و اذکار میں مشغول ہوں، آپ نے یہ سُنا ہوگا: ان احب عباد اللہ الی اللہ من حبب اللہ الی عبادہ [بیشک اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کے بندوں میں سب سے زیادہ محبوب وہ شخص ہے جو اللہ تعالیٰ کی محبت اس کے بندوں کے دلوں میں ڈالدے]۔

آپ نے طالبین کی بوالہوسی اور عدم استقامت کی کچھ شکایت کی تھی اور انھیں طریقہ سکھانے سے افسردگی کا اظہار کیا تھا۔ میرے مخدوم! اس زمانے کے اکثر طالبوں کا یہی حال ہے، طالبِ صادق کم ہیں لیکن خود استخارہ کرنے اور اس کے استخارہ کرنے اور شرح صدر حاصل ہو جانے کے بعد طریقہ سکھا دینا چاہئے اس کے بعد اگر بے استقامتی اور روگردانی کسی شخص میں ظاہر ہو کہہ دیجئے کہ ہوا کرے اس میں اسی کا نقصان ہے، قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ عَلٰى بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ وَسُبْحٰنَ اللّٰهِ وَمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۲/۱۰۸﴾ [آپ کہہ دیجئے کہ یہ میرا راستہ ہے میں اللہ تعالیٰ کی طرف اس طرح پر دعوت دیتا ہوں کہ میں اور میرا اتباع کرنے والے واضح دلیل پر ہیں، اللہ تعالیٰ پاک ہے اور میں مشرکوں میں سے نہیں ہوں۔]

۲۶۷

مولانا محمد امین کے نام اُن کے خط کے جواب میں جو کہ واردات پر مشتمل تھا اور آیت مبارکہ قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ اور آیہ مبارکہ مَآ اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ الآیہ کے درمیان توفیق دینے کی

صورت میں اور حضورِ نقشبندیہ اور دیگر سوالات کے جواب میں تحریر فرمایا۔

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی۔ برادرِ عزیز مولانا محمد امین کا مکتوبِ مرغوب موصول ہو کر فرحت و مسرت کا باعث ہوا، اللہ سبحانہ وتعالیٰ آپ کا ذوق و شوق و توفیق زیادہ کرے، آپ نے مہاجرت (جدائی) کے آلام کا اظہار کیا تھا۔ میرے مخدوم! دنیا دار الفراق (جدائی کی جگہ) ہے دعا کریں کہ ہم دار السلام (جنت) میں اکٹھے ہو جائیں، آپ نے لکھا تھا کہ "ان دنوں میں نیستی (فنائیت) اور ہر لمحہ اہلِ دنیا کے تغیر کی دید نئے سرے سے تازہ ہو گئی ہے"۔ میرے مخدوم! نیستی (فنائیت) کا دیکھنا عدم سے تعبیر کیا جاتا ہے جو کہ فنا کا مقدمہ (ابتداء) ہے اور ہر لمحہ اہلِ دنیا کا تغیر سالک کے شہود سے تعلق رکھتا ہے جیسا کہ اس کی تفصیل (آپ کے) سامنے زبانی بیان ہو چکی ہے۔ اور نیز آپ نے لکھا تھا کہ "تمام اہلِ جہان کو حق تعالیٰ جل وعلا کے ظہورات پاتا ہوں اور مظاہر کے غلط دکھانے والے آئینے میں ذات واحد کے سوا اور کچھ مشہود نہیں ہوتا ہے اور نہیں جانتا کہ معبود کیا ہے اور عابد کون ہے"۔ میرے مخدوم! اس دید اور اس شہود کو دوسرے مشائخ کمال جانتے ہیں اور فتح الباب (دروازہ کا کھل جانا) کہتے ہیں اچھا و مبارک ہے، لیکن اس حال کے غلبہ کے وقت شرعی آداب کی پوری طرح حفاظت (رعایت) کرنی چاہئے اور بندگی کے حقوق اچھی طرح بجا لانے چاہئیں، اور یقین کرنا چاہئے کہ یہ شعبدہ صحیح ہونے کی صورت میں محبوب کی محبت کے غلبہ کی وجہ سے ہے کیونکہ مُحِب (عاشق) جو کچھ دیکھتا اور جانتا ہے وہ محبوب (معشوق) کے سوا نہ کچھ دیکھتا ہے اور نہ کچھ جانتا ہے اور جہاں کہیں سے لذت حاصل کرتا ہے (اس کو) محبوب کی طرف منسوب کرتا ہے اور آپ نے جو عابد و معبود کے درمیان تمیز نہ ہونا لکھا ہے یہ مقامِ جمع سے پیدا ہوا ہے کہ جس کو کفرِ حقیقی بھی کہتے ہیں جب (سالک) فرق بعد الجمع کے مقام میں پہنچتا ہے اور کفر سے اسلامِ حقیقی میں آ جاتا ہے تو عابد کو معبود سے متمیز (ممتاز) پاتا ہے اور خلق (مخلوق) کو خالق تعالیٰ سے جدا دیکھتا ہے اور جو کچھ اوپر بیان ہوا کہ "یہ شعبدہ صحیح ہونے کی صورت میں" کیونکہ کثرت کے آئینوں میں ذات واحد تعالیٰ مشہود نہیں ہے ؎

خلق را وجہ کے نماید او در کدام آئینہ در آید او

[وہ مخلوق کو چہرہ کب دکھاتا ہے ہاں (اور) وہ کونسے آئینے میں آتا ہے]۔

آپ نے لکھا تھا "سبحان اللہ انا الحق اور سبحانی کہنے والے کو اہلِ ظواہر لعنت ملامت کرتے ہیں (بُرا کہتے ہیں) شاید وہ نہیں جانتے کہ غیریت کی نسبت سے کیا کھلتا ہے اور اس گرداب والوں کو کیا حاصل ہوتا ہے الخ" جان لیں کہ ممکنات کے حقائق عدمات ہیں جنھوں نے کہ کمالات کے انعکاس کے ذریعہ سے امتیاز

ص ۲۶۸

حاصل کر لیا ہے، پس ممکنات میں کمالات مرتبہ وجوب سے مستعار و مستفاد ہوتے ہیں اور ان کی ذاتیں عدمات کے سوا کوئی اور چیز نہیں ہوتیں اور جب یہ عاریت کا دیکھنا عارف پر غالب آجاتا ہے تو وہ انعکاسی کمالات کو ٹھیک اصل کے سپرد کر دیتا ہے اور اپنے آپ کو محض عدم دیکھتا ہے اور ہستی اور اس کے توابع کی بو اپنے اندر نہیں پاتا اس وقت وہ فنائے حقیقی سے مشرف ہو جاتا ہے نہ یہ کہ اپنے آپ کو عین حق تعالیٰ پائے کیونکہ خودی اس سے زائل ہو چکی اور انانیت کی جڑ اکھڑ چکی ہے (اس لئے) وہ انا الحق اور اس جیسے دوسرے کلمات نہیں کہتا، معدوم کو موجودِ حقیقی کے ساتھ کیا اتحاد اور کونسی شرکت ہے، غیریت کی نفی سے مقصود خیر و کمال میں واجب تعالیٰ کے ساتھ ممکن کی شرکت کا منتفی ہونا ہے اور یہ شرکت کی نفی اس صورت میں پورے طور پر حاصل ہے اس اشتراک کی نفی کے لئے کیا ضرورت ہے کہ ہم عینیت کے قائل ہوں اور جن چیزوں سے بچنا چاہئے ان میں مبتلا ہوں۔ ان دو آیتوں یعنی آیہ کریمہ قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ[1] [کہہ دیجئے کہ ہر چیز اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے] اور آیہ کریمہ مَآ اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ وَمَآ اَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِكَ[2] [جو بھی بھلائی تجھ کو پہنچتی ہے وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور جو بھی برائی تجھ کو پہنچتی ہے وہ تیرے نفس کی طرف سے ہے] کے درمیان توفیق کی صورت آپ نے دریافت کی تھی۔ جان لیں کہ سیئات کہ جس سے مراد اس جگہ بلیات (آزمائشیں) ہیں کا پیدا کرنا حق سبحانہ و تعالیٰ کی طرف سے ہے لیکن جزا بندے کے برے اعمال کی وجہ سے ہے اور وہ اپنے عمل کی شامت (برائی) کی وجہ سے بلا و مصیبت کا مورد نازل ہونے کی جگہ ہو جاتا ہے جیسا کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے منقول ہے کہ انھوں نے فرمایا ما من مسلم یصیبہ وصب ولا نصب حتی الشوکۃ یشاکھا وحتی انقطاع شسع نعلہ الا بذنب وما یعفو اللہ اکثر [کوئی مسلمان ایسا نہیں ہے کہ جس کو کوئی بیماری یا سختی پہنچے حتیٰ کہ اس کو کانٹا لگے یا اس کی جوتی کا کوئی تسمہ ٹوٹے مگر یہ کہ وہ کسی گناہ کی وجہ سے ہوتا ہے اور اکثر گناہوں کو تو اللہ تعالیٰ معاف کر دیتا ہے ـــ]۔ پس بلا (مصیبت) کی پیدائش اور اس کے پہنچنے کے اعتبار سے فرمایا قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ[3] اور گناہوں کے کسب کے ذریعہ اس (مصیبت) کو خود پر مسلط کر لینے کے اعتبار سے فرمایا فَمِنْ نَّفْسِكَ[4] پس کوئی تضاد (مخالفت) نہیں ہے بخلاف حَسَنَۃ (بھلائی) کے کہ محض (اللہ تعالیٰ کا) فضل و کرم ہے، بندہ کے تمام نیک اعمال وجود کی نعمت کا بدلہ بھی ادا نہیں کر سکتے دوسری نعمتوں کو تو کیا پہنچیں گے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم نے فرمایا: لا یدخل الجنۃ احد الا برحمۃ اللہ قیل ولا انت قال علیہ وعلی آلہ الصلوۃ و السلام وما انا [جنت میں کوئی شخص اللہ تعالیٰ کی رحمت کے بغیر داخل نہیں ہوگا۔ عرض کیا گیا اور کیا آپ بھی

حاشیہ: [1] سورۂ نساء آیت ۷۸ [2] سورۂ نساء آیت ۷۹

[3] ترجمہ: کہہ دیجئے سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ [4] ترجمہ: پس تیری اپنی ذات کی طرف سے ہے۔

نہیں داخل ہوں گے؟ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اور میں بھی نہیں) اور یہ جو دنیا و آخرت کی بعض نعمتوں کو قرآن و احادیث میں بندہ کے عمل کی جزا فرمایا ہے یہ بھی فضل و کرم کی وجہ سے ہے کہ محض فضل کی وجہ سے بندہ کے عمل کو اس درجہ تک پہنچا دیا گیا ہے ؎

چشم دارم کہ دہد اشک مرا حسنِ قبول　　آنکہ دُر ساختہ است قطرۂ بارانی را

[اے (اللہ) کہ جس نے بارش کے قطرہ کو موتی بنا دیا ہے میں امید رکھتا ہوں کہ وہ میرے آنسوؤں کو حسنِ قبول عطا فرمائے گا]

۲۶۹ اور نیز جو وجود کہ بالاصالت حضرت معبود تعالیٰ کے لئے خاص ہے وہ ہر خیر و کمال کا مبدأ ہے پس مبدأ حسنات وہی ذات تعالیٰ و تقدس ہے اور عدم جو کہ ممکن کی ذات ہے ہر شر و نقص کا منشا (جائے پیدائش) ہے پس سیئات (برائیوں) کا منشا ذاتِ ممکن ہوئی اور آیۂ کریمہ قل کل من عند اللہ پیدا کرنے کے اعتبار سے ہے منشا اور چیز ہے اور پیدا کرنا اور چیز ہے جیسا کہ کہتے ہیں کہ نباتات کا منشا (جائے پیدائش) زمین ہے اور مروارید کا منشا پانی ہے حالانکہ ان کا پیدا کرنا اُس (اللہ) تعالیٰ کی طرف سے ہے نسبتِ نقشبندیہ اور ان اکابر کے حضورِ خاص کے بارے میں دریافت کیا گیا تھا، جان لیں کہ نسبتِ نقشبندیہ اور ان حضرات کا حضور ایک ایسا شہود ہے جو شاہدی و مشہودی کے وصف سے بَری (پاک) ہے اور ایک ایسا حضور ہے جو حاضر اور حاضریت کی نسبت سے برتر ہے کیونکہ حیرت سے تعلق رکھتا ہے اور اس مقام میں حق سبحانہ کا شہود خود بخود ہے اور اس حضور کو حضور بے غیبت بھی کہتے ہیں۔ قدوۃ المحققین ہمارے حضرت عالی (قدس سرہ) نے لکھا ہے کہ اندراج النہایت فی البدایۃ (ابتدا میں انتہا کا درج ہونا) اس مقام میں صورت پذیر ہوتی ہے اور اس طریقہ میں طالب کو اس نسبت کا حاصل ہونا ایسا ہے جیسا کہ دوسرے سلسلوں میں اپنے پیر سے اذکار و اوراد کا اخذ کرنا ہے تاکہ اس پر عمل کرے اور مقصود کا پتہ لگائے۔ ع

قیاس کن ز گلستانِ من بہار مرا　　[میرے گلستاں سے میری بہار کو قیاس کر]

اور نیز آپ نے مشائخ نقشبندیہ کے بارے میں لکھا تھا کہ "وہ فرماتے ہیں کہ ہم فضلی ہیں کیونکہ دوسروں کی نہایت (انتہا) ہماری بدایت (ابتداء) میں مندرج ہے، پس ان حضرات رضی اللہ عنہم کی نہایت سے کیا مراد ہے"۔ میرے مخدوم! اس معنی کا بیان ان اکابر کی کتابوں میں کسی جگہ نظر سے نہیں گذرا معلوم نہیں ہے کہ (سوائے ہمارے حضرتِ عالی قدسنا اللہ بسرہ کے) کسی نے اس معما کی شرح کی ہو، کیونکہ آپ نے اس سوال کا جواب تفصیل کے ساتھ مکتوباتِ شریفہ کی جلد اول کے دو سو اکیسویں [۲۲۱] مکتوب میں لکھا ہے اگر اس معنی کا شوق دامنگیر ہو تو وہاں سے مطالعہ فرمائیں اور جو واقعہ آپ نے دیکھا ہے کہ لوگ کہتے ہیں کہ قدوۃ المحققین ہمارے حضرت عالی (قدس سرہ) تمام اولیاء سے حتیٰ کہ فلاں عزیز سے بھی افضل ہیں اور آپ نے

اس واقعہ سے ایک گونہ اضطراب ظاہر کیا ہے۔ میرے مخدوم! اضطراب کا کوئی مقام نہیں ہے کیونکہ اس جگہ افضل انفع کے معنی میں ہو سکتا ہے اور اسی معنی میں حضرت خواجہ احرار قدس سرہ العزیز نے فرمایا ہے

سایۂ رہبر بہ است از ذکر حق [رہبر کا سایہ حق تعالیٰ کے ذکر سے بہتر ہے]

یعنی پیر کی صورت کی حفاظت کہ جس کو رابطہ کہتے ہیں مرید کے لئے ذکر کرنے سے زیادہ فائدہ مند ہے۔ ص ۲۷
اور جو واقعہ کہ آپ نے بواسیر کی انگوٹھی کے بارے میں دیکھا ہے وہ آپ نے لکھا تھا، حق یہ ہے کہ فقیر بھی اس انگوٹھی کو اچھا نہیں سمجھتا۔ حدیث شریف من علق شیئا وکل الیہ [جس نے کوئی چیز لٹکائی وہ اس کے سپرد کر دیا گیا] کا مضمون آپ نے سنا ہوگا۔ آپ نے لکھا تھا کہ "نا انصاف لوگ تہمت لگاتے ہیں حالانکہ ایسا نہیں ہے"۔ میرے مخدوم! اگر آپ میں (یہ بات) نہیں ہے تو (ان کی تہمت) آپ کے لئے کفارہ ہو جائیگی دل میں کچھ خیال نہ لائیں نعوذ باللہ من الحور بعد الکور [ہم فراخی کے بعد تنگی سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے ہیں] حق سبحانہ وتعالیٰ سے استقامت طلب کریں اور اس دور افتادہ کو دعا سے فراموش نہ کریں۔

مولانا محمد حنیف کے نام، اس کے عریضہ کے جواب میں تحریر فرمایا جو کہ بلند حالت اور روشن واقعہ پر مشتمل تھا۔

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ۔ برادر عزیز مولانا محمد حنیف کا مکتوب گرامی پہنچکر بہت زیادہ خوشی و مسرت کا باعث ہوا حضرت حق سبحانہ قرب کے درجات میں بے حد ترقیات عنایت فرمائے آپ نے لکھا تھا کہ "یہاں پہنچنے کے بعد ایک کیفیت ظاہر ہوتی ہے اور تمام بدن میں سرایت کرتی ہے الخ" اور نیز آپ نے لکھا تھا کہ ایسا سمجھ میں آتا ہے کہ قرآن مجید کی تلاوت کو اس نسبت کے حاصل ہونے میں کامل دخل ہے جسقدر تلاوت کرتا ہے وہ نسبت طاقت پکڑتی ہے اور اگر تلاوت میں کچھ فتور ہوتا ہے تو اس نسبت میں بھی فتور واقع ہو جاتا ہے۔

میرے مخدوم! ہو سکتا ہے کہ اس کیفیت کا منشا (جائے پیدائش) حقیقت قرآنی ہو اور چونکہ آپ محبت کا رابطہ اس نسبت والوں کے ساتھ درست رکھتے ہیں اور استعداد کی جمعیت بھی رکھتے ہیں اس کیفیت اور اس قسم کی اور کیفیات کا حاصل ہونا آپ سے نزدیک ہے مختصر یہ ہے کہ مذکورہ نسبت ظلال کی نسبتوں سے اوپر ہے اور اصل الاصل کے ساتھ وابستہ معلوم ہوتی ہے، آپ نے مخصوص کمالات اور ضمنی نسبت کا شوق

ظاہر کیا تھا ہو سکتا ہے کہ اس سے کچھ حصہ حاصل ہو چکا ہو، اور یہ کیفیت جو آپ نے لکھی ہے اسی کا اثر ہو، فقیر نے اس بارے میں غور نہیں کیا ہے امیدوار رہیں ؎

ازاں طرف نہ پذیرد کمال او نقصان وزیں طرف شرفِ روزگار من باشد

[اُس (اللہ تعالیٰ) کے کمال میں تو کوئی کمی نہیں آتی اور میرا درجہ بلند ہو جاتا ہے] آپ نے جدید مسودات طلب کئے تھے اگر توفیق پائی تو ہم ایک دوست سے کہیں گے کہ اگر اس میں سے کوئی چیز نقل کے قابل ہو تو نقل کر کے بھیج دے۔ اور یہ واقعہ جو آپ نے دیکھا تھا کہ گویا کوئی شخص اپنے منہ کا تھوک میرے منہ میں ڈالتا ہے اور کہتا ہے کہ آنسرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امانت ہے جو آنحضرت ؐ نے آپ کیلئے دی تھی میں نے پہنچا دی" نہایت اصیل اور امید دلانے والا ہے اگرچہ اس کا اثر فی الحال ظاہر نہ ہو۔ م ۲۷۱

اور جو کچھ آپ نے اپنے دوستوں کے حالات میں لکھا تھا (اس نے) بہت مسرور کیا، تمام حالات موزوں اور مقبول ہیں ایک دوسرے کے ساتھ دست و گریبان (مربوط) ہیں، اللہ تعالیٰ ترقیات عطا فرما کر مطلب حقیقی تک پہنچائے اور چونکہ اعتکاف کے دن تھے اور ضروری کام درپیش تھے زیادہ تحریر کے ساتھ مشغول نہیں ہو سکا اور ضروری جوابات پر کفایت کی۔ رَبَّنَآ اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا وَاغْفِرْ لَنَا اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِيْرٌ [اے ہمارے رب ہمارے لئے ہمارے نور کو پورا کر دے اور ہمیں معاف فرما دے بیشک تو ہر چیز پر قادر ہے] خط لکھنے کے بعد نسبت ضمنیہ کے حاصل ہونے کے بارے میں قدرے غور کیا گیا کچھ واضح نہیں ہوا اگر مقدر ہے تو پھر اس بارے میں پوری طرح غور و توجہ کریگا۔ انہ المیسر لکل عسیر [بیشک وہی (اللہ تعالیٰ ہی) ہر مشکل کو آسان کرنے والا ہے]

پیرزادہ خواجہ عبید اللہ کی خدمت میں اس بارے میں تحریر فرمایا کہ سبقت (پیشقدمی) اصل کی طرف سے ہے اور ظل کسی چیز کے ساتھ مستقل نہیں ہے۔

حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ اپنے نبی کریم اور ان کی آل امجاد علیہ و علیہم الصلوات والبرکات الی یوم التناد کے طفیل میں حضرت مخدوم و مخدوم زادہ کو دیر تک دوستوں اور بھلائی چاہنے والوں کے سروں پر باقی اور قائم رکھے۔ آپ کے گرامی عنایت نامہ کے ورود سے مشرف ہوا امید ہے کہ اس فراق زدہ ناکارہ کو کبھی کبھی اپنے معطر دل کے گوشہ میں لا کر الطاف و عنایات سے نوازتے رہیں گے، اس طرف سے سراسر کوتاہی ہے معاف فرمائیں بیشک کرم کریموں سے ظاہر ہوتا ہے۔ مصرع

درخانہ بکدخدائی ماند ہمہ چیز [گھر میں ہر چیز مالک کی ہوتی ہے]

ابتداء، مبدأ کی طرف سے اور پیشقدمی اصل کی طرف سے ہونی چاہئے، پہلے ہی سے اسی طرح ہوتا آیا ہے اور اشد شوق اس بارگاہ کے ساتھ منسوب ہوا ہے جو خیر و کمال کہ ظل رکھتا ہے اصل سے مستفاد و مستعار ہے ظل کسی چیز میں بھی اپنے ساتھ استقلال نہیں رکھتا اگر وہ خیر و کمال کی نسبت اپنی طرف کرے تو خائن ہوگا اور اصل کے ساتھ برابری کا دعویٰ کرے گا اس کے حق میں اپنے آپ سے کمال کی نفی کرنا ہی کمال ہے اور خیریت (بھلا ہونے) کے سلب (نفی) میں ہی خیریت (بھلائی) ہے جو حصہ کہ وہ اصل سے رکھتا ہے انتسابات کو اس (اصل) کی طرف لوٹانے کے بعد (ظل کے لئے) محو و لاشئ ہوتا ہے جس قدر اصل کا ظہور زیادہ ہوگا اسی قدر ظل کا محو و لاشئ ہونا زیادہ ہوگا کسی نے کیا اچھا کہا ہے ؎

ص ۲۷۲

معشوق اگرچہ گشت ہمخانۂ ما ویران تر از اول ست ویرانۂ ما

[اگرچہ معشوق ہمارا ہمخانہ ہو گیا ہے لیکن ہمارا ویرانہ پہلے سے بھی زیادہ ویران ہے] ظل بیچارہ جو کہ نفی ہونے کے سوا اصل سے اور کچھ حصہ نہیں رکھتا اس کے کمال و جمال سے کیا خبر رکھتا ہوگا مگر یہ کہ عدم کے بعد پایا جائے اور ولادتِ ثانیہ کے ساتھ پیدا کیا جائے پس اس وقت (اس قابل ہو سکتا ہے، کیونکہ) بادشاہ کی بخششیں اس کی سواریاں ہی اٹھاتی ہیں ؎

ومن بعد هذا ما يدق صفاته وما كتمه احظى لديه واجمل

[اور اس کے بعد وہ مقام ہے جس کی صفات کا بیان بہت مشکل ہے اور وہ مقام ہے جس کا چھپانا اس کے نزدیک زیادہ مناسب و بہتر ہے] بات دوسری جگہ چلی گئی، مقصود یہ ہے کہ اس طرف کی تقصیرات پر نظر نہ کرتے ہوئے غائبانہ توجہ سے فراموش نہ کریں اور اس عاصی کو دعائے خیر و سلامتی خاتمہ سے یاد فرماتے رہیں۔ والسلام اولاً و آخراً۔

مولانا محمد صدیق پشاوری کے نام ان کے احوال کی شرح اور اُن سوالات کے جوابات میں جو انھوں نے پوچھے تھے اور ان کے دوستوں کے احوال کی تحسین کے بارے میں تحریر فرمایا۔

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفٰی۔ آپ کا پسندیدہ مکتوب پہنچا چونکہ حالات و کیفیات کی استقامت اور احوال کی سنجیدگی کی خبر دینے والا تھا اس لئے اس کے مطالعہ نے فرحت بخشی، اللہ تعالیٰ جل و علا کا شکر بجا لائیں اور مزید انعامات کے طالب رہیں لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ [اگر تم شکر کرو گے

تو میں ضرور تم کو اور زیادہ دونگا) آپ نے لکھا تھا کہ "خود کو دوسرے عالم میں جانتا ہے اور اس عالم کے ساتھ کوئی مساس (تعلق) نہیں رکھتا" اس کا منشا (جائے پیدائش) باطن کا عالمِ سفلی سے انقطاع اور عالمِ علوی کے ساتھ اس کا اتصال ہے لیکن یہ دید (مشاہدہ) عروج کے وقت میں ہے اور نزول کے وقت جبکہ ظاہر و باطن (دونوں) کے ساتھ مخلوق کی طرف متوجہ ہے یہ دید مفقود ہے، اور یہ جو آپ اپنے جُثّہ (بدن) کو جماد کی طرح بے حس و حرکت پاتے ہیں اور ہستی کا کوئی اثر اپنے اندر نہیں سمجھتے فنا کی وجہ سے ہے اور جو آپ خود کو انوار میں گھرا ہوا دیکھتے ہیں اور نور کے دریاؤں کو اپنے اندر حلول کرتا ہوا پاتے ہیں اور نور کے اجزا میں سے ہر جزو کو اپنے اجزا جانتے ہیں ہو سکتا ہے کہ بقا کی وجہ سے ہو۔

جان لیں کہ فنائے نفس میں معتبر یہ ہے کہ سالک ذوق (وجدان) کے ساتھ اپنے وجود و توابعِ وجود یعنی صفاتِ کمال کو کمالاتِ واجبی (تعالیٰ) کا ظلال پائے اور یہ دید (دیکھنا) ایسی غالب آجائے کہ ان کمالات کو پوری طرح اصل کے سپرد کردے اور خود کو مُردہ جماد دیکھے اور أنا کے ساتھ تعبیر نہ کرے، نہ اپنے اندر کوئی ذکر پائے اور نہ کوئی توجہ، لحوق (اس مقام پر پہنچنے) کے بعد اس کی توجہ اس کے ساتھ ہے اور بقا ولادتِ ثانیہ کے ساتھ وابستہ ہے من قتلتہ فانا دیتہ [جس کو میں قتل کرتا ہوں اس کا خونبہا میں خود ہوں] اس وقت عارف کو اپنے پاس سے اوصاف و اخلاق عطا فرماتے ہیں اور عارف اپنے آپ کو معروف کے اوصاف کے ساتھ زندہ اور جاننے والا اور سننے والا اور دیکھنے والا اور بولنے والا پاتا ہے۔

جاننا چاہئے کہ فنا و بقا حقیقت میں اس اسم کے ساتھ ہے جو کہ سالک کا مبدأ تعین ہے نہ کہ حق تعالیٰ و تقدس کی ذات اقدس کے ساتھ، اگر فنا و استہلاک ہے اسم میں ہے اور اگر تحقق (موجود ہونا) و بقا ہے تو وہ بھی اس اسم کے اوصاف کے ساتھ ہے کیونکہ ہر اسم اسماء و صفات کا جامع ہے اور یہ بات کہ سالک بغیر اس کے انتسابات کو اصل سے جانے اور اصل کے سپرد کرے اپنے آپ کو نہ پائے اور معدوم دیکھے تو اس کو عدم سے تعبیر کیا جاتا ہے جو کہ فنائے جذبہ ہے کہ اس (کیفیت) سے عَود (واپس لوٹنا) ممکن ہے بخلاف فنائے حقیقی کے جو کہ عَود سے محفوظ ہے۔

آپ نے لکھا تھا کہ "نماز میں تصور کرتا ہے کہ رکوع اور سجدہ کرنے والا کوئی دوسرا شخص ہے اور نماز کے بعد خاص کیفیت پیش آتی ہے اس طرح پر کہ باطن تمام کا تمام حلاوت اور لذت اندوزی میں چلا جاتا ہے"۔ یہ حالت بہت ہی اچھی ہے اور حالتِ نماز کی کیفیت کو بغیر نماز کی کیفیت پر بہت زیادہ فوقیت ہے جو لذت کہ نماز ادا کرتے ہیں خاص کر فرض نماز میں ظاہر ہوتی ہے وہ کام کی انتہا کی خبر دینے والی ہے۔

آپ نے پوچھا تھا کہ واردات اور بلند اشارات والی بشارات کا وارد ہونا اور معارف و اسرار کا

ظہورِ کمال کے لئے شرط ہے یا نہیں"۔ (ان امور کا) شرط ہونا مفقود ہے اگرچہ ان امور کا مرتب ہونا کمال پر (موقوف) ہے۔ اور نیز آپ نے پوچھا تھا کہ" وہ علامات جو متوسط و منتہی کے حال سے تعلق رکھتی ہیں کونسی ہیں اور منتہی متوسط سے اور متوسط منتہی سے کن چیزوں کے ساتھ ممتاز ہوتا ہے"۔ جان لیں کہ توسط و انتہا کے بہت سے مراتب ہیں ولایت میں کتنے ہی مراتب ہیں جن میں سے بعض بعض کے اوپر ہیں (اس طرح) کہ نیچے کے مرتبہ کی انتہا اوپر کے مرتبہ کی ابتدا ہے اور ولایت کے مراتب طے کرنے کے بعد مرتبۂ نبوت کے کمالات ہیں کہ ان (مراتب ولایت) کی نہایت اس (مرتبۂ نبوت) کی ابتدا ہے لیکن پہلی (مراتب ولایت) کا کمال و انتہا فنا ہے جس کو ماسوا کے نسیان اور زوالِ علوم سے تعبیر کرتے ہیں، اگر اشیاء کے علم حصولی کا زوال ہے تو فنائے قلب ہے اور اگر علمِ حضوری کا زوال ہے تو فنائے نفس ہے، یہ نسیان قربِ ولایت میں فی نفسہ کمال بھی ہے اور دوسرے ان کمالات کے لئے جو اس کے اوپر ہیں شرط بھی ہے اور نماز میں لذت کا ممتاز ہونا انتہا کی خصوصیات میں سے ہے جیسا کہ گذر چکا ہے۔ آپ نے لکھا تھا کہ" سیر کی انتہا بقا باللہ تک ہے یا فنا و بقا باللہ کے معاملات گذر جانے کے بعد نہایت کسی دوسری چیز سے تعلق رکھتی ہے اور وہ کیا ہے؟" جان لیں کہ فنا و بقا جو کہ اصول اور اصولِ اصول کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں (ان) کے معاملات سے گذر جانے کے بعد جہل و حیرت کے ساتھ واسطہ پڑتا ہے یہ وہ جہل و حیرت نہیں جو کہ متعارف (مشہور) ہے کہ وہ تو نقص ہے یہ وہ جہل و حیرت ہے جو کہ علم و معرفت پر ہزاروں درجہ فوقیت رکھتی ہے من لم یذق لم یدر [جس نے نہیں چکھا اس نے نہیں جانا] اور نیز اس معاملہ کے گذر جانے کے بعد ایسی نسبت جس کی کیفیت معلوم نہ ہو ظاہر ہوتی ہے کذا و کذا ثم کذا و کذا [یعنی پھر اس کے بعد اس قسم کی مجہول الکیفیت نسبت ظاہر ہوتی ہے اور پھر اس کے بعد بھی اسی طرح کی کیفیت پیش آتی ہے] ان معاملات کے بارے میں سوائے اشارات کے اور کیا کہا جا سکتا ہے۔ (آپ کی) موجودگی میں اگرچہ میں چاہتا تھا کہ اس قسم کی باتیں آپ سے بیان کروں لیکن چونکہ آپ کے شوق کی باگ کو اس سے پھرا ہوا دیکھتا تھا تو میں بھی سخن کی باگ کو پھیر لیتا تھا اب جبکہ معاملہ سر پر آ گیا ہے شوق کی رگ کو حرکت ہوئی ہے مزید چند سطریں آپ کے مقصد کے مطابق لکھتا ہوں غور سے سنیں۔

ص ۲۷۲

فنائے نفس کا معاملہ جو کہ اوپر بیان ہو چکا ہے تجلیٔ صفات کا نتیجہ ہے اور اس (مقام) سے گذرنے کے بعد معاملہ تجلیٔ ذات کے ساتھ ہے اور اس تجلی کا معاملہ گفتگو سے باہر ہے ذوقی و وجدانی ہے بیانی اور ترجمانی نہیں ہے اس قدر ہے کہ یہ تجلیٔ ذاتی دائمی ہے اس لئے کہ ذات جب تجلی فرماتی ہے تو پھر اس کے لئے استتار (پوشیدگی، چھپنا) نہیں ہے، یہاں سے معلوم ہوا کہ تجلیٔ برقی جو بزرگوں نے کہا ہے

وہ تجلی ذات تعالیٰ و تقدس نہیں ہے (بلکہ) ذات تعالیٰ کے شیونات میں سے کسی شان کی تجلی ہے اور حضرت شیخ ابن عربی قدس سرہ نے تجلی ذات کو اس عبارت سے تعبیر کیا ہے "ذات کی تجلی متجلی لہٗ کی صورت کے ساتھ ہونے کے سوا نہیں ہوتی پس متجلی لہٗ نے حق کے آئینہ میں اپنی صورت کے سوا نہیں دیکھا اور اس نے حق کو نہیں دیکھا اور یہ ممکن (بھی) نہیں ہے کہ وہ اس کو دیکھے"۔ اور شیخ قدس سرہ نے اس تجلی کو تجلیات کا منتہی کہا ہے اور فرمایا ہے "پس اس بارے میں کہ تو تجلیٔ ذاتی کے اس درجے سے ترقی کرے طمع نہ کر اور اپنے آپ کو نہ تھکا"۔ اور ہمارے حضرت عالی (مجدد الف ثانی) قدسنا اللہ سبحانہ بسرہ الاقدس نے اس تجلی کو ذات تعالیٰ کے شیونات میں سے کسی شان کی تجلی مقرر فرمایا ہے کیونکہ وہ شان اس اسم کے اصول میں سے ایک اصل ہے جو کہ سالک کا مبدأ تعین ہے اور اس تعلق کی وجہ سے عارف کی صورت کی آئینہ داری کی ہے اور اس کے رنگ میں ظاہر ہوئی ہے نہ کہ تجلیٔ ذات تعالیٰ بلکہ تجلی شان بھی تنزیہی طریق پر نہیں ہے صورت کی آئینہ داری کے ساتھ مقید اور اس کا حکم لئے ہوئے ہے۔

"آپ نے غائبانہ توجہ کے لئے لکھا تھا کہ کس طرح پر ہے" توجہ میں حضور و غیب (حاضر اور غائب ہونا) برابر ہے اس معاملہ میں عمدہ واحد ہونا اور اپنے آپ کو متفرق توجہات سے جمع (یکسو) کرنا ہے، اور نیز آپ نے لکھا تھا کہ "مریدوں کے احوال کا علم نہ ہونا نقص کا سبب ہے یا نہیں"۔ جان لیں کہ اختیاری سلوک و تسلیک میں پیر کو مرید کے احوال کا علم ہونا اور اسی طرح مرید کو اپنے احوال کا علم ہونا ضروری ہے اور ہمارے طریقہ میں جو کہ اصحاب کرام رضی اللہ عنہم کا طریقہ ہے یہ کچھ درکار نہیں ہے نہ پیر کی جانب سے نہ مرید کی جانب سے کیونکہ اس طریقہ میں فائدہ پہنچانا اور فائدہ حاصل کرنا انعکاسی اور انصباغی (رنگ میں رنگا جانا) ہے، مرید شیخ کامل کی صحبت میں بقدر محبت اور فنا فی الشیخ ہونے کے ہر گھڑی اس کے رنگ میں رنگا جاتا ہے اس صورت میں فائدہ پہنچانے اور فائدہ حاصل کرنے میں علم ہونے کی کیا ضرورت ہے، خربوزہ جو کہ سورج کی گرمی سے پک جاتا ہے کیا ضروری ہے کہ سورج یا خربوزے کو پختہ کرنے یا پختہ ہو جانے کا علم ہو، اس طریق میں اپنے شیخ کے ساتھ مناسبت کی جسقدر وجوہ زیادہ پیدا کرتا ہے اس کے حق میں اسی قدر انصباغ (رنگ میں رنگا جانا) زیادہ حاصل ہوتا ہے اور مناسبت کے اسباب کا حاصل کرنا ظاہر و باطن میں شیخ کا اتباع کرنے کے ساتھ ہے کہ اپنے اندر بال برابر بھی مخالفت و اعتراض کی مجال نہ پائے کہ یہ راستہ کی رکاوٹ اور خسارہ کا سبب ہے اور نیز اس کی خدمت اور آداب کی رعایت کرتے ہیں جیسا کہ بزرگوں نے فرمایا ہے اور پیر کے ساتھ محبت و اعتقاد میں پختگی ہوتے ہیں ہے ؎

زان روئے کہ چشم تست احول　　معبود تو پیر تست اول

[کیونکہ تیری آنکھ احول (ٹیڑھا دیکھنے والی ہے) اس لئے اول تیرا معبود تیرا پیر ہے]

آپ نے لکھا تھا کہ "مریدوں میں فنائے قلبی کے حاصل ہونے تک ان کے ساتھ شوق سے محبت رکھی جاتی ہے اس کے بعد اثر بہت کم معلوم ہوتا ہے اور چنداں ادراک میں نہیں آتا"۔ میرے مخدوم! ہمارے بزرگوں کی نسبت بلندی کے کمال کی جانب میں جہالت و حیرت سے زیادہ قریب ہے جسقدر ظلال کی قید سے رہائی پاتا ہے اور اصل کے ساتھ تعلق پیدا کرتا ہے علم و معرفت کے مقاماتِ ظن سے اسی قدر زیادہ دُور جا پڑتا ہے۔ قدوۃ المحققین ہمارے حضرت عالی قدسنا اللہ بسرہ الاقدس نے لکھا ہے "باطن کی نسبت جسقدر جہالت میں جائے گی اسی قدر زیادہ اچھی ہوگی" مریدوں کو اذکار و طاعات کی پابندی میں مشغول رکھیں اور خدمات کے بجالانے اور آداب کی رعایت کرنے کی ترغیب دیتے رہیں اور بیکار نہ چھوڑیں امید ہے کہ بزرگوں کی خاص نسبت سے بہرہ ور ہوں گے، مقصود نسبت کا حاصل ہونا ہے اس کا علم ہونا دوسری بات ہے اگر دیں تو بہت اچھا اور خوب ہے ورنہ غم نہیں ہے، نسبت جب دیر سے اور تکلیف اٹھا کر حاصل ہوتی ہے تو قدر و منزلت رکھتی ہے اور جو چیز آسانی سے اور جلدی حاصل ہو جاتی ہے کچھ زیادہ قدر و منزلت نہیں رکھتی اور اگر کوئی شخص جلدبازی کرے وہ بوالہوس ہے طالب اور صحبت کے قابل نہیں ہے، لوگ کمینی دنیا کے طلب کرتے میں کیا کچھ تکلیفیں نہیں اٹھاتے حق جل وعلا کی طلب اس (تکلیفیں اٹھانے) کی زیادہ حقدار ہے بزرگوں نے اس طلب میں بہت سی ریاضتیں کی ہیں اور عمریں گذاری ہیں۔

اوحدی شصت سال سختی دید تاشبے روئے نیک بختی دید

بر سر پائے چلہ داشتہ ام تخم وحدت بسینہ کاشتہ ام

[اوحدی نے ساٹھ سال تک سختی دیکھی تب کہیں ایک رات نیک بختی کا چہرہ دیکھا۔ میں نے چلہ کو ٹھوکر پر رکھا ہے (یعنی حقیر جانا ہے اور) وحدت کا بیج سینے میں بویا ہے]۔ فنائے قلبی جو کہ ہمارے طریقہ میں بعض طالبوں کو سہولت کے ساتھ حاصل ہو جاتی ہے اس کی مثال ایسی ہے جیسا کہ کسی کی آنکھیں باندھ دیں اور یکایک منزل پر پہنچا دیں اور کئی سالوں کا راستہ آنکھ جھپکنے میں طے کرا دیں، ہزاروں احوال و مواجید و تلوینات اور ملونہ و غیر ملونہ الوان و انوار کے مشاہدات اور کشوف و واردات جو کہ حقیقی مقصد سے اتنا زیادہ تعلق نہیں رکھتے اس نسیان کی گرد کو بھی نہیں پہنچتے، اور طالبان کے حق میں اس معنی کا حاصل ہونا آسان کام نہ جانیں اور سیر الی اللہ کا دائرہ کہ جس کا اندازہ پچاس ہزار سال کے راستہ کے ساتھ کیا گیا ہے پوری طرح طے کرنے کو آسان نہ جانیں اور تلوینات سے پوری طرح نکلنے اور تمکین کے ساتھ مل جانے کو حقیر امر خیال نہ کریں ہاں یہ معاملہ دوسرے کمالات کی یہ نسبت جو کہ اس کے اوپر ہیں

ص ۲۷۶

ایسا ہے جیسا کہ دریائے محیط کے بالمقابل ایک قطرہ ؎

آسماں نسبت بعرش آمد فرود ورنہ بس عالی ست پیشِ خاکِ تود

[آسمان عرش کی بہ نسبت بہت نیچے واقع ہوا ہے ورنہ خاک کے تودہ کے سامنے تو بہت ہی بلند ہے]

حضرت شیخ الشیوخ (شہاب الدین سہروردی) قدس سرہ کتاب عوارف (عوارف المعارف) میں خوارق وکرامات[۱] کے ذکر کے بعد تحریر فرماتے ہیں کہ یہ سب اللہ تعالیٰ جل شانہ کی عنایات ہیں ایک جماعت کو اس کے ساتھ مشرف کرتے ہیں اور کبھی (ایسا) ہوتا ہے کہ ان سے بہتر ایک جماعت ہوتی ہے کہ ان کو ان خوارق وکرامات میں سے کچھ بھی حاصل نہیں ہوتا۔ اس کے بعد لکھتے ہیں کہ یہ سب خوارق وکرامات ذات تعالیٰ کے ذکر سے حقیر ہیں اور قلب کے ذکر کے ساتھ تجوہر (یعنی ملکۂ حضوری حاصل کرنے سے) کم درجے کے ہیں۔

آپ نے لکھا تھا کہ "ملا عبداللہ نام ایک دوست ایک ہفتہ میں فنائے قلبی کو پہنچ گیا اور ابتدائے زمانہ سے ایک ماہ کے بعد اس نے اپنے ذکر کے جو احوال ظاہر کئے وہ سب فنائے نفس کے مشابہ ہیں اور اس فنا کی علامات ظاہر ہوتی تھیں"۔ میرے مخدوم! یہ نادر اور عجیب وغریب امور میں سے ہے مگر بہت کم لوگوں کو اس تیزی کے ساتھ یہ دونوں دولتیں میسر ہوئی ہوں گی۔ آپ نے لکھا تھا کہ "ملا ادریس بہت بلند احوال رکھتا ہے اور اس کی صحبت اثر کرنے والی ہے استخارے کے بعد لوگوں کی ایک تعداد کو (ذکر سکھانے) کی اجازت اس کو دے دی گئی ہے"۔ میرے مخدوم! جب مشار الیہ (شخص مذکور) اس تعداد کو پورا کرلے تو پہلی تعداد سے دو چند یا اس سے زیادہ کی اس کو اجازت دیدیں اور اسی طرح تعداد بڑھاتے رہیں اور جس وقت اس میں شرعی طریقوں اور صوفیوں کی عادات واطوار پر استقامت سمجھیں اور فنا وتمکین کا معاملہ مشاہدہ کریں اگر بہتر جانیں تو استخاروں کے بعد سفارت کے طریق پر سنتِ سنیہ علی مصدرہا الصلوات والتسلیمات پر استقامت کی شرط کے ساتھ مطلق اجازت دیدیں۔ اور نیز آپ نے لکھا تھا کہ صوفی محمد شریف جو کہ مریدوں میں سے ہے کابل سے آیا ہے اس کی نسبت وحال کو اپنی نسبت وحال سے فائق پایا۔ میرے مخدوم! فقیر نے بھی اس عزیز کے ساتھ ایک مجلس میں مجالست کی تھی اور بہت خوش ہوا تھا لیکن فوقیت رکھنے میں توقف ہے، اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہم کو اور آپ کو اور تمام بھائیوں کو کرامت وترقی وتوفیق میں زیادتی عطا فرمائے۔ رَبَّنَا اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا وَاغْفِرْ لَنَا اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ[۲] [اے ہمارے رب! ہمارے لئے ہمارے نور کو پورا فرمادے اور ہمیں بخش دے بیشک تو ہر چیز پر قادر ہے]۔

۲۷۷

---

[۱] عوارف برحاشیہ احیاء ص ۳۲۹ جزء ثانی۔ [۲] سورت ٦٦ آیت ۸۔

مکتوب ۱۲۳

مرزا عبید اللہ کے نام بلند ہمتی پر ترغیب اور دوسرے مشاہدات پر اس شہود کی فضیلت کے بارے میں جو کہ احکامِ شرعیہ میں رونما ہوتا ہے تحریر فرمایا۔

الحمد للہ وسلام علٰی عبادہ الذین اصطفٰی: برادر اعزّ ارشد ارجمند کا مکتوب عزیز میر دوست محمد نے پہنچا کر خوشوقت کیا، اللہ تعالیٰ عافیت اور ترقیات کے ساتھ رکھے۔ آپ نے لکھا تھا کہ غیر و غیریت کے شہود کی اس حد تک کامل نفی ہو گئی ہے کہ کسی ظلّی اور اعتباری مغائرت کو بھی پسند نہیں کرتا بلکہ کوئی دوسرا وجود ثابت کرنا کفر معلوم ہوتا ہے اس کے باوجود بندگی اور عبادت کی رعایت اپنی جگہ پر قائم ہے اور آپ ظاہری شرع کے طریقوں سے حتی الامکان ایک دقیقہ بھی ترک نہیں کرتے ہیں"۔ اللہ تعالیٰ جل سلطانہٗ کا شکر بجا لائیں کہ باطن اس قسم کے حال سے پوری طرح مغلوب ہو اور ظاہر آدابِ شرعیہ پر قائم رہے، حق سبحانہ و تعالیٰ دن بدن استقامت کو زیادہ کرے کیونکہ یقینی نجات اس میں ہے اور اس کے ماسوا میں خطرہ ہے ہمت کو بلند رکھیں اور ان احوال کو وصول کے لئے سازوسامان جانیں اور ترقی کے زینے تصور کریں اور مطلوب کو وراء الوراء طلب کریں اور شہود و مشاہدہ سے باہر تلاش کریں۔ ایک بزرگ نے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو خواب میں دیکھا عرض کیا یا رسول اللہ! توحید کیا چیز ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا جو کچھ تیرے دل میں وسوسہ گذرے یا تیرے خیال میں آئے اللہ سبحانہ و تعالیٰ اس سے ماوراء ہے۔

آپ نے لکھا تھا "حضرت خاتمیت علیہ من الصلوات ادومہا و من التسلیمات اتمہا کی حقیقت کے ساتھ محبت کرنا ایک کامل ترین مقام سے ہے اور احکامِ شرعیہ کے غوامض (باریکیاں) خاص شکلوں میں کیفیت کے بغیر متجلی ہوتے ہیں اور مقصود کے چہرہ کو دوسرے آئینوں سے زیادہ صاف انکشاف بخشتے ہیں"۔ میرے مخدوم! اس شہود کو جو کہ احکامِ شرعیہ کے آئینوں میں ظاہر ہوتا ہے ان شہودات کے ساتھ جو اس عالمِ فانی کے آئینوں میں ظاہر ہوتے ہیں کیا نسبت؟ اس لئے کہ احکامِ شرعیہ کو عالمِ آخرت کے موجودات کے ساتھ مشابہت ہے کیونکہ اُس عالم میں ممکن کے وجود کی جانب کو ترجیح دیکر صفات کے حُسن و جمال کا مظہر بنادیں گے جو کہ ان کے وجود میں ثابت ہیں بخلاف اس عالمِ فانی کی موجودات کے کہ ممکن کے عدم کی جانب کو ترجیح دیکر اس حُسن و جمال کا مظہر بنایا گیا ہے جو عدمِ صفات کے احتمال کی جانب میں نمودار ہوا ہے اس لئے کہ صفاتِ واجبی کے لئے کہ ہر دو عالم (عالمِ فانی و عالمِ آخرت) کی موجودات

ص ۲۷۸

جن کے مظاہر ہیں جس طرح ان کے وجود کی جانب میں حسن وجمال موجود ہے (اسی طرح) ان کے عدم کے احتمال کی جانب میں بھی حسن وجمال ثابت ہے لیکن جو حُسن کہ عدم میں نمودار ہوتا ہے اس کی مثال ایسی ہے کہ حنظل کو شکر کے ساتھ غلاف (SUGAR COATED) کر دیں اور شیریں محسوس کرا دیں اس لئے آخرت کی لذتیں اور نعمتیں سب پسندیدہ، مقبول اور ترقی بخش ہوئیں اور آخرت رضا کا گھر ہوا اور دنیا غضب کا گھر ہوئی اور اس کی فانی نعمتوں میں مشغول ہونا ناپسندیدہ ہوا کیونکہ اس مقام کا حُسن وجمال عدم کے زہرآب کے ساتھ مخلوط ہے، اس معاملہ کی تحقیق ہمارے حضرت عالی قدس سرہٗ کے مکتوبات کی جلد ثالث کے مکتوب صدم میں تفصیل کے ساتھ مذکور ہے وہاں سے طلب کریں، بلکہ ہم کہتے ہیں کہ احکامِ شرعیہ جو کہ اللہ تعالیٰ کے اوامر و نواہی ہیں (یہ سب) خطابِ ازلی ہیں جو کہ صفتِ کلام سے تعلق رکھتے ہیں پس اس جگہ نفسِ اسم کا ظہور عدم کے آئینوں کے بغیر ہوگا اور ان تمام ظہورات کو جو کہ عدم کے آئینوں میں اسماء کے ظلال کے ساتھ وابستہ ہیں اس ظہور سے کیا مساوات اور کونسی نسبت ہے۔

آپ نے لکھا تھا کہ "اس وقت میں لوگ طریقہ کے لئے بہت زیادہ مجبور کرتے ہیں الخ" میرے مخدوم! جس جگہ طالب صادق دیکھیں اور استخارہ موافق آجائے اور دل بے تکلف متوجہ ہو جائے تو طریقہ بتا دیں ورنہ مجبوری نہیں ہے لیکن اگر بعض وسوسے اور اندیشے اس کام میں پیش آئیں تو ان سے استغفار ضروری ہے۔ آپ نے ولایتِ کبریٰ کے کمالات اور نبوت کے خصائص اور قدوۃ المحققین ہمارے حضرت عالی قدسنا اللہ بسرہ الاقدس کی ولایت کے خواص میں سے بعض کے بارے میں دریافت کیا تھا میرے مخدوم! ان امور میں سے اکثر حضرتِ عالی (قدس سرہ) کے مکتوبات میں واضح اور مشرح ہیں (اُن کو) مطالعہ فرمائیں، اگر کسی جگہ کوئی پوشیدگی رہ جائے (سمجھ میں نہ آئے) تو دریافت کر لیں، ولایت سہ گانہ کہ ولایتِ صغریٰ، ولایتِ کبریٰ اور ولایتِ علیا ہیں اُن کی تفصیل مکتوباتِ شریفہ جلد اول کے مکتوب ۲۶۰ میں ہے اور حضرتِ عالی (قدس سرہٗ) کی ولایت اور اس کی خصوصیات مکتوبات شریفہ کی جلد ثالث کے مکتوب ۱۰۴ و ۱۰۵ میں مذکور ہے (وہاں) دیکھ لیں اور اچھی طرح غور کریں کیونکہ ہر مکتوب ایک گہرا سمندر ہے (ان) بے پایاں اسرار میں غوطہ لگانا چاہیے تاکہ (ان) چاروں مکتوبات میں سے بیش بہا موتیوں کو نکالے اور (اپنے) مقام سے نہ ہٹے اور دوگانہ شکر بجالائے۔ البتہ بہت سے ایسے اسرار ہیں جو تحریر کی قید میں نہیں آئے ہیں لیکن وہ تحریر میں پوری طرح ادا نہیں ہو سکتے (بلکہ) صحبت پر موقوف ہیں۔

آسودہ شبے باید و خوش مہتابے تا با تو حکایت کنم از ہر بابے

[ایک فرصت کی رات اور اچھی چاندنی ہونی چاہیئے تاکہ تجھ سے ہر چیز کے بارے میں بیان کروں] السلام اولاً و آخراً۔ صاحبزادگان و متعلقین اطمینان وسکون کے ساتھ رہیں۔

مولانا محمد صدیق کے نام عوام و خواص و اخص الخواص کے ایمان کے درمیان فرق کے بارے میں تحریر فرمایا۔

اللہ تعالیٰ مراتبِ شہود کو جو کہ ظلال کے ساتھ وابستہ ہیں طے کرا کر غیب الغیب کے ساتھ جو کہ اصل کے ساتھ تعلق رکھتا ہے ایمان نصیب کرے اور اس وصل سے جو کہ پانی معلوم ہونے والے سراب کی مانند ہے رہائی دے کر کام کی حقیقت تک پہنچائے، ایمان بالغیب یا عوام کو نصیب ہے یا اخص الخواص کا حصہ ہے کہ جنھوں نے کمالاتِ نبوت سے کچھ حصہ پایا ہے اور وہ نہایت النہایت سے بقدرِ استعداد آگاہ ہیں، خواص و متوسطین شہود کی لذت کے ساتھ خوش ہیں اور وصال کے خیال کے ساتھ مطمئن ہیں۔ کسی نے خوب کہا ہے ؎

بوقتِ صبح شود، ہمچو روز معلومت که باکہ باختۂ عشق در شبِ دیجور

[صبح کے وقت تجھ کو دن کی طرح معلوم ہو جائے گا کہ تو نے اندھیری رات میں کس کس کے ساتھ عشق بازی کی ہے]۔

جو وسوسہ تیرے دل میں آئے اور جو کچھ تیرے خیال میں گذرے پس اللہ تعالیٰ اس کے خلاف (ماوراء) ہے۔ عوام کا ایمان بالغیب ظلمانی و نورانی پردوں کے پیچھے سے ہے اور خواص اگرچہ ظلمانی پردوں سے پوری طرح رہائی حاصل کر چکے ہیں لیکن نورانی پردوں سے پوری طرح نہیں نکلے اور ان میں پھنسے ہوئے ہیں اور ان کے شہود کو مطلوب کا شہود تصور کر لیا ہے اور جو عشق بازیاں کہ صرف مطلوب سے کرنی چاہئیں اُن کے ساتھ کرنے لگے ہیں اور اخص الخواص کا ایمان بالغیب نورانی و ظلمانی پردوں سے گذرنے کے بعد ہے، یہ بزرگوار دوسرے گروہ کے شہود کو پسِ پشت ڈال کر ذاتِ وراء الوراء کے گرفتار ہیں، انھوں نے یقین کیا ہے کہ اس عالم میں اس مقدس مرتبہ سے یقین کے سوا اور کچھ نصیب نہیں ہے کیونکہ رویت (دیدارِ باری تعالیٰ) کا وعدہ آخرت میں کیا گیا ہے، اگرچہ وہ کسی قسم کا پردہ حائل نہیں رکھتے لیکن بصر و بصیرت (ظاہری و باطنی نظر) کا ضعف شہود کے ادراک سے مانع ہے، ان دونوں ایمانوں اور دونوں غیبوں کے درمیان بہت فرق ہے: رَبَّنَا اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا وَاغْفِرْ لَنَا اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ[1] [اے ہمارے رب! ہمارے لئے ہمارے نور کو پورا فرما دے اور ہمیں بخش دے بیشک تو ہر چیز پر قادر ہے]۔

---

[1] سورت ۶۶ آیت ۸

مکتوب ۱۲۵

مولانا حسن علی کے نام وعظ و نصیحت کے بارے میں تحریر فرمایا۔

اِسْتَجِیْبُوْا لِرَبِّکُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ یَّاْتِیَ یَوْمٌ لَّا مَرَدَّ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ مَا لَکُمْ مِّنْ مَّلْجَاٍ یَّوْمَئِذٍ وَّمَا لَکُمْ مِّنْ نَّکِیْرٍ [قبل اس کے کہ ایسا دن آپہنچے جس کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی لوٹانے والا نہیں ہے تم اپنے رب کا حکم مانو، اس روز نہ تمہارے لئے کوئی جائے پناہ ہوگی اور نہ تمہارے لئے کوئی (اللہ سے) روک ٹوک کرنے والا ہوگا] پس صوفی کی شان رب الارباب (اللہ تعالیٰ) کی طرف شوق کرتے ہوئے اس کے احکام ماننے کی طرف جلدی کرنا اور پسندیدہ کاموں اور درجات کو طلب کرتے ہوئے نیکیوں اور عبادات کی طرف سبقت کرنا ہے۔ سَارِعُوْٓا اِلٰی مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّکُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ [تم اپنے رب کی بخشش اور جنت کی طرف جس کا عرض تمام آسمان ہیں جلدی کرو] پس اس کی عظمت و کبریائی کے میدان میں عارفین کے قلوب سرگشتہ ہیں اور اس کی ملاقات کے شوق میں محبین کے جگر جل رہے ہیں پس اس شخص پر افسوس ہے جس نے اللہ تعالیٰ سے روگردانی کی اور اس شخص پر حسرت ہے جس نے اللہ تعالیٰ کے احکام (کے معاملہ) میں حد سے تجاوز کیا، تو اس چیز کی تعمیر میں مشغول نہ ہو جس کی تخریب (بربادی) کا تجھ کو حکم دیا گیا ہے اور تو اپنے باطن کی تعمیر اور اس کی پاکیزگی میں کوشش کر اور تو کسی چیز کی طرف نظر نہ کر مگر اس وقت جبکہ تو اللہ سبحانہ کو اس کے قبل اور اس کے بعد دیکھے اور کسی کے ساتھ صحبت اختیار نہ کر مگر اس وقت جبکہ تو اللہ تعالیٰ کو اس کے ساتھ دیکھے اور تو جان لے کہ بیشک وہ عرشانہ شکستہ و غمگین، بکثرت گریہ و زاری کرنے والے، محبت کی آگ میں جلنے والے، غفلت والی فکر سے خالی، دار الغرور (دنیا) سے کنارہ کش اور دار القرار (آخرت) کے لئے تیار رہنے والے دل کے ساتھ ہے خبردار! مالداروں اور ظالموں کی ظاہری آرائش کی طرف مائل نہ ہوں۔ اَلَآ اِنَّهُمْ فِیْ مِرْیَةٍ مِّنْ لِّقَآءِ رَبِّهِمْ اَلَآ اِنَّهٗ بِکُلِّ شَیْءٍ مُّحِیْطٌ [آگاہ رہ کہ بلاشبہ یہ لوگ اپنے رب سے ملنے کے بارے میں شک و شبہ میں ہیں آگاہ رہ کہ بیشک وہ (اللہ تعالیٰ) ہر چیز کو احاطہ کئے ہوئے ہے] والسلام

(حاشیہ: ۲۸۰ ۔ ۴۲/۴۷ ؛ ۲۸۱ ۔ ۳/۱۳۳ ؛ ۲۸۲ ۔ ۴۱/۵۴)

مکتوب ۱۲۶

شاہ خواجہ ترمذی کے نام آیتِ کریمہ اِسْتَجِیْبُوْا لِرَبِّکُمْ الآیۃ میں ذکر کی ہوئی استجابت کے بیان میں اور اس بارے میں تحریر فرمایا کہ بیشک تمام کمالات شریعتِ غرا میں مندرج ہیں۔

اِسْتَجِیْبُوْا لِرَبِّکُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ یَّاْتِیَ یَوْمٌ لَّا مَرَدَّ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ مَا لَکُمْ مِّنْ مَّلْجَاٍ یَّوْمَئِذٍ وَّمَا لَکُمْ مِّنْ نَّکِیْرٍ ﴿قبل اس کے کہ ایسا دن آپہنچے جس کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی لوٹانے والا نہیں ہے، تم اپنے رب کا حکم مانو، اس روز نہ تمہارے لئے کوئی جائے پناہ ہوگی اور نہ تمہارے لئے کوئی (اللہ سے) روک ٹوک کرنے والا ہوگا﴾ ظاہری استجابت (ماننا) احکامِ شریعت کے ساتھ آراستہ ہونا اور سننِ مصطفویہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتحیہ کے ساتھ جو کہ ظاہر کے ساتھ تعلق رکھتی ہیں زینت حاصل کرنا ہے اور باطنی استجابت حق تعالیٰ وتقدس کے ماسوا سے انقطاع و بے تعلقی پیدا کرنا اور اللہ تعالیٰ کے اُن اسرار و معارف کے ساتھ جن کا تعلق باطن سے ہے آراستگی حاصل کرنا ہے۔ پہلی بات (ظاہری استجابت) شریعت کی صورت ہے اور دوسری بات (باطنی استجابت) شریعت کی حقیقت ہے، پس ظاہری و باطنی کمالات شریعتِ حقہ کے دائرے میں داخل ہیں، لہٰذا شریعت کی صورت اصل ہے اور اس کی حقیقت اس پر مرتب ہونے والا پھل ہے پس یہ (شریعت) کَشَجَرَةٍ طَیِّبَةٍ اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّفَرْعُهَا فِی السَّمَآءِ ﴿اس پاکیزہ درخت کی مانند ہے جس کی اصل (جڑ) ثابت (قائم و مضبوط) ہے اور اس کی شاخیں آسمان میں ہیں﴾ پس اصل (جڑ) کی قوت کے مطابق پھل اور شاخیں اکثر و اعلیٰ ہونگی پس کمالِ وصول کی علامت کمالِ تقویٰ و کمال اتباعِ شریعتِ غرا، دار الغرور (دنیا) سے کنارہ کشی اور دار القرار (آخرت) کے لئے تیار رہنا ہے اور نبیِ مختار اور آپ کی آلِ ابرار اور تمام انبیاءِ کرام و ملائکہ عظام اور تمام صالحین پر صلوٰۃ و سلام ہو جبتک رات اندھیری اور دن روشن ہوتا رہے (یعنی ہمیشہ ہو) آمین۔

افادت دستگاہ شیخ میر ک شاہ کے نام ممکن کی حقیقت اور فنائے حقیقی کی وضاحت کے بیان میں تحریر فرمایا۔

حضرت حق سبحانہ وتعالیٰ نبیِ کریم اور آپ کی آلِ امجاد علیہ وعلیہم الصلوات والبرکات الیٰ یوم التناد کے طفیل (آپ کی) ذاتِ بابرکات کو (اپنے) قرب کے مدارج میں جذبات و عنایات کے ساتھ ترقیات عطا فرمائے۔ (یہ فقیر) نہیں جانتا کہ اس عالی جناب (آپ) کی خدمت میں کیا لکھے، ممکن بیچارہ کہ جس کو مطلوبِ حقیقی کی

استہلاک واضمحلال (فنا و نیستی) کے سوا اور کچھ حاصل نہیں ہے اس کے کمال سے کیا حاصل کرے اور اس کے حُسن وجمال کا کس طرح پتہ لگائے کیونکہ اس کی ذات عدم ہے کہ جس نے کمالاتِ وجودی کے انعکاس کے واسطے سے نمود بے بود پیدا کرلی ہے اور اس نمود بے بود کے ساتھ اپنے آپ کو کامل وخیر خیال کرلیا ہے اور اس بے بنیاد نمود پر طویل بنیاد رکھی ہے اور جب (اللہ تعالیٰ کی) عنایت سبقت کرتی ہے اور اصل کا کمال پر توڑ التا ہے اور معاملہ کی حقیقت ظاہر ہو جاتی ہے تو انعکاسی کمالات اصل کی طرف لَوٹ جاتے ہیں اور امانت اہلِ امانت کی ہو جاتی ہے، عارف صحرائے عدم کی طرف رُخ کرلیتا اور اپنی ہستی سے جدا ہو جاتا ہے اس وقت وہ فنائے حقیقی سے مشرف ہو جاتا ہے، اور ممکن اگر اپنی طرف خیر وکمال کی نسبت کرے تو خائن ہوگا اور اصل کے ساتھ ہمسری کا دعویٰ ظاہر کرے گا، کمال اس کے حق میں اپنے آپ سے کمال کی نفی کرنا ہے اور اچھا ہونا (اس کے حق میں) اچھا ہونے کی نفی کرنے میں ہے یہ دید اور یہ انخلاع (اپنی ہستی سے جُدا ہونا) اس محبت کی زیادتی کا اثر ہے جو اس نے اصل کے ساتھ پیدا کی ہے کیونکہ کمال محبت کا مقتضا مُحِبّ کا فنا ہو جانا اور محبوب کو باقی رکھنا ہے ؂

عشق آں شعلہ است کو چوں بر فروخت ہرچہ جز معشوق باقی جملہ سوخت

[عشق وہ شعلہ ہے کہ جب وہ جل اُٹھا تو معشوق کے سوا جو کچھ باقی ہے اُس نے سب کو جلا دیا] اور اصل کا ظہور جسقدر زیادہ ہوگا اس شرکت سوز محبت کا غلبہ بھی اسی قدر زیادہ ہوگا اور محویت وفنائیت بھی اسی قدر زیادہ ہوگی ؂

آنرا کہ بحسن دیدہ تیز است ایں عشق بلائے خانہ خیز است

[جس شخص کی آنکھ حُسن کے لئے تیز ہے اس کے لئے یہ عشق خانہ خیز آفت ہے]۔ حضرت حق سبحانہ نبی اُمّی علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والبرکات العلی کے طفیل کہ جن کی آنکھ نے کجی نہیں کی اور حد سے تجاوز نہیں کیا ہم فرقت زدوں کو اُن معانی کے ساتھ کچھ ایمان نصیب فرمائے اور اس سرچشمہ سے کچھ مشروب عطا کرے۔

۲۸۲

مکتوب ۱۲۸
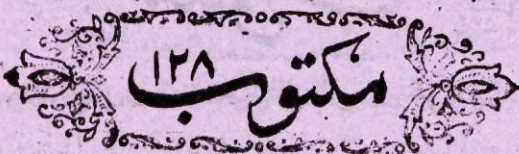
حافظ عبد الغفور کے نام اس بارے میں تحریر فرمایا کہ مواجید کا طالب ماسوٰی کا طالب ہے۔

میرے مخدوم! چونکہ آپ شکستہ (دل) فقرا کے ساتھ اللہ عزوجلّ کے لئے محبت رکھتے ہیں امید ہے کہ نتیجہ بخش ہوگی اور کام میں کشادگی پیدا کریگی۔ احوال کی تلوینات (رنگا رنگیاں) جو بعض طالبین کو

فنا وبقا کے درجہ تک پہنچنے سے پہلے اثنائے راہ میں حاصل ہوتی ہیں مقاصد میں سے نہیں ہیں اور وہ حق تعالیٰ کا غیر ہیں، طالبِ حق جل وعلا کو اس سبحانہ وتعالیٰ کے ماسوا سے روگردانی ضروری ہے تاکہ توجہ کا قبلہ منتشر نہ ہو جائے، پس احوال ومواجید کا طالب ماسوا کا گرفتار ہے بیشک البتہ فنا وبقا مقاصد میں سے ہے اس کے حاصل کرنے میں کوشش کرنا اور اسی طرح اس کی طلب کرنا اہم کاموں میں سے ہے کیونکہ ولایت اُس کے ساتھ وابستہ ہے اور حق سبحانہ کی معرفت جو کہ انسان کے پیدا کرنے سے مقصود ہے اس پر موقوف ہے دیگر جس قسم کا ولولۂ شوق اور شعلۂ عشق کہ مجاز میں پیش آتا ہے وہ حقیقت میں درکار نہیں ہے اس لئے کہ وہ (حقیقی) عشق ومحبت چونکہ اس بے کیف وبیچون (بے مثل) کے ساتھ ہے (اس لئے) بیچونی (بے مثل ہونے) کا کچھ حصہ رکھتا ہے اسی لئے اس کو بعض بزرگوں نے ارادۂ طاعت سے تعبیر کیا ہے کبھی (ایسا) ہوتا ہے کہ وہ محبت چون کے لباس میں ظاہر ہوتی ہے اور نعرہ وزاری ظاہر کرتی ہے اور کبھی (ایسا) ہوتا ہے کہ اس طریق پر ظاہر نہیں ہوتی اور اپنی بے کیفی کی حقیقت پر رہتی ہے بلکہ جائز ہے کہ بعض اوقات اس محبت کی نفی کرے اور (حالانکہ) حقیقت میں محبت کمال پر ہو، کیا تو نہیں دیکھتا کہ عالمِ مجاز میں کسی شخص کو کوئی چیز اپنی ذات سے زیادہ محبوب نہیں ہے کیونکہ مال اور بیوی بچوں میں سے جس چیز کو بھی وہ دوست رکھتا ہے اپنے لئے دوست رکھتا ہے اور اپنی محبت میں کوئی نعرہ وشوق درمیان میں نہیں ہے اور یہ جو ہم نے (اوپر) "عالمِ مجاز میں" کہا ہے یہ اس لئے (کہا) ہے کہ عالمِ حقیقت میں محبوبِ حقیقی اپنی ذات سے بھی زیادہ محبوب ہے اسی لئے فنا اس محبت کا اثر ہوئی۔ مصرع "گر ایں سودا بجان بودے چہ بودے" [اگر یہ سودا جان کے ساتھ ہوتا تو کیا ہوتا] اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کی محبت بھی اسی قسم سے ہے جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے: لن یؤمن احدکم حتی اکون احب الیہ من نفسہ واھلہ والناس جمیعا [تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک ہرگز مؤمن (کامل) نہیں ہو سکتا جب تک کہ میں اس کے نزدیک اس کی جان، اس کے اہل وعیال اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں] اور شیخِ طریقت چونکہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا قائم مقام اور اللہ تعالیٰ کے فیوض کے پہنچنے کا ذریعہ (ہوتا) ہے (اس لئے) اس کی محبت بھی اسی طریقے پر ہونی چاہیئے، والسلام

۲۸۳

مولانا محمد صدیق کے نام اس واقعۂ عالی کی تعبیر میں تحریر فرمایا جو انہوں نے لکھا تھا۔

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ: مدت ہوئی کہ اس برادرِ دینی کی طرف سے کوئی خط موصول نہیں ہوا، دل منتظر ہے، ہر حال میں جمعیت کے ساتھ رہیں اور انسانی کمال کو پہنچیں اور دور افتادہ دوستوں کو سلامتیٔ خاتمہ کی دعا سے فراموش نہ کریں، اس سے کافی عرصہ پہلے آپ نے لکھا تھا کہ "خواب میں دیکھتا ہے کہ ٹیڑھی دیوار کے اوپر جو نہایت بلند اور باریک ہے چڑھا ہے اور ڈرتے اور کانپتے ہوئے نہایت خوف کے ساتھ اس دیوار کے اوپر عبور کیا ہے اور اس دیوار کی ایک گز یا دو گز (جگہ) رہ گئی تھی کہ دیوار کی پشت سے گر پڑا اور پھر مضبوط ہو کر اور کمر اچھی طرح باندھ کر سینکڑوں مشقت کے ساتھ اپنے آپ کو دیوار کے اوپر کیا اور جب دیوار کی پشت پر نگاہ کی تو دیکھا کہ چند سطر جلی قسم کے ساتھ اس دیوار کے اوپر لکھی ہوئی ہیں" ھذا جدار العشق وسیف المحبۃ" [یہ عشق کی دیوار اور محبت کی تلوار ہے] ان کلمات کو دیکھتے ہی فقیر کے اندر سے نعرہ بلند ہوا اور اپنے آپ کو ہوا میں معلق پایا اسی اثنا میں افاقہ حاصل ہو گیا الخ"

میرے مخدوم! ہو سکتا ہے کہ یہ دیوار عینِ ثابتہ کی تمثیل ہو کہ اصل ولایت اس کے وصول کے ساتھ وابستہ ہے اور اس تک وصول تعینِ امکانی سے سالک کی فنا اور حق تعالیٰ کی طرف سے عطا کئے ہوئے وجود کے ساتھ اس کی بقا کا سبب ہے اس لئے وہ سیف محبت ہو گی اور چونکہ عینِ ثابتہ کا یہ تعین اطلاق (ذاتِ مطلق) کے چہرے پر ایک پردہ ہے اس لئے عشق کی دیوار اور معشوق کا پردہ ہو گی کیونکہ عشق بمعنی معشوق ہے اور (یہ بھی) جائز ہے کہ عشق بمعنی عاشق ہو اور جدار کی اضافت عشق کی طرف اضافتِ بیانیہ ہو اور اس مرتبہ پر عاشق کا اطلاق اس مرتبہ کے ساتھ عاشق کے بقا و تحقق کے اعتبار سے ہو اور یہ تعین اگرچہ وجودِ موہوب کے ساتھ حاصل ہوا ہے لیکن جزو ہونے کے کوچہ سے نہیں نکلا ہے اور اطلاق سے نیچے کے درجے میں ہے اور عاشق جس مرتبہ میں بھی ہو معشوق کا حجاب ہے۔ انت الغمامۃ علی شمسك فاعرف حقیقتك [تو اپنے سورج پر ایک بادل ہے پس تو اپنی حقیقت کو پہچان لے] اور اس کے اوپر چڑھنا اس تعین کے حجاب کے رفع ہونے اور مرتبۂ اطلاق کے شہود سے کنایہ ہے اور ہوا میں (معلق) ہو پایا تو اس تعین سے بالکل گذر جانے اور اس کے اوپر سیر کرنے سے کنایہ ہے یا نزول مراد ہے جس کو سیر عن اللہ باللہ سے تعبیر کیا جاتا ہے جو کہ سیر فی اللہ کے بعد حاصل ہوتی ہے اور یہ تعبیر اس سے زیادہ مناسب ہے کہ اس دیوار کو تعینِ امکانی کے ساتھ تعبیر کیا جائے اور اس واقعہ کی ایک اور بہت اعلیٰ تعبیر ہے جو کہ منجملہ قدوۃ المحققین ہمارے حضرت عالی قدسنا اللہ سبحانہ بسرہ الاقدس کے اسرار میں سے ہے وہ معنی سر دست آپ کے حوصلہ کے لائق معلوم نہیں ہوتے اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ رَبِّيْ شَيْئًا وَسِعَ رَبِّيْ كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا

۲۸۴

۲/۱۴۸

[مگر یہ کہ میرا رب کوئی چیز چاہے، میرا رب علم کے اعتبار سے ہر چیز کا احاطہ کئے ہوئے ہے] چونکہ آپ کی محبت اس نسبت والوں کے ساتھ ایک طرح سے درست ہے (اس لئے) امیدوار رہیں فان المرء مع من احب [پس بیشک آدمی اس کے ساتھ ہے جس سے وہ محبت کرتا ہے] آپ اجمالی محبت رکھتے ہیں اور تفصیل کا شوق نہیں رکھتے اس کی بھی قدر کریں اور غنیمت جانیں اور زیادتی کے طالب رہیں وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا [اور آپ کہد یجئے کہ اے میرے رب میرا علم زیادہ فرما]۔

فریادِ حافظ این ہمہ آخر بہرزہ نیست ہم قصۂ غریب وحدیثِ عجیب ہست

[حافظ کی یہ فریاد آخر فضول تو نہیں ہے یہ تو نادر قصہ اور عجیب بات ہے] والسلام علیکم وعلی من لدیکم۔

مکتوب ۱۳۰

خواجہ محمد حکیم ولد قاضی اسلم کے نام اس بارے میں تحریر فرمایا کہ تمام کمالات سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اتباع میں منحصر ہیں اور اس بات کے بیان میں کہ مرشد کے باطن سے فیض حاصل کرنا مرید کی محبت کے اندازے کے مطابق ہے۔

حمد وصلوٰۃ وتبلیغ دعوات کے بعد شفقت شعار کی خدمت میں عرض کرتا ہے کہ اس حدود کے فقرا کے احوال واطوار حمد کے لائق ہیں اور اللہ سبحانہ سے آپ کی سلامتی اور شریعتِ پسندیدہ وسنتِ منورہ مصطفویہ علی مصدرہا الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ کے راستہ پر آپ کی استقامت کے لئے دعا کی گئی ہے پس بیشک ظاہری وباطنی کمالات شریعتِ منورہ کے دائرے میں مندرج اور خاتم الانبیاء علیہ وعلیہم الصلوات والبرکات العلیٰ کے اتباع میں منحصر ہیں پس جذبہ وسلوک (کی) آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کے آثار سے امید رکھی جاتی ہے اور فنا وبقا (دونوں) آنحضرتؐ کے طریقوں (سنّتوں) میں موجود ہیں اور تینوں ولائتیں یعنی صغریٰ وکبریٰ وعلیا آپ کے سمندروں کے قطرے ہیں اور نبوت ورسالت (دونوں) آنحضرتؐ کے انوار سے ماخوذ ہیں اور مقطعاتِ قرآنیہ آنحضرتؐ کے اسرار کے رموز ہیں صلی اللہ علیہ وعلی آلہ والانصارہ وسلم

گرامی نامہ نے جو کہ آپ نے اس دور افتادہ ناکارہ کے نام موسوم فرمایا تھا پہنچکر مسرور کیا، امید ہے کہ آپ اس طریقہ کی نگہداشت رکھیں گے باطنی تعلق کے سلسلہ کو جاری رکھیں گے جو کہ دعا اور غائبانہ توجہ کا سبب ہے اور اس بات کی کوشش کرتے رہیں گے کہ یہ سلسلہ اور زیادہ قوی ہو جائے اور کمال کو پہنچ جائے کیونکہ یہ بات طے شدہ ہے کہ فیض پہنچانے والے کے باطن سے برکات جاری ہونا اس تعلق کے مطابق ہے

طالب کا باطن ان انوار سے جسقدر زیادہ روشن ہوگا فیض پہنچانے والے کے باطن سے صورتِ فیضیہ کا ظہور اسی قدر زیادہ کامل ہوگا، کسی نے خوب کہا ہے۔ مصرع

بقدرِ آئینہ حُسنِ تو می نماید روے [تیرا حُسن بقدرِ آئینہ رونما ہوتا ہے]

دوستوں سے سلامتیٔ خاتمہ کی دعا کی امید کی گئی ہے۔ والسلام

مکتوب ۱۳۱

حافظ محمد شریف کے نام فنائے قلب و نفس حاصل کرنے کی نصیحت و ترغیب کے بارے میں تحریر فرمایا۔

الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ: کلام مجید کے حافظ کے خدام اس دور افتادہ (کی طرف) سے دعائیں پڑھیں اور دعائے خیر سے فراموش نہ کریں اور اوقات کی تعمیر میں کوشش کریں اور ظاہر و باطن میں ورع و تقویٰ (پرہیزگاری) کے ساتھ رہیں اور قبر و قیامت کو نصب العین بنائیں اور ذکر و حضور و مراقبہ پر اتنی ہمیشگی کریں کہ حضور کے یہ معنی دل کی صفت راسخہ (ملکہ) بن جائے اور یاد کرد کے تکلف سے نجات حاصل ہو جائے جیسا کہ سننا قوت سامعہ کی صفت اور دیکھنا قوتِ باصرہ کی صفت ہے اور چونکہ وہ بارگاہِ مقدس (اللہ تعالیٰ) عز اسمہ خالص دین چاہتی ہے اور شرکت کے ساتھ راضی نہیں ہے (اس لئے) کوشش کریں کہ مذکور (اللہ تعالیٰ) کے ماسوا (ہر چیز) میدانِ قلب سے سامان باندھ لے (رخصت ہو جائے) اور ماسوا سے اس کا علمی و حُبّی تعلق اس حد تک ختم ہو جائے کہ اس نسیان کے واسطے سے جو اس کے دل کو ماسوا سے حاصل ہوا ہے اگر تکلف کے ساتھ بھی ماسوا کو یاد کرے تو میسر نہ ہو، اسوقت سالک فنائے قلبی کو پہنچ جاتا ہے اس کے بعد اگر محض فضل سے نفس حاضر (ذاتِ سالک) بھی درمیان سے سامان باندھ لے اور کوچ کا نقارہ بجائے اور ذکر و توجہ و حضور از خود بخود ہو جائے تو فنائے نفس سے مشرف ہو جاتا ہے اور قرب و معرفت کی قابلیت پیدا کر لیتا ہے ۔

دادیم تُرا ز گنجِ مقصود نشان گر ما نہ رسیدیم تو شاید برسی

[ہم نے تجھ کو مقصود کے خزانے کی نشاندہی کر دی، اگر ہم نہ پہنچے تو شاید تو ہی پہنچ جائے] والسلام اولاً و آخراً۔

مکتوب ۱۳۲

یہ بھی حافظ محمد شریف کے نام نصیحت کے بارے میں تحریر فرمایا۔

جناب برادرم حافظ محمد شریف اوقات کی حفاظت اور نسبتِ باطن کے شرف سے مشرف ہو کر ص ۲۸۶ اس کی کیفیت کے زیادہ کرنے میں کوشاں رہیں، آپ نے ذکرِ قلبی کے دوام کے بارے میں لکھا تھا مبارک ہے کوشش کریں کہ ذکر سے مذکور تک پہنچ جائیں اور دال (رہنمائی کرنے والا) سے مدلول (جس کی طرف رہنمائی کی جائے) تک آجائیں اور صورت سے حقیقت کے ساتھ ہو جائیں اور لفظ سے معنی کی طرف مائل ہو جائیں کسی نے خوب کہا ہے ؎

توے ز وجودِ خویش فانی　　　　رفتہ ز حروف در معانی

[ایک قوم اپنے وجود سے فانی ہے وہ حروف سے معانی کے اندر چلی گئی ہے] اس پر مزید (لکھنے) کی گنجائش وقت میں نہیں ہے ؎

آسودہ شبے باید و خوش مہتابے　　　　تا با تو حکایت کنم از ہر بابے

[ایک فرصت کی رات اور اچھی چاندنی ہونی چاہئے تاکہ میں تجھ سے ہر چیز کے بارے میں بیان کروں] والسلام والاکرام۔

مکتوب ۱۳۳

مولانا محمد صدیق کے نام اُن کے مکتوب کے جواب میں جو کہ حالات و سوالات پر مشتمل تھا تحریر فرمایا۔

حمد و صلوٰۃ اور تبلیغ دعوات کے بعد عرض کرتا ہے، مکتوبِ مرغوب پہنچا، آپ نے لکھا تھا کہ "ابتدائے حال میں اپنے آپ کو محبت کے غلبات میں اہلِ شغل کی جماعت سے ممتاز پاتا تھا، اب اپنے آپ کو ایک طرح سے خالی اور نکما خیال کرتا ہے کہ تمام مخلوقات سے کمتر شمار کرتا ہے اور اپنے اندر کسی قسم کی قبولیت کی بو نہیں سمجھتا اور اپنے شغل و اذکار و مراقبہ کو ناچیز سمجھتا ہے الخ"۔ امید ہے کہ اس سے زیادہ خراب و خالی ہو جائیں گے اور عدمِ محض کے ساتھ مل جائیں گے اور ہر وقت فقر ذاتی منظور ہو گا اور امانت اہلِ امانت کے سپرد اور عدم دوسرے عدم کے ساتھ ہو جائے گا، اوقات کی تعمیر اور عبادات و ریاضات کے وظائف کی پابندی جسقدر بن سکے غنیمت و محمود ہے اور ترقی بخشنے والی اور باطن کو نورانی کرنے والی ہے اگرچہ اس کا اثر بظاہر بہت کم محسوس ہو اور اس کا ذوق و لذت فی الحال ادراک میں نہ آئے۔

آپ نے الہام اور نیک امور کا خیال دل میں آنے کے درمیان فرق دریافت کیا تھا۔ آپ جان لیں کہ الہام بھی دل میں آنے والے خیالات میں سے ہی ہے لیکن ان دونوں میں جس چیز سے امتیاز کیا جا سکتا ہے وہ الہام کی ہوئی چیز کے ساتھ یقین یا غلبۂ ظن کا حاصل ہونا اور اس کے ساتھ باطن کا انشراح ہے اور نیز صاحبِ الہام سمجھتا ہے کہ کس جگہ سے القا (ہوا) ہے اور دل میں آنے والے خیال کا منشا (جائے پیدائش)

اس شخص کا نفس ہے اور بس۔ اور آپ نے فنائے روح و سرّی و خفی و اخفی کی علامات اور ان میں سے ہر ایک کے مابہ الامتیاز کے بارے میں دریافت کیا تھا۔ میرے مخدوم سر دست وقت اس تفصیل کی یاوری نہیں کرتا کیونکہ (وقت) گنجائش نہیں رکھتا اور قاصد روانہ ہو رہا ہے اگر کسی دوسرے وقت کچھ معلوم ہوا اور توفیق پائی تو انشاء اللہ تعالیٰ لکھے گا، اتنا ہے کہ نفس کا مل طور پر فنا ہونا ان لطائف کی فنا کو شامل ہے کیونکہ فنا سے پہلے بھی اور فنا کے بعد بھی ان لطائف عشرہ کا رئیس وہی ہے خیار کم فی الجاھلیۃ خیار کم فی الاسلام اذا فقھوا (تم میں سے جو لوگ جاہلیت میں بہتر ہیں وہ اسلام میں (آنے کے بعد) بھی بہتر ہونگے جبکہ وہ سمجھ حاصل کریں) اگر آپ اس مکتوب میں غور کریں جس میں طریقہ کا بیان ہے تو امید ہے کہ آپ ان لطائف میں سے ہر ایک کی فنا کو الگ الگ سمجھ لیں گے۔ میرے مخدوم! دین اور طریقہ میں نئے پیدا شدہ امور سے بچنا ضروری ہے، طریقہ میں کوئی ایسی نئی بات لوگ پیدا کریں جو کہ بزرگوں میں نہیں تھی وہ اس بدعت کی مانند ہے جو مکمل دین میں نئی پیدا کی جائے، طریقہ کی برکتیں اس وقت تک جاری رہتی ہیں جب تک لوگوں نے اس طریقہ کو نئے پیدا کئے ہوئے امور سے آلودہ نہ کیا ہو۔ اِنَّ اللّٰہَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ (اللہ تعالیٰ کسی قوم کی حالت کو اس وقت تک نہیں بدلتا جبتک کہ وہ لوگ اپنے آپ کو نہ بدلیں) علم شرط ہے۔

مکتوب ۱۳۴

مولانا حسن علی کے نام اس طریقۂ عالیہ کے بزرگوں کی تعریف میں اور ان کے اسرارِ عالیہ کے اشارات کے بارے میں تحریر فرمایا۔

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ: حضرت حق سبحانہٗ شریعتِ منورہ اور حضرت محمد مصطفیٰ علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات کی سنت کے طریقہ پر قائم و دائم رکھے۔ میرے مخدوم! ہمارے بزرگوں نے سنت پر عمل کرنا اختیار کیا اور بدعت سے پرہیز فرمایا ہے جو امور کہ دین میں نئے پیدا ہو گئے ہیں اگرچہ وہ بظاہر باطن کے لئے فائدہ مند معلوم ہوں ان پر عمل نہیں کرتے اور اتباعِ سنت کو اگرچہ وہ بظاہر حقیقت میں فائدہ مند معلوم نہ ہو ترک نہیں کرتے اسی لئے ان (بزرگوں) کا طریقہ بلند ہوا اور ان کے وصول کا پیش طاق (چھجہ) اونچا ہو گیا ان بزرگوں کی بدایت (ابتدا) نہایت (انتہا) آمیز ہو گئی اور انھوں نے کام کی حقیقت سے آگاہی حاصل کر لی اور ظلال سے گذر کر اصل کے ساتھ مل گئے اور انبیائے کرام

علیہم الصلوات والتحیات والبرکات والتسلیمات کے مخصوص کمالات سے کامل حصہ پالیا اور فیصلہ کر دیا کہ نبوت ولایت سے افضل ہے اگرچہ اُس نبی ہی کی ولایت ہو اور جو فیصلہ کہ اس کے برخلاف ہوا ہے انھوں نے اس کو سُکرِ وقت پر محمول کیا ہے اگر ان اکابر کے معاملہ کی حقیقت سے ذرہ بھر بھی بیان کرے تو قریب ہے کہ نزدیک کے لوگ دوری تلاش کریں اور واصلین ہجر (جدائی) کے راستہ پر دوڑیں، سننے والا ہوش سے جاتا رہے اور کلام کرنے والے کو طاقت نہ رہے ؎

فریادِ حافظا ایں ہمہ آخر بہرزہ نیست ہم قصۂ غریب وحدیثِ عجیب ہست

[حافظ کی یہ سب فریاد آخر فضول تو نہیں ہے یہ تو نادر قصا اور عجیب بات ہے] قرآن مجید کی آیاتِ متشابہات اس کا ایک رمز ہیں اور فرقانِ حمید کے مقطعات اس کا ایک اشارہ ہیں، یہ دولت اصالت کے طور پر (یعنی بلا واسطہ) انبیائے کرام علیہم الصلوات والتسلیمات کو حاصل ہے اور کامل وارثوں کو بھی ان بزرگواروں (انبیاء علیہم السلام) کے اتباع کی وجہ سے وراثت کے طور پر حاصل ہے اگرچہ قلیل و نادر درجے میں ہو، پس آپ پر خاتم الرسل علیہ و علیہم الصلوات والبرکات کا اتباع لازم ہے تاکہ آپ اُن کے برکات کو حاصل کر لیں اور ان کے اذواق (مزوں) کو چکھیں اور ان کی شفاعت کے ساتھ قیامت کی ہلاکت گاہوں سے نجات پائیں۔ والسلام علیکم و علی من لدیکم [آپ پر اور آپ کے پاس والوں پر سلام ہو]۔

ص ۲۸۸

مکتوب ۱۳۵

یہ بھی مولانا حسن علی کے نام اس بارے میں تحریر فرمایا کہ منصبِ قضا سے عہدہ برآ ہونا بہت ہی مشکل ہے۔

حمد و صلوٰۃ اور تبلیغ دعوات کے بعد برادرِ عزیز مولانا حسن علی، اللہ سبحانہ و تعالیٰ اس کے حال کو نیک کرے اور اس کی امیدیں پوری فرمائے، کو عرض کرتا ہے (کہ) اس حدود کے فقراء کے احوال حمد کے لائق ہیں، اُس بھائی (آپ) کا خط پہنچا، اللہ تعالیٰ ظاہر و باطن کی جمعیت (اطمینان) کے ساتھ رکھے اور ماسوا کی دید و دانش سے رہائی دے اور آفاق و انفس سے ترقی بخشے۔ اور آپ نے قاضی محمد رفیع کے بارے میں جو لکھا تھا، میرے مخدوم! یہ معاملہ اگرچہ صحبت سے تعلق رکھتا ہے لیکن مشار الیہ (شخص مذکور) کے شوق کو دیکھ کر طریقہ لکھتا ہے حق سبحانہ فائدہ مند بنائے، منصبِ قضا سے عہدہ برآ ہونا بہت ہی مشکل ہے قاضی کو شرع کا پابند ہونا چاہئے تاکہ اس ذمہ داری سے عہدہ برآ ہو سکے۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے اس (قدر) علم و تقوی کے باوجود اس منصب کو قبول نہیں فرمایا۔ ڈرتے اور کانپتے رہنا چاہئے اور ہمیشہ

آہ وزاری کے ساتھ اس منصب سے رہائی کی دعا کرنی چاہیئے، لقمہ میں احتیاط اس راستہ کی شرط ہے،
یہ معنی حسن ادا کے ساتھ مشارٌالیہ (قاضی محمد رفیع) کو بیان کردیں۔ والسلام علیکم۔

ملا نعمت اللہ کے نام نصیحت کے بارے میں تحریر فرمایا۔

برادر عزیز مولانا نعمت اللہ! اللہ تعالیٰ جل شانہ کے انعامات کے ساتھ ممتاز رہیں، آپ کا خط پہنچا، اوقات کی تعمیر میں پوری پوری کوشش کرتے رہیں اور مخلوقات کے ساتھ میل جول بقدرِ ضرورت کریں اور شب بیداری کو غنیمت جانیں اور اپنے کردار پر گریہ وزاری کرتے رہیں اور اس دُور افتادہ کو دعا کے ساتھ یاد کریں، والسلام علیٰ من اتبع الھدیٰ [جس شخص نے ہدایت کی پیروی کی اس پر سلام ہو]۔

۲۸۹

میرزا عبید اللہ کے نام اجمالی طور پر دقیق اسرار کے بیان میں تحریر فرمایا۔

حمد و صلوٰۃ اور تبلیغِ دعوات کے بعد عرض کرتا ہے کہ (جملہ) احوال قابلِ شکر ہیں۔ اور اُس (اللہ) سبحانہٗ سے آپ کی عافیت و استقامت اور قرب کے مدارج میں ترقیٔ درجات اور ولایاتِ ثلاثہ کے مراتب تک پھر اُن سے علومِ ولایت تک پہنچنے اور مرتبۂ نبوت کے کمالات سے حصہ پانے پھر ان سے خاتم الانبیاء علیہ وعلیہم وعلیٰ آل کل الصلوات والبرکات کے مقام تک اطلاع پانے کے لئے دعا کی گئی ہے تاکہ نفس کامل درجہ کا اطمینان حاصل کرلے اور سینہ کو کما حقہٗ انشراح حاصل ہوجائے اور مختلف عناصر میں اعتدال پیدا ہوجائے پس وہ خلّت و محبتِ ذاتیہ سے حصہ اور ان پوشیدہ اسرار سے بہرہ حاصل کرلے جن کی طرف صحابی کی زبان سے اشارہ کیا گیا ہے کہ "اگر میں اُن اسرار کو تم پر فاش کردوں تو ضرور یہ گلا کاٹ دیا جائے"۔ اور تجھے جان لینا چاہیئے کہ ولایتِ صغریٰ کے کمالات حاصل کرنے میں عمدہ چیز مراقبہ اور قلبی اذکار یعنی اسمِ ذات و نفی اثبات کا ذکر ہے اور آخری دونوں ولایتوں (ولایتِ کبریٰ و عُلیا) کے حاصل کرنے میں نفی اثبات کا زبان کے ساتھ ذکر کرنا (تہلیل لسانی) ہے اور جو کمالات مرتبۂ نبوت کے ساتھ وابستہ ہیں ان کے حصول میں مدد دینے والی چیز قرآن مجید کی تلاوت کرنا اور نماز میں پڑھنا بالخصوص فرض نماز میں

پڑھنا ہے پھر اس کے بعد وہ مقام آتا ہے جس میں نہ عمل کے لئے کوئی نتیجہ ہے اور نہ ہی اعتقاد کے لئے کوئی اثر ہے، وہاں ترقی محض فضل و احسان کے ساتھ وابستہ ہے اور یہ مقام اصالت کے طور پر انبیائے مرسلین علیہم السلام والبرکۃ کے ساتھ مخصوص ہے اور ان کے تابع ہو کر دوسروں کے لئے بھی اس مقام سے حصہ ہے پھر اس کے اوپر وہ کمال آتا ہے جس میں تفضل سے محبت کی طرف ترقی ہوتی ہے پس اس کمال کے حصول میں ترقی کرنا محبتِ صرفہ (خالص محبت) پر موقوف ہے، اور محبت میں بھی محبیت و محبوبیت دو کمال ہیں پس محبیت ذاتیہ کے کمالات کا ظہور اصالت کے طور پر کلیم (حضرت موسٰی) علیہ السلام کے ساتھ مخصوص ہے اور محبوبیتِ ذاتیہ کے کمالات پہلے تو حبیبِ خدا علیہ وعلیٰ آلہ افضل الصلوات واکمل التحیات کے ساتھ مخصوص ہیں اور پھر ان دونوں (کلیم و حبیب علیہما الصلوٰۃ والسلام) کے طفیل سے دوسروں کے لئے ان دونوں کمالوں کی امید ہے۔ والسلام

ض ۲۹

مولانا محمد صدیق کے نام بلند ہمتی کی ترغیب اور اس راز کو منکشف کرنے میں تحریر فرمایا کہ توجہ کے برخلاف غیر توجہ میں نسبت زیادہ ہو جاتی ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ: آپ کے گرامی نامہ نے پہنچ کر خوشوقت کیا، آپ نے اپنے آپ کو ناقص دیکھنے اور بلند ہمتی اور حاصل کئے ہوئے امور پر اکتفا نہ کرنے کے بارے میں (جو کچھ) لکھا تھا (وہ) نیک و مبارک ہے، ممکن بیچارہ جو کہ فی نفسہٖ خیر و کمال سے خالی ہے کمال اس کے حق میں نقص کی دید اور کمال کی نفی کرنا ہے اور بھلا ہونے کی نفی اور نقص و شریت کے مشاہدہ میں بھلائی ہے، اپنے آپ کو موہوم کمال سے خالی کرنے اور امانت (اہلِ امانت کو) واپس کرنے کے بعد اس قابل ہوا کہ غنیٔ مطلق (اللہ تعالیٰ) سے بھیک مانگے اور گداگری کرے اور چونکہ اس (حق تعالیٰ) کے عطیات و کمالات کی کوئی حد نہیں ہے اور اس (بندہ) کا پیاسا اور مفلس ہونا بھی کمال درجہ کا ہے (اس لئے) جسقدر ہمت کو بلند کرے اور ھَلْ مِنْ مَّزِیْدٍ [کیا اور بھی ہے] کی صدا لگائے اس کو سزاوار ہے۔

آپ نے لکھا تھا کہ "جس وقت ارادہ کر کے متوجہ اور مراقب ہوتا ہے تو خاطر خواہ نسبت محسوس نہیں ہوتی اور جب توجہ کو ترک کر دیتا ہے تو بلا طلب و بے ارادہ مخصوص نسبت محسوس ہوتی ہے اور اسی لئے مراقبہ میں بہت کم مشغول ہوتا ہے"۔ میرے مخدوم! باطنی نسبت جسقدر اصالت کی طرف جاتی

اور ظلیت کی قید سے آزاد ہوتی جاتی ہے ظاہر کے ادراک (پانے) سے دُور جا پڑتی ہے اور مراقبہ کے احاطہ میں نہیں آتی، مراقبہ کمالاتِ ظلی کے ساتھ وابستہ ہے اور کمالاتِ اصلی سے بہت کم حصہ رکھتا ہے، شہود ومشاہدہ والے حضرات مراقبہ کے ساتھ لذت حاصل کرتے ہیں اور جو شخص شہود سے گذر چکا ہے وہ مراقبہ میں بہت کم مشغول ہوتا ہے۔ جاننا چاہیئے کہ یہ جو کچھ بیان ہوا اہلِ انتہا اور اخصِ خواص کا معاملہ ہے اور خواص ومتوسطین کے لئے اس معنٰی کا لازمہ یہ ہے کہ جب سالک کا ظاہر اپنے باطن کی طرف توجہ نہیں رکھتا تو باطن اپنے معاملہ میں مشغول ہے اور کسی مزاحمت کے بغیر اپنے مقصد میں لگا ہوا ہے اور جب ظاہر باطن کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو باطن کو بھی ظاہر کے ساتھ ایک گونہ توجہ پیدا ہو جاتی ہے اور اس مشغولیت میں جو کہ وہ اپنے معاملہ میں رکھتا تھا کچھ فتور آ جاتا ہے اور اس سکون وحضور میں خلل واقع ہو جاتا ہے، واللہ سبحانہ الملہم بالصواب [اور اللہ سبحانہ ہی صحیح بات کا الہام کرنے والا ہے]

مکتوب ۱۳۹

پشاور کے دوستوں کے نام عارفِ کامل کی حقیقت کے بیان میں تحریر فرمایا

ص ۲۹۱

برادرانِ کرام خواجہ محمد صدیق ومولانا حسن علی اور ملا نعمت اللہ کی طرف حمد وصلوٰۃ اور تبلیغِ دعوات کے بعد عرض ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو خواہشات وارادات سے فنا نصیب فرمائے اور اپنی مرضیات وتمام کمالات کے ساتھ بقا عطا فرمائے اور تقویٰ کے لباس سے زینت بخشے اور تجلیات کے زیور سے آراستہ کرے اور انھیں شیون کی تفصیلات سے ذات کے اجمال کی طرف عروج عطا فرمائے کیونکہ جو عارفِ کامل بقاءِ ذاتی کے ساتھ مشرف ہے وہ اپنے جمال کو جہانوں کے آئینوں میں مشاہدہ کرتا ہے اور اپنی ذات کو کلی واجمالی طور پر اور عالم کو اپنے مظاہر وتفصیل دیکھتا ہے اور اپنی ذات کو افرادِ عالم میں سرایت کئے ہوئے اور اس طرح احاطہ کئے ہوئے معائنہ کرتا ہے جس طرح کُل اپنے اجزاء کو احاطہ کئے ہوئے ہوتا ہے بلکہ اُن میں سے بعض کو ایسا احاطہ ہے جیسا کہ ذات کا احاطہ صفات کے لئے ہوتا ہے پس اس کے لئے ذات ہے اور اس کے ماسوا صفات کے مظاہر ہیں اور یہ آخری قسم کاملین میں سے بعض افراد کے ساتھ مخصوص ہے نادر ہوتے ہیں اس کے لئے عنقا کا حکم ہے اگر کوئی (اس کا) پانے والا ہزاروں سال کے بعد (اس کو) پالے تو بیشک اس کو غنیمت جانے ؎

بیاید تو اے خواجہ سبلت مکن　　　اگر پادشہ بر درِ پیرزن

[اگر بادشاہ بوڑھی عورت کے دروازے پر آجائے تو اے خواجہ تو حسد نہ کر]

مکتوب ۱۴۰

شیخ علیم جلال آبادی کے نام اس بارے میں تحریر فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت کے بعض درجات کسبی ہیں اور بعض وہبی، اور اعتقاد و عمل کو بعض میں دخل ہے اور بعض میں دخل نہیں ہے۔

حمد و صلوٰۃ و تبلیغِ دعوات کے بعد عرض کرتا ہے کہ اس حدود کے فقراء کے احوال و اطوار حمد کے لائق ہیں امید ہے کہ دُور افتادہ دوست بھی نیکی کے راستہ پر ہوں گے اور سیدِ کائنات فخرِ موجودات علیہ افضل الصلوات واکمل التحیات کی متابعت پر ظاہری و باطنی طور پر قائم ہوں گے اور اس متابعت کے درجات و مراتب ہیں، حضرت قبلۃ الواصلین اسوۃ المحققین خلیفۃ اللہ فی العالمین ہمارے حضرت عالی قدسنا اللہ سبحانہ بسرہ الاقدس نے مکتوباتِ جلد ثانی کے مکتوب ۵۴ میں متابعت کے سات درجے قرار دیئے ہیں اگر ہو سکے تو اس مکتوب کا مطالعہ کریں، ان میں سے پہلے دو درجے کسبی ہیں جو کہ ظاہری و باطنی اعمال سے تعلق رکھتے ہیں اور تیسرا درجہ ایک لحاظ سے کسبی اور ایک لحاظ سے وہبی ہے کیونکہ اس کے مبادی و مقدمات (ابتدائی امور) کسبی ہیں اور فی نفسہٖ وہ وہبی ہے، چوتھا درجہ موہبی ہے لیکن اعتقاد و عمل کو اس کے حصول میں دخل ہے، ص ۲۹۲ پانچواں اور چھٹا درجہ اس سے بھی بلند تر ہے اور ساتویں (درجے) کے بارے میں کیا لکھے (وہ تو نہایت بالاتر ہے) خواص اہل اللہ کے اس قسم کے اذواق کے مطالعہ سے مقصود دو چیزیں ہیں (اول) اپنے عجز و قصور پر اطلاع ہونا دوم ان اکابر کے کمال پر ایمان لانا کہ یہ برکات کا پھل دیتا ہے اور (اس سے) ان حضرات کے ساتھ محبت میں زیادتی حاصل ہوتی ہے تاکہ المرء مع من احب [آدمی اپنے محبوب کے ساتھ ہوتا ہے] کی بشارت میں داخل ہو جائے۔ والسلام والاکرام۔

مکتوب ۱۴۱

میرزا عبید اللہ بیگ کے نام اس بارے میں تحریر فرمایا کہ موجودِ حقیقی کو موہوم کے ساتھ کچھ بھی نسبت نہیں ہے

حمد و صلوٰۃ و تبلیغِ دعوات کے بعد برادرم عبید اللہ بیگ کی خدمت میں عرض کرتا ہے کہ آپ کے مکتوبِ لطیف نے جو کہ احوالِ شریفہ پر مشتمل تھا پہنچ کر خوش وقت کیا، اس میں جو یہ درج تھا کہ "توحید علم کو بدل دینے کے سوا (اور کچھ) نہیں ہے اس پر فنا کا اطلاق بعید ہے" اور نیز درج تھا کہ "تنزیہ کو اس مرتبہ تک ظاہر کرتے ہیں کہ تشبیہ کی طرف ہرگز رُخ نہیں رکھتی اور تشبیہ کو اس کمال کے ساتھ جلوہ گر کرتے ہیں

کہ ہر گز تنزیہ کے ساتھ کوئی نزاع نہیں رکھتی" یہ سب درست و معقول ہے، موجودِ حقیقی کو (موجودِ) موہوم کے ساتھ کیا نزاع اور کونسا تضاد ہے، موجود ایک ایسے مرتبہ میں موجود ہے کہ جہاں موہوم کا کوئی نام و نشان نہیں ہے، آئینہ کو اُس صورت کے ساتھ جو اس میں منعکس ہوئی ہے کوئی نسبت نہیں ہے یہ نہیں کہہ سکتے کہ صورت آئینے میں داخل ہے یا اس سے خارج ہے، اس کے ساتھ متصل ہے یا اس سے جدا ہے یہی نسبت موہوم کو موجود کے ساتھ ہے کہ دونوں ایک ہی مرتبہ میں ہیں آئینہ خارج میں ہے اور صورت وہم کی اختراع کی ہوئی ہے، توحید اس مرتبہ میں اگرچہ علم کو بدل دیتا ہے لیکن اس مشہور عبارت کو کہ وجودِ موہوم کی فنا وجودِ حقیقی کی بقا میں ہے اس معنی کی طرف پھیرا جا سکتا ہے، اور آپ نے جو یہ لکھا ہے کہ "اب فکر (شہود کے) جس نتیجے پر پہنچتی ہے دوسرے شرعی اعمال (بھی) وہی شہود بخشتے ہیں" (یہ) درست ہے، اللہ تعالیٰ اس دید کو کمال تک پہنچائے اور احکامِ شرعیہ میں سے ہر حکم سے مطلوب کی طرف راستہ کھولے۔ والسلام

مکتوب ۱۴۲

محمد کاشف کے نام اس سوال کے جواب میں جو انہوں نے ذکر لسانی نفی اثبات کے بارے میں کیا تھا کہ (اس میں) کلمہ محمد رسول اللہ کو کلمہ لا الٰہ الا اللہ کے ساتھ کتنی بار میں ملائے اور نماز وتر کے بعد سجدہ کرنے کے متعلق اُن کے سوال کے جواب میں تحریر فرمایا۔

۲۹۳

حمد و صلوٰۃ اور تبلیغِ دعوات کے بعد برادر رشید خواجہ محمد کاشف کو عرض کرتا ہے کہ آپ نے جو مکتوب اس اثناء میں حامل (فلاں) کے ہاتھ عصاؤں کے ساتھ بھیجا تھا پہنچا اور (عصاؤں کو) پہنچایا، اللہ سبحانہٗ قبول فرمائے۔ آپ نے دریافت کیا تھا کہ "کلمۂ طیبہ نفی اثبات کے تکرار کے وقت کلمۂ مبارکہ محمد رسول اللہ کو بھی اس کے ساتھ ملائے یا نہ ملائے، اور اگر ملائے تو کتنی مرتبہ کے بعد ملائے"۔ جواب (کتنی) مرتبہ کا کوئی تعین نہیں ہے ہر دس یا بیس یا ہر پچاس یا سو کے بعد ملائیں اور اس کلمہ کے تکرار سے اپنے مقاصد اور ارادوں کی نفی کریں تاکہ اپنے ارادوں سے پوری طرح خالی ہو جائیں اور واحد حقیقی و مطلب تحقیقی کے سوا کچھ مقصود نہ رکھیں، اپنی مراد تلاش کرنا بندگی کے مقام کے لائق نہیں ہے۔ مشائخ نے فرمایا ہے کہ جو کچھ تیرا مقصود ہے وہ تیرا معبود ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ جس شخص نے اپنی فکروں کو ایک فکر بنا لیا اللہ تعالیٰ اس کی دنیا و آخرت کی فکروں کے لئے کافی ہوتا ہے اور ایک روایت میں همًّا واحدا همّ المعاد یا همّ الاٰخرة [ایک فکر یعنی فکرِ معاد یا فکرِ آخرت] آیا ہے معاد یا آخرت سے مراد

دار الخلود (ہمیشگی کا گھر) ہے جو کہ دار اللقاء (ملاقات کا گھر) ہے اور ہو سکتا ہے کہ اس سے مراد اصل کی طرف باز گشت (لوٹنا) ہو جیسا کہ مولوی (رومی) علیہ الرحمہ نے اس شعر میں اشارہ کیا ہے ؎

ہر کسے کو دور ماند از اصلِ خویش باز جوید روزگارِ وصلِ خویش

[جو شخص کہ اپنی اصل سے دور رہ گیا وہ اپنے وصل کا وقت پھر سے تلاش کرے]۔ آپ نے دوسرا سوال وتر کے بعد سجدہ کرنے کے بارے میں کیا تھا، فقیر نے اس کا جواب روایت کے ساتھ اس سے پہلے بھیجا ہے تعجب ہے کہ نہیں پہنچا۔ خلاصہ یہ ہے کہ ہمارا عمل اور ہمارے حضرت عالی (حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ) کا عمل نہیں ہے اور علما نے اس کو منع کیا ہے (اس لئے) کرنا نہیں چاہئے (کتاب) سنن الہدیٰ میں ہے کہ نمازِ وتر کے بعد دو سجدے کرنا اور ان کے درمیان جلسہ (بیٹھنے) کے ذریعے فصل کرنا اور اس (جلسہ) میں آیۃ الکرسی پڑھنا کہ ان دونوں سجدوں پر بلادِ ہند میں عمل کیا جاتا ہے اخبار و آثار (احادیث و روایاتِ صحابہ) میں ان دونوں سجدوں کی کوئی اصل نہیں ہے اور فقہ مختار میں بھی ان دونوں کے لئے کوئی روایت نہیں ہے اور اہلِ عرب کا بھی ان دونوں سجدوں پر کوئی عمل نہیں ہے بلکہ شافعیہ ان دونوں کی حرمت کے قائل ہیں اور اکثر احناف ان دونوں سجدوں کو بالکل جانتے ہی نہیں ہیں اور میں نے ان دونوں سجدوں کے بارے میں فقہائے مدینہ سے دریافت کیا تو انھوں نے ان دونوں میں کراہت کا ہونا نقل کیا ہے، والسلام

مکتوب ۱۴۳

شیخ محسن کشمیری کے نام اس بارے میں تحریر فرمایا کہ طالب نابینا کا حکم رکھتا ہے اور اس کا کسی کامل کی خدمت میں پہنچنا محض عطائے الٰہی ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ اُس ذات کے طفیل جس کی نگاہ نے کجی نہیں کی اور نہ وہ گمراہ ہوا علیہ و علیٰ آلہ الصلوات والبرکات والتسلیمات العلیٰ، ماسوا کی غلامی سے آزاد کر کے اپنی بارگاہِ مقدس کا پوری طرح گرفتار بنائے اور احسان کی حقیقت تک پہنچائے جس کی علامت ان تعبد اللہ کانک تراہ ہے [یعنی تو اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طرح کرے گویا کہ تو اس کو دیکھ رہا ہے] تاکہ اُس (اللہ) تعالیٰ شانہ کی معیت کا جو کہ احسان کی صفت والے بندوں کے ساتھ ہے جیسا کہ کلامِ مجید سے معلوم ہوتا ہے[1] سِر (راز) ظاہر ہو اور اسم سے مسمّیٰ کی طرف دلالت کرے اور شرحِ صدر کے ساتھ متصف کرے جو کہ اطمینانِ نفس اور سینہ میں ایک نور کے آنے کے ساتھ وابستہ ہے جس کی علامت دار الغرور (دنیا) سے الگ ہونا

۲۹۴

---

[1] غالباً آیہ اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الْمُحْسِنِیْنَ مراد ہے۔ (مترجم)

اور دار القرار (آخرت) کی طرف آمادہ ہونا ہے جیسا کہ وارد ہوا ہے۔
آپ کے مکتوب شریف نے جو کہ مطلوب بے مثال کی طلب و شوق کے درد کی خبر دینے والا تھا مشرف کیا (یہ) کسقدر نعمت ہے کہ گوناگوں تعلقات اور اہلِ دنیا کی صحبت کے باوجود مطلوبِ حقیقی کا سودا دل کی گہرائی میں پیدا ہو جائے اور ہویّت غیب (ذاتِ حق تعالیٰ) کی خواہش جان کی پیشانی سے ظاہر ہو جائے، درویشوں کی محبت اس کا اثر ہے اور ان کے ساتھ نیازمندی اس پر واضح دلیل ہے، اس گروہ سے محبت کرنے والا اس گروہ کے ساتھ ہے اور ان کا ہمنشین اُن میں سے ہے المرءُ مع من احب [آدمی اسی کے ساتھ ہے جس سے وہ محبت کرتا ہے] نبی کریم علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کی حدیث ہے، حق سبحانہٗ سے اس طلب کی زیادتی کے لئے دعا کرتے رہیں اور اس خواہش و شوق کی تقویت طلب کریں تاکہ اس طلب میں یک رُخ و یک جانب رہیں اور اس نفیس جوہر کو فانی آرزوؤں کے غبار سے بے نُور و بے رونق نہ بنائیں اور آہ و زاری کے ساتھ اللہ تعالیٰ شانہٗ کے کرم سے دعا کریں کہ (کسی) کامل کی صحبت میں پہنچائے تاکہ استعداد کا جوہر روشن ہو جائے اور انسانی کمال اس کی صحبت میں ظاہر ہو جائے اور ناقص کی صحبت کا گرفتار نہ بنائے کیونکہ ناقص (کے ذریعہ) سے کامل نہیں بنتا اور سالک کی استعداد ضائع ہو جاتی ہے۔ ع

از کوزہ ہماں بروں تراود کہ در وست [کوزہ (برتن) سے وہی چیز باہر ٹپکتی ہے جو کہ اُس میں ہے]

طالب بیچارہ نابینا کی طرح ہوتا ہے مشکل ہے کہ وہ کامل و ناقص میں تمیز کرے اس جگہ فضل کی سبقت درکار ہے اور رحمت کی دستگیری ہونی چاہئے اور بس۔ اور اس بے پر و بال عاجز سے حصولِ کمال کا سوال کرنا بے نوال (مفلس) سائل سے سوال کرنے کی مانند ہے اگرچہ اس عالی مرتبہ گروہ کی محبت کی راہ سے ان اکابر کے کمال کے ساتھ کچھ ایمان حاصل کیا ہے اس لئے بعض طالبین نے جو کہ اس کے ساتھ نشست و برخاست کرتے ہیں حسنِ ظن کی وجہ سے بلکہ محض (اللہ تعالیٰ کے) فضل و کرم سے اس سرچشمہ سے کچھ شربت حاصل کیا ہے اور کرتے رہتے ہیں اور ایک جماعت کے رُشد و ہدایت کا ذریعہ بنتے ہیں لیکن چونکہ یہ ناکارہ اس محبت میں ناقص ہے اس پر متفرع ہونے والے میں بھی (محبت) ناقص ہی ہونی چاہئے، البتہ چونکہ آپ نے ان بے سر و سامان فقرا کے ساتھ کچھ حسنِ ظن پیدا کیا ہے اس لئے حدیث قدسی انا عند ظن عبدی بی [میں اپنے بندے کے گمان کے نزدیک ہوں] کے مصداق امید ہے کہ فضل و کرم سے اُس (حُسنِ ظن) کے مطابق اُس طرف سے بھی معاملہ فرمائیں گے ۲۹۵

آنکہ دُر ساختہ است قطرۂ بارانی را می تواند کہ دہد اشکِ مرا حسنِ قبول

[جس اللہ نے بارش کے قطرہ کو موتی بنا دیا ہے ہو سکتا ہے کہ وہ میرے آنسوؤں کو حُسنِ قبول عطا فرمائے] والسلام علیکم وعلیٰ سائر من اتبع الھدیٰ والتزم متابعۃ المصطفیٰ علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات والتحیات والبرکات العلی۔

مکتوب ۱۴۴

مولانا محمد صدیق کے نام اس بارے میں تحریر فرمایا کہ اصل کا معاملہ وراء الوراء ہے اور جو کچھ اس کے خلاف ہے وہ ظلال سے ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ میرے توفیق آثار بھائی جناب مولانا محمد صدیق اِس دُور افتادہ کی طرف سے دعا و سلام عافیت انجام پڑھیں اور عبادات و اذکار کے معمولات پر محنت کرتے رہیں اور رات کی نماز (تہجد) اور صبح کی گریہ وزاری کو غنیمت شمار کریں اور اس معاملہ کے طالب رہیں جو کہ ادراک (پانے) کے حوصلہ سے باہر ہو اور وہ کسی عبارت سے تعبیر اور کسی اشارہ کے ساتھ اشارہ نہ کیا جاسکے اور وہ وہم کی رسائی کا میدان نہ ہو، جو معاملہ کہ اصل کے ساتھ وابستہ ہے وہ ایسا ہی ہے اور جو ایسا نہیں ہے وہ ظلال و اوصاف سے تعلق رکھتا ہے۔ سید الطائفہ (حضرت جنید بغدادی) قدس سرہ نے مرنے کے بعد خواب میں جو اپنے حال کی خبر دی ہے شاید (اس میں) اسی معاملہ کی طرف اشارہ کیا ہے جیسا کہ انھوں نے فرمایا "عبارات ضائع ہو گئیں اور اشارات فنا ہو گئے اور ہم کو ان دو رکعتوں کے سوا جو ہم نے رات کے کسی حصے میں پڑھی تھیں اور کسی چیز نے نفع نہیں دیا" اس لئے کہ عبارات و اشارات جو کہ ظلال و صفات کے ساتھ وابستہ ہیں اصل کے ظہور کے بعد ھَبَاءً مَّنْثُوْرًا (تتر بتر) ہو گئے اور فانی و ناچیز بن گئے اور ان کا کوئی اثر نہ رہا اور چونکہ بندہ سے بندگی کے وظائف ادا کرنے کے سوا اور کوئی چیز اس بارگاہِ عالی کے ساتھ مناسبت نہیں رکھتی خاص طور پر نماز کا ادا کرنا جو کہ مؤمن کی معراج اور تمام عبادات کی جامع ہے خاص کر وہ نماز جو کہ رات کے کسی حصے میں ادا ہو کہ وہ وقت زمانہ کی سب سے بزرگ ساعت ہے اور اس آسمان (آسمانِ دنیا) پر (حق تعالیٰ کے) نزول کا وقت ہے اس لئے فرمایا کہ "ہم کو ان دو رکعتوں کے سوا جو ہم نے رات کے خلا میں پڑھی تھیں اور کسی چیز نے نفع نہیں دیا۔

حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہ نے فرمایا کہ "میں سات سال تک مولانا عارف (الدیک کرانی قدس سرہ) کے ہمراہ اس دوڑ دھوپ (کوشش) میں رہا کہ اصل سے آگاہی حاصل کروں تین بار حجاز کے سفر پر گیا اگر میں وہاں مولانا (عارف) کی مثل یا مولانا کے کمالات کا ذرا سا بھی مظہر کسی کو پاتا تو ہرگز وہاں سے واپس نہ لوٹتا" پس ہم جیسے ہجرت زدوں پر لازم ہے کہ اس طلب میں جان و دل کے ساتھ کوشش کریں اور جہاں کہیں سے اس نعمت کی بو باطن کے دماغ میں پہنچے اس کے پیچھے چلیں۔ والسلام اولاً و آخراً۔

ص ۲۹۶

مکتوب ۱۴۵

محمد عاشور بخاری کے نام اس بارے میں کہ کلمۂ طیبہ توحید کے تمام سلوک کے خلاصہ کو شامل ہے اور مفید نصیحتوں کے بیان میں تحریر فرمایا۔

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ: آپ کے گرامی نامہ نے خوش وقت کیا۔ حضرت حق جل وعلا ماسوا کی گرفتاری سے پوری طرح نجات دے اور درجاتِ قرب میں ترقیات نصیب فرمائے اور کلمۂ طیبہ کی برکات سے سیراب کرے۔ اہل اللہ کے نزدیک مسلّم ہے کہ باطن کو منور کرنے میں اس کلمۂ مبارکہ سے زیادہ نفع دینے والی کوئی چیز نہیں ہے، صاحبِ استعداد سالک اس کلمہ کے پہلے جزو (لَآ اِلٰہَ) کے ساتھ مطلوبِ حقیقی کے ماسوا کی نفی کرتا ہے اور اس کے دوسرے جزو (اِلَّا اللہُ) کے ساتھ معبودِ برحق کا اثبات کرتا ہے جو کہ تمام سلوک کا خلاصہ ہے ؎

تا بجاروبِ لَا نہ روبی راہ نرسی در سرائے اِلَّا اللہ

[جب تک تو لا کی جھاڑو سے راستہ کو صاف نہیں کرے گا (اس وقت تک) اِلَّا اللہ کی سرائے میں نہیں پہنچے گا]

آپ نے اخلاق پر مشتمل نصیحتیں طلب کی تھیں، میرے مخدوم! علومِ شرعیہ کی کتابیں اور نبئ کریم صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ وسلم کی حدیثیں اس امر کی کامل طور پر ضامن ہیں، شریعتِ منورہ کے مقتضا پر عمل کریں اور حضرت محمد مصطفیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سنت کو تمام امور میں پیشوا بنائیں کیونکہ آخرت کی نجات اور قربِ الٰہی جل شانہ کے درجات تک پہنچنا اس کے ساتھ وابستہ ہے اور اوقات کی آبادی میں پوری کوشش ملحوظ رکھنی چاہئے کیونکہ وقت نہایت قیمتی ہے لایعنی (فضول کاموں) میں صرف نہ ہو جائے، اور مخلوق کے ساتھ میل جول بقدرِ ضرورت کرنا چاہئے کیونکہ لوگوں کے ساتھ قدرِ ضرورت سے زیادہ صحبت رکھنا اس راستہ میں مہلک درندہ کی مانند ہے، اور راتوں کی شب بیداری اور صبح کے وقت کی گریہ وزاری کو غنیمت شمار کرنا چاہئے اور فانی لذتوں میں مشغول ہونے سے پرہیز کرنا چاہئے کیونکہ (یہ) باطن کو گدلا اور بے رونق کرتا ہے اور تمام لوگوں کے ساتھ خندہ پیشانی اور کشادہ روئی سے پیش آنا چاہئے اور خوش اسلوبی کے ساتھ نیکی کا امر کرنے اور برائی سے روکنے میں دریغ نہیں کرنا چاہئے اور کھانے، سونے اور کلام کرنے میں اعتدال کا خیال رکھنا چاہئے ؎

نہ چنداں بخور کز دہانت برآید نہ چنداں کہ از ضعف جانت برآید

[نہ اتنا (زیادہ) کھا کہ تیرے منہ سے نکلنے لگے (اور) نہ اتنا (کم کھا) کہ کمزوری سے تیری جان نکل جائے]

حق جلّ وعلا کی طلب میں مضطرب اور بے آرام رہنا چاہیئے۔ ابو بکر طمستانی (رحمۃ اللہ) نے کہا ہے کہ تصوف اضطراب (کا نام) ہے، جب سکون آگیا تو تصوف نہیں رہا، محب کو محبوب کے بغیر چین نہیں ہے اور وہ ماسوا کے ساتھ کسی طرح انس والفت اختیار نہیں کرتا۔ (بزرگوں نے) کہا ہے کہ مرید کو اس صفت کے ساتھ ہونا چاہیئے جیسا کہ کلام مجید میں مذکور ہے: حَتّٰٓى اِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ اَنْفُسُهُمْ [یہاں تک کہ جب زمین اپنی فراخی کے باوجود اُن پر تنگ ہو گئی اور وہ خود اپنی جانوں سے تنگ آگئے] اور جوانی کے دنوں کو غنیمت جانیں اور اس کی قوت کو مولا تعالیٰ کی طاعات میں صرف کریں، بڑھاپے کے وقت میں زندگی و فراغت کو فرض کرتے ہوئے معلوم ہے کہ کیا ہو سکتا ہے حدیث شابٌّ نشأ فی عبادۃ اللہ [وہ جوان جس نے اللہ تعالیٰ کی عبادت میں نشو ونما پائی] آپ نے سُنی ہوگی۔ اور بدعتی کی صحبت سے دُور رہنا اور بدعت کے کاموں سے الگ ہو جانا چاہیئے کیونکہ نجات سنت (پر عمل کرنے) میں ہے اور حق سبحانہ سے ہمیشہ دعا کرتی چاہیئے کہ (کسی) کامل کی صحبت میں پہنچائے تاکہ استعداد کا جوہر جِلا (چمک) حاصل کرے اور انسانی کمال ظاہر ہو جائے اور ناقص کی صحبت کا گرفتار نہ بنائے کیونکہ ناقص (کی صحبت کے ذریعے) سے کامل نہیں بنتا اور سالک کی استعداد ضائع ہو جاتی ہے۔

آپ نے لکھا تھا کہ "وحدت (توحید) کا عقیدہ اس قدر راسخ (پختہ) ہو گیا ہے کہ دل ساعت بساعت فیضِ حقیقی کے سرایت کرنے کے مشاہدہ سے متاثر ہوتا ہے اور بعض امور کے سوا تمام امور میں پوری محبت اللہ تعالیٰ کے ساتھ رکھتا ہے الخ" بہت بڑی نعمت ہے، اللہ تعالیٰ جل سلطانہٗ کا شکر بجا لائیں اور اس دید کی زیادتی طلب کریں تاکہ سب جگہ اس کا جمال مطالعہ کریں اور سب کو اس کے کمال آئینے سمجھیں اور اپنی قدرت و قوت سے پوری طرح باہر ہو جائیں اور تمام امور اس کے سپرد کئے ہوئے جانیں اور اپنے آپ سے معدوم اور اس کے ساتھ موجود رہیں اور اس کی ذات کو وراء الوراء تصور کریں۔ جو واقعہ کہ آپ نے دیکھا اور لکھا تھا نہایت پسندیدہ اور واضح ہے اور کامل مناسبت کی خبر دیتا ہے، اللہ تعالیٰ باطنی امور کو قوت سے فعل میں لائے انہ قریب مجیب [بیشک وہ قریب ہے اور دعا کو قبول کرنے والا ہے]۔

بس کنم خود زیرکاں را ایں بس است ۔۔۔ بانگِ دو کردم اگر در دہ کس است

[اب میں بس کرتا ہوں عقلمندوں کو یہی کافی ہے اگر گاؤں میں کوئی شخص ہے تو میں نے درندے (سے خطرے) کی آواز لگا دی ہے]

والسلام علیکم۔

مکتوب ۱۴۶
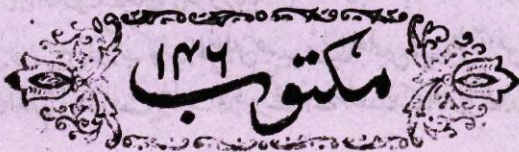
مولانا محمد صدیق کے نام اس بارے میں تحریر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جل شانہ کے جلال کے ظہور کو اُس سبحانہ کے جمال و انعام کی طرح ترقی و لذت کا سبب سمجھنا چاہیے۔

الحمد للہ فی السراء والضراء [خوشی و رنج دونوں حالتوں میں اللہ تعالیٰ کی حمد ہے] جو کچھ محبوبِ حقیقی جل سلطانہ کی طرف سے آئے مُحِب کی نظر میں بلکہ حقیقت میں خوبصورت و زیبا ہے، محب اس کے رنج دینے سے (ایسی ہی) لذّت حاصل کرتا ہے جیسی کہ اس کے انعام سے، ایک کو اس کے جمال کا ظہور اور دوسرے کو اس کے جلال کا مظہر دیکھتا ہے دونوں کو کمال کی صفت سمجھتا ہے اور صفت کو موصوف کا زینہ بناتا ہے اور صفت سے موصوف کی طرف مائل ہوتا ہے۔ فرزند جگر گوشہ کے رحلت کر جانے سے رضا و صبر اختیار کریں بلکہ محبوبِ حقیقی کا فعل ہونے کی وجہ سے اس سے لذت حاصل کریں اور فعل کو فاعل تک پہنچنے کا زینہ بنائیں، پیشانی پر شکن لانے اور بے صبری کرنے کی کیا گنجائش ہے جس طرح بیٹے کے وجود سے فائدہ حاصل کرتے تھے اور اس کو حق جلّ وعلا کی نعمت کا ظہور تصور کرتے تھے اس کے جاتے رہنے سے بھی خوشوقت رہنا چاہیئے اور اپنے حق میں صفاتِ جلالی کی تربیت جانیں اور اپنی سعادت اس درد و الم میں سمجھیں جو مالکِ حقیقی جل سلطانہ کی رضامندی کا دریچہ ہے، اس جہان کی مصیبتیں اگرچہ بظاہر زخم کو چھیل دینے والی ہیں لیکن باطن پر نظر کرتے ہوئے مرہم و راحت ہیں اور قرب و ترقیات کا سبب ہیں۔ کسی نے خوب کہا ہے: رباعی

با درد بساز چوں دوائے تو منم ۔۔۔ درکس منگر کہ آشنائے تو منم
گر بر سر کوئے عشقِ من کشتہ شوی ۔۔۔ شکرانہ بدہ کہ خونبہائے تو منم

[چونکہ میں تیرا علاج ہوں تُو درد کے ساتھ موافقت اختیار کر، تو کسی کو مت دیکھ کیونکہ میں تیرا آشنا ہوں، اگر تو میرے عشق کے کوچہ کے سرے پر مار ڈالا جائے تو شکرانہ ادا کر کہ تیرے خون کا بدلہ میں ہوں]
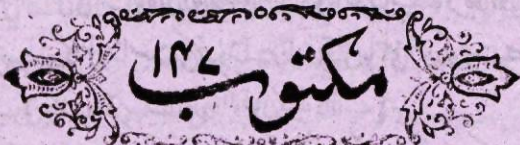
میر محمد خانی کے نام تعمیرِ اوقات پر ترغیب اور مسلمانوں کی ضروریات پوری کرنے اور حُسنِ خلق کے فضائل کی احادیث کے بیان میں تحریر فرمایا۔

اللہ سبحانہ ہمیں اور آپ کو سید المرسلین حبیب رب العلمین علیہ وعلیٰ آلہ من الصلوات افضلہا ومن التسلیمات اکملہا کی متابعت پر ثابت قدم رکھے۔ اے شفقت کے آثار والے! دنیوی زندگی نہایت

قلیل ہے اور ابدی ودائمی معاملات اس کے ساتھ وابستہ ہیں، سعادت مند وہ شخص ہے جو اس تھوڑی فرصت کو غنیمت جان کر اس میں آخرت کے کام بنائے اور طویل سفر کا توشہ مہیا کرے اور چونکہ حق تعالیٰ نے آپ کو لوگوں کی ایک جماعت کی ضروریات کا مرجع بنایا ہے (اس لئے) اللہ تعالیٰ جل سلطانہ کا شکر بجالا کر مخلوقِ خدا کی حاجات روائی میں اچھی طرح کمر ہمت باندھیں اور اپنے مالک (اللہ تعالیٰ) کے بندوں اور بندیوں کی خدمت گاری کو دنیا و آخرت کے درجات حاصل کرنے کا وسیلہ تصور فرمائیں اور مخلوق کے ساتھ نیک سلوک و احسان کرنے اور ان کے ساتھ کشادہ روئی وخوش خلقی سے پیش آنے اور ان کے معاملات میں نرمی وسہولت اختیار کرنے کو مولائے حقیقی جل سلطانہ کی رضامندی کا دریچہ (کھڑکی) جانیں اور نجات کا سبب اور ترقی درجات کا ذریعہ سمجھیں۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ مخلوق اللہ تعالیٰ کا کنبہ ہے پس اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے محبوب وہ شخص ہے جو اس کے کنبہ کے ساتھ اچھا سلوک کرے۔ مسلمانوں کی ضروریات پوری کرنے، اُن کو خوش کرنے، حُسنِ خلق، نرمی کرنے، مہلت دینے اور بُردباری کی فضیلت کے بارے میں چند حدیثیں تحریر کرتا ہے، اچھی طرح غور فرمائیں اور اگر کسی حدیث کے معنی (سمجھنے) میں کوئی پوشیدگی رہ جائے تو کسی دیندار طالب علم سے اس کا حل طلب کریں۔

۲۹۹

پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مسلمان مسلمان کا (دینی) بھائی ہے وہ اس پر ظلم نہیں کرتا اور اس کو (کسی دشمن یا ہلاکت کے) سپرد نہیں کرتا اور جو شخص اپنے بھائی کی حاجت روائی میں رہتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی حاجت روائی میں رہتا ہے اور جس شخص نے کسی مسلمان کا کوئی غم دُور کیا اللہ تعالیٰ اس سے قیامت کے غموں میں سے کوئی غم دور کر دیگا اور جس شخص نے کسی مسلمان (کے بدن یا عیب) کی پردہ پوشی کی اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اس کی پردہ پوشی فرمائے گا، اس کو بخاری ومسلم نے روایت کیا ہے۔ اور مسلم کی روایت میں ہے اور جب تک بندہ اپنے بھائی کی مدد کرنے میں رہے اللہ تعالیٰ اس بندہ کی مدد میں رہے گا۔ اور نیز حدیث شریف میں ہے کہ بیشک اللہ تعالیٰ کی کچھ مخلوق ہے جن کو لوگوں کی حاجات (پوری کرنے) کے لئے ہی پیدا کیا ہے، لوگ اپنی حاجات میں اُن کی طرف رجوع کرتے ہیں یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے مامون ہیں، اس کو طبرانی نے روایت کیا ہے، اور نیز حدیث شریف میں آیا ہے کہ بیشک اللہ تعالیٰ کی کچھ قومیں (لوگ) ہیں جن کو اس نے بندوں کے فائدوں کے لئے نعمتوں کے ساتھ مخصوص کیا ہے اور جب تک وہ ان نعمتوں کو (اللہ کے بندوں پر) خرچ کرتے رہیں گے اللہ تعالیٰ اُن کو ان نعمتوں میں برقرار رکھے گا لیکن جب وہ ان نعمتوں کو (خرچ کرنے سے) روک لیں گے تو اللہ تعالیٰ ان نعمتوں کو ان لوگوں سے چھین لے گا اور دوسروں کی طرف منتقل کر دے گا، اس کو ابن ابی الدنیا و طبرانی نے روایت

کیا ہے، اور نیز حدیث شریف میں ہے جو شخص اپنے بھائی کی حاجت پوری کرنے کیلئے چلا (یعنی کوشش کی) تو یہ عمل اس کے لئے دس سال کے اعتکاف سے بہتر ہے اور (حالانکہ) جس شخص نے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے ایک دن کا اعتکاف کیا اللہ تعالیٰ اس کے اور دوزخ کے درمیان تین خندق کا فاصلہ کردے گا ہر خندق دوسری خندق سے اتنے فاصلہ پر ہو گی جتنا کہ زمین کے ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک (مشرق سے مغرب تک) فاصلہ ہے اس کو طبرانی اور حاکم نے روایت کیا اور کہا ہے کہ اس کی اسناد صحیح ہیں اور نیز حدیث شریف میں ہے کہ جس شخص نے اپنے (مسلمان) بھائی کی ضرورت (پوری کرنے) میں کوشش کی یہانتک کہ اس کو اس کے لئے پورا کردیا اللہ عزّوجلّ اس کے لئے پچھتّر ہزار فرشتوں کا سایہ کرے گا جو اس پر اگر وہ صبح کا وقت ہوگا تو شام تک اور شام کا وقت ہوگا تو صبح تک رحمت طلب کرتے اور اس کے لئے دعا کرتے رہیں گے اور وہ کوئی قدم نہیں اٹھائے گا مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ اس کا ایک گناہ مٹادے گا اور اس کے ساتھ ایک درجہ بلند کردے گا، اس کو ابن حبان وغیرہ نے روایت کیا ہے۔ اور نیز حدیث شریف میں ہے کہ جس شخص نے اپنے کسی مسلمان بھائی کی حاجت (پوری کرنے) میں کوشش کی، اللہ تعالیٰ اس کے ہر قدم پر ستّر نیکیاں لکھے گا اور اس کے ستر گناہ مٹادے گا یہانتک کہ جہاں سے وہ چلا تھا وہاں واپس آجائے پس اگر اس بھائی کی حاجت اس کے ہاتھ پر پوری ہوگئی تو وہ (کوشش کرنے والا شخص) اپنے گناہوں سے ایسا پاک ہوگیا جیسا کہ اس روز پاک ہوتا ہے جب اس کی ماں نے اس کو جنا تھا اور اگر اس (کوشش) کے دوران ہلاک ہوگیا تو وہ جنت میں بغیر حساب داخل ہوجائے گا، اس کو ابن ابی الدنیا نے روایت کیا ہے۔ اور نیز حدیث شریف میں ہے کہ جو شخص اپنے مسلمان بھائی کے لئے کسی نیک مقصد کو حاصل کرنے اور کسی تنگی کو آسان کرنے کے بارے میں کسی صاحبِ اقتدار کی طرف پہنچا تو اللہ تعالیٰ قیامت کے روز پل صراط سے گذرنے کے وقت اس کی مدد فرمائے گا جبکہ لوگوں کے قدم لڑکھڑا رہے ہوں گے اس کو طبرانی نے روایت کیا ہے۔ اور نیز حدیث شریف میں ہے کہ سب سے افضل عمل کسی مومن کو خوش کرنا ہے یعنی تو اس کی ستر پوشی کرے یا اس کی بھوک کو دور کرے یا اس کی حاجت پوری کرے اس کو طبرانی اور ابوالشیخ نے روایت کیا ہے اور نیز حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک فرائض (کی ادائیگی) کے بعد سب سے پسندیدہ عمل کسی مسلمان کو خوش کرنا ہے اس کو طبرانی نے روایت کیا ہے۔ اور نیز حدیث شریف میں ہے کہ جب کوئی آدمی کسی مومن کو خوش کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس خوشی سے ایک فرشتہ پیدا کرتا ہے جو کہ اللہ عزّوجلّ کی عبادت کرتا اور اس کی توحید بیان کرتا ہے (یعنی لا الہ الا اللہ کہتا ہے) پس جب بندہ اپنی قبر میں (منتقل) ہوجاتا ہے

تو وہ خوشی اس کے پاس آتی ہے اور کہتی ہے کیا تو مجھ کو نہیں پہچانتا تو وہ اس کو کہتا ہے کہ تو کون ہے پس وہ کہتی ہے کہ میں وہ خوشی ہوں کہ تو نے مجھے فلاں شخص پر داخل کیا تھا آج میں تیری وحشت کو اُنس میں تبدیل کر دونگی اور تجھ کو حجت (دلیل) کی تلقین کروں گی اور تجھ کو قولِ ثابت (کلمہ شہادت) پر ثابت رکھوں گی اور یوم قیامت کی حاضری کے مقامات میں تیرے ساتھ حاضر رہوں گی اور تیرے لئے تیرے رب کی طرف شفاعت کروں گی اور تجھ کو جنت میں تیری منزل دکھاؤں گی، اس کو ابن ابی الدنیا اور ابوالشیخ نے روایت کیا ہے اور نیز حدیث شریف میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے اس چیز کے متعلق دریافت کیا گیا کہ جس کے ذریعہ اکثر لوگ جنت میں داخل ہوں گے تو آپ نے فرمایا (وہ چیز) اللہ تعالیٰ سے ڈرنا (تقویٰ) اور اچھے اخلاق ہیں۔ اور آپ سے اس چیز کے متعلق دریافت کیا گیا جس کی وجہ سے اکثر لوگ دوزخ میں داخل ہوں گے تو آپ نے فرمایا وہ منہ اور شرمگاہ ہے، اس کو ترمذی، ابن حبان اور بیہقی نے روایت کیا۔ اور نیز حدیث شریف میں ہے کہ ایمان کے اعتبار سے سب سے کامل مؤمن وہ ہے جو اخلاق میں سب سے اچھا ہو اور اپنے اہل وعیال کے ساتھ سب سے زیادہ مہربان ہو، اس کو ترمذی وحاکم نے روایت کیا ہے۔ اور نیز حدیث شریف میں ہے کہ بیشک بندہ ضرور اپنے حُسنِ خُلق کی وجہ سے آخرت کے بہت بڑے درجے اور بہت بلند منزل پر پہنچے گا اور بیشک یہ (اس کی) عبادت (کے ثواب) کو کئی گنا کر دیگا اور بیشک وہ ضرور اپنی بداخلاقی کی وجہ سے جہنم میں سب سے نیچے کے درجے میں پہنچے گا، اس کو طبرانی نے روایت کیا ہے۔ اور نیز حدیث شریف میں ہے کہ کیا میں تم کو ایسی عبادت کی خبر نہ دوں جو کہ آسان ہو اور بدن پر ہلکی ہو، (وہ) خاموشی اور حُسنِ خلق ہے، اس کو ابن ابی الدنیا نے روایت کیا۔ اور نیز حدیث شریف میں ہے کہ ایک شخص نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آپؐ کے چہرۂ مبارک کی جانب سے آیا اور کہا یا رسول اللہؐ! کونسا عمل افضل ہے آپؐ نے فرمایا حُسنِ خُلق، پھر وہ شخص آپ کی دائیں جانب سے آیا اور عرض کیا کونسا عمل افضل ہے، آپؐ نے فرمایا حُسنِ خُلق، پھر وہ آپؐ کی بائیں جانب سے آیا اور عرض کیا یا رسول اللہؐ! کونسا عمل افضل ہے، آپؐ نے فرمایا حُسنِ خُلق۔ پھر وہ شخص آپؐ کی پشت کی جانب سے آیا اور عرض کیا یا رسول اللہؐ! کونسا عمل افضل ہے، پس رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس شخص کی طرف مڑے اور فرمایا تجھ کو کیا ہو گیا ہے کہ تو سمجھ نہیں رہا (وہ عمل) حُسنِ خُلق (ہے اور وہ) یہ ہے کہ اگر تجھ سے ہو سکے تو غصہ نہ کیا کر، اس کو محمد بن نصر المروزی نے روایت کیا ہے۔ اور نیز حدیث شریف میں ہے کہ میں اس شخص کے لئے جنت کے احاطہ میں گھر دلانے کا ضامن ہوں جو جھگڑا کرنا ترک کر دے اگرچہ وہ حق پر ہی کیوں نہ ہو اور اس شخص کے لئے جنت کے وسط میں گھر دلانے کا

ضامن ہوں جو جھوٹ بولنا ترک کردے اگرچہ جھوٹ بولنا مزاح کے طور پر ہی ہو اور اس شخص کے لئے جنت کے اعلیٰ درجے میں گھر دلانے کا ضامن ہوں جو اپنے اخلاق کو اچھا بنائے، اس کو ابوداؤد و ابن ماجہ اور ترمذی نے روایت کیا ہے، اور نیز حدیث قدسی میں آیا ہے بیشک یہ وہ دین ہے جس کو میں نے اپنے لئے پسند کیا ہے اور سخاوت و حسنِ خُلق کے سوا اور کوئی چیز اس کے لئے سزاوار نہیں، پس جب تک تم اس (دین) پر قائم رہو ان دونوں اوصاف سے اس (دین) کا اکرام کرو، اس کو طبرانی اور بزار نے روایت کیا۔ اور نیز حدیث شریف میں ہے حُسنِ خُلق گناہوں کو اس طرح پگھلا (مٹا) دیتا ہے جس طرح کہ پانی برف کو پگھلاتا ہے اور برا اخلاقی عمل کو اس طرح فاسد کر دیتی ہے جس طرح کہ سرکہ شہد کو فاسد کر دیتا ہے، اس کو طبرانی نے روایت کیا ہے۔ اور نیز حدیث شریف میں ہے کہ بیشک اللہ تعالیٰ نرمی کرنے والا ہے اور تمام کاموں میں نرمی کرنے کو پسند کرتا ہے، اس کو بخاری و مسلم نے روایت کیا ہے۔ اور نیز حدیث شریف میں ہے کہ بیشک اللہ تعالیٰ نرمی کو پسند کرتا ہے اور اس سے راضی ہوتا ہے اور اس پر ایسی مدد کرتا ہے جو وہ سختی پر نہیں کرتا، اس کو طبرانی نے روایت کیا ہے۔ اور نیز حدیث شریف میں ہے کہ کیا میں تم کو اس شخص کے بارے میں خبر نہ دوں جو دوزخ کی آگ پر حرام کر دیا جاتا ہے یا (یوں فرمایا) جس پر دوزخ کی آگ حرام کر دی جاتی ہے (سنو) یہ ہر اس شخص پر حرام کر دی جاتی ہے جو آسانی، نرمی اور سہولت والا ہے، اس کو ترمذی نے روایت کیا ہے اور نیز حدیث شریف میں ہے کہ ڈھیل دینا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور جلدی کرنا شیطان کی طرف سے ہے اور اللہ تعالیٰ سے زیادہ عذر قبول کرنے والا کوئی نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک حلم (بُردباری) سے زیادہ پسندیدہ کوئی چیز نہیں ہے اس کو ابو یعلیٰ نے روایت کیا ہے۔ اور نیز حدیث شریف میں ہے کہ بیشک بندہ حلم (بردباری) کے ذریعہ صائم و قائم (دن کو روزہ رکھنے اور رات کو نماز پڑھنے والے) کا درجہ پالیتا ہے، اس کو ابن حبان نے روایت کیا ہے۔ اور نیز حدیث شریف میں ہے کہ جس شخص کو غصہ آیا پھر اس نے اس کو ضبط کیا تو اللہ تعالیٰ اس سے ضرور محبت کرے گا اس کو اصفہانی نے روایت کیا۔ اور نیز حدیث شریف میں ہے کہ کیا تم کو اُس چیز کی خبر نہ دوں جس کے باعث اللہ تعالیٰ (جنت میں) مکان کو اونچا کرتا ہے اور جس کی وجہ سے درجات کو بلند کرتا ہے، صحابۂ کرام (رضی اللہ عنہم) نے عرض کیا ہاں یا رسول اللہ (ضرور ارشاد فرمائیے) آپ نے فرمایا (وہ یہ ہے کہ) جو شخص تجھ سے جہالت (کا برتاؤ) کرے تو اس سے بُردباری کر اور جو شخص تجھ پر ظلم کرے تو اس کو معاف کر دے اور جو شخص تجھ کو محروم کرے تو اس کو عطا کرے اور جو تجھ سے قطعِ تعلق کرے تو اس سے میل جول کرے، اس کو طبرانی و بزار نے روایت کیا اور نیز حدیث شریف میں ہے کسی کو پچھاڑ دینے سے طاقتور نہیں ہوتا، درحقیقت طاقتور وہ ہے جو غصہ کے وقت اپنے آپ پر قابو رکھے

اس کو بخاری و مسلم نے روایت کیا ہے۔ اور نیز حدیث شریف میں ہے کہ بیشک یہ بھی ایک قسم کا صدقہ (نیکی) ہے کہ تو کشادہ روئی کے ساتھ لوگوں کو سلام کرے، اس کو ابن ابی الدنیا نے روایت کیا ہے، اور نیز حدیث شریف میں ہے کہ اپنے مسلمان بھائی کے سامنے تیرا تبسم کرنا تیرے لئے صدقہ (نیکی) ہے اور تیرا امر بالمعروف و نہی عن المنکر کرنا صدقہ ہے اور راستہ بھٹکنے کی زمین (جگہ) میں تیرا کسی کو راستہ بتانا تیرے لئے صدقہ ہے اور تیرا راستہ سے پتھر یا کانٹا یا ہڈی دور کرنا تیرے لئے صدقہ ہے اور نیز اپنے ڈول میں سے اپنے بھائی کے ڈول میں پانی ڈال دینا تیرے لئے صدقہ ہے، اس کو ترمذی نے روایت کیا ہے۔ اور نیز حدیث شریف میں ہے کہ بیشک جنت میں ایک ایسا بالاخانہ ہوگا جس کے باہر کا حصہ اس کے اندر سے اور اندر کا حصہ اس کے باہر سے (شفاف ہونے کی وجہ سے) نظر آئے گا تو ابو مالک اشعری نے عرض کیا یا رسول اللہؐ وہ (بالاخانہ) کس کے لئے ہوگا؟ آپؐ نے فرمایا اس شخص کے لئے ہوگا جس نے اچھا کلام کیا اور (لوگوں کو) کھانا کھلایا اور رات کو جب لوگ سو رہے ہوں وہ نماز کے لئے کھڑا ہوا، اس کو طبرانی و حاکم نے روایت کیا ہے۔

یہ حدیثیں کتاب ترغیب و ترہیب سے لی گئی ہیں جو کہ علم حدیث کی معتبر کتابوں میں سے ہے، اللہ تعالیٰ ان احادیث کے منشا پر عمل عطا فرمائے، اپنے حال کے صفحہ کو ان احادیث کے مضمون کے ساتھ موازنہ کریں جو کچھ حال کے موافق معلوم ہو اس پر اللہ تعالیٰ جل سلطانہ کا شکر بجا لانا چاہئے اور جو کچھ ایسا نہ ہو تو حق سبحانہ سے عاجزی و زاری کے ساتھ اپنا حال ان (احادیث) کے موافق ہونے کی دعا کرنی چاہئے۔ اگر کسی کو ان پر عمل کرنے کی توفیق سر دست حاصل نہ ہو تو بہر حال اپنی کوتاہی کا اعتراف تو اس کو حاصل ہونا ہی چاہئے اور یہ (اعتراف) بھی ایک نعمت ہے، اللہ تعالیٰ اس بات سے اپنی پناہ میں رکھے کہ کسی کو عمل کی توفیق بھی حاصل نہ ہو اور اپنے آپ کو قصوروار بھی نہ جانے کیونکہ ایسے شخص کو اسلام سے بہت کم حصہ حاصل ہے ؎

ص ۳۰۲

ہر کس کہ بیافت دولتے یافت عظیم وآں کس کہ نیافت درد نا یافت بس است

[جس شخص نے پالیا اس نے ایک بڑی دولت پالی اور جس شخص نے نہیں پایا اس کو نہ پانے کا درد ہی کافی ہے]

مکتوب ۱۴۸

ارشاد پناہ میر محمد نعمان کی خدمت میں اس بارے میں تحریر فرمایا کہ برائی و شرارت حسن و جمال کے آئینے ہیں۔

اللہ تعالیٰ (آپ کی ذات بابرکات کو (اپنے) الطاف میں شامل رکھ کر ارشاد کی مسند پر رونق افروز رکھے: ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ [لوگوں کی شامت اعمال کی وجہ سے

۳۰/۴۱

خشکی اور سمندر میں فساد پھیل گیا] ۔ دوسرا سال ہے کہ ہماری شامتِ اعمال سے مخلوق قحط کی آزمائش میں گرفتار ہے، لوگ استسقاء (بارش طلب کرنے کی نماز و دعا) کے لئے (شہر سے باہر) نکلے تھے اور یہ ناکارہ (بھی) بھی اُن میں شامل تھا اس قدر گناہوں کا بوجھ ہوتے ہوئے یقین کے ساتھ تصور کرتا تھا کہ اس بلا (قحط) کا نازل ہونا اس کے بُرے اعمال کا نتیجہ ہے، لوگ اس کے (میرے) وجود سے برکت تلاش کرتے تھے اور اس کو سختی کے دور ہونے کی طلب کا وسیلہ بناتے تھے اور حقیقتِ حال سے واقف نہیں تھے اور حکام کے ظلم کی شکایت کرتے تھے اور وہ چونکہ اس ظلم کو اپنے اعمال کی طرف منسوب کرتا تھا (اس لئے) اس کے بالمقابل اُس (اعمالِ حکام) کو هَبَاءً مَّنثُورًا [بکھرا ہوا گرد و غبار] خیال کرتا تھا۔

میرے مخدوم! ان تمام تقصیرات کے باوجود عزیزوں اور دوستوں سے امید رکھتا ہے کہ اس کے حال پر کچھ رحم کریں گے اور (اللہ تعالیٰ سے) اس کی لغزشوں کی معافی طلب کریں گے اور (اس کے) گناہوں کی کثرت کی وجہ سے اس کو (دعا سے) محروم نہیں کریں گے، اگرچہ گنہگار ہے لیکن (اللہ تعالیٰ کی) رحمت کا امیدوار ہے ارحم الراحمین (اللہ تعالیٰ) بھی (رحمت کے) امیدوار گنہگاروں کے حال پر رحمت کی نظر رکھتا ہے، کل (قیامت کے روز) شفاعت بھی گنہگاروں ہی کو نصیب ہوگی جیسا کہ حدیثوں میں آیا ہے۔ روایت کرتے ہیں کہ قیامت کے روز حضرت یحییٰ بن زکریا علیٰ نبینا وعلیہما الصلوٰت والتسلیمات کو لائیں گے اور ان کے دیوان (نامۂ اعمال) میں کوئی گناہ (درج) نہیں ہوگا اس کو گنہگاروں کے دیوان (نامۂ اعمال) میں رکھیں گے یہاں تک کہ اُن سے حساب لیا جائے گا، مغفرت کی صفت گنہگاروں کے لئے ہے اور ستاری (پردہ پوشی کی صفت) گناہوں اور عیبوں کو چاہتی ہے اور عفو (معاف کرنے کی صفت) تقصیرات کو ڈھونڈھتی ہے، خیریت (نیکی) کے ظہور کے لئے شرّیت (برائی) ہونی چاہیے اور خداوندی کے لئے بندگی درکار ہے ؎

۳۰۳

منم کاستاد را اُستاد کردم غلامم خواجہ را آزاد کردم

[میں ہی ہوں کہ جس نے استاد کو اُستاد کر دیا، میں وہ غلام ہوں کہ جس نے خواجہ (مالک) کو آزاد کر دیا۔]

پس بُرائی اور نقص و شر کی وجوہ جس قدر زیادہ ہوں گی حسن و کمال و خیر کی نمایش و ظہور اسی قدر زیادہ ہوگا۔ سبحان اللہ! برائی اور نقص نے اس جگہ حسن و کمال کے معنی پیدا کر لئے، عدماتِ مقیدہ شرارت کے باوجود چونکہ عارضی خیریت (بھلائی) کے وجوہ رکھتے ہیں (اس لئے) یہ اسماء و صفات کے آئینہ دار ہو گئے اعدمِ مطلق جو کہ بھلائی کی کوئی وجہ (صورت) نہیں رکھتا (اس لئے) وہ شرِ محض ہے وہ وجودِ صرف تعالیٰ کے ساتھ تقابل (آمنا سامنا) رکھتا ہے اور اس مرتبۂ مقدسہ کی آئینہ داری کے ساتھ قائم ہے ؎

غلام خویشتنم خواند لالہ رخسارے سیاہ روئی من کرد عاقبت کارے

[ایک لالہ رخسار (محبوب) نے مجھ کو اپنا غلام کہا آخر کار میری سیاہ روئی کچھ کام آہی گئی ۔] طویل زمانوں کے بعد ہزاروں عارفوں میں سے کوئی ایک اس کمال کے حصول کے ساتھ ممتاز (ہوتا) ہے اور عدمِ صرف کی طرف نزول فرماتا ہے اور اسماء وصفات سے خالی محض حضرت ذات تعالیٰ کا مظہر بنتا ہے اور اس کی ہدایت کا نور عرش سے فرش تک چھا جاتا ہے اسی لئے خاک کی پستی اس کی سربلندی کا سبب ہوگئی اور خاکیوں (انسانوں) میں سے خاص حضرات کو قدسیوں (فرشتوں) پر فضیلت دیدی ۔ بات دوسری جگہ چلی گئی، مقصود یہ ہے کہ اس ناکارہ کو مقبول اوقات میں دعا کے ساتھ یاد رکھیں اور اس کی لغزشوں کی معافی طلب کریں ۔

مکتوب ۱۴۹

مولانا محمد صدیق کے نام اس بارے میں تحریر فرمایا کہ حزن اس دار (دنیا) کے لئے لازمی ہے اور یہ کہ نسبت اگر ظاہر سے چھپ جائے اور باطن پر جلوہ گر ہو تو مضر نہیں ہے ۔

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفٰی، برادر عزیز مولانا محمد صدیق کے مکتوبات شریفہ نے پہنچکر خوشوقت اور مسرور کیا، اللہ سبحانہ آپ کی ترقی وشوق کو زیادہ کرے، شکر وشکایت کے بارے میں جو کچھ آپ لکھتے ہیں وہ واضح ہو جاتا ہے ۔ میرے مخدوم! دنیا جدائی کا گھر ہے ملاقات (دیدار) کا مقام آگے آنے والا ہے آیۂ کریمہ مَنْ کَانَ یَرْجُوا لِقَاءَ اللّٰہِ فَاِنَّ اَجَلَ اللّٰہِ لَاٰتٍ [جو شخص اللہ تعالیٰ سے ملنے کی امید رکھتا ہو تو بلاشبہ اللہ تعالیٰ کی مقرر کی ہوئی ساعت ضرور آنے والی ہے] اس معنی کا پتہ دینے والی ہے پس اُس (اللہ) تعالیٰ کا طالب اس عالم میں سوائے اس کے کہ سوز وگداز کے ساتھ موافقت کرے اور حزن وفکر کے ساتھ موصوف رہے اور کچھ چارہ نہیں رکھتا ۔ جب حبیبِ خدا علیہ وعلیٰ آلہ افضل الصلوات والتسلیمات کی صفت دائمی حزن اور متواتر فکر ہو تو دوسروں کو کیا حاصل ہوگا زیادہ سے زیادہ یہ کہ طالب کی تسلی کے لئے بعض وعدہ کئے ہوئے امور کا کچھ نمونہ اس کے باطن پر جلوہ گر کرتے ہیں ۔ ع

بلا بودے اگر ایں ہم نبودے [اگر یہ بھی نہ ہوتا تو مصیبت ہوتی]

آپ نئے مہمان (نئی کیفیات) کے گم کرنے سے رنج والم کا اظہار کرتے ہیں، کوئی ڈر نہیں ہے، اگر ظاہر سے پوشیدہ ہو گیا ہے تو باطن پر جلوہ گر ہے، نفحات میں منقول ہے کہ ایک درویش نے ابو محمد جریری سے کہا کہ میں اُنس کی بساط پر تھا بسط کا ایک دروازہ مجھ پر کھول دیا گیا میں اپنے مقام سے پھسلا اور اس سے محروم ہو گیا، (اب) میں اپنے گم کردہ (مقام) کا راستہ کس طرح پاؤں آپ مجھے اس راستہ کی

رہنمائی کیجئے جو اس (مقام) تک پہنچا دے، ابو محمد روئے اور کہا کہ اے بھائی! سب اس درد میں گرفتار اور اس داغ میں مبتلا ہیں لیکن میں تیرے سامنے چند شعر پڑھتا ہوں جو اس گروہ کے کسی بزرگ نے کہے ہیں ؎

قِفْ بِالدِّيَارِ فَهٰذِهٖ اٰثَارُهُمْ تَبْكِي الْاَحِبَّةُ حَسْرَةً وَّتَشَوُّقًا

كَمْ قَدْ وَقَفْتُ بِهَا اُسَائِلُ مُخْبِرًا عَنْ اَهْلِهَا اَوْ صَادِقًا اَوْ مُشْفِقًا

فَاَجَابَنِيْ دَاعِي الْهَوٰى فِيْ رَسْمِهَا فَارَقْتَ مَنْ تَهْوٰى فَعَزَّ الْمُلْتَقٰى

[تو ان گھروں کے پاس ٹھہر کہ یہ ان کے آثار ہیں (جن کے لئے) احباب حسرت و شوق میں روتے ہیں اور میں ان گھروں کے پاس کتنا ہی عرصہ ٹھہرا رہا تا کہ کسی مخبر یا صادق یا مشفق سے ان (گھروں) کے مالکوں کے بارے میں دریافت کروں پس محبت کی دعوت دینے والے نے اس کے آثار و نشانات کے بارے میں مجھ کو جواب دیا کہ جس سے تو محبت کرتا تھا تو اس سے جدا ہو گیا اب تو اس مقام سے جا ملا جو نادر ہے یعنی مقام اسماء و صفات سے گذر کر مقام ذات تک پہنچ گیا ہے جہاں پہنچنا نادر ہے]۔

شیخ محمد شریف کابلی کے نام اس بارے میں تحریر فرمایا کہ اس راہ میں فنا پہلا قدم ہے۔

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ، میرے برادر گرامی مولانا محمد شریف اس ناکارہ کو دعائے خیر سے فراموش نہ کریں اور سنتِ نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام پر قائم رہیں اور ہستیٔ موہوم سے پوری طرح خالی ہو کر وہبی وجود کے ساتھ متحقق ہو جائیں اور نیستی کے جال سے ہستی کا شکار کریں اور ہستی اور اس کے توابع کا ظہور کامل نیستی کے بغیر نہیں ہے اور محبوب کے اخلاق کے ساتھ متخلق ہونا تعلقات سے فنا حاصل کئے بغیر ممکن نہیں ہے، اس کے اوپر اور دوسرے کمالات بہت ہیں لیکن وہ سب اس فنا کے ساتھ مشروط ہیں ؎

ہیچ کس را تا نہ گردد او فنا نیست رہ در بارگاہِ کبریا

[جب تک کوئی شخص فنا نہ ہو جائے اس کے لئے بارگاہِ الٰہی میں باریابی نہیں ہے]

پس فنا اس راستہ میں پہلا قدم ہے ؎

ومن بعد ھذا ما تدق صفاتہ وما کتمہ احظی لدیہ و اجمل

[اور اس کے بعد وہ مقام ہے کہ جس کی صفات کا بیان بہت مشکل ہے اور وہ مقام ہے جس کا چھپانا اس کے نزدیک زیادہ مناسب اور بہتر ہے]۔

۳۰۵

ملا نعمت اللہ کے نام اس بارے میں تحریر فرمایا کہ نسبتِ باطن جسقدر قوی ہوتی جاتی ہے احکامِ شرعیہ کے ساتھ آراستگی اسی قدر زیادہ ہوتی جاتی ہے۔

برادرم مولانا نعمت اللہ کے خطوط نے موصول ہوکر خوشوقت کیا، جمعیت و استقامت کے ساتھ رہیں فان الاستقامۃ فوق الکرامۃ [پس بیشک استقامت کرامت سے اوپر (افضل) ہے] اور موہوم ہستی سے نکل کر دائمی نیستی کے ساتھ موصوف ہوجائیں تاکہ مطلوبِ حقیقی کی ہستی جلوہ فرمائے اور سالک کو اپنے آپ سے لیجاکر (وارفتہ کرکے) خود اپنی ذات کے ساتھ حاضر ہوجائے، یہ معنی ذوقی اور وجدانی ہیں کہنے اور لکھنے میں اچھی طرح نہیں آتے اور نظر و فکر سے یہ معما حل نہیں ہوتا کہ احکام شرعیہ کا مکلف ہونے کے باوجود نہ ہونا کس معنی سے ہے اور ہونا اور نہ ہونا ایک وقت میں کس طرح ہوگا۔ عرفت ربی بجمع الاضداد [میں نے اپنے رب کو اضداد کے جمع کردینے سے پہچانا]۔ ایک بزرگ نے کہا ہے کہ ہر چیز میں رحمت ہے سوائے عشق کے کہ اس میں رحمت نہیں ہے، مارتے ہیں اور مرے ہوئے سے خونبہا طلب کرتے ہیں یعنی گم شدہ سے احکام بندگی معاف نہیں کرتے۔ عجب معاملہ ہے کہ جسقدر یہ نسبت عارف پر غالب آتی ہے اس کے احکامِ شرعیہ کے ساتھ آراستہ ہونے میں زیادتی کا سبب بن جاتی ہے اس لئے کہ نفسِ امارہ جو کہ ذاتی طور پر احکامِ شرعیہ کا منکر ہے (اس وقت) مطیع ہوجاتا ہے اور (احکام شرعیہ کے ساتھ) آراستگی کا کمال (نفس کے) مطمئنہ ہوجانے سے (وابستہ) ہے اور شریعت (کے کاموں) میں سستی کرنے والا شخص جو اس نعمت کا دعویٰ کرتا ہے وہ نسبت کی حقیقت سے بے بہرہ ہے، پوست کے ساتھ (رہ کر) مغز سے عاجز رہ گیا ہے کیونکہ اس نسبت کا کمال اطمینان تک پہنچاتا ہے اور اطمینان کی علامت نازل شدہ احکام کا کامل اتباع ہے اور جب یہ نہیں تو وہ بھی نہیں ہے۔ اللہ سبحانہ ہمیں اور آپ کو صاحبِ شریعت علیہ وعلی آلہ الصلوات والتسلیمات والتحیۃ کی کامل متابعت پر ثابت قدم رکھے۔

فتح خاں شیرپوری کے نام اس شبہ کے حل میں تحریر فرمایا جو انھوں نے حضرت خواجہ بزرگ

(خواجہ بہاؤالدین نقشبندؒ قدس سرہ کے کلام پر ظاہر کیا تھا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم: آپ نے پوچھا تھا کہ "حضرت خواجہ بہاؤالدین قدس سرہ نے فرمایا ہے کہ ہمارا روزہ ماسوا کی نفی ہے، پس معلوم ہوتا ہے کہ ماسوا ہے، وہ کیا ہے، وہ حقیقت میں وجود رکھتا ہے یا نہیں؟ اگر حقیقت میں وجود رکھتا ہے تو ہمارے نفی کرنے سے اس کی نفی نہیں ہوگی اور اگر حقیقت میں وجود نہیں رکھتا تو نفی کرنے کی کیا ضرورت ہے"۔ جواب:۔ حضرت خواجہ قدسنا اللہ سبحانہ بسرہ الاقدس کی نفیٔ ماسوا سے مراد واللہ اعلم بالصواب ماسوا کے تعلق اور اس کے مقصود ہونے کی نفی ہے بلکہ ماسوا کے شہود و شعور کی نفی ہے جو کہ فنا کا حاصل اور توحیدِ شہودی ہے جو کہ اس راہ کے لئے شرط ہے ماسوا حقیقت میں موجود ہو یا نہ ہو، توحیدِ وجودی کچھ درکار نہیں ہے ماسوا کے وجود کی نفی کی جائے، جو چیز ضروری ہے اور قرب کے منازل تک پہنچا جس پر موقوف ہے وہ توحیدِ شہودی ہے۔ چاہیئے کہ سالک کی بصیرت (باطن) کی آنکھ میں ماسویٰ کا کوئی نام و نشان نہ رہے اور ماسوا سے اس کا علمی و حُبّی تعلق ٹوٹ جائے تاکہ قدیم ذات کے انوار کے ظہور کی قابلیت پیدا کرے اور بارگاہ قدس کی طرف کوئی راستہ پالے اور اس کے سوا سب کچھ بیکار ہے۔ یہ بات مسلم ہے کہ جب تک رہائی حاصل نہیں کرے گا نہیں پائے گا۔ ہم کو اشیاء کے وجود کی نفی سے کچھ سروکار نہیں ہے باطنی مرض جو کہ وصول (الی اللہ) کا مانع ہے (اس) کا علاج ہمارے نزدیک سب سے اہم کام ہے اور وہ (باطنی مرض) اشیاء کے ساتھ تعلق و گرفتاری اور ماسوا کا شہود و شعور ہے کیونکہ ولایت کے طریق پر کونی (حادث) علوم معرفتِ الٰہی جل سلطانہ کے ساتھ جمع نہیں ہوتے اور کثرت کا شہود وحدت کے شہود کے ساتھ یکجا نہیں ہوتا (اس لئے) سالک کے لئے ضروری ہے کہ لا کے ساتھ ان امور کی نفی کرے تاکہ ماسوا کا نسیان ہوجائے اور فنا ظاہر ہوجائے ؎

تا بجاروبِ لا نروبی راہ نرسی در سرائے الّا اللہ

[توجب تک لا کی جھاڑو سے راستہ صاف نہیں کریگا الّا اللہ کے محل میں نہیں پہنچے گا]

آپ نے لکھا تھا "اگر کہا جائے کہ (ماسوا حقیقت میں) وجودِ مجازی کے سوا وجود نہیں رکھتا (تو اس کا) جواب (یہ ہے کہ) یہی وجودِ مجازی اس کے اپنے مرتبہ میں ہے یا نہیں ہے، اگر ہے تو ہمارے نفی کرنے کا کیا فائدہ اور اگر نہیں ہے تو (بھی) اس کی نفی کرنے سے کچھ فائدہ نہیں ہے"۔ (اس کے جواب میں) ہم کہتے ہیں وجودِ مجازی چونکہ ذہنوں میں وجودِ حقیقی کے عنوان کے ساتھ راسخ ہوگیا ہے (اس لئے) سالک اس (وجودِ مجازی) کے اس عنوان کی نفی کرتا ہے کہ وہ حقیقی ہے تاکہ مجاز حقیقت کے عنوان کے ساتھ ظاہر نہ ہوجائے اور وجودِ حقیقی جل وعلا کے ساتھ مشارکت پیدا نہ ہوجائے اور سالک کے لئے سدِّ راہ نہ ہوجائے المجاز ینفی

[مجاز کی نفی کی جاتی ہے] آپ نے سنا ہوا ہوگا۔ آپ نے لکھا تھا "اگر کہا جائے کہ وجودِ موہوم کے سوا اصلاً کچھ نہیں ہے (تو) جواب (یہ ہے کہ) جب اصلاً کچھ نہیں ہے تو وہم و موہوم کہاں سے ہوگا۔" اس کے جواب میں) ہم کہتے ہیں کہ مرتبہ وہم جو کہ نمودِ بے بود سے عبارت ہے اللہ تعالیٰ کے علم میں کائن (موجود) و ثابت ہے۔ جائز ہے کہ حق سبحانہٗ عالم کو اس مرتبہ میں جو کہ اس تعالیٰ شانہٗ کے علم میں ہو وجود (موہوم) کے ساتھ پیدا فرمائے اور خارج میں بالکل نہ ہو، اس معنی کی تحقیق ان بزرگوں کی کتابوں میں مذکور ہے۔

آپ نے لکھا تھا "اگر وجود ظلی کہا جائے تو جواب یہ ہے کہ ایک وجہ سے ہوگا اور ایک وجہ سے نہیں ہوگا اور یہ نفی اس وجہ میں ہے جو کہ نیستِ ہست نما ہے (یعنی بظاہر ہست ہے اور حقیقت میں نیست ہے) لہٰذا نفی کی نفی کرنا بے فائدہ ہے۔" (اس کے جواب میں) ہم کہتے ہیں کہ چونکہ سالک نے نیستِ ہست نما (عدم وجود نما) کو ہستِ حقیقی کے عنوان کے ساتھ تصور کیا ہے اور اس بے بنیاد پر طویل بنیاد رکھی ہے (اس لئے) اس کے اس عنوان کی نفی کرتا ہے کہ وہ حقیقت میں ہست ہے تاکہ ذوق و حال کی رو سے اس کی ذاتی نیستی ظاہر ہو جائے اور ہستِ حقیقی (کی بلندی) پر چڑھنے کے لئے زینہ ہو جائے اور ظل سے اصل کی طرف کوئی شاہراہ کھل جائے۔

ص ۳۰۷

مکتوب ۱۵۳

حاجی حسین کے نام اس بارے میں تحریر فرمایا کہ فنا و بقا سے مقصود ماسوی کی گرفتاری کا زائل ہونا اور خالص بندگی ہے نہ کہ کوئی اور بات۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ جناب حاجی حرمین شریفین اس دور افتادہ دوست سے سلامِ عافیت انجام پڑھیں، مکتوب شریف موصول ہو کر مسرت کا سبب ہوا، پسندیدہ احوال اور سنجیدہ اذواق و مواجید (کیفیات) کے مطالعہ نے خوشی پر خوشی بخشی، اللہ تعالیٰ بے اندازہ ترقیات عطا فرمائے اور تازہ علوم و کیفیات بخشے۔ میرے مخدوم! چونکہ یہ دنیا عمل کرنے کی جگہ ہے اور کھیتی اور کام کرنے کا مقام ہے عمل کی کثرت میں پوری پوری کوشش کرنی چاہئے اور اس کی کمیت و کیفیت (مقدار و صفت) کی زیادتی میں کوشش کرتے رہنا چاہئے۔ فنا و بقا سے مقصود حق سبحانہٗ کے ماسوا کی گرفتاری کا زائل ہونا ہے جو کہ معبودِ حقیقی کی مقدس بارگاہ کی طرف دائمی توجہ کی مانع ہے اور اعمال و طاعات میں آسانی حاصل ہونا اور شرکِ خفی کی باریکیوں سے عبادات کا پاک (خالص) ہونا ہے، فنا کے حصول اور عدم ہونے کی دید سے بندہ غائب

اور معدومِ مطلق نہیں ہوجاتا اور بندگی کے حلقہ سے سر باہر نہیں نکالتا (ترک نہیں کرتا) اور جانبِ بقا میں بھی (بندہ) حق جل وعلا کے ساتھ حقیقت میں ایک اور متحد نہیں ہوجاتا، مقصود بندگی کی صفائی (خالص ہونا) اور معاملہ میں اُس (اللہ) سبحانہ کے ساتھ اچھا ہوتا ہے، یہ معنی فنا میں (تو ظاہر ہے اور بقا میں بھی چونکہ اتحاد کی دید (متحد دیکھنا) ہے پس انا عند ظن عبدی بی [میں اپنے بندہ کے گمان کے نزدیک ہوں] کے مقتضا کے مطابق گویا کہ حضرت معبود تعالیٰ یہ لباس پہن کر عابدیت میں آگیا ہے اور یہ مسلّم ہے کہ جو کچھ اس مقدس بارگاہ کے ساتھ منسوب ہے کامل ترین و مکمل ترین ہے: لا احصی ثناء علیك انت کما اثنیت علی نفسك [میں تیری ثنا پوری طرح ادا نہیں کرسکتا تو ایسا ہے جیسا کہ تو نے خود اپنی ثنا کی ہے] پس جو عبادت کہ بقا کے وقت میں ہوگی وہ کامل ترین و مکمل ترین ہوگی۔

میرزا عبید اللہ کے نام اُن کے احوال کی شرح میں تحریر فرمایا جو کہ اُن کے عریضہ میں درج تھے۔

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ! جو مکتوب گرامی آپ نے شیخ نور الدین درویش کے ہمراہ ارسال کیا تھا پہنچا اس کے مطالعہ سے لطف اندوز ہوا۔ آپ نے لکھا تھا کہ "ان دنوں میں نماز ادا کرنے کے دوران ایک ایسی حالت پیش آتی ہے جو کہ اس سے قبل نہیں تھی ایسا ظاہر ہوتا ہے کہ جسم حرکت میں دوسرے جسم کے تابع ہے جیسا کہ کپڑا بدن کے تابع ہے اور یہ حالت ہرگز نظر سے پوشیدہ نہیں ہوتی اور بعض اوقات نماز سے باہر (بھی) حرکت وسکون میں یہی حالت (ہوتی) ہے"۔ میرے مخدوم! یہ حالت نہایت اعلیٰ ہے جس طرح کہ نماز کو غیر نماز پر فوقیت ہے (اسی طرح) نماز کی حالت کو بھی بغیر نماز کی حالت پر فوقیت ہے اور یہ دوسرا جسمِ متبوع جو کہ آپ نے لکھا ہے ممکن ہے کہ وجودِ موہوب کی مثالی صورت ہو جو کہ ولادتِ ثانیہ کے ساتھ وابستہ ہے کہ اس اسم کے ساتھ جو کہ اس سالک کا مبدأ تعین ہے فنا وبقا ثابت ہونے کے بعد وہ وجود حاصل ہوا ہے اور عارف کا باطن بن گیا ہے اور اس کے عالمِ خلق وامر کے لطائفِ عشرہ اس (باطن) کی بہ نسبت ظاہر کہلائے ہیں اور یہ ظاہر و باطن اس ظاہر و باطن کے ماسوا ہے جو کہ قوم میں متعارف ہے کہ یہ لوگ عالمِ خلق کو ظاہر کہتے ہیں اور عالمِ امر کو باطن کا نام دیتے ہیں اور یہ کہ وہ کہتے ہیں کہ عارف ظاہر میں خلق کے ساتھ اور باطن میں حق جل وعلا کے ساتھ ہے ؎

از بروں درمیانِ بازارم وز دروں خلوتے ست با یارم

[میں ظاہر میں بازار کے درمیان ہوں اور باطن میں اپنے یار کے ساتھ خلوت نشین ہوں] اس سے مراد متعارف (مشہور) ظاہر و باطن ہے اور تصفیۂ باطن اسی معنی سے کہتے ہیں کیونکہ تصفیۂ باطن پہلے معنی کے لحاظ سے کوئی حقیقت نہیں رکھتا اور مطلوب کے ساتھ اس کی نگرانی و توجہ صورت پذیر نہیں ہوتی اس لئے کہ توجہ و نگرانی (ایک دوسرے سے) علیحدہ و جدا ہونے کی خبر دیتی ہے اور یہ باطن جو کہ ظاہر کے لئے قیوم کا حکم رکھتا ہے اگرچہ عالم اجسام میں سے نہیں ہے لیکن معنوی (باطنی) امور اس راہ میں بہت ہیں جو کہ مثالی صورت میں اجسام کے عنوان سے ظاہر ہوتے ہیں۔ اور یہ جو آپ نے لکھا ہے کہ "باوجودیکہ عرض کیا ہے کہ اپنے ساتھ منسوب نسبت وہبیہ اصل کے سپرد ہے اور یہ حال جو عرض کیا گیا ہے اس کے متضاد ہے"

میرے مخدوم! ان دونوں حالتوں کے درمیان کوئی تضاد نہیں ہے، ہو سکتا ہے کہ نماز کی مذکورہ بالا حالت بقا پر مترتب ہو اور نسبتِ وہبیہ کا (اصل کے) سپرد کرنا فنا ہے اور فنا کو بقا کے ساتھ کوئی تضاد نہیں ہے فنا و بقا ہمارے نزدیک دائمی ہے عین فنا (کی حالت) میں باقی ہے اور عین بقا (کی حالت) میں فانی ہے کیونکہ فنا مطلوب کے ماسوا سے ہے اور بقا مطلوب کے ساتھ ہے، آپ کا یہ شبہ صاحب نزہت کے شبہ کی مانند ہے کہ اس نے قوم (صوفیہ) کے مقررہ اصول کو غلط کہا اور اعتراض کیا ہے اور کہا ہے ؎

گویند عنانِ خود چہ تابی	گم شو کہ چو گم شوی بیابی
ایں نکتہ نمود نا صوابم	چوں گم شوم آں گہے چہ یابم
یا بندہ اگر کسے دگر خواست	ازگم شدنم بس اوچہ می خواست

[لوگ کہتے ہیں کہ تو اپنی باگ کیا موڑتا ہے (بلکہ) تو گم ہو جا کہ جب تو گم ہو جائے گا تو پائیگا مجھ کو یہ نکتہ درست معلوم نہیں ہوتا (کیونکہ) جب میں گم ہو جاؤں گا تو اس وقت میں کیا پاؤں گا۔ پانے والا اگر کسی دوسرے کو چاہتا تھا تو پھر وہ میرے گم ہونے سے کیا چاہتا تھا۔]

ص ۳۰۹

پس اعتراض بھی دور ہو جاتا ہے کیونکہ گم ہونا جو کہ فنا ہے یہ ماسوا کی نسبت سے ہے اور پا لینا جو بقا سے (متعلق) ہے حق تعالیٰ کی نسبت سے ہے اور ان دونوں کے درمیان کوئی تضاد نہیں ہے، اس فقیر نے اس مطلب کو کسی کاغذ (مکتوب) میں تفصیل کے ساتھ لکھا ہے اگر کوئی پوشیدگی رہ جائے تو وہاں رجوع کریں۔ میرے مخدوم! تکوینی غیبی امور اور مُردوں کے احوال میں سے جو کچھ ظاہر ہو ضروری نہیں ہے کہ اس کو تفصیل سے لکھیں، اجمال (کے طور پر لکھنا) بھی کافی ہے کیونکہ (یہ) اصلی مطلب سے کچھ زیادہ تعلق نہیں رکھتا لیکن جو چیز نادر درجہ کی ہو اور جو چیز کہ اصلی مطلب کے ساتھ تعلق رکھتی ہو اگر اس کو تفصیل سے لکھیں تو مستحسن ہے اور جس شخص میں طلب کا جذبہ پائیں طرفین کے استخارہ کے بعد

اس کو طریقہ بتادیں اور اگر ہجوم اچھا نہیں لگتا تو صحبت میں کم آدمیوں کو موقع دیں اور احوال کو چھپانے کا طریقہ محمود (اچھا) ہے، (اس کے) پوچھنے کی ضرورت نہیں ہے، ایک بزرگ نے آنحضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خواب میں دریافت کیا یا رسول اللہ! تصوف کیا چیز ہے؟ آپ نے فرمایا تصوف دعووں کو ترک کرنا ہے اور معانی (باطنی حالات وکیفیات) کو چھپانا ہے۔ اور آپ نے جو مقامِ فردیت کی بشارت حاصل ہونے کے بارے میں لکھا تھا وہ مبارک ہے لیکن آپ نے یہ نہیں لکھا کہ آپ نے اس کے آثار اپنے اندر کچھ پائے ہیں یا نہیں، البتہ آپ نے اس قدر لکھا ہے کہ اس میں مقامِ ارشاد مقامِ فردیت سے نیچے منصور ہوا، فقیر بھی اسی بارے میں توجہ کرے گا انشاء اللہ تعالیٰ۔ بیشک عروج کے مراتب میں مقامِ فردیت مقامِ ارشاد پر فوقیت رکھتا ہے، ارشاد چونکہ عروج ونزول دونوں کو شامل ہے (اس لئے) فردیت پر فضیلت رکھتا ہے کیونکہ فردیت میں بھی (محض) عروج اور حق تعالیٰ کی طرف رُخ ہے، نزول اور خلق کی طرف رخ نہیں رکھتا جو کہ تکمیل ودعوت کا مقام ہے وَلِكُلٍّ وِّجْهَةٌ [اور ہر ایک کیلئے ایک سمت ہے] ہاں جو شخص کہ فردیت اور قطبیت کے کمالات کا جامع ہو وہ کبریتِ احمر (سرخ گندھک) ہے جیسا کہ ہمارے حضرت عالی (قدس سرہ) شروع میں ان دونوں نسبتوں کے جامع رہے ہیں اس کے بعد وہ کمالاتِ وراثت (وراثتِ انبیاء علیہم السلام) کے ساتھ ملحق ہو گئے تھے اور سید الطائفہ (حضرت جنید بغدادی) قدس سرہٗ بھی (ان دونوں نسبتوں کے) جامع تھے، نسبتِ فردیت ان کو شیخ محمد قصابؒ سے حاصل ہوئی تھی اور نسبتِ قطبیت کو شیخ سری سقطیؒ سے (حاصل کیا تھا) اُنھوں نے نسبتِ قطبیت کو نسبتِ فردیت کے بالمقابل فراموش کردیا ہے جیسا کہ انھوں نے فرمایا کہ لوگ جانتے ہیں کہ میں سری (سقطیؒ) کا مرید ہوں نہیں (بلکہ) میں محمد قصابؒ کا مرید ہوں۔

اور الوان وانوار کا ظہور فنا ونیستی کی نسبت کے ساتھ کچھ زیادہ مخالفت نہیں رکھتا اور ان کے ظہور کے وقت اپنے آپ کو ان کے ساتھ مشغول نہیں کرنا چاہئے اگرچہ لذت بخش ہوں، اپنی نسبت کی طرف متوجہ رہنا چاہئے۔ ص۳۱۰

آپ نے لکھا تھا کہ "واقعات میں دوسرے سلسلوں (کے بزرگوں) کے ساتھ صحبت بہت واقع ہوتی ہے اور (ان کی طرف سے) توجہات بہت معلوم ہوتی ہیں بلکہ بعض اوقات اسقدر واضح انکشاف ہوتا ہے کہ ارواح کو دیکھنے میں ظاہری آنکھ باطنی نظر کے شریک (ہوتی) ہے، وہ اپنے طریقوں کا مکلف بناتے ہیں، اس سے وہم بہت رکھتا ہے وغیرہ وغیرہ" میرے مخدوم! آپ اپنے کام میں مشغول رہیں، اور بزرگوں کا احترام ملحوظ رکھیں لیکن توجہ کے قبلہ کو منتشر نہ کریں اور توجہ کو ایک جانب قائم رکھیں

(یہ حضرات) بزرگ ہیں (حال کے اندر) ظاہر ہونے کی صورت میں شفقت کرتے ہیں، جو شخص ایک جگہ تعلق رکھتا ہے وہ ہر جگہ (سے فیض حاصل کر لیتا) ہے اور جو شخص ہر جگہ (تعلق رکھتا) ہے وہ کسی جگہ (سے بھی فیضیاب) نہیں ہے۔ جاننا چاہئے کہ اس راہ کے اس طالب پر جو کسی شیخ کا مرید ہو چکا ہے ظاہر ہو جائے کہ اس کو کوئی نسبت یا نور کسی دوسرے بزرگ سے پہنچا ہے تو اس کو چاہئے کہ اس نسبت کو اپنے پیر سے جانے کہ جس نے اس بزرگ کی شکل میں ظاہر ہو کر فائدہ پہنچایا ہے اور اعتقاد کرے کہ اس کا پیر جامع ہے اس کے لطائف میں سے کسی لطیفہ نے جو کہ اس بزرگ کے ساتھ مناسبت رکھتا ہے اپنے آپ کو اس بزرگ کی صورت میں ظاہر کیا ہے، یہ (دوسرے بزرگ سے فیض سمجھنا) طالبین کی غلطیوں میں سے ہے، آپ خود تو محفوظ ہیں لیکن دوستوں کو اس باریکی سے آگاہ کر دیں، شیطان طاقتور دشمن ہے ایسا نہ ہو کہ اس ذریعہ سے طالبین کی توجہ کے قبلہ کو منتشر کر دے اور مطلوب تک پہنچنے سے روک دے بلکہ راستہ ہی سے گمراہ کر دے۔

میرے مخدوم! آپ کا ایک مکتوب اس سے کچھ مدت پہلے پہنچا تھا وہ آپ نے ترک (گوشہ نشینی) سے پہلے لکھا تھا اس کے بعد اس خط کے سوا جس کا جواب لکھا گیا آپ کا اور کوئی خط نہیں پہنچا اور اس خط میں ترک و استنکاف (خلوت و علیحدگی اختیار کرنا) اور اس وضع سے جو آپ رکھتے تھے کامل بے رغبتی کا شوق بہت زیادہ (درج) تھا اور آپ نے اس بارے میں ابتدائی امور کی کچھ تفصیل بیان کی تھی اور نیز اس خط میں درج تھا کہ "ان دنوں میں گریہ و حیرت و عاجزی و محتاجی بہت زیادہ ہے اور ارادہ و غنا (بے نیازی) و طاقت و ہمت (حوصلہ) جو کہ شروع میں معلوم ہوتی تھی بہت کم ہے (پہلے) اسباب کے واسطہ کے بغیر مسبب علمی نظر میں تھا اب وہ اسباب کے قیوں میں ہے پہلے صنعت صانع کی مدلول (جس چیز سے صانع پر دلالت کی جائے) تھی، اب قضیہ برعکس ہے (پہلے) ایک شعور کی آرزو تھی اب آرزو کے شعور کا زوال ہے (پہلے) فنا کو بقا پر قبول کرنا تھا اب (صرف) بقا کا انتخاب کرنا ہے (پہلے) صفات کو تحقیق کی رو سے بلا کم و کاست عین ذات جانتا تھا اب ان امور میں وجود کا متضاد ہونا مفہوم ہوتا ہے (پہلے) صحو کی آرزو معتبر تھی، اب دل سکر کا گرویدہ ہے (پہلے) جلوت و محافل (لوگوں اور محفلوں میں ہونا) و سیر و سفر اچھے لگتے تھے، اس زمانے میں گوشے (خلوت گاہیں) اور اقامت (گھر پر رہنا اور سفر نہ کرنا) اور بیٹھے رہنا ہمت کو اچھا لگتا ہے"۔ میرے مخدوم! معاملہ ابتدا سے جس قدر دور ہوتا جاتا ہے مذکورہ امور رونما ہوتے جاتے ہیں، ابتدا کی طرف رجوع کرنا ہی انتہا ہے (اس خط میں) درج تھا کہ "سلوک قدمی کا مرتبہ اور سلوک نظری کا مرتبہ بظاہر کسی فرق کے بغیر ایک ہی معنی میں ہو گا یا نہیں"۔ ایک ہی معنی میں نہیں ہے جیسا کہ حضرت عالی (مجدد الف ثانی قدس سرہ) نے مکتوبات شریفہ میں اس معنی کو تفصیل سے لکھا ہے وہاں ملاحظہ کر لیں،

ص ۳۱۱

والسلام علیکم وعلی سائر من اتبع الھدیٰ والتزم متابعۃ المصطفٰی علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والبرکات العلیٰ وعلیٰ جمیع الانبیاء والمرسلین وعلی کل الملائکۃ المقربین وسائر الصالحین آمین۔

مکتوب ۱۵۵

شیخ عرب بخاری کے نام اس بارے میں تحریر فرمایا کہ ظاہر کی تعمیر باطن کی تخریب ہے اور یہ کہ جو حالت نماز میں پیش آتی ہے وہ انتہا کی خبر دینے والی ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ حامداً و مصلیاً، برادر عزیز شیخ عرب اس دلفگار درویش کا سلام عافیت انجام پڑھیں، آپ کے ارسال کردہ خط نے مسرور کیا، اللہ سبحانہ کا حمد و شکر ہے کہ ظاہری عافیت اور باطنی شادابی و دلجمعی کے ساتھ سعادت یافتہ ہیں، اللہ تعالیٰ ترقیات نصیب فرمائے اور زیادہ سے زیادہ عطا کرے من استوی یوماہ فھو مغبون (جس شخص کے دو دن برابر ہوگئے (یعنی دوسرے دن ترقی نہیں کی) وہ خسارے میں ہے) بہترین اوقات کو وظائفِ بندگی کے ساتھ مصروف رکھیں اور اس قلیل فرصت میں باطن کی تعمیر اور اس کی تنویر (صفائی و جلا) میں مشغول رہیں افسوس در افسوس کہ ظاہر کی تعمیر باطن کی تخریب کا سبب ہے اور اس کے برعکس (باطن کی تعمیر ظاہر کی تخریب کا سبب) ہے اور ہم بوالہوس لوگ ظاہر کی تعمیر کے در پے ہیں پس ہم باطن کی کیا خبر رکھیں گے۔ حدیث شریف میں آیا ہے: فانی بعثت بخراب الدنیا ولم ابعث بعمارتھا [میں دنیا کی خرابی (یعنی اس سے توجہ کو ہٹانے) کے لئے بھیجا گیا ہوں اس کی تعمیر (اس کی طرف مشغول کرنے) کیلئے نہیں بھیجا گیا]۔

آپ نے لکھا تھا کہ "پانچوں نمازوں کے دوران عجیب کیفیت پیش آتی ہے اور نیستی (فنائیت) کی دید ہمیشگی کے طور پر ہے خاص کر ذکر و مراقبہ کے وقت میں نہ وجود کا کوئی نشان نظر میں آتا ہے اور نہ عدم کا، کسی کام کا ارادہ دل میں نہیں آتا" میرے مخدوم! (یہ) احوال سنجیدہ اور پسندیدہ ہیں خاص طور پر وہ حالت جو کہ نماز ادا کرنے کے دوران پیش آتی ہے بہت عمدہ ہے اور اس کی کیفیات انتہا کی خبر دینے والی ہیں والسلام اولاً و آخراً۔

مکتوب ۱۵۶

۳۱۲م

اپنے پیرزادے خواجہ محمد عبید اللہ کی خدمت میں اس بارے میں کہ فنا و توحید و تجلی ذات کے ماوراء دوسرے معاملات بہت ہیں اور نماز کے بعض کمالات کے بیان اور حضرت خواجۂ بزرگ خواجہ بہاؤالدین نقشبند بخاری قدس سرہٗ

کے اس کلام کی شرح میں کہ انہوں نے فرمایا ہے فنائیت کے بعد ہواجس و وساوس (شیطانی و نفسانی خطرات) کا ظہور مضر نہیں ہے، تحریر فرمایا۔

بسم اللہ والسلام علی رسول اللہ: مخدوم زادہ کے خدام کے لئے اخلاص کے ساتھ دعا کرنے والوں میں سے کمترین کی عرض دعا و نیاز قبول فرمائیں، آپ کے عنایت نامہ گرامی نے مشرف فرمایا، امید ہے کہ اسی طریق پر دور افتادہ دوستوں کو تازہ الطاف و معارف سے نوازتے رہیں گے، یہ گنہگار تباہ کار نہایت شرمندگی و خجالت کی وجہ سے جو کہ باری تعالیٰ کی مقدس بارگاہ سے رکھتا ہے اپنے آپ کو اس کے لائق نہیں جانتا کہ تحقیق یا تقلید کے ساتھ اُس بارگاہِ مقدس کے ارد گرد کی کوئی بات زبان یا قلم پر لائے اور اسی وجہ سے بعض اوقات عنایت ناموں کے جواب ارسال کرنے میں کوتاہی ہو جاتی ہے لیکن اس وقت (آپ کے) امر شریف کے مطابق جرأت کرتا ہے اور جو کچھ اس احقر کی ناقص سمجھ میں آتا ہے لکھتا ہے اور کوتاہیوں کی معافی کی امید رکھتا ہے۔ میرے مکرم! کامل درجہ کی فنا تجلیٔ ذات کے بغیر میسر نہیں ہے لیکن ہو سکتا ہے کہ تجلیٔ ذات (کے ظہور) سے ماوراء دوسرے معاملات بہت ہوں کہ (اس) سعادتِ عظمیٰ کا حاصل ہونا ان کے ساتھ وابستہ ہو اور (ہو سکتا ہے) انبیائے کرام علیہم الصلوات والبرکات کے درمیان آپس میں (ایک دوسرے پر) فضیلت دینے والی چیز بھی یہی معاملات ہوں۔ بیشک انبیاء کا طریقہ نیستی (فنائیت) و گذشتگی (گذر جانا) و آزادی ہے لیکن حقیقتِ انبیاء علیہم التحیات والتسلیمات بظاہر اس کے ماوراء ہو گی طریقت سے حقیقت تک بہت فرق ہے فنا فی نفسہٖ مطالبِ مقصودہ میں سے نہیں ہے، مقصودِ اصلی دوسرے امور ہیں کہ فنا ان کے لئے شرط ہے وَفِیْ ذٰلِكَ فَلْیَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُوْنَ (اور رغبت کرنے والوں کو چاہئے کہ ضرور اس میں رغبت کریں) اگرچہ جو صاحبِ نفی نقطۂ نفی کے انتہائی درجہ تک نہیں پہنچا ہے وہ مجملاً اثبات سے کچھ حصہ رکھتا ہے اگرچہ تھوڑا سا ہی ہو، لیکن ایک حصہ سے دوسرے حصہ تک بہت فرق ہے، وہ لوگ جن کی اصلی فطرت نفی کے مقام سے ہے اگرچہ وہ اثبات کے مقام سے کسی قدر حصہ رکھتے ہیں لیکن یہ حصہ طفیلی ہے ذاتی نہیں ہے جو کچھ ان کا ذاتی حصہ ہے وہ نفی و منتفی ہوتا ہے اور جو لوگ کہ فطری استعداد کے مطابق اثبات کے مقام سے کچھ حصہ رکھتے ہیں نفی ان کا طفیلی حصہ ہے، اثبات کے ضمن میں جو کہ اس جماعت کا ذاتی حصہ ہے نفی بھی حاصل ہو جاتی ہے ان دونوں حصوں میں بہت زیادہ فرق ہے۔ ان معاملات میں سے جو کہ مقامِ اثبات سے تعلق رکھتے ہیں اور ان میں کچھ تقلید کی راہ سے اور کچھ تحقیق کی راہ سے اس بے حاصل کی سمجھ میں آئے ہیں اگر کچھ بیان کرے تو قریب ہے کہ نزدیک کے لوگ دوری تلاش کریں اور ڈرتا ہے کہ اس کے حق میں قطع البلعوم (گلا کاٹ دیا جائے) صادق آئے ؎

سراپا آتشی امشب قدح گو دیگرے پُر کن　　که خواهد سوخت مجلس تا تو مے در جام خواهی کرد

(سورہ ۸۳ آیت ۲۶)

۳۱۳

[تو آج کی رات سرتاپا آگ ہے اس لئے کسی دوسرے کو کہہ دے کہ پیالہ پُر کرے کیونکہ اگر تو پیالہ میں شراب ڈالیگا تو مجلس جل جائیگی]

اس مقام میں اس قاصر کے (میرے) گمان میں توحیدِ ذاتی اور کثرت میں وحدت کے شہود کا کوئی نام و نشان ظاہر نہیں ہے اور اسی طرح مخلوق کے ارشاد (ہدایت) کے لئے اس مقام سے کامل نزول کے بعد کثرت میں وحدت کا شہود نہیں سمجھتا اور ضروری نہیں جانتا اور مبتدی اور غیر مرجوع یعنی نزول کی طرف رجوع نہ کرنے والے اور مرجوع یعنی نزول کی طرف رجوع کرنے والے متوسط کو اس معرفت میں کوئی فرق نہیں کرنا چاہئے کیونکہ اگر کثرت کے آئینوں میں مشہود مطلوبِ حقیقی ہے اور نفی کے لائق نہیں ہے تو پھر مبتدی اور متوسط کو یہ معرفت نقصان دہ کیوں ہو اور اس کی نفی میں کوشش کیوں کی جائے اور اگر مطلوبِ حقیقی نہیں ہے اور قابلِ نفی ہے جیسا کہ حضرت خواجہ بزرگ خواجہ نقشبند قدس سرہ نے فرمایا ہے کہ "جو کچھ دیکھا، سنا اور جانا گیا ہے وہ سب غیر ہے کلمہ لا کی حقیقت کے ساتھ اس کی نفی کرنی چاہئے" تو منتہی مرجوع (نزول کی طرف لوٹے ہوئے) کو کیوں اس سے چارہ نہیں ہوتا؟ اور کس قصور میں اس کو غیر مطلوب کے مشاہدہ سے آرام دیتے اور اس غیر واقع معرفت کو اس پر ظاہر کرتے ہیں؟ اور اطلاق کی فضا میں آزادی حاصل کرنے کے بعد اس کو تنگ کوچہ (توحید وجودی) کے قید خانہ میں کیوں قید رکھتے ہیں؟ جیسا کہ ہمارے خواجہ حضرت مؤید الدین الرضی (باقی باللہ) قدس سرہٗ نے فرمایا ہے کہ توحیدِ (وجودی) تنگ کوچہ ہے شاہراہ اور ہی ہے۔ اس عبارتِ شریفہ سے دو چیزیں حاصل ہوتی ہیں ایک یہ کہ توحیدِ (وجودی) مطالب میں سے نہیں ہے (بلکہ) مطلوب کا راستہ ہے کیونکہ مطلوب کوچہ و شاہراہ کے ماوراء ہے، دوسری چیز یہ کہ یہ ایک بہت تنگ راستہ ہے اکثر ایسا ہوتا ہے کہ مطلوب سے باز رکھتا ہے اور یہ عبارت اس پر دلالت نہیں کرتی کہ کامل ترین فنا اور پوری طرح نزول کے بعد یہ معرفت ضرور ظاہر ہونی چاہئے۔ اگر لوگ کہیں کہ "کثرت کے آئینوں میں اگرچہ مطلوب کلی طور پر مشہود نہیں ہے لیکن اس کے ظہورات ہیں جو کہ جزئیت کے عنوان کے ساتھ مشہود ہوتے ہیں، پس مبتدی و متوسط چونکہ مطلوب تک نہیں پہنچے ہیں شاید اس معرفت کے ظہور کے وقت جزئی شہود کے ساتھ کلی شہود سے باز رہ جائیں اور منتہی چونکہ مطلوب کو پہنچ چکا ہے (اس لئے) اس کے رجوع کے بعد مدتِ دعوت کی تکمیل کے زمانہ تک اگر اس کو ان جزئی مشاہدات کے ساتھ مانوس رکھیں تو اس کی گنجائش ہے (وہ) غیر مطلوب کو مطلوب نہیں جانے گا اور اس کے ساتھ کامل طور پر آرام نہیں لے گا اور تنگ کوچہ (توحیدِ وجودی) کا مقید نہیں ہوگا کیونکہ فضائے اطلاق میں آزادی حاصل کر چکا ہے اور مطلوب کو جیسا کہ وہ ہے پا چکا ہے اور جانتا ہے کہ یہ شہود اس کی تسلی کے لئے ایک مقررہ مدت تک عطا کیا گیا ہے"۔ (اس کے جواب میں) ہم کہیں گے کہ جو منتہی انتہا کے کامل درجہ تک نہیں پہنچا ہے

ممکن ہے کہ وہ اس رجوع کے بعد ان جزئی مشاہدات کے ساتھ خوش ہو جائے لیکن جو عارف کہ انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات واکابر اولیائے کرام رضی اللہ عنہم کے کمال تک پہنچ چکا ہے اور اصل سے کچھ شرف حاصل کر چکا ہے اگر وہ عالم کی طرف نزول (رجوع) کرے تو وہ اس قسم کے مشاہدات پر کیوں فریفتہ ہوگا اور اس شہود کے ساتھ کب مانوس وگرویدہ ہوگا اور نیز جو منتہی کہ کمال کے کامل درجہ تک پہنچ چکا ہے اور اس نے یقین کامل کے ساتھ جان لیا ہے کہ جو کچھ موجودات کے آئینوں میں ظاہر ہوتا ہے وہ کَسَرَابٍ بِقِیْعَۃٍ یَّحْسَبُہُ الظَّمْاٰنُ مَآءً [وہ ایک چٹیل میدان میں چمکتی ہوئی ریت کی مانند ہے جس کو پیاسا آدمی پانی گمان کرتا ہے] کی قسم سے ہے اور غیر مطلوب ہے اور مطلوب اس سے وراء الوراء ہے پس وہ غیر مطلوب کے ساتھ کیسے مانوس ہوگا اور یہ معرفت کس لئے اس پر ظاہر ہوگی، کسی نے خوب کہا ہے، ؎

تو در عالم نمی گنجی ز خوبی　　　مرا ہرگز کجا گنجی در آغوش

[تو سارے عالم میں خوبی کی وجہ سے نہیں سماتا تو پھر میری آغوش میں بھلا کہاں سما سکتا ہے]

ایک درویش نے کسی وقت میں عالم امکان کی موجودات مثلاً زمین، بادل، آسمان، سورج، نباتات اور حیوانات سے دریافت کیا کہ ارباب وحدۃ الوجود تمہارے آئینوں میں جو کچھ شہود و مشاہدہ ثابت کرتے ہیں کیا یہ درست ہے اور مطلوب تم میں جلوہ گر ہے؟ سب نے الگ الگ اس (اللہ) تعالیٰ کی تقدیس و تنزیہ (پاکی) بیان کی اور ظاہر کیا کہ ہم پر یہ تہمت مت لگاؤ ہمیں اس کی کیا طاقت کہ اس کا مظہر و آئینہ ہونے کا دعویٰ کریں، وہ سبحانہ اس بلندی شان اور تنزیہ کے باوجود ہم میں کس طرح ظہور فرما ہوگا۔

ع　منہ تہمت سایہ بر آفتاب　　　[تو آفتاب پر سایہ کی تہمت مت رکھ]

انھوں نے اپنے آپ کو محض خالی اور صرف سادہ ظاہر کیا۔ آسمان کی حقیقت نے دوسروں کی حقیقتوں سے پہلے اس دعوی سے برئیت ظاہر کی اور عاجزی وزاری و ذلت کے کامل اظہار کے ساتھ پیش آیا، اور چونکہ کچھ لوگ اس بیچارے سرگردان (آسمان) کے ساتھ غیر واقع امور کو منسوب کرتے ہیں اور کوئی حوادث اور اس قسم کے امور کو اس کی طرف لوٹاتے ہیں اس وجہ سے اس پر اللہ تعالیٰ جل سلطانہ کی ہیبت کا اسقدر غلبہ تھا کہ وہ اس کو بیان نہیں کر سکتا تھا خوف و خجالت سے پگھل کر پانی ہوا جاتا تھا، اس اثنا میں سورج نے بھی اپنی عبادت (پوجا) کرنے والوں سے برئیت ظاہر کی اور بیان کیا کہ اس جماعت نے مجھ کو شرمندہ و رسوا کر دیا ہے میں اس نامرادی و سرگردانی کے ساتھ اور یہ اس (میری بندگی کے) مقام میں (وہ آفتاب) لرزاں و نالاں تھا۔

(اب) ہم اصل بات کی طرف جاتے ہیں، کامل مرجوعین (واپس لوٹنے والوں) کا انس (لگاؤ) محبوب کی طاعات و عبادات اور اس کی مخلوقات کے حقوق کی ادائیگی میں ہے، خاص طور پر نماز میں جو کہ

مؤمن کی معراج ہے اس حد تک خاص اُنس رکھتے ہیں کہ اس (نماز) کے باہر گویا معطل اور بیکار رہیں۔ حدیث ارحنی یا بلال [اے بلال مجھ کو (نماز کے ساتھ) راحت پہنچاؤ] اور حدیث قرۃ عینی فی الصلوۃ [میری آنکھ کی ٹھنڈک نماز میں ہے] اسی کا اشارہ ہے، خاص طور پر وہ لوگ جو کہ محبوبیتِ ذاتیہ کے ساتھ مشرف ہیں اور ولایتِ خاصۂ محمدیہ علی صاحبہا الصلوۃ والسلام والتحیۃ کے ساتھ واصل ہو گئے ہیں، ان کا اُنس طاعت میں ہے اور ان کی ہمت نماز کی تکمیل پر مصروف ہے، بلند ہمتی سے شہود و مشاہدہ کی طرف متوجہ بھی نہیں ہوتے کیونکہ انھوں نے یقین کے ساتھ جان لیا ہے کہ اس عالم کے مکشوفات و مشہودات مطلوب کے ظلال ہیں عین مطلوب نہیں ہیں، اور مطلوبِ مطلق (ذاتِ حق تعالیٰ) ان مقیدات و مشاہدات سے پاک و بری ہے اس لئے ہزاروں شہود و مشاہدہ کو اُس تحریمۂ اولیٰ کے برابر نہیں جانتے جس کو وہ امام کے ساتھ پاتے ہیں اور نماز کے خشوع کی طمانیت کو تجلیات سے بہتر تصور کرتے ہیں البتہ مُحب چونکہ ہمیشہ محبوب کے شہود (مشاہدہ) کا طالب ہوتا ہے اور ہر وقت اس کے وصل و اتصال کا خواہشمند ہے (اس لئے) جائز ہے کہ وہ کمالِ شوق کی وجہ سے محبوب کے ظلال کے ساتھ بھی آرام حاصل کر لے اور اس کے ظہورات کے ساتھ محبتیں کرے۔ کسی بزرگ نے کہا ہے ؎

بوئے تو از جا جہم مست و بیخود ز ہر سُو کہ آوازِ پائے بر آید

[جس طرف سے بھی کہ تیرے پاؤں کی آواز آتی ہے میں تیری بو کی وجہ سے مست و بیخود ہو کر اپنی جگہ سے (اس طرف) چل پڑتا ہوں]

محبوب اصل کی کچھ نشانی رکھتا ہے اور ذات کا من حیث ہو [جیسی کہ وہ ہے] گرفتار ہے اور اس گرفتاری کے غلبہ کی وجہ سے دوسرے امور کی طرف متوجہ نہیں ہے جو معاملہ کہ وہ رکھتا ہے اس مقام میں شہود و تجلی کا نام لینا عار (شرم) ہے پس محمدی المشرب کو جو کہ محبوبیت کے زیادہ قریب ہے (اُسے) چاہئے کہ ان مشاہدات سے دُور اور تمام شہودات سے ایک طرف (بے تعلق) ہو جائے خواہ وہ شہود آئینوں میں ہو یا آئینوں سے باہر ہو اور جو عبارت کہ حضرت خواجہ بزرگ (خواجہ نقشبند بخاری) نور اللہ مرقدہٗ سے منقول ہے کہ فنا کے بعد ہواجس و وساوس کا ظہور مضر نہیں ہے اس کے محامل (مواقع) اور ہیں جو کہ بہت بلند ہیں کیا ضروری ہے کہ (اسے) کسی ایسے محمل (موقع) پر اتاریں جو ان بزرگ کے مشرب کے مخالف ہو اور ان حضرت عالی کی عبارت کے ساتھ جو کہ پہلے لکھی جا چکی ہے تضاد رکھتا ہو کیونکہ ہو سکتا ہے کہ یہ عبارت اس معنی میں ہو کہ فنا سے مقصود اُس (اللہ) تعالیٰ کے ماسوا کی گرفتاری کا زائل ہونا ہے اور جب فنا و اطمینانِ نفس کے ساتھ یہ معنی حاصل ہو گئے پھر اس کے بعد اگر اشیاء کا علم لوٹ آئے اور وساوس پیدا ہو جائیں تو وہ مضرت سے بچ جاتا ہے کیونکہ اشیاء کا علم جو کہ فی نفسہٖ صفتِ کاملہ ہے

اشیاء کے ساتھ گرفتاری کی وجہ سے مذموم ہوتا ہے اور فنا کے ذریعہ اس گرفتاری سے نجات میسر ہو گئی تو اشیاء کا علم ذم (برائی) کی صفت سے نکل گیا اور نیز ہو سکتا ہے کہ اس معنی میں ہو کہ عارف کامل کام کی تکمیل کے بعد جب عبدیت کے مقام تک پہنچ جاتا ہے تو اس کے لئے افرادِ عالم میں سے ہر فرد اُس (اللہ تعالیٰ شانہٗ) کی مقدس بارگاہ کی طرف شاہراہ ہو جاتا ہے پس خطرات جو کہ پہلے غفلت اور دُوری کا سبب تھے اس وقت میں جمعیت و حضوری کا سبب بن جاتے ہیں اور خطرات سے خالق خطرات تعالیٰ و تقدس کی طرف ایک راستہ کھل جاتا ہے

؎ دردلِ ما غمِ دنیا غمِ معشوق شود　　　بادہ گر خام بود پختہ کند شیشۂ ما

(ہمارے دل میں دنیا کا غم (بھی) معشوق کا غم ہو جاتا ہے، شراب اگر کچی ہو تو ہماری صراحی اس کو پختہ کر دیتی ہے)

اور نیز ممکن کا علم چونکہ عالم کی ذات میں معلوم کی صورت حاصل ہونے کے ساتھ ہے اور معلوم کے ساتھ عالم کے اثر قبول کرنے کا سبب ہے اس لئے عالم کے تغیر و تلون (بدلتے رہنے) کا سبب ہے جس سے نقص لازم آتا ہے اور واجب تعالیٰ کا علم حصول کی کیفیت سے پاک و بری ہے پس اگر عارف کامل کا علم تخلقوا باخلاق اللہ [اللہ تعالیٰ کی صفات کے ساتھ موصوف ہو جاؤ] کے مصداق اس قسم کا ہو جائے اور تأثر و تغیر سے رہائی حاصل کر لے اور نقص سے کمال میں آجائے تو بعید نہیں ہو گا کہ اس وقت میں خطرات و حدیث نفس ہو اور اس سے کچھ بھی تاثر و تغیر نہ ہو، یہ معرفت نہایت عجیب معارف اور نہایت پوشیدہ اسرار میں سے ہے۔ رَبَّنَآ اٰتِنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً وَّهَيِّئْ لَنَا مِنْ اَمْرِنَا رَشَدًا اھ [اے ہمارے رب ہم کو اپنے پاس سے رحمت کا سامان عطا فرما اور ہمارے لئے ہمارے کام سے بھلائی مہیا فرما] وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ محمد و آلہ اجمعین وصل علی جمیع الانبیاء والمرسلین والملائکۃ المقربین و سائر الصالحین والمؤمنین آمین

مکتوب ۱۵۷

مولانا عبد الغفور سمرقندی کے نام پیر دستگیر اور اُن کے اصحاب کے ساتھ بہت زیادہ محبت کے اظہار میں اور اس بارے میں تحریر فرمایا کہ یہ وقت ان کی نسبت شریفہ کے ظہور کی تاب نہیں رکھتا۔

الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفٰی۔ کتنی بڑی نعمت ہے کہ کوئی شخص بڑھاپے کے اوقات میں زیور طاعات سے آراستہ ہو اور ضعف کے وقت میں طاقتور دشمنوں پر غالب ہو اور اہل اللہ کے قبول کر لینے کے آثار اس کے طور طریقوں سے ظاہر ہوں اور اس کی پیشانی کے انوار اس معنی کی شہادت میں نمایاں ہوں۔ آن عزیز (آپ) کی توفیق کی خبریں سننا کامل خوشی اور اللہ تعالیٰ جل سلطانہ کے

شکر کا باعث ہے اور اس خوشگوار نعمت کی زیادتی کے لئے دعا و امداد کا سبب ہوتا ہے، یہ سب انوار اُس (اللہ) سبحانہ وتعالیٰ کے دوستوں کی نظر کی برکات سے ہیں اور یہ صوری جمعیت جو کہ ظاہر نے بندگی کے وظائف کی ادائیگی کے ساتھ حاصل کی ہے اس معنوی نسبت کا اثر ہے جو کہ اُن (اولیاء اللہ) کے باطن سے (اس کے) باطن پر چمکی ہے، جو حضرات کہ حضرت قبلۂ حقیقی (والد ماجد یعنی مجدد الف ثانی قدس سرہٗ) کی خدمت کے شرف اور پابوسی کی سعادت سے مشرف ہوئے ہیں نہایت عزیز و محبوب اور بہت ہی شریف و مرغوب ہیں کیونکہ یہ حضرات محبوب کے کمالات کے آئینے ہیں اور اس کے جمالِ پاک کی یادگار ہیں، جب کبھی اس جماعت کو دیکھتا ہے ایک ایسی حالت ظاہر ہو جاتی ہے کہ گویا اس قبلۂ طالبانِ خدا کے جمالِ مبارک کو مشاہدہ کرتا ہے اور (جب) اُس صحبت اور اس لِلّٰہ فی اللہ اجتماع کو کہ جس کے مثل تمام دنیا میں نہ تصور کیا جاسکتا تھا اور نہ ہے، دل میں خیال کرتا ہے تو دل پُرآب اور جگر کباب ہو جاتا ہے، آرزو یہی ہے کہ ان حضرات کے ساتھ صحبت رکھے اور حرف و حکایت انہی کے ساتھ کرے لیکن افسوس کہ یہ حضرات دن بدن کم ہوتے جارہے ہیں اور اس کمی کے باوجود ایک دوسرے سے دور پڑے ہیں ؎

ز ہجر دوستاں خوں شد درونِ سینہ جانِ من　　فراقِ ہمنشیناں سوخت مغزِ استخوانِ من

[دوستوں کی جدائی سے میری جان سینہ کے اندر خون ہوگئی، ہمنشینوں کے فراق نے میری ہڈیوں کا مغز جلادیا ہے]

الخیر فیما صنع اللہ سبحانہ [جو کچھ اللہ تعالیٰ کرتا ہے اسی میں بھلائی ہے] یہ حضرات جہاں بھی ہیں غنیمت ہیں۔ ع

بیادگار بمانی کہ بوئے آں داری　　[تو یادداشت میں رہیگا کیونکہ تو اس کی بو رکھتا ہے]

اس فراق سوختہ اور دل باختہ عاشق کی حالت یہ ہے کہ جو شخص کہ حضرت عالی (مجدد الف ثانی قدس سرہٗ) کے وجود کی شمع کے گرد پروانہ کی طرح نہ پھرا ہے اور نشانہ کی طرح اس کی بے مثال توجہ کے تیر کا ہدف نہیں بنا ہے اور اس کی رفتار اور محبوبانہ اداؤں کا شکار نہیں ہوا ہے اور اس کے قدِ رعنا کی نزاکت کے فتراک (شکار بند) میں نہیں بندھا ہے اور اس کی معشوقوں جیسی شراب کی مانند (نشیلی) آنکھوں کا کشتہ نہیں ہے اور اس کے دلبروں جیسے تبسم کا عاشق نہیں ہے اور جس نے اپنی نازک پیشانی کو اس کے آستانہ عالیہ پر کمال شوق و آرزو کے ساتھ نہیں گھسا ہے اور اس کی درگاہ کے کتّوں کی خاکِ پا کو اپنی آنکھوں کا سرمہ نہیں بنایا ہے اور اس کی بندگی کے خط کا نشان جس کی پیشانی پر ظاہر نہیں ہوا ہے اور اس بارگاہ کی غلامی کی زنجیر جس کی جان و تن کی گردن میں ظاہر نہ ہو، اس کے ساتھ نہ بیٹھے اور (اس کے ساتھ) آشنائی نہ کرے اور (اس سے) گفتگو نہ کرے، کیا کروں مجھے ایسا ہی پیدا کیا گیا ہے، میں اپنے اختیار میں نہیں ہوں، محبت کے دیوانے جس جگہ محبوب کی بو پاتے ہیں جان فدا کرتے ہیں اور جس جگہ محبوب کا کوئی نشان نہیں دیکھتے

اس جگہ سے سینکڑوں فرسنگ (دور) بھاگتے ہیں، جو شخص کہ اس ناکارہ کے ساتھ نشست و برخاست کی رغبت رکھتا ہے اس کو چاہیے کہ ایسا ہو جائے ورنہ ناکارہ لوگوں کے ساتھ کیا دوستی اور کیسی نشست و برخاست، بارہا دل میں آتا ہے کہ کوئی گوشہ اختیار کرلے اور زمین کی تہ میں کوئی گڑھا پسند کرلے تاکہ جو لوگ مذکورہ اوصاف کے حامل نہیں ہیں نہ اُن کو دیکھے اور نہ اُن کی بات سُنے۔

میرے مخدوم! اس وقت کو اس نسبتِ شریفہ کے اٹھانے کی طاقت نہیں ہے اور قیامت کے قُرب اور ظلمات کے پے در پے آنے کی وجہ سے یہ نسبتِ عالیہ روز بروز پوشیدہ ہوتی جارہی ہے اور اس کے انوار چھپتے جارہے ہیں اور اس کے اُٹھانے والے لوگ کم ہورہے ہیں اور سوائے اس کے کہ یہ شخص کسی گوشہ تنہائی میں جا بیٹھے اور کوئی علاج نہیں رکھتا لیکن یہ بھی اس شخص کے اختیار میں نہیں ہے۔ یا اللہ! مجھ کو اُن (حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ) کے محبت کرنے والوں میں سے بنادے اور اُن سے محبت کرنے والوں کے دیکھنے والوں میں سے بنادے کہ میں دوسری قوم (جماعت) کے نظارہ کی طاقت نہیں رکھتا۔ والسلام علیکم وعلیٰ من لدیکم

ص ۳۱۸

مکتوب ۱۵۸

مولانا محمد حنیف کے نام درد و سوز کے اظہار اور دارِ آخرت کی بقا کے مطلب پر دلالت کرنے کے بارے میں تحریر فرمایا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ۔ میرے سعادت آثار بھائی مولانا محمد حنیف اس گرفتار آثار سے مشتاقانہ دعائیں قبول فرمائیں۔ آپ کا مکتوب مرغوب اس وقت میں ایک عزیز نے لاہور سے بھیجا ہے اس کے مطالعہ سے خوش وقت ہوا۔ مکتوب گرامی کے مضمون سے شوق کا جاذبہ ظاہر اور طلب کی حرارت آشکارا تھی۔ الحمد للہ سبحانہ علیٰ ذٰلک۔ جسقدر بھی جذب و حرارت حاصل ہو جائے نعمت ہے، کمال یہ ہے کہ جنون کی حد تک پہنچادے اور ماسوا سے کلی طور پر چُھڑادے۔ لن یؤمن احدکم حتی یقال انہ لمجنون [تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک ہرگز (کامل) مومن نہیں ہوسکتا جبتک کہ اس کو مجنون نہ کہا جائے] یہ جنون دوستوں کو نصیب ہو اور ان کے طفیل سے اس کا کوئی گھونٹ تلچھٹ پینے والوں کے حلق میں واقع ہوجائے۔ آپ نے اس دیار (سرہند شریف) آنے کے اشتیاق کا اظہار کیا ہے اور اس ناکارہ کے طلب کرنے کا انتظار رکھتے ہیں۔ میرے مخدوم! اس دیار کے لوگ چونکہ (اپنے) سر میں دوسرے دیار (دارِ آخرت) کا خیال رکھتے ہیں اور اس کی دوری سے ہمیشہ باطن میں سوگوار ہیں، دوستوں کو بھی اُس دیار کی رہنمائی کرتے ہیں اگرچہ (ابتک) اُس دیار کا کوئی نشان ظاہر نہیں ہے اور

اس کے رہنے والوں کا کوئی اثر (علامت) نمایاں نہیں ہے، جدائی اور دوری کے سوا اس سے کچھ نصیب نہیں ہے اور سوز و گداز کے علاوہ اس سے کچھ حاصل نہیں ہے ؎

ففی القرار رو ساکنو انسهم   شیون بین جوانحی وضلوعی

[. . . . . . میرے پہلوؤں اور میری پسلیوں (دل) میں (دائمی) قرار اور اس کے رہنے والے اور ان کی محبت کے بارے میں بہت سی شکایات ہیں]

البتہ اگر اس مقام سے گذریں تاکہ جدائی کے ماتم زدوں کے (ہمارے) درد میں شریک اور گم شدگی (فنائیت) کی سوزش کی محفل کے تلخ نوشوں کے ساتھ جرعہ کش ہو جائیں (یعنی آجائیں) تو کیا مضائقہ ہے لیکن اس سب دردِ دُوری و سوزِ جدائی کے باوجود عنایات بیش از بیش اور الطاف زائد از پیش ہیں (یہ بھی) عنایت ہی ہے کہ جو اس درد کے ساتھ مانوس رکھتی ہے اور جس نے اس سوز کے ساتھ موافقت دے رکھی ہے ؎

دریں دیار بآں زندہ ام کہ گہ گاہے   نسیم عاطفتے زاں دیار می آید

[میں اس دیار میں اس لئے زندہ ہوں کہ کبھی کبھی مہربانی کی نسیم اُس دیار سے آجاتی ہے]

اس جگہ (مقدس بارگاہ) کے لئے جو کہ دار اور کسی دیّار (رکین) سے پاک و بری ہے دیار و دیّار کا اطلاق صنعتِ مشاکلہ کے طور پر ہے یا کنایہ ہے جیسا کہ مشائخ کرام کے کلام میں اس کے مثل آتا ہے ورنہ بیت

۳۱۹

لا و ھو زاں سرائے روز بہی   باز گشتند جیب و کیسہ تہی

[لا اور ھو (فنا و بقا) اس مقدس بارگاہ سے اس حال میں واپس لوٹتے ہیں کہ ان کی جیب اور تھیلی خالی ہوتی ہے]

مکتوب ۱۵۹
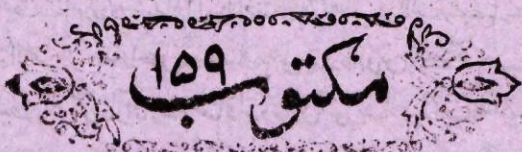
شیخ حسن کے نام نعمت کے شکر پر رہنمائی کرنے اور اللہ تعالیٰ جل جلالہ کے مکر (تدبیر) سے ڈرنے کے بارے میں تحریر فرمایا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ۔ برادرِ عزیز م شیخ حسن احسن اللہ سبحانہ حالہ وحصل اٰمالہ [اللہ تعالیٰ اس کے حال کو اچھا کرے اور اس کی امیدوں کو پورا فرمائے] اس دل فگار درویش سے سلامِ عافیت انجام پڑھیں، آپ کی توفیق (ہمت) اور طالبین کے اجتماع کی رونق اور اطوار و عادات کی استقامت اور حلقۂ ذکر و فکر کی پابندی کی خبروں کا سننا دوستوں کی مسرت کا سبب اور ان کے مزید شکر و حمد کا باعث ہوتا ہے، زمانہ کے اس جزو (حصہ) میں جو کہ قربِ قیامت کا وقت ہے اہل اللہ کا اس قسم کا اجتماع اور للہ فی اللہ صحبت بہت بڑی نعمتوں میں سے ہے ؎

آسماں سجدہ برد بہر زمینے کہ درو   یک دو کس یک دو نفس بہرِ خدا بنشینند

کنند

[آسمان اس زمین کے لئے سجدہ کرتا ہے جس میں ایک دو آدمی ایک دو سانس (لمحہ) تک خدائے تعالیٰ کیلئے بیٹھتے ہیں] اپنے کام میں مشغول رہیں اور اللہ تعالیٰ جل شانہ کا شکر بجا لائیں، لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ [اگر تم شکر بجا لاؤ گے تو ضرور میں تم کو اور زیادہ دوں گا] اور اللہ تعالیٰ کے مکر (تدبیر) سے ڈرتے اور لرزتے رہیں اور شیطان کے دھوکے سے بے فکر نہ رہیں اور نفسانی خواہشات اور شرکِ خفی کی باریکیوں سے خوب ڈرتے رہیں جبکہ ہمارے پیشوا حضرات مَا اُبَرِّئُ نَفْسِيْ [میں اپنے آپ کو بری نہیں کرتا] فرماتے ہیں تو ہم پر افسوس ہے۔ مختصر یہ ہے کہ اپنے بزرگوں کے ساتھ محبت اور باطنی رابطہ کو مضبوط رکھیں اور نبی کریم علیٰ مصدرہا الصلوۃ والسلام کی سنتوں کے مضبوط حلقہ کو نہ چھوڑیں اور حضرتِ لم یزل (حق تعالیٰ) کی بارگاہِ مقدس میں التجا و مِنّت (گڑگڑانا) و تضرع و زاری کو لازم پکڑیں تاکہ نجات کی امید پیدا ہو، اور دوستوں سے توقع یہ ہے کہ اس ناکارہ کو دعائے خیر سے یاد رکھیں۔ جو مکتوب آپ نے بھیجا تھا پہنچ گیا، اللہ تعالیٰ آپ کا معاون و مددگار ہو۔

شیخ عبداللطیف لشکر خانی کے نام اس بارے میں تحریر فرمایا کہ ظاہر (بھی) باطن کی طرح دائمی حضور کے ساتھ موصوف ہونا چاہیے۔

حضرت حق سبحانہٗ و تعالیٰ اُس ذات علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات والبرکات العلیٰ کے طفیل ~~۳۲۰~~ کہ جس کی نگاہ نے نہ کجی کی اور نہ حد سے بڑھی ظاہری و باطنی کمالات سے آراستہ کر کے ایک مطلب کا گرفتار رکھے کہ جو کچھ اس کے ماسوا ہے وہ اس کے بالمقابل محو و لاشئ ہو جائے تاکہ اس کا محب اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ [آدمی اس کے ساتھ ہے جس سے کہ وہ محبت کرتا ہے] کے بموجب آفاق و انفس کو رخصت کر کے بیخود ہو کر اس جگہ دوڑے اور اس کی طلب میں ایسی ہمت عطا فرمائے کہ اس کی تجلیات و ظہورات سے چشم پوشی کر کے ظاہر و متجلّی ذات کا طالب و متلاشی رہے، اس حدود کے فقرا کے اطوار و احوال اللہ تعالیٰ کی حمد کے لائق ہیں اس پر اللہ تعالیٰ کا حمد و احسان ہے، اللہ سبحانہٗ سے آپ کی سلامتی و عافیت کی دعا کی گئی ہے، اس مسکین کی آرزو اپنے اور سب دوستوں کے بارے میں یہ ہے کہ اپنی ہمت کو پوری طرح مطلوبِ حقیقی کی مقدس بارگاہ کی طرف مصروف رکھا جائے اور جو کچھ اس عظیم دولت کے منافی ہو اُس سے پوری طرح اعراض کیا جائے ایسا نہ ہو کہ باطن کی آبادی پر اکتفا کر کے ظاہر کو غفلت کے ساتھ چھوڑ دیں کیونکہ یہ بھی شرکِ خفی کے دائرہ سے باہر نہیں ہے۔ ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ "اگر کوئی سعادت مند بندہ تمام عمر اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ رہا پھر

اُس نے ایک لحظہ بھر کے لئے اللہ تعالیٰ سے روگردانی کی تو جو کچھ اُس نے کھویا وہ اس سے زیادہ ہوگا جو اُس نے پایا تھا۔ لیکن کیا کیا جائے (کہ) تمام آرزوئیں میسر نہیں ہیں، جسمانی تقاضوں اور مخلوق کے ساتھ میل جول سے چارہ نہیں ہے ہاں اسقدر معلوم ہوتا ہے کہ ظاہر کی اس غفلت کو جو کہ لازمی ہے اگر اچھی نیت کے ساتھ ملالیا جائے تو غفلت سے نکل جاتی ہے اور ذکر کے ساتھ مل جاتی ہے مثلاً نیند جو کہ سراسر غفلت ہے اگر عبادت میں سستی دور ہونے کی نیت کے ساتھ مل جائے تو ذکر ہو جاتی ہے، نوم العلماء عبادۃ [علماء کی نیند عبادت ہے] تو آپ نے سنا ہی ہوگا، اور لوگوں کے حقوق ادا کرنے کی نیت سے ان کے ساتھ میل جول رکھنا بھی ذکر ہے کیونکہ یہ واجب و مستحب کو ادا کرنا ہے علیٰ ھذا القیاس [اور چیزوں کو بھی اسی پر قیاس کر لیجئے]۔ ذکر زبانی ذکر میں ہی منحصر نہیں ہے (بلکہ) ہر وہ عمل کہ جس میں اللہ تعالیٰ کی رضا کو ملحوظ رکھا گیا ہو ذکر میں داخل ہے، اِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ ۚ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا [بیشک یہ ایک نصیحت ہے پس جو شخص چاہے اپنے رب کی طرف راستہ اختیار کرلے]۔ اس بیان سے واضح ہو گیا کہ دائمی حضور کہ جس سے مراد غفلت کا ہمیشہ کے لئے دور ہو جانا ہے جیسا کہ بزرگوں نے باطن کی نسبت کہا ہے ظاہر میں بھی ثابت ہے، لیکن ظاہر کے دائمی حضور کو کہ جس سے مراد اپنے تمام اعمال و افعال کو نیتِ صالحہ کے ساتھ ملانا اور تمام امور میں حتیٰ کہ جو امور بظاہر غفلت معلوم ہوتے ہیں ان میں بھی رضائے الٰہی جل شانہ کو ملحوظ رکھنا ہے باطن کا دائمی حضور لازم ہے اور اس کا عکس لازم نہیں ہے۔ یہ کمال مخلَصین (لام کی زبر سے، رہائی یافتہ لوگوں) کے ساتھ مخصوص ہے کہ یہ حضرات ہر عمل میں تصنع و تصحیح نیت سے آزاد ہو چکے ہیں اور ان کی نیت فنا و بقا کے ذریعہ اکمل طریقہ پر تصحیح حاصل کر چکی ہے اور لام کی کسرہ کے ساتھ مخلِصین (رہائی پانے والے) اس کمال سے بہت کم حصہ رکھتے ہیں۔ والمخلصون علی خطر عظیم [اور رہائی حاصل کرنے والے بہت بڑے خطرہ پر ہیں] یہ بزرگواران جو کہ اخلاص کی حقیقت کو پہنچ چکے ہیں اور تصنع و تکلف سے جو کہ لوازم طریقت سے ہے رہائی حاصل کر چکے ہیں، وہ جو کچھ کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کے لئے کرتے ہیں اور جو کچھ ان سے ظہور میں آتا ہے اللہ سبحانہٗ ہی کے لئے ہوتا ہے خواہ وہ نیت کریں یا نہ کریں، نیت (کی ضرورت) محتمل (امر) میں ہے متعین (امر) میں تصحیح نیت کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ ان بزرگوں کا نفس اپنے مولا کے لئے فدا ہو چکا ہوتا ہے اور وہ اپنے اوپر (انا ریں) کا اطلاق فنرک جانتے ہیں اس لئے وہ جو کچھ کرتے ہیں وہ اُس (اللہ) تعالیٰ کی طرف لوٹتا ہی جیسا کہ (اس مقام کے حاصل ہونے سے) پہلے وہ جو کچھ کرتے تھے اپنے نفس کیلئے کرتے تھے اور (وہ عمل) نیت کا محتاج تھا۔

جاننا چاہئے کہ اس قسم کے عارف کی بے ادبی کرنا اور اس کو تکلیف پہنچانا اس (اللہ) سبحانہٗ کی ایذا و بے ادبی تک پہنچانے والا ہے کیونکہ اس صورت میں اس کے منسوبات بلا تکلف اس تعالیٰ شانہٗ،

کی بارگاہ کے ساتھ منتسب ہو جاتے ہیں، جبکہ اس عارف کے اعمال نیت کی احتیاج کے بغیر اُس (اللہ تعالیٰ) ہی کے لئے ہوتے ہیں تو دوسروں کے اعمال جو کہ اس کے متعلق واقع ہوں وہ بطریق اولیٰ اس بارگاہ کی طرف عائد (منسوب) ہوں گے اور اسی قیاس پر اس کی تعظیم و اطاعت اس کے مولیٰ جل وعلا کی تعظیم و اطاعت ہوگی اور اسی اعتبار سے کلام مجید میں وارد ہوا ہوگا مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ [جس نے رسول کی اطاعت کی اُس نے اللہ کی اطاعت کی] ؎

بس کنم خود زیرکاں را ایں بس است بانگ دو کردم اگر در دہ کس است

[میں بس کرتا ہوں عقلمندوں کے لئے یہی کافی ہے، اگر گاؤں میں کوئی ہے تو میں نے درندے (کے خطرے) کی آواز لگادی ہے] والسلام اولاً و آخراً۔

مکتوب ۱۶۱

حقائق آگاہ خواجہ محمد صدیق کشمی کے نام مطلوب جل وعز کی عظمت بیان کرنے اور (سالک کی) ہمت کو بلند کرنے پر رہنمائی کرنے کے بارے میں تحریر فرمایا۔

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ: آپ نے جو گرامی نامہ ان دنوں میں ارسال فرمایا تھا اس کے مطالعہ سے خوش و مسرور ہوا، آپ سلامت رہیں، حج کا سفر مبارک ہو، یقین ہے کہ (اپنی) مقبول دعاؤں میں اِن فقرا کو فراموش نہیں کیا ہوگا۔ میرے مخدوم! (اپنی) بلند ہمت کو اس بات پر لگائیں کہ مطلوبِ حقیقی سے (اس کے سوا) کچھ حاصل نہ کریں اور وصل و اتصال کی آرزو کو اس میں آنے نہ دیں کیونکہ یقین کامل کے ساتھ معلوم ہو چکا ہے کہ جو کچھ اس سے حاصل ہوتا ہے وہ واصل کے حوصلہ کے مناسب ہوتا ہے اور اس کی استعداد یافت کے ساتھ مقید ہے اور مطلوب اِن تقیدات (پابندیوں) سے پاک و بَری اور ان قیود سے آزاد و خالی ہے، پس چاہئے کہ ہمت کی نظر پڑنے کی جگہ ایک ایسے مرتبہ پر محدود ہو جو کہ ادراک (حصول) کی قیود اور استعداد کی پابندیوں سے بالاتر ہو ؎ ۳۲۲

اگر نہ دہی بکف دامانِ یارم گرفتارِ کسے دیگر ندارم

[اگر تو یار کا دامن میری ہتھیلی (مٹھی) میں نہیں دیتا تو مجھے کسی دوسرے کا گرفتار (بھی نہ رکھ)] ۔ کیونکہ ممکن جب تک امکان کی قید میں مقید ہے مطلقِ حقیقی سے کس طرح کوئی حصہ حاصل کرے گا اور بشریت و امکان سے پوری طرح الگ ہونا متصور نہیں ہے۔ شیخ عطار (رحمہ اللہ) فرماتے ہیں ؎

نمی بینی کہ شاہے چوں پیمبر نیافت او فقرِ کل تو رنج کم بر

[کیا تو نہیں دیکھتا کہ پیغمبر جیسی بادشاہ ہستی نے کامل فقر (کلی انقطاع) نہیں پایا تو پھر تو بھی رنج نہ کر] اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ رَبِّيْ شَيْـًٔا ۭ وَسِعَ رَبِّيْ كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا ۭ [مگر یہ کہ میرا رب کوئی چیز چاہے، میرا رب علم کے اعتبار سے ہر چیز کو احاطہ کئے ہوئے ہے] عجب معاملہ ہے اس مقام میں نہ مطلوب کی جدائی کو چاہتا ہے اور نہ اس کے وصل کو، اس کے باوجود اس سے ناامیدی بھی نہیں رکھتا کیونکہ یہ کمال ناامیدی کے معاملہ سے اوپر ہے۔ عرفت ربی بجمع الاضداد [میں نے اپنے رب کو اضداد کے جمع کرنے سے پہچانا] اور اس کمال کے اضداد کا دور ہونا عالم محبوبیت کے ساتھ وابستہ ہے کیونکہ محب جو کہ ہمیشہ محبوب کے شہود کو چاہتا ہے اور ہر وقت اس کے وصل و اتصال کا آرزومند ہے اس بات کی کہاں طاقت رکھتا ہے کہ محبوب کا کوئی پرتو اس پر ظاہر ہو اور اپنے آپ کو نگاہ رکھ سکے، ایک عزیز فرماتے ہیں:

شعر
بہ بوئے تو از جا جہم مست و بیخود ۔۔۔ زہر سو کہ آواز پائے برآید

[جس طرف سے بھی کسی پاؤں کی آواز آتی ہے میں تیری خوشبو سے مست و بیخود ہو کر اپنی جگہ سے (اس طرف) چل پڑتا ہوں]

محب جمال و جلال کے آثار و افعال و صفات کے باعث اور خد و خال کے حسن کی وجہ سے محبوب کا شیفتہ ہوا ہے، محبوب ہے جو کہ اصل کی کچھ نشانی رکھتا ہے اور ذات کا من حیث ھو [جیسی کہ وہ ہے] گرفتار ہے اور اس گرفتاری کے غلبہ کی وجہ سے مذکورہ امور کی طرف متوجہ نہیں ہوتا اور توجہ کے قبلہ کو پراگندہ نہیں کرتا۔ قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ ۣعَلٰي بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ ۭ وَسُبْحٰنَ اللّٰهِ وَمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ [آپ کہہ دیجئے کہ یہ میرا راستہ ہے میں اللہ تعالیٰ کی طرف اس طرح پر دعوت دیتا ہوں کہ میں اور میرا اتباع کرنے والے واضح دلیل پر ہیں، اللہ پاک ہے اور میں مشرکین میں سے نہیں ہوں] اس قسم کے بلند ہمت شخص کیلئے من تواضع للہ رفعہ اللہ [جس نے اللہ تعالیٰ کے لئے تواضع کی اللہ تعالیٰ نے اس کو بلند کیا] کے مصداق عالم آخرت میں بہت سی امیدیں ہیں جو کہ دوسروں کے لئے نہیں ہیں۔ اِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ ۚ فَمَنْ شَاۗءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا [بیشک یہ ایک نصیحت ہے پس جو کوئی چاہے اپنے پروردگار کی طرف راستہ اختیار کرے۔]

مکتوب ۱۶۲

ارشاد پناہ میر محمد نعمان کی خدمت میں اس بارے میں تحریر فرمایا کہ مطلوب حقیقی سے سالک کا نصیب استہلاک (فنائیت) کے سوا نہیں ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ: اس گنہگار، ہجرت زدہ گوشۂ گمنامی کے گم شدہ کی دعا و نیازمندی قبول ہو، نہیں جانتا کہ کیا لکھے، محبوب کی عنایات اس سے

بہت بلند ہیں کہ اس فضول گو کی زبان پر جاری ہوں اور معشوق کی خوبیاں اس سے بلند تر ہیں کہ اس بوالہوس کا قلم اُن کی ترجمانی کا خیال کرے۔ لا یحمل عطایا الملک الامطایاہ [بادشاہوں کے عطیات اُنہی کی سواریاں اُٹھا سکتی ہیں] جو کچھ اس بیچارہ کا حصہ ہے وہ استہلاک و اضمحلال ہے اگر کسی خیر و کمال کو اپنی طرف منسوب کرے تو طریقت کا مشرک ہو جائے اور امانت میں خیانت کرنے والا بن جائے وَقَدِمْنَآ اِلٰى مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰهُ هَبَآءً مَّنْثُوْرًا [اور جو عمل کہ انھوں نے کئے تھے ہم ان کی طرف متوجہ ہوئے اور ان سب کو اکارت کر دیا۔] یہ ناکارہ اپنی ذات میں تمام نسبتوں سے خالی ہے ایک وجود نما عدم ہے وَتَحْسَبُهُمْ اَيْقَاظًا وَّهُمْ رُقُوْدٌ [اور تو اُن کو جاگتا ہوا گمان کریگا حالانکہ وہ سوئے ہوئے ہیں] اس کا فقر ذاتی اور اس کا فاقہ دائمی ہے، امانتیں ہمیشہ امانتوں والوں کی (ہوتی) ہیں، جس بیچارہ کا کمال عدم ہو اور اس کا جمال نیستی ہو وہ اپنے مولا کی ہستی کے متعلق کیا خبر رکھے اور اس کے کمال و جمال سے کس طرح اطلاع پائے گا، ھو العارف والمعروف [وہی عارف وہی معروف ہے] کا بھید اس جگہ ظاہر ہوتا ہے۔ حضرت جمیل مطلق (اللہ تعالیٰ) ہم جیسے ناکاروں کو ان معانی کے ساتھ ایمان نصیب فرمائے اور اس چشمہ سے کچھ شربت عطا فرمائے۔

۳۲۳ ۲۵/۲۳ ۱۸/۱۵

مکتوب ۱۶۳

یہ بھی ارشاد پناہ میر محمد نعمان کی خدمت میں بعض دقیق اسرار اور اپنی خاص کیفیات کے متعلق اشارات کے بیان میں تحریر فرمایا۔

(داد او را قابلیت شرط نیست) (ص ۱۸۲ مع معرفت)

سیادت و نقابت دستگاہ کے خدام ہمیشہ مخلص دوستوں کو یاد کرتے ہوئے پس پشت دعا سے مدد فرماتے رہیں، اس حدود کے فقراء کے احوال حمد کے لائق ہیں، اللہ سبحانہٗ سے آپ کی سلامتی و عافیت اور اپنے مشائخ کے طریقہ پر استقامت کی دعا کی گئی ہے پس بیشک یہی مدار کار ہے اور اس کے علاوہ سب کچھ بیکار ہے، عنایات کے شامل حال ہونے کے متعلق جو کہ اس گنہگار کے بارے میں واقع ہیں کیا لکھے۔ ع

دادِ او را قابلیت شرط نیست [اُس (اللہ تعالیٰ) کی دین کیلئے قابلیت شرط نہیں ہے]

قبل من قبل بلا علۃ [جو قبول کر لیا گیا وہ کسی سبب کے بغیر ہی قبول کر لیا گیا] اگر اس کی تفصیل میں مشغول ہو تو احتمال ہے کہ قلم اس کی تاب نہ لاسکے اور کاغذ جل جائے اور کہنے اور سننے والا دونوں بیہوش ہو جائیں اس کے بعد کون کہے گا اور کون سنے گا، کسی نے خوب کہا ہے ؎

سراپا آتشی امشب قدح گو دیگرے پُر کن کہ خواہد سوخت ساغر تا تو مے در جام خواہی کرد

[تو آج کی رات سرتاپا آگ ہے (اس لئے کسی دوسرے کو کہہ کہ پیالہ پُر کرے کیونکہ اگر تو پیالہ میں شراب ڈالیگا تو پیالہ جل جائے گا]

اور نیز اس کی لطافت و رفعت زبان کو پکڑ لیتی ہے یَضِیْقُ صَدْرِیْ وَلَا یَنْطَلِقُ لِسَانِیْ [میرا سینہ تنگ ہو جاتا ہے اور میری زبان نہیں چلتی]۔ ع

سخن از لبِ تو گفتم بلبم سخن گرہ شد [میں نے تیرے لب کے متعلق بات کہی تو بات میرے لب پر گرہ ہو گئی]

پس چاہئے کہ سننے والے کلام کرنے والے کو معذور قرار دیں اور ہم جنس ہونے کی وجہ سے اس کی ذات کی طرف راستہ تلاش کریں تاکہ بیچونِ حقیقی کی ذات سے کچھ حصہ پائیں اگرچہ متکلم کی ذات کو سننے والوں کی ذات کے ساتھ کچھ بھی ہم جنسیت درمیان میں نہیں ہے کیونکہ اس کی ذات نے بیچونی کا کچھ حصہ پا لیا ہے، اور بے چونِ حقیقی کی ذات کے ساتھ ایک خاص اتصال و نسبت پیدا کرلی ہے بلکہ دوسروں کے لئے ہرگز ذات نہیں ہے وہ عارف کی ذات کا کس طرح پتہ لگائیں گے، عارف کے خالق کی ذات خود اس کے ماوراء ہے بہرحال ہاتھ پاؤں مارنے چاہئیں (کوشش کرنی چاہئے) اور ہمیشہ اس ترانے کو گاتے رہنا چاہئے ؎

مفلسانیم آمدہ در کوئے تو شَیْئًا لِلّٰہ از جمالِ روئے تو

[ہم مفلس ہیں، تیرے کوچہ میں آئے ہیں تو اپنے چہرے کے جمال سے کچھ اللہ کے لئے عنایت فرما] اللھم اجعل حبك احب الاشیاء الی واجعل خشیتك اخوف الاشیاء عندی واقطع عنی حاجات الدنیا بالشوق الی لقائك واذا اقررت اعین اھل الدنیا بدنیاھم فاقرر عینی بعبادتك [اے اللہ! تو میرے لئے اپنی محبت تمام اشیاء سے زیادہ محبوب بنادے اور میرے لئے اپنا خوف تمام اشیاء کے خوف سے زیادہ کردے اور اپنی ملاقات کے شوق کے ساتھ دنیا کی حاجات مجھ سے منقطع کردے اور جب اہلِ دنیا کی آنکھیں اُن کی دنیا کے ساتھ ٹھنڈی ہوں تو میری آنکھوں کو اپنی عبادت کے ساتھ ٹھنڈک پہنچا] والسلام اولاً و آخراً۔

مکتوب ۱۶۴
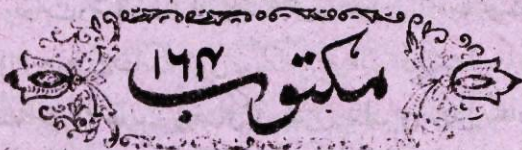
تربیت خاں کے نام اس بارے میں کہ طالبِ حق جل وعلا اس دار (دنیا) میں ہمیشہ درد و گداز کے ساتھ ہے اور دنیا کی مذمت میں تحریر فرمایا۔

آپ کے گرامی نامہ نے جو کہ غمِ جدائی کی خبر دینے والا تھا مشرف کیا، کیا کیا جائے دنیا سراسر جدائی و غم کا مقام ہے، ملاقات کا مقام آخرت ہے، حق سبحانہ اُس کے اعمال کے ساتھ مشغول رکھے

تاکہ وہاں کی ملاقات کی صورت بن سکے، چونکہ مطلوبِ حقیقی کی ملاقات (دیدار) کا وعدہ اُس جگہ کے ساتھ کیا گیا ہے (تو) دوسروں کی ملاقات اُس سبحانہ وتعالیٰ کی ملاقات کی فرع ہی کیونکہ عالم دنیا اس تعالیٰ شانہ کے دیدار کو برداشت کرنے کی کامل طور پر طاقت نہیں رکھتا اس لئے اس (دیدار) کے طالب اس (دنیاوی) عالم میں ہمیشہ جگر سوختہ وچشم پُرنم ہیں اور ہر وقت سوگوار، اس کے سوز وگداز میں بے چین، ہر شب آفتابِ احدیت کے طلوع ہونے کی انتظار میں بیدار اور ہر روز ماہتاب ہونے کی آرزو میں پیاسی اور بیقرار ہیں ؎

متاعے کزیں رہ گذر می برند　　لبِ خشک و مژگانِ تر می برند

[جو سامان کہ وہ اس راستہ سے لیجاتے ہیں (وہ یہ ہے کہ) وہ خشک لب اور تر پلکیں لیجاتے ہیں] (طالبین) اس (مطلوبِ حقیقی) کے بغیر آرام نہیں رکھتے اور ماسوا کے ساتھ انس والفت اختیار نہیں کرتے اور ہمیشہ یہ ترانہ گاتے ہیں ؎

بچہ مشغول کنم دیدہ ودل را کہ مدام　　دل ترا می طلبد دیدہ ترا می خواہد

[میں دیدہ ودل کو کس چیز میں مشغول کروں کیونکہ ہمیشہ دل تجھ کو طلب کرتا ہے اور آنکھ تجھ کو چاہتی ہے]

(یہ حضرات) شوریدہ کار و پریشان حال ہیں، جہان میں جہان کے بغیر اور عالم میں عالم کے بغیر ہیں اس کے باوجود درحقیقت عالم میں یہی حضرات ہیں اور تمام افرادِ عالم انہی کے ساتھ قائم ہیں اور صاحب نصیب یہی لوگ اور آزاد بھی یہی ہیں کہ نہ کسی شخص کے ساتھ میل جول رکھتے ہیں اور نہ اپنے آپ کے ساتھ ؎

غلامِ نرگسِ مستِ تو تاجدارانند　　خرابِ بادۂ لعلِ تو ہوشیارانند

[تیری مست نرگس (آنکھ) کے غلام تاجدار (بادشاہ) ہیں اور تیری لعل جیسی (سُرخ) شراب کے متانے ہوشیار ہیں] اگر سرمایہ وحاصل (پیداوار) رکھتے ہیں تو اسی (ذاتِ مقدس) کو رکھتے ہیں (یعنی وہی اُن کا سرمایہ وحاصل ہے) اور اگر تکلم وخطاب رکھتے ہیں تو وہ بھی اسی کے ساتھ رکھتے ہیں اگرچہ بظاہر ہم اور تم متکلم ومخاطب ہیں لیکن حقیقت میں درد کی گفتگو اور غم کا شکوہ اسی کے ساتھ ہے اور اس گفتگو میں بھی یہ حضرات ترجمان سے زیادہ نہیں ہیں، اِنَّمَا اَشْكُوْا بَثِّيْ وَحُزْنِيْ اِلَى اللّٰهِ وَاَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَالَا تَعْلَمُوْنَ [میں تو اپنے غم وپریشانی کی شکایت اللہ تعالیٰ سے کرتا ہوں اور میں اللہ تعالیٰ (کی جانب) سے اس چیز کو جانتا ہوں جس کو تم نہیں جانتے]۔ کسی نے خوب کہا ہے "یا اللہ! مجھ کو اس قوم میں سے بنادے یا اس قوم کے دیکھنے والوں میں سے بنادے کہ میں کسی دوسری قوم کی طاقت نہیں رکھتا ہوں"۔ شاید کہ دردمندوں کے شربت کی کچھ چاشنی آپ کے باطن کو نصیب ہوگئی ہے کہ آپ نے فقر وتجرید (تنہائی) کی آرزو کی ہے، بیشک ؎

ہر کسے کو دور ماند از اصلِ خویش　　باز جوید روزگارِ وصلِ خویش

[جو شخص کہ اپنی اصل سے دور رہ گیا ہے وہ اپنے وصل کا زمانہ پھر تلاش کرے]

دامان دامن

۳۲۵

۵/۱۲ ۸۶

صاحبِ استعداد جوانوں پر افسوس ہوتا ہے کہ انھوں نے اپنی اعلیٰ فطرتوں (صلاحیتوں) کو اس کمینی (دنیا) میں مصروف کردیا ہے اور بظاہر اس غدار قحبہ (دلالہ) کے ساتھ شغف رکھتے ہیں اور نفیس جواہر (موتیوں) کے بدلے چند ٹھیکریوں کے ساتھ ترک کر رہ گئے ہیں، جمالِ مطلق چمک رہا ہے اور آمد و رفت کا راستہ کھلا ہوا ہے اور ہم پست فطرت لوگ اس جمال سے پردے اور جدائی میں ہیں ؎

در جہاں شاہدے و ما فارغ   در قدح جرعۂ و ما ہشیار

[جہان میں ایک معشوق (موجود) ہے اور ہم بے پرواہ ہیں، پیالہ میں ایک گھونٹ ہے اور ہم ہشیار ہیں] رباعی

آمد سحر آں دلبرِ خونین جگراں   گفتہ کہ تو بر خاطرِ من بارِ گراں

شرمت بادا کہ من بسوئیت نگراں   باشم تو ہمی چشم بروئے دگراں

[صبح کے وقت وہ خونی جگر والوں کا دلبر آیا (اور) اس نے کہا کہ تو میرے دل پر ایک بھاری بوجھ ہے، تجھ کو شرم آنی چاہئے کہ میں تو تیری طرف دیکھ رہا ہوں اور تو دوسروں کے چہرے پر نظر جمائے ہوئے ہے] والسلام علیکم و علیٰ من لدیکم۔

مکتوب ۱۶۵

شیخ الیاس کے نام اس طریقۂ عالیہ کے بعض اصطلاحی کلمات کی شرح میں تحریر فرمایا۔

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ سید المرسلین محمد وآلہ اجمعین

اما بعد، چونکہ سعادت آثار شیخ الیاس نے اس فقیر سے مطالبہ کیا کہ بعض کلمات جو کہ اس طریقۂ عالیہ میں مشہور و رائج ہیں ان کی شرح لکھے۔ اس مطالبہ کو قبول کرتے ہوئے اپنی ناقص سمجھ کے مطابق لکھا گیا واللہ سبحانہ الملہم للصواب [اور اللہ سبحانہ درست بات کا الہام کرنے والا ہے]

(۱)، سفر در وطن سیرِ انفسی سے عبارت ہے کہ اس کو جذبہ بھی کہتے ہیں، ان بزرگواروں کے معاملہ کی ابتدا اسی سیر سے ہے اور سیرِ آفاقی کہ سلوک اسی سے عبارت ہے اس سیر کے ضمن میں طے ہو جاتی ہے اور دوسرے سلسلوں میں کام کی ابتدا سیرِ آفاقی سے کرتے ہیں اور (اُن کی) انتہا سیرِ انفسی پر ہے اور کام کی ابتدا سیرِ انفسی سے کرنا اس طریقہ کی خصوصیت ہے اور اندراجِ نہایت در بدایت (ابتدا میں انتہا کا درج ہونا) اسی معنی میں ہے کہ سیرِ انفسی جو کہ دوسروں کی نہایت ہے وہ ان اکابر کی ابتدا ہے، سیرِ آفاقی مطلوب کو اپنے سے باہر ڈھونڈتا ہے اور سیرِ انفسی اپنے آپ میں آنا اور اپنے دل کے گرد گھومنا ہے، اس معنی میں (بزرگوں) نے کہا ہے ؎

۳۲۶

ہمچو نابینا مبر ہر سوئے دست   با تو در زیرِ گلیم است ہر چہ ہست

[تو اندھے کی طرح ہر طرف ہاتھ نہ لیجا، جو کچھ ہے وہ تیرے ساتھ ہی کمبل کے نیچے ہے]

(۲) خلوت در انجمن: یعنی انجمن (مجلس) میں جو کہ تفرقہ (جدائی) کی جگہ ہے باطن کی راہ سے مطلوب کے ساتھ خلوت رکھتا ہو اور باہر کا تفرقہ اندرونی حجرہ (باطن) میں راہ نہ پائے ؎

از بروں در میانِ بازارم   وند دروں خلوتیست با یارم

[میں باہر سے (ظاہری طور پر) بازار میں ہوں اور اندر سے (باطنی طور پر) مجھ کو دوست کے ساتھ خلوت ہے]

ابتدا میں یہ معنی تکلّف کے ساتھ ہے اور انتہا میں بلا تکلّف ہے اور اس طریقہ میں چونکہ یہ معنی ابتدا میں حاصل ہو جاتا ہے ان بزرگوں نے اس کو حاصل کرنے کے لئے ایک راستہ وضع کیا ہے (اس لئے یہ بات) اس طریقہ کی خصوصیات میں سے ہے اگرچہ دوسرے طریقوں کے منتہیوں کو بھی حاصل ہو جاتی ہے اور اسی معنی میں بزرگوں نے کہا ہے ؎

از دروں شو آشنا و از بروں بیگانہ وش   ایں چنیں زیبا صفت کم می بود اندر جہاں

[تو اندر سے آشنا ہو جا اور باہر سے بیگانوں کی طرح رہ، اس قسم کی اچھی صفت والا دنیا میں کم ہی ہوتا ہے]

من لم یملك عینہ فلیس لقلب عندہٗ [جو شخص اپنی آنکھ کا مالک نہیں ہوا تو اس کے پاس دل نہیں ہے]

(۳) نظر بر قدم اس چیز سے عبارت ہے کہ راستہ چلنے میں نظر قدم پر جمالی جائے اور طرح طرح کے محسوسات کے ساتھ نظر کو پراگندہ نہ کرے تاکہ جمعیت کے زیادہ قریب ہو جائے کیونکہ ابتدا میں دل نظر کے تابع ہے اور نظر کی پراگندگی دل میں اثر کرتی ہے۔ کسی نے خوب کہا ہے ؎

بچہ مشغول کنم دیدہ و دل را کہ مدام   دل تُرا می طلبد دیدہ ترا می جوید

[میں دیدہ و دل کو کس چیز کے ساتھ مشغول کروں کہ ہمیشہ دل تجھ کو طلب کرتا ہے اور آنکھ تجھ کو تلاش کرتی ہے]

(۴) ہوش در دم، اس سے مراد یہ ہے کہ اپنے سانس کا واقف رہے تاکہ وہ غفلت سے باہر نہ آئے تیسرا کلمہ اُس تفرقہ کو دور کرنے کیلئے ہے جو کہ آفاق سے اُٹھتا ہے اور چوتھا کلمہ انفسی تفرقہ کو دور کرنے کیلئے ہے۔

نظر بر قدم ۳ ؎ ہوش در دم ۴ ؎

(۵و۶) یاد کرد و یادداشت، سالک جبتک طریقت (تکلّف و تصنّع) میں ہے اور حقیقت و ملکہ حضور کے ساتھ نہیں ملا ہے (اس وقت تک) یاد کرد کے مقام میں ہے ؎

دائم ہمہ جا با ہمہ کس در ہمہ کار   می دار نہفتہ چشمِ دل جانبِ یار

[ہمیشہ ہر جگہ ہر شخص کے ساتھ ہر کام میں دل کی آنکھ کو پوشیدہ طور پر یار کی جانب رکھ]

اور جب حضور دائمی ہو جاتا اور "یاد کرد" کے تکلف سے رہائی پالیتا ہے اور ایسا ملکہ ہو جاتا ہے کہ نفی کرنے سے بھی نفی نہیں ہوتا تو (یہ حالت) "یادداشت" ہوتی ہے ؎

۳۲

دارم ہمہ جا باہمہ کس در ہمہ حال   در دل ز تو آرزو و در دیدہ خیال

[میں ہر جگہ ہر شخص کے ساتھ ہر حال میں دل میں تیری آرزو اور آنکھ میں تیرا خیال رکھتا ہوں]

اور "یاد داشت" کے دوسرے معنی بھی ہیں جو کہ نہایت اعلیٰ ہیں اور وہ معنی اس مکتوب کے لائق نہیں ہیں۔

(۷) وقوفِ قلبی یہ ہے کہ دل کا نگہبان و واقف رہے اور ایک توجہ و نظر اس پر رکھتا رہے اور ذکر کو ترک کرے تاکہ تفرقہ اس میں راہ نہ پائے اور وہ ماسوا کے نقوش کے ساتھ منقش نہ ہو جائے۔ بزرگوں نے کہا ہے کہ دل بیکار نہیں ہے یا ماسوی کے ساتھ ملا ہوا ہے یا مطلوب کے ساتھ اٹکا ہوا ہے۔ آدمی جبتک بیدار ہے ظاہری حواس جو کہ جاسوس ہیں عالم (دنیا) کی خبریں دل کو پہنچاتے ہیں اور تفرقہ میں رکھتے ہیں اور جب سو جاتا ہے تو باطنی حواس یہ کام کرتے ہیں اور دل کو پریشان رکھتے ہیں اور جب صاحبِ دل شخص اپنے دل کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے تو گویا اس توجہ سے ایک قلعہ اس کے دل کے گرد پیدا ہو جاتا ہے اور عالم (دنیا) کی خبروں کو دل تک پہنچنے نہیں دیتا، اس وقت میں دل انتہائی مقصد کے ساتھ وابستہ ہو جاتا ہے کیونکہ بیکاری اُس کے حق میں ناپید ہے جب اس طرف سے روک دیا گیا تو اس طرف توجہ کئے بغیر چارہ نہیں رکھتا، مذکورہ ذکر و توجہ کا محتاج نہیں ہے، دل کو دشمن سے باز رکھ، دوست کو طلب کرنے کی ضرورت نہیں ہے، آئینہ سے زنگ دور کر، نور کے ظہور کے سوا کچھ نہیں ہے۔ میں نے حضرتِ عالی (مجدد الفِ ثانی قدس سرہٗ) سے سُنا ہے کہ اگر کسی کو قلبی ذکر اثر نہ کرے اور وہ شخص متاثر نہ ہو تو اس کو ذکر سے روک کر محض وقوفِ قلبی کا امر کیا جائے اور (اس پر) توجہات کرنی چاہئیں تاکہ ذکر اثر کر جائے۔

(۸) وقوفِ عددی سے مراد یہ ہے کہ ذکر نفی اثبات کے عدد پر اس طرح پر جو کہ اس طریقہ میں مقرر ہے واقف رہے تاکہ ہر سانس میں طاق عدد کے جفت نہ کہے۔

(۹) مراقبہ، ترقب سے مشتق ہے، ترقب انتظار کو کہتے ہیں، پس مطلوب کے انتظار میں ظاہری و باطنی حواس کو جمع کرنا مراقبہ ہے ؎

ہمہ چشمیم تا بروں آئی   ہمہ گوشیم تا چہ فرمائی

[ہم سب آنکھ ہیں (یعنی منتظر ہیں) تاکہ تو باہر آجائے اور ہم سب کان ہیں تاکہ (سُنیں کہ) تو کیا فرماتا ہے]

ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ میں نے مراقبہ بلّی سے سیکھا ہے۔ اور مراقبہ کے ایک دوسرے معنی بھی ہیں اور وہ حق سبحانہٗ کی دائمی اطلاع کے ساتھ بندہ کا آگاہ و باخبر ہونا اور اس کو اس تعالیٰ شانہٗ کا حضور ہے، خواجۂ بزرگ قدس سرہٗ فرماتے تھے کہ مراقبہ کا طریق (راستہ) نفی و اثبات کے طریق سے اعلیٰ ہے اور جذبہ کے زیادہ قریب ہے، مراقبہ کے طریق سے وزارت اور مُلک و ملکوت میں تصرف کے مرتبہ کو پہنچ سکتا ہے اور

خواطر (دل کی باتوں) پر آگاہی اور موہبت (بخشش) کی نظر سے دیکھنا اور باطن کو منور کرنا مراقبہ کی ہمیشگی سے (حاصل ہوتا) ہے، مراقبہ کے ملکہ (مشق) سے دلوں کی دائمی جمعیت (سکون) اور دلوں کی دائمی قبولیت حاصل (ہوتی) ہے اور اس معنی کو جمع و قبول کہتے ہیں۔ ۳۲۸

(۱۰) سلطانِ ذکر یہ ہے کہ ذکر تمام بدن کو محیط ہو جاتا ہے اور ہر عضو دل کی طرح ذاکر اور مطلوب کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے ؎

ہر دم بہ ہوائے تُست دمساز ہر موئے ز گیسوئم بہ پرواز

[میں ہر دم تیری محبت میں سانس لے رہا (جی رہا) ہوں (اور) میرے گیسو کا ہر بال پرواز میں ہے]

(۱۱) رابطہ (سے مراد) دل میں پیر کی صورت کی حفاظت ہے۔ حضرت خواجہ احرار قدس سرہٗ نے رابطہ کی طرف اشارہ کیا ہے جس جگہ کہ انھوں نے فرمایا ہے ع

سایۂ رہبر بہ است از ذکرِ حق [رہبر کا سایہ ذکرِ حق سے بہتر ہے]

یعنی یہ طریقہ (رابطہ) ذکر سے زیادہ نفع دینے والا ہے، اس کی تشریح یہ ہے کہ مرید بیچارہ چونکہ عالم سفلی (دنیا) کا گرفتار ہے (اس لئے) عالم علوی (عالم بالا) سے مناسبت نہیں رکھتا تاکہ اس (اللہ تعالیٰ کی) بارگاہ سے بلا واسطہ فیوض و برکات حاصل کرے کوئی ایسا واسطہ بننے والا شخص ہونا چاہئے جو دونوں جانب کا مالک ہو کہ عالمِ علوی سے کچھ حاصل کر کے عالمِ سفلی کی طرف دعوت و ارشاد کے لئے رُخ کئے ہوئے ہو اور پہلی مناسبت کی راہ سے عالم غیب سے فیوض اخذ کر کے دوسری مناسبت کی راہ سے جو کہ وہ عالم سفلی کے ساتھ رکھتا ہے اُن فیوض کو صاحبِ استعداد لوگوں تک پہنچائے اور مرید کے حق میں وہ واسطہ پیر ہے کہ جس نے غیب الغیب (ذاتِ حق) کے ساتھ بے کیف اتصال پیدا کر کے عالمِ شہادت (دنیا) کی طرف رجوع کیا ہے پس مرید مناسبت کی جسقدر زیادہ صورتیں پیر کے ساتھ رکھتا ہوگا اس کے باطن سے اسی قدر زیادہ فیض کا اخذ کریگا ؎

زاں روئے کہ چشمِ تست احول معبود تو پیرِ تست اول

[کیونکہ تیری آنکھ ایک چیز کو دو دیکھنے والی ہے (اس لئے) اول تیرا معبود تیرا پیر ہے]

اور جن چیزوں کے ذریعہ پیر کے ساتھ مناسبت حاصل ہوتی ہے وہ پیر کے ساتھ محبت و خدمت اور ظاہر و باطن میں اُس کے آداب کی رعایت اور عادات و عبادات میں اس کا اتباع اور اپنی مرادوں کو اس کی مرادوں کے تابع کرنا اور اپنے آپ کو اس کے حضور میں کالمیّت بین یدی الغسال [مردہ بدست غسال کی مانند) دیکھنا اور پیر میں فانی ہو جانا ہے اور اسی لئے بزرگوں نے کہا ہے کہ فنا فی الشیخ فنا فی اللہ کا مقدمہ (تمہید) ہے۔ اور رابطہ کا طریقہ ان امور میں سب سے عظیم امر ہے اور (یہ) پیر کے ساتھ بہت ہی زیادہ مناسبت

پیدا کرتا ہے اور ان مذکورہ امور کو آسان کرنے والا ہے جو کہ مناسبت حاصل ہونے کا ذریعہ ہیں اور رابطہ کی نسبت غالب آجاتی ہے تو (سالک) اپنے آپ کو عین پیر پاتا ہے اور اپنے آپ کو اس کے لباس وصفت کے ساتھ موصوف پاتا ہے اور جدھر دیکھتا ہے پیر کی صورت کو دیکھتا ہے ؎

در ودیوار چو آئینہ شد از کثرتِ شوق ہر کجا می نگرم روئے ترا می بینم

(کثرتِ شوق کی وجہ سے درو دیوار آئینہ کی مانند ہو گئے ہیں جس طرف بھی دیکھتا ہوں تیرا ہی چہرہ دیکھتا ہوں) ماسوی اللہ کی طرف التفات کرنے اور غیر اللہ کے شہود وشعور سے دل کو بیگانہ (خالی) کر دینا توحید[12] ہے ؎

توحید بعرفِ صوفی صاحب سیر تخلیص دل از توجہ اوست بغیر

[صاحبِ سیر صوفی کی اصطلاح میں دل کو غیر اللہ کی طرف توجہ کرنے سے آزاد کرنا توحید ہے]

۳۲۹ عدم[13] (کا مطلب) جذبہ کی جہت میں فنا ہے اور یہ اپنے ساتھ اور اپنے اوصاف کے ساتھ شعور نہ ہونے سے عبارت ہے ——— وجودِ عدم[14]، ایک بقا ہے جو کہ اس فنا پر مترتب ہوتی ہے، یہ فنا و بقا چونکہ اس جذبہ کی جہت میں ہے کہ جس کے ساتھ سلوک شامل نہیں ہوا ہے اس لئے وجودِ بشریت کی طرف عود کرنے سے محفوظ نہیں ہے پس اس کے ساتھ ولایت حاصل نہیں ہوتی، اور فنا و بقائے حقیقی ہی ہے کہ جس کے ساتھ ولایت وابستہ ہے اور عودِ مذکور سے محفوظ ہے اور دوام اس کے لئے ضروری ہے۔ فنائے حقیقی[15] اس (اللہ تعالیٰ) کے ماسوا کا نسیان اور غیر اللہ کے علم کا زوال ہے۔ ہمارے حضرت عالی قدس سرہ نے فرمایا ہے کہ اگر اشیاء کے علمِ حصولی کا زوال ہے تو (یہ) فنائے قلبی ہے اور اگر علمِ حضوری کا زوال ہے کہ جس سے مراد نفسِ حاضر (سالک کی اپنی ذات) ہے تو فنائے نفس ہے ——— اور وجودِ فنا[16] وہ بقا ہے جو کہ اس فنا پر مترتب ہوتی ہے اور (سالک) ولادتِ ثانیہ سے وجودِ موہوب کے ساتھ موجود ہو جاتا ہے حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہ نے اسی معنی میں فرمایا ہے کہ وجودِ عدم وجودِ بشریت کی طرف عود کرتا ہے لیکن وجودِ فنا وجودِ بشریت کی طرف عود نہیں کرتا۔
. بازگشت[17] سے مراد یہ ہے کہ نفی واثبات کے ذکر کے بعد مقررہ طریقہ پر زبانِ دل سے یہ کہے کہ "اے اللہ میرا مقصود تو ہی ہے اور میری رضا تجھ ہی سے ہے۔

مکتوب ۱۶۶

حافظ عبدالکریم کے نام ان کے احوال کی شرح میں تحریر فرمایا۔

الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ: برادرِ عزیزم مولانا عبدالکریم کا مکتوب مرغوب پہنچا، مسرت کا

باعث ہوا، اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی حمد ہے کہ باطنی جمعیت ولذت اندوزی سے خالی اور فقراء کی یاد سے فارغ نہیں ہیں، چاہئے کہ اسی طرح پر احوال لکھتے رہیں اور اوقات کو طاعات ومراقبات کی پابندیوں کے ساتھ آباد رکھیں اور دوال (دلالت کرنے والے امور) وظلال سے اصل اور مدلولِ حقیقی کی طرف رُخ کریں اور علم سے حیرت کی طرف اور گفتگو سے خاموشی کی طرف آئیں اور پوست سے مغز کی طرف اور لفظ سے معنی کی طرف مائل ہوں۔ کسی نے خوب کہا ہے ؎

قومے ز وجودِ خویش فانی ، رفتہ ز حروف در معانی

[ایک قوم اپنے وجود سے فانی ہے وہ حروف سے معانی کے اندر چلی گئی ہے] اگرچہ مطلوبِ حقیقی جیسا کہ لفظ سے ماوراء ہے (اسی طرح) معنی سے بھی باہر ہے اور پوست ومغز سے بالاتر ہے ؎

لا وھو زاں سرائے روز بہی باز گشتند جیب وکیسہ تہی

ص ۳۳۰

[لا اور ھو اُس مقدس بارگاہ سے اس حال میں واپس لوٹتے ہیں کہ ان کا جیب وکیسہ خالی ہوتا ہے] اصل اس بارگاہِ مقدس سے ظل کی طرح راستہ میں ہے۔ چونکہ آپ نے اس بلند نسبت والوں کے ساتھ فی الجملہ محبت و ارادت درست کی ہے امید ہے کہ (اللہ تعالیٰ) اس کے مطابق اس معنی کے جمال سے نقاب اٹھادے اور اس چشمہ سے کچھ شربت عطا فرمادے۔ اور یہ جو آپ نے لکھا تھا کہ" ذکرِ نفی واثبات کے وقت کبھی کبھی اپنے آپ کو لاشئ محض پاتا ہے"۔ لاشئ محض پانے کے دو مقام ہیں ایک یہ کہ وجود اور اس کے توابع کے منتسبات کو اصل کے حوالہ کردے اور اپنے آپ کو عدمِ محض کے ساتھ ملحق دیکھے اور انا کے ساتھ تعبیر نہ کرسکے یہ حالت نہایت عمدہ ہے اور فنائے نفس سے تعبیر کی جاتی ہے اور کعبۂ مقصود تک پہنچنے کی بشارت دینے والی ہے۔ دوم یہ کہ ان احوال کے بغیر مذکورہ بالا دید متحقق ہوجائے یہ بھی اچھی حالت ہے کہ پہلی حالت کے مقدمات (مبادیات) سے ہے اگرچہ مقدمات سے مقامات تک بہت فرق ہے۔

آپ نے لکھا تھا کہ نہ اپنا شعور رہتا ہے اور نہ اپنے عدم کا شعور رہتا ہے"۔ یہ حالت فنائے قلب میں جس کا مذکرہ بالمشافہ ہوتا تھا حاصل ہے کیونکہ دائمی نسیان کے وقت میں قلب نہ ماسوی کا شعور رکھتا ہے اور نہ عدمِ شعور کا شعور رکھتا ہے اور بظاہر اس حالت کا دائمی ہونا دشوار ہے اور جو چیز دوام نہیں رکھتی وہ اعتبار کے دائرہ سے ساقط ہے، والسلام اولاً وآخراً۔

یہ بھی حافظ عبدالکریم کے نام مطلوب کی تنزیہ اور ہمت کی بلندی پر رہنمائی کرنے کے بارے میں تحریر فرمایا۔

حضرت حق سبحانہ وتعالیٰ ایک ایسے مطلب کا گرفتار بنائے کہ جس سے اس کی عظمت وکبریائی کا دامن تمنا وآرزو کی آمیزش کے ساتھ آلودہ نہ ہونے پائے اور اس کی طلب میں ایسی ہمت عطا فرمائے کہ جو کچھ اس سے ظاہر ہو ظاہری اور باطنی طور پر اس سے چشم پوشی کر کے اس کی طرف توجہ نہ کرے بلکہ جل جائے اور پگھل جائے اور کوئی چیز نہ چاہے اور کسی امر کی طرف متوجہ نہ ہو، اس وقت نہ اس کے ہجر کو چاہے (اور) نہ (اس کے) وصل کو، وہ محبوب کا ہجر کس طرح چاہے گا اور اس کے وصل کو اس لئے نہیں چاہتا کہ اس نے یقینِ یقین کے ساتھ جان لیا ہے کہ اس کے ساتھ وصل واتصال اس کے حوصلہ کے لائق ہے اور اس کی استعداد ویافت کے ساتھ مقید ہے اور وہ امر جس کا کہ وہ گرفتار ہے ان پابندیوں سے پاک اور بَری ہے اور اِن قیود سے خالی ہے، پس بلند ہمتی کی وجہ سے اس وصل کی طرف التفات نہیں کرتا اور جو کچھ اس سے ظاہر ہوتا ہے سب سے منہ موڑ لیتا ہے، اس کی ہمت کا مرکز مطلوبِ حقیقی کے سوا جو کہ ظہورات کے ماوراء اور آرزوؤں سے وراء الوراء ہے اور کچھ نہیں ہے۔ ع

آں لقمہ کہ در دہان نگنجد طلبد [وہ لقمہ طلب کرتا ہے جو کہ منہ میں نہیں سماتا]

اس کے باوجود مطلوب سے مایوس بھی نہیں ہے کیونکہ یہ معاملہ یاس (ناامیدی) کے معاملہ سے اوپر ہے، عجیب معاملہ ہے کہ نہ مطلوب کے ہجر کو چاہتا ہے اور نہ اس کے وصل کو اور ناامیدی بھی نہیں رکھتا اور اس مقام میں اضداد کا جمع ہونا اور نیز تضادات کا رفع ہونا محال ہونے سے نکل چکا ہے عرفت ربی بجمع الاضداد [یعنی اپنے رب کو اضداد کے جمع کرنے سے پہچانا] یہ کمال محبوبیت کے مقام کے ساتھ وابستہ ہے کیونکہ مُحِبّ جو کہ ہمیشہ محبوب کے شہود (مشاہدہ) کو چاہتا ہے اور ہمیشہ اس کے وصل واتصال کا آرزومند ہے اس بات کی طاقت کہاں رکھتا ہے کہ محبوب کا کوئی پرتَو (ظل) ظاہر ہو اور وہ اپنی نگاہداشت کر سکے، ایک بزرگ فرماتے ہیں

بوئے تو از جا جہم مست وبیخود زہر سو کہ آواز پائے بر آید

[جس طرف سے کسی پاؤں کی آواز آتی ہی میں تیری بُو سے مست وبیخود ہو کر اپنی جگہ سے اس طرف چل پڑتا ہوں] محب محبوب کے جمال وجلال کے آثار وافعال وصفات اور (اس کے) خد وخال کے حُسن پر شیفتہ ہے محبوب ہی جو کہ اصل سے کچھ نشان رکھتا ہی اور ذات کا من حیث ھی (جیسی کہ وہ ہی) گرفتار ہے اور اس گرفتاری کے غلبہ کے باعث ان امور کی طرف متوجہ نہیں ہوتا اور توجہ کے قبلہ کو پراگندہ نہیں کرتا والسلام۔

مکتوب ۱۶۸

آغا رشید کے نام اس بارے میں تحریر فرمایا کہ اس راہ کی پہلی شرط فنا ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم واللہ تعالیٰ فیوض و ترقیات کے دروازے ہمیشہ کھلے رکھے، آدمی جبتک علم و دانش کی قید میں ہے معرفتِ بسیط سے جو کہ اہل اللہ کے نزدیک معتبر ہے بے بہرہ ہے ماسوا کا نسیان اور غیر اللہ کے علم کا زوال اس راہ کی پہلی شرط ہے خواہ اشیا کا علمِ حصولی ہو یا علمِ حضوری ہو کہ جس سے مراد نفسِ حاضر (اپنی ذات) ہے جبتک باطن کا صحن اشیا کے علمی نقوش سے پاک و صاف نہیں ہو جاتا قِدَم (قدیم ہونے) کے انوار کا ظہور صورت پذیر نہیں ہوتا اور جبتک نفسِ حاضر (انانیت) قائم ہے وہ اس حریم (بارگاہ) میں کوئی راستہ نہیں رکھتا ؎

ہیچ کس را تا نگردد او فنا نیست رہ در بارگاہِ کبریا

[جب تک کوئی شخص فنا نہ ہو جائے بارگاہِ کبریا میں اس کے لئے باریابی نہیں ہے]

مکتوب ۱۶۹

میر ضیاء الدین حسین کے نام اس بارے میں تحریر فرمایا کہ عمل سے مایوسی کرم (خداوندی) پر اعتماد کو مستلزم ہے۔

الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ : آپ نے جو مکتوب گرامی قاصد ملا زاہد کے ہمراہ روانہ کیا تھا پہنچکر مسرت بخش ہوا ؏ اے وقتِ تو خوش کہ وقتِ ما خوش کردی

[اے وہ شخص کہ جس نے ہمارے وقت کو خوش کیا تیرا وقت بھی خوش ہو]۔ آپ نے جو مفصل مقدمات اس شخص (آپ) کے عمل سے کامل ناامیدی اور (اللہ تعالیٰ کے) لازوال فضل و کرم پر کلی اعتماد کی خبر دینے والے درج کئے تھے واضح ہوئے، بیشک عمل سے ناامیدی جسقدر زیادہ ہوگی فضل پر اعتماد اسی قدر زیادہ ہوگا، لوگوں نے کسی بزرگ سے پوچھا کہ یہ تمام امید جو کہ آپ رکھتے ہیں کس بنا پر رکھتے ہیں، انھوں نے فرمایا بیاسی من کل عملی [یعنی یہ تمام امید جو کہ میں رکھتا ہوں یہ میرے ہر عمل سے میری ناامیدی کے سبب سے ہے] اور موت و قیامت کو یاد کرنے اور اس (اللہ تعالیٰ) کے ساتھ امید و حسنِ ظن کی وجہ سے دار اللقا (آخرت) کے شوق کے غالب آنے کی بابت جو کچھ درج تھا نیک و مبارک ہے، حدیثِ نفیس احسن ظنك بربك [اپنے رب کے ساتھ اپنا گمان اچھا رکھ] اور حدیثِ قدسی انا عند ظن عبدی بی [میرا بندہ مجھ سے جیسا گمان رکھتا ہے میں اس کیلئے ویسا ہی ہوں] اس معنی کی تائید کرتی ہے۔ آپنے شوق آمیز اور سوز انگیز مقدمات لکھے تھے اور نیز لکھا تھا "یا الٰہی چونکہ تیرا آشنا مخلوق سے بیگانہ ہے (اسلئے) میں کسی کے ساتھ آشنائی کا خیال نہیں رکھتا الخ"۔ (اس چیز نے) امیدوار کیا، حق سبحانہ اس آشنائی کی حقیقت تک پہنچائے و

اپنے آپ سے اور مخلوق سے کامل رہائی نصیب وقت کرے۔ ع

اے وائے بر آنکہ از خود و از خلق نہ رست [اُس شخص پر افسوس ہے جس نے اپنے آپ اور مخلوق سے رہائی حاصل نہیں کی]

بافت و شہود کی رو سے اس انقطاع اور سالک سے عین و اثر کے دور ہو جانے کا کمال تجلیاتِ صفاتیہ بلکہ تجلی ذات تعالیٰ کے بغیر میسر نہیں ہے اور ظلماتِ عدم کے آثار کا جو کہ بُعد و دوری کی اندھیری کان ہیں دور ہو جانا سالک کے خرابہ (قلب پر) غیب الغیب کے افق سے آفتابِ احدیت کے طلوع ہوئے بغیر کہ جس کے سبب سے قرب و وصال کی دولت کو پہنچ سکتا ہے، ممکن نہیں ہے، والسلام اولاً و آخراً۔

مکتوب ۱۷۰

مولانا محمد حنیف کے نام اس بارے میں تحریر فرمایا کہ ذکر کسی غرض کے ساتھ حتیٰ کہ احوال و مواجید کے ساتھ بھی ملا ہوا نہیں ہونا چاہیے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفٰی۔ ع

از ہر چہ میرود سخنِ دوست خوشتر است [دوست کی جو بات بھی بیان کی جائے پسندیدہ ہے]

میرے مخدوم! احدیتِ ذات کے طالب کو چاہیئے کہ ذکر و فکر کو آرزوؤں سے خالص کرے اور اپنی اغراض و خواہشات کے ساتھ نہ ملائے بلکہ احوال و مواجید بھی اس میں ملحوظ و منظور نہ ہوں فَاذْكُرُونِي أَذْكُرْكُمْ [پس تم مجھے یاد کرو میں تم کو یاد کروں گا] کے وعدہ کے مطابق اس طرف سے بھی یاد کریں گے۔ دیکھئے کہ کس طرز پر یاد فرماتے ہیں اور کس بخشش کے ساتھ نوازتے ہیں بلکہ ذکر میں چاہیئے کہ أَذْكُرْكُمْ [میں تم کو یاد کروں گا] کی جانب بھی ملحوظ نہ ہو اور سینہ (دل) کو خالی کر کے یاد کرے۔ اگر یہ کہا جائے کہ آیۂ کریمہ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّطَمَعًا [وہ اپنے رب کو خوف اور طمع کے ساتھ پکارتے ہیں] سے اس کے خلاف مفہوم ہوتا ہے، اور یہ جو (بزرگوں نے) کہا ہے کہ ہو سکتا ہے اس سے مراد یہ ہو کہ انقطاع (جدائی) سے خوف کھاتے ہوئے اور وصال میں طمع رکھتے ہوئے (پکارتے ہیں، یہ تاویل) اس شبہ کی تشفی نہیں کرتی کیونکہ اکثر (ایسا ہوتا) ہے کہ ذکر و عبادت میں یہ خوف اور یہ طمع بھی منظور نہ ہو اور وصل و فراق ممنوع نہ ہو — ہم (جواب میں) کہتے ہیں کہ شک نہیں ہے کہ ثواب و عذاب اور قرب و درجات سے قطع نظر وہ سبحانہٗ تعالیٰ محض اپنی ذاتِ اقدس کے ساتھ بھی ذکر و عبادت کا مستحق ہے اور یہ آیۂ کریمہ اس معنی کے منافی نہیں ہے، غایۃ الامر جائز ہے کہ یہ آیۂ کریمہ استحقاقِ صفاتی کے لحاظ سے ہو اور استحقاقِ ذاتی اس کے ماسوا ہو اور وہ دوسری

نصوص ہے جن میں کہ تسبیح وذکر خوف ورجا کے ساتھ مقید نہیں ہے مستفاد ہوتا ہے مثلاً اِلَّا ابْتِغَاءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْأَعْلَىٰ [مگر اپنے پروردگار اعلیٰ کی رضامندی چاہنے کے لئے (مال خرچ کرتا ہے)] اور آیۂ کریمہ وَمَا تُنفِقُونَ إِلَّا ابْتِغَاءَ وَجْهِ اللَّهِ [اور تم اللہ کی رضاجوئی کے سوا اور کسی غرض سے خرچ نہیں کرتے] اور ہو سکتا ہے کہ آیۂ کریمہ یَدْعُونَ رَبَّهُمْ الآیہ میں دعا بمعنی سوال ہو جو کہ ذکر کے بالمقابل ہے جیسا کہ حدیثِ قدسی میں آیا ہے کہ جس کو میرے ذکر نے سوال کرنے سے روک دیا میں اس کو اس سے افضل دیتا ہوں جو سوال کرنے والوں کو دیتا ہوں اور سوال اس حیثیت سے کہ وہ سوال ہے التماس میں خوف وطمع ملحوظ ہے بخلاف ذکر کے۔

مکتوب ۱۷۱

حاجی محمد افغان کے نام نصیحت کے بارے میں تحریر فرمایا۔

میرے مخدوم! اوقات کو آباد رکھیں اور خلوت وتنہائی کی طرف بہت زیادہ راغب رہیں اور لوگوں کے ساتھ خصوصاً غیر آدمیوں کے ساتھ جو کہ سلسلہ میں داخل نہیں ہیں بہت کم میل جول رکھیں ضرورت کے مطابق ان کے ساتھ نشست وبرخاست رکھیں لیکن طالبوں کے حالات میں اچھی طرح مشغول رہیں اور ان کے حالات کی تفتیش اور احوال پرسی جیسی کہ ہونی چاہئے کرتے رہیں اور اہلِ خانہ کے شرعی حق بھی بجالائیں اور ان کے ساتھ زیادہ میل جول نہ رکھیں کیونکہ عورتوں کی مصاحبت دنیا کے حقیر وقلیل مال کی طرف رغبت دلاتی ہے اور حق سبحانہ وتعالیٰ سے غافل کرتی اور دور پھینکتی ہے۔

مکتوب ۱۷۲

محمد کاشف کے نام اس بارے میں تحریر فرمایا کہ کاملین کے حق میں ظاہر (بھی) باطن کی طرح دائمی حضور کے ساتھ متصف ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اللہ تعالیٰ بالنون والصاد (نون وصاد کے طفیل) ماسویٰ کی غلامی سے آزاد کرے، اِن تَعُدُّوا نِعْمَةَ اللَّهِ لَا تُحْصُوهَا [اگر تم اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو شمار کرنا چاہو تو تم ان کو شمار نہیں کر سکو گے]۔ حق سبحانہ وتعالیٰ کی جانب سے صوری ومعنوی ظاہری وباطنی فیض وانعام دائمی ہے کہ اگر ایک ساعت یا ایک لمحہ یہ فیض منقطع ہو جائے تو بندہ کے وجود اور کمالاتِ تابعۂ وجود کا

کچھ بھی نشان باقی نہ رہے۔ پس بندہ پر لازم ہے کہ ایک لمحہ یا ایک پلک جھپکنے تک بھی اُس ذاتِ اقدس سے غافل نہ رہے اور دائمی حضور کے ساتھ موصوف رہے عجیب خسارہ اور شرمندگی ہے کہ منعمِ حقیقی انعام کے درپے ہو اور جس پر انعام کیا جائے وہ اس کی طرف کوئی توجہ نہ رکھتا ہو اور (اُس سے) روگردانی کرنے والا ہو۔

کسے کو غافل از حق یک زمان ست　　　درآں دم کافر است اما نہان ست

[جو شخص کہ حق سے ایک پل بھی غافل ہے وہ اس وقت کافر ہے لیکن پوشیدہ طور پر ہے] (اس میں) شک نہیں ہے کہ باطن کے لحاظ سے دائمی حضور ممکن بلکہ واقع ہے خاص طور پر ہمارے طریقہ میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے کرم سے یہ دوام آسانی سے حاصل ہو جاتا ہے اور ابتدا ہی میں میسر ہو جاتا ہے لیکن ظاہر کے ساتھ یہ دوام دشوار ہے کیونکہ ظاہر کو جو کہ کثرت کے ساتھ الجھا رہتا ہے غفلت سے چارہ نہیں ہے اور سونے اور لوگوں کے ساتھ میل جول رکھنے سے چھٹکارا نہیں ہے، ہاں اگر ظاہر کی اس غفلت کو اچھی نیت کے ساتھ ملا لے تو غفلت عین حضور ہو جائے اور عبادت میں سستی دور ہونے کی نیت سے سونا طاعت میں داخل ہے نوم العلماء عبادۃ [علماء کا سونا عبادت ہے] (یہ مقولہ) آپ نے سنا ہوگا اور (اسی طرح) لوگوں کے حقوق کی ادائیگی کی نیت سے ان کے ساتھ میل جول رکھنا احکاماتِ شرعیہ میں سے ہے، اور ہر وہ شخص جو کسی امر میں اللہ تعالیٰ کے حکم کی اطاعت کرنے والا ہے وہ اللہ کا ذاکر ہے۔ پس ظاہر کے لحاظ سے بھی دائمی حضور ثابت ہوگا اور (اس لحاظ سے ظاہر و باطن دوام آگاہی کے ساتھ موصوف ہونگے کیونکہ باطن تمام کا تمام کسی شرکت کے بغیر خالص حق تعالیٰ جل وعلا ہی کے لئے ہے اور ظاہر جو کہ کبھی حاضر اور کبھی غائب ہے اس کا نصف بھی خالص اُس (اللہ) تعالیٰ ہی کے لئے ہے اور ظاہر کا دوسرا نصف جو کہ صورت کے لحاظ سے غفلت و غیبت میں ہے چونکہ مولا سبحانہ وتعالیٰ کی طاعت میں ہے (اس لئے) وہ بھی اس بارگاہِ قدس ہی کی طرف لوٹنے والا ہے، اِلَیْہِ یُرْجَعُ الْاَمْرُ کُلُّہٗ فَاعْبُدْہُ وَتَوَکَّلْ عَلَیْہِ [امر تمام کا تمام اسی کی طرف لوٹتا ہے پس اُسی کی عبادت کر اور اسی پر بھروسہ کر]۔ جاننا چاہئے کہ یہ دوام جو ظاہر و باطن دونوں کے لحاظ سے ہو افرادِ انسانی میں سے کامل ترین افراد کا حصہ ہے جو کہ نفسِ امارہ کی اطاعت سے باہر ہو چکے ہیں بلکہ اطمینانِ نفس کے ساتھ مشرف ہو چکے ہیں اور کامل ترین فنا اور اکمل بقا سے واصل ہو چکے ہیں اور نیت کی تصحیح اور عمل میں اخلاص کی تکلیف سے رہائی پا چکے ہیں جو شخص کہ نیت کی تصحیح اور اخلاص کے تکلف میں ہے وہ مخلِص بکسرِ لام (رہائی پانے والا) ہے اور جو شخص کہ تکلف سے گذر چکا اور حقیقت سے جا ملا ہے وہ مخلَص بفتح لام (رہائی پایا ہوا) ہے جو کہ آیۂ کریمہ اِنَّہٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِیْنَ [بیشک وہ ہمارے مخلَص (رہائی پائے ہوئے) بندوں میں سے ہے] میں وارد ہے اور مخلِصین (کسرہ لام کے ساتھ) بڑے خطرے میں ہیں، والسلام۔

۱۱/۱۲۳　۳۳۵　۲۴/۱۲

مکتوب ۱۷۳

خواجہ ابراہیم کے نام اُن کے اس سوال کے جواب میں تحریر فرمایا جو کسی بزرگ کی عبارت کے معنی سے متعلق تھا کہ انھوں نے کہا ہے کہ میں حق تعالیٰ کے علم کو اپنے علم میں گم پاتا ہوں۔

حمد و صلوٰۃ اور تبلیغ دعوات کے بعد عرض کرتا ہے روزمرہ کے امور لایق شکر ہیں، اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے اکابر کے طریقہ پر آپ کی استقامت کی امید کی گئی ہے پس یہی کام کی اصل و بنیاد ہے اور اس کے بغیر بے فائدہ تکلیف اٹھانا ہے۔ آپ نے لکھا تھا کہ ایک بزرگ نے کہا ہے کہ "میں حق تعالیٰ کے علم کو اپنے علم میں گم پاتا ہوں"۔ آپ نے اس بات کے مستبعد ہونے کا اظہار کیا تھا اور لکھا تھا "اس کے برعکس کہنا چاہئے کہ میں اپنے علم کو علمِ واجبی تعالیٰ میں محو پاتا ہوں"۔ میرے مخدوم! دید (مشاہدہ) پر اعتراض کی گنجایش نہیں ہے لیکن اس دید کے منشا (سبب) کو تلاش کرنا چاہئے۔ جان لیں کہ اس دید کا منشا (سبب) یہ ہے کہ اس نے اپنے علم کو علمِ واجبی (الٰہی) جل سلطانہ کا آئینہ پایا ہے اور آئینہ کو اس چیز سے زیادہ جامع خیال کیا ہے جو کہ آئینہ میں ہے جیسا کہ آفتاب یا آسمان کی صورت آئینہ میں ظاہر ہو اور کوئی سادہ لوح آفتاب یا آسمان کو آئینہ کا جزو تصور کرے، یہ شئ کے نمونہ کا شئ کے ساتھ مشتبہ ہونے کی قسم سے ہے کیونکہ آئینہ میں آفتاب کا نمونہ (عکس) ظاہر ہے نہ کہ عین آفتاب۔ اس بیان سے مولوی معنوی قدس سرہٗ کے اس شعر کے معنی حل ہو گئے جو کہ انھوں نے فرمایا ہے ؎

علمِ حق در علمِ صوفی گم شود این سخن کے باورِ مردم شود

[حق تعالیٰ کا علم صوفی کے علم میں گم ہو جاتا ہے لوگوں کو اس بات کا یقین کب آتا ہے] اور (یہ بات) اس بات کے قریب ہے جو کہ شیخ محی الدین ابنِ عربی قدس سرہ سے نقل کرتے ہیں کہ انھوں نے کہا ہے کہ "جمع محمدی جمعِ الٰہی سے اجمع ہے اس لئے کہ جمعِ محمدی جمعِ الٰہی کے خلاف وجوب و امکان کے مراتب کی جامع ہے"۔ یہ بھی نمونہ کے اصل کے ساتھ مشتبہ ہونے کی قسم سے ہے کیونکہ آئینۂ محمدی میں (جو) ظاہر (ہے وہ) مرتبۂ وجوب کی صورت ہے نہ کہ اس مرتبہ کا عین۔ کسی نے خوب کہا ہے ؎

ص ۳۳۶

تو از خوبی نمی گنجی بعالم مرا ہر گز کجا گنجی در آغوش

[جب تو خوبی کی وجہ سے عالم میں نہیں سما سکتا تو پھر میری آغوش میں بھلا کہاں سما سکتا ہے]۔ اس فقیر کو بھی یہ دید کبھی کبھی اپنے بارے میں حاصل ہوتی ہے لیکن چونکہ اس کا منشا (سبب) اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے فضل و کرم سے

معلوم ہے (اس لئے) لغزش وخطا سے محفوظ ہے ما للتراب ورب الارباب [رع چہ نسبت خاک را با عالم پاک] اس قسم کی چیزیں اس راستہ میں بکثرت رونما ہوتی ہیں (ان) سب سے گذر جانا چاہیے اور عاجزی ونادانی میں آنا چاہئے اور بندہ بننا چاہیے اور خواجگی (بزرگی) کا خیال سر سے نکال دینا چاہیے اور نیاز وشکستگی کے ساتھ بندگی کے لوازم بجالانے چاہئیں اگر بندگی میں قبول فرمالیں تو زہے عزوشرف ورنہ خسارہ نقدِ وقت ہے، ممکن کا کمال بندگی میں ہے، خداوندی اس سبحانہ وتعالیٰ کے لئے مسلم ہے ؎

گرز معشوقت خیالے در سر است نیست معشوق آں خیالِ دیگر است

[اگر تیرے سر میں معشوق کا کوئی خیال ہے تو وہ معشوق نہیں ہے (بلکہ) کوئی اور خیال ہے] والحمد للہ اولاً واٰخراً والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہ دائماً وسرمداً وعلیٰ الہ الکرام واصحابہ العظام الی یوم القیام۔

خواجہ گدا کے نام اجمال کے طور پر خلاصۂ سلوک کے بیان میں تحریر فرمایا۔

الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ: برادرِ گرامی خواجہ گدا محمد اس دور افتادہ سے بہت بہت دعائیں پڑھیں اور اوقات کو ذکر ومراقبہ میں بسر کریں یہانتک کہ دل کو مذکور (اللہ تعالیٰ) کے ماسوا سے کامل انقطاع حاصل ہوجائے اور اشیا کے ساتھ اس کا حبی اور علمی تعلق زائل ہوجائے اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے ساتھ حضور (اس کے) دل کا ذاتی وصف ہوجائے اور یاد کرد کے تصنع وتکلف سے رہائی حاصل کرلے جیسا کہ سننا قوتِ سامعہ کی صفت اور دیکھنا قوتِ باصرہ کی صفت ہے، اس کے بعد کوشش کرے کہ یہ حضوری کی صفت اس بارگاہِ اقدس کی طرف رجوع کرے اور نفسِ حاضر (ذاتِ ذاکر) درمیان سے اٹھ جائے اور اس کا حضور اغیار (ماسوا) کی مزاحمت کے بغیر خود بخود صورت پذیر ہوجائے، حال کا نسخہ اور اہلِ کمال کی تحقیق کا خلاصہ یہ ہے، والسلام۔

حاجی حسین کے نام اس بارے میں تحریر فرمایا کہ مشاہدات اور متخیلات کی نفی کرنی چاہیے۔

۳۳۷

جناب مشیخت مآب شیخ حاجی حسین دور افتادہ دوست کو فراموش نہ کریں اور کبھی کبھی دعاؤں میں یاد کرتے رہیں اور اپنے حالات کی اطلاع دینے اور دوستوں کے احوال معلوم کرنے سے غافل نہ رہیں اور

بدنوں کی دوری کو دلوں کی دوری کا سبب نہ بنائیں اور فیوض کے دروازوں کو جو کہ قلوب کے راستہ سے ہیں ہمیشہ کھلا رکھیں اور اپنے تمام مشاہدات و تخیلات کو جو کہ حقانیت کے عنوان کے ساتھ ظاہر ہوں نفی کریں اور معلومات و مشہودات کے ماورا کوشش کریں اور مجہول الکیفیت نسبت کے طالب رہیں، ہاں جو مشہود کہ نسبت مذکور کی مانند ہو اور اُس معاملہ کو یاد دلائے اس کی نفی کرنے کی ضرورت نہیں ہے اور طاعات و عبادات کی پابندیوں پر مستقیم رہیں اور تمام اوقات کو اس میں مستغرق رکھیں، والسلام اولاً و آخراً۔

مکتوب ۱۷۶

میرزا لطف اللہ بن سعید خاں کے نام اس بارے میں کہ فنا معرفت کے لئے شرط ہے اور اس اعلیٰ دولت کے حاصل کرنے پر ترغیب دینے کے بارے میں تحریر فرمایا۔

حضرت حق سبحانہ نبی کریم اور ان کی بزرگ آل علیہ وعلیہم الصلوات والبرکات الی یوم التناد کے طفیل ظاہر کو شریعتِ منورہ کے زیور سے آراستہ اور باطن کو اس کے ثمرات و برکات سے شاداب و سیراب رکھے۔ میرے مخدوم! چونکہ بنی آدم کی پیدائش سے مقصود حق جل شانہ کی معرفت حاصل کرنا ہے اور معرفت اس بزرگ گروہ کے طریق پر معروف میں فنا ہوئے بغیر صورت پذیر نہیں ہوتی ؎

ہیچ کس را تا نگردد او فنا نیست رہ در بارگاہِ کبریا

[جبتک کوئی شخص فنا نہ ہوجائے اس کیلئے بارگاہِ الٰہی میں باریابی نہیں ہے] پس ہم جیسے ہجرت زدوں کیلئے ضروری ہے کہ عمرِ عزیز کو اس مطلوبہ دولت کے راستہ میں خرچ کریں، صوری (ظاہری) فنا سے پہلے حقیقی فنا کی طرف جلدی کریں اور وقت کے سرمایہ کو فانی لذتوں کے پورا کرنے کے پیچھے نہ لگائیں اور جس چیز کی تخریب (بربادی) طلب کی گئی ہے اس کی تعمیر (آبادی) نہ کریں، بُعد و حرمان کا عذاب جہنم کے عذاب سے بدتر ہے جیسا کہ قرب و وصال کی لذت جنت النعیم کی لذتوں سے زیادہ ہے پس اس شخص پر افسوس ہے جس نے اللہ تعالیٰ سے روگردانی کی اور اس شخص پر حسرت ہے جس نے اللہ تعالیٰ کے اوامر و نواہی کی حدود سے تجاوز کیا، دنیا میں دوبارہ آنا نہیں ہے مَنْ كَانَ فِي هٰذِهٖٓ اَعْمٰى فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى وَاَضَلُّ سَبِيْلًا [پ ۱۵ ع ۸]

[جو شخص اس (دنیا) میں اندھا رہا پس وہ آخرت میں (بھی) اندھا اور راستہ سے بھٹکا ہوا ہوگا] ؎ ۳۳۸

ترسم کہ یار با ما نا آشنا بماند تا دامنِ قیامت ایں غم بما بماند

[میں ڈرتا ہوں کہ (مبادا) محبوب ہمارے (حال) نا آشنا ہی رہے (اور) قیامت کے دامن تک یہ غم ہمارے ساتھ رہے]

صاحب استعداد تو جوانوں پر افسوس ہوتا ہے کہ انھوں نے اپنی اعلیٰ فطرتوں کو اس کمینی (دنیا) کی طرف لگا دیا ہے اور ظاہر کے ساتھ اس غدار بدکارہ پر فریفتہ ہو گئے ہیں اور قیمتی جواہرات کی بجائے چند ٹھیکریوں پر اکتفا کر رہے ہیں، جمالِ مطلق چمک رہا ہے اور اس کی طرف آنے جانے کی راہ کھلی ہوئی ہے اور ہم جیسے پست فطرت لوگ اس جمال سے محروم اور اس بلند بارگاہ سے مہجور ہیں ؎

در جہاں شاہدی و ما فارغ   در قدح جرعۂ و ما ہشیار

[دنیا میں ایک شاہد (معشوق) ہے اور ہم بے پرواہ ہیں پیالہ میں کچھ شراب ہے اور ہم ہشیار ہیں] نہایت خجالت و شرمندگی ہے کہ صاحبِ جود و سخا ذاتِ کریم اُس عزت و جلال کے جود دیکے نظر اس ذرہ مثال کی طرف رکھے اور اس کے پوشیدہ و ظاہر سے واقف ہو (اور) وہ انتہائی جہالت کی وجہ سے قلب کی توجہ کو دوسروں کی طرف لائے اور نیاز مندی کا سر غیروں کے آگے رکھے۔ رباعی

آمد سحر آں دلبر خونیں جگراں   گفتا کہ تو بر خاطرِ من بار گراں
شرمت بادا کہ من بسویت نگراں   باشم تو نہی چشم بروے دگراں

[صبح کے وقت وہ خونیں جگر والوں کا دلبر آیا، اس نے کہا کہ تو میرے دل پر بھاری بوجھ ہے، تجھ کو شرم آنی چاہئے کہ میں تیری طرف دیکھ رہا ہوں اور تو دوسروں کے چہروں پر نظر رکھتا ہے]۔ چاہئے کہ ظاہری ملاقات تک خط و کتابت کے طریقہ کو جاری رکھیں تاکہ باطنی فیوضات کا راستہ اور زیادہ کھلا رہے۔

ملا جمال الدین کے نام اس بارے میں کہ کشوف و وقائع پر اعتماد نہیں رکھنا چاہئے اور قابلِ اعتبار کمال صانع جل و علا کی معرفت ہے اور فنا کی تحقیق میں تحریر فرمایا۔

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ۔ آپ کے مکتوبات شریف نے پے در پے یکے بعد دیگرے پہنچکر خوشوقت و مسرور کیا۔ حضرت حق سبحانہ وتعالیٰ ہمیشہ ذوق و شوق کے ساتھ رکھے اور اعلیٰ مقامات و ترقیات عطا فرمائے۔ میرے مخدوم! چونکہ کشوف و منامات اور صحیح و صادق بشارات اور ان کے برعکس (یعنی غیر صحیح و صادق بشارات) میں فرق کرنا دشوار ہے (اس لئے) ان پر اعتماد نہیں رکھنا چاہئے اور ان کا چنداں اعتبار نہیں کرنا چاہئے کیونکہ معتد بہ کمال ان کے ساتھ وابستہ نہیں ہے جو کچھ اعتماد کے لائق اور بلاشبہ نجات دینے والا ہے وہ کتاب و سنت ہے۔ چاہئے کہ ہمت اس پر لگا دیں کہ کتاب و سنت کے

مقتضا پر عمل میسر آجائے۔ اور ذکر بھی شرعی احکامات میں سے ہے اس پر ہمیشگی کو ترک نہ کریں اور اوقات کو اس میں مشغول رکھیں اور جس کو اہل اللہ نے کمال قرار دیا ہے وہ صانع (اللہ) جل وعلا کی معرفت ہے اور معرفت سے مراد معروف میں فنا ہوجانا ہے ؎

تو مباش اصلاً کمال این ست وبس رو در وگم شو وصال این ست وبس

۳۳۹

[تو ہرگز نہ رہ کمال یہی ہے اور بس، جا اس میں گم (فنا) ہوجا وصال یہی ہے اور بس] اور فنا ہمارے طریقہ کے مطابق دو طرح پر ہے، پس فنائے قلب اس کا مذکور کے ماسوا کو اس حد تک بھول جانا ہے کہ اگر وہ تکلف کے ساتھ بھی ماسوا کو یاد کرے تو اس کو یاد نہ آئے، ماسوا کے ساتھ اس کا حُبّی وعلمی تعلق بالکل منقطع ہوجائے۔ اور فنائے نفس سے مراد یہ ہے کہ نفسِ حاضر (ذاتِ سالک) کی پوری طرح نفی ہوجائے اور عدمِ محض کے ساتھ اس درجہ تک مل جائے کہ خود کو اَنَا سے تعبیر نہ کرسکے، اس مقام میں عارف کو نہ کوئی ذکر ہوتا ہے اور نہ کوئی توجہ کیونکہ عارف سے کوئی اثر (نشان) باقی نہیں رہا ہے ذکر و توجہ کس کے لئے ہوگی، اس کے بعد اگر ذکر و توجہ و حضور ہے تو اپنے آپ سے اپنے ساتھ ہے اس فنا سے مقصود حق سبحانہ وتعالیٰ کے ماسوا کے ساتھ گرفتاری کا زائل ہونا ہے خواہ وہ (ماسوا) آفاق ہو یا انفس ہو کہ (یہ) زہرِ قاتل و مرض مہلک ہے اور (نیز اس فنا سے مقصود) ایمان کا روشن ونمایاں ہونا اور احکامِ شرعیہ کا کامل طور پر مطیع ہونا اور اوامر کے بجالانے اور نواہی سے باز رہنے میں آسانی ہونا اور طاعات میں عُجب (خود پسندی) اور ریا کا دور ہونا ہے تاکہ اخلاص پیدا ہوجائے اور نفسِ امارہ کا اطمینان ہے جو کہ ذاتی طور پر احکامِ الٰہی جل وعلا کا مخالف ہے اور حقیقی اسلام کے ساتھ مسلمان ہونا ہے۔ مختصر یہ ہے کہ سیر و سلوک و فنا و بقا سے مقصود بندگی و نیستی کا حاصل کرنا ہے تاکہ بندگی کے احکام و لوازم جیسے کہ وہ ہیں بقدرِ امکان بجالائے اور سرکشی جو کہ نفس و خواہش کی راہ سے پیدا ہے زوال کی طرف رُخ کرے، یہ مراد نہیں ہے کہ بندہ بندگی کے حلقہ سے سر باہر نکالے اور خواجگی (بزرگی) کا دعویٰ کرے اور غیبی صورتوں اور انوار کا تماشا کرے حسّی صورتیں اور انوار کیا کم ہیں کہ کوئی شخص اُن کو چھوڑ کر غیبی صورتوں اور انوار کی ہوس کرے، حسی اور غیبی صورتیں اور انوار دونوں مخلوق ہیں اور حدوث کے داغ سے داغدار ہیں، حق جل سلطانہ کی رویت و مشاہدۂ آخرت کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں دنیا میں نہیں ہیں جیسا کہ علمائے کرام و صوفیۂ عظام کا اجماع اس پر واقع ہے اور جو کچھ دنیوی زندگی سے تعلق رکھتا ہے وہ یقین کا حاصل ہونا ہے۔ پس دنیاوی زندگی میں صوفیۂ کرام کے طریقہ کا نتیجہ احکامِ شرعیہ کو پورا کرنا ہے اور وصل و مشاہدہ و قرب ایک ایسا نتیجہ ہے جو کہ آخرت سے تعلق رکھتا ہے۔ چاہیئے کہ احکامِ شرعیہ کے بجالانے میں کمر ہمت چُست رکھیں اور امر معروف و نہی منکر کو اپنا شیوہ بنائیں اور متروکہ سنتوں کے

زندہ کرنے کو اہم امور میں سے جانیں اور جو وارد بھی پیش آئے اس کو چھپانے میں کوشش کریں اور واقعات ومقامات پر اعتماد نہ کریں اگر کوئی شخص خواب میں بادشاہ یا قطبِ وقت ہوگیا تو (اس سے) کیا ہوتا ہے بادشاہ اور قطب وہ شخص ہے جو کہ خارج میں ان دونوں منصبوں پر پہنچ جائے اور اگر خارج میں بھی کوئی شخص بادشاہ ہوگیا یا کائنات کی چیزیں اس کے تابع ہوگئیں تو اس نے کونسی بزرگی حاصل کرلی اور قبر و قیامت کا کونسا عذاب اس سے رفع ہوگیا ؎

گر دیو و پری مسخرِ تو گردد زیں ہر دو چہ حاصلِ تو گردد

[اگر دیو اور پری تیرے تابع ہوجائیں تو ان دونوں سے تجھے کیا حاصل ہوگا] بلند ہمت لوگ اس قسم کے امور کی طرف التفات نہیں کرتے اور اللہ تعالیٰ جل شانہٗ کی مرضیات میں کوشش کرتے رہتے ہیں اور فنا و نیستی حاصل کرنے اور واردات کے چھپانے میں سعی کیا کرتے ہیں، اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ کی حمد ہے کہ آپ بزرگوں کے ساتھ محبت و اعتقاد میں پوری پختگی رکھتے ہیں اور آپ کے اطوار و عادات اچھے سننے میں آئے ہیں، آپ جیسے دوستوں سے ہم امیدوار ہیں کہ اس گنہگار کو دعا سے فراموش نہ کریں گے اور رحمت و مغفرت اور اللہ تعالیٰ کی رضا کو اس فقیر کے حق میں طلب کرتے رہیں گے، والسلام۔

مولانا حسن علی کے نام علومِ شرعیہ کے حاصل کرنے اور حضرت محمد مصطفیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ کی سنت کو زندہ کرنے پر ترغیب دینے اور دیگر نصیحتوں کے بیان میں تحریر فرمایا۔

حمد و صلوٰۃ اور دعائیں دینے کے بعد سعادت آثار برادرِ عزیزم مولانا حسن علی، اللہ سبحانہ وتعالیٰ اس کے حال کو اچھا کرے اور اس کی امیدیں پوری فرمائے کی خدمت میں عرض کرتا ہے کہ (اس طرف کے) احوال حمد کے مستحق ہیں اس پر اللہ تعالیٰ کی حمد و احسان ہے، اللہ تعالیٰ سے اکابر کے طریقہ پر ثابت قدمی اور استقامت کی دعا کی گئی ہے پس بیشک یہی کلام کا سرمایہ اور نجات کا مدار ہے اور اس کے بغیر بے فائدہ رنج اٹھانا ہے۔ اے بھائی! چونکہ آخری زمانہ کے اوقات ہیں (دین کے معاملہ) میں سستی آگئی ہے اور سنت متروک ہوگئی اور بدعت پھیل گئی ہے (اس لئے) علوم کا حاصل کرنا اور ان کو پھیلانا اس طرح کے ظلمانی دور میں اہم کاموں میں سے ہے اور سنتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ کو زندہ کرنا اعظم مقاصد میں سے ہے، علومِ شرعیہ کے حاصل کرنے

اور اُن کی نشر و اشاعت اور سنتِ مصطفوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ کے زندہ کرنے میں کمرِ ہمت مضبوط باندھیں اور نامرادی کے گوشے اور عاجزی و نیستی کی صفت کے ساتھ بارگاہِ الٰہی عزّ برہانہٗ میں دائمی نگرانی (حضوری) کو ترک نہ کریں، اور احوال و مواجید کی کچھ فکر نہ کریں کیونکہ اُن کا کمال آخرت کے ساتھ وابستہ ہے اور وہ امور جن کے ساتھ صوفیا وقت خوش ہیں یا وہ کَسَرَابٍ بِقِیْعَۃٍ یَّحْسَبُهُ الظَّمْاٰنُ مَآءً [جیسا کہ چٹیل میدان میں چمکتا ہوا ریت جس کو پیاسا آدمی (دُور سے) پانی سمجھتا ہے] کی قسم سے ہیں یا ان کی تسلّی کے لئے ہیں، ہزاروں میں سے کسی ایک کے لئے ظاہر کرتے ہیں جس کسی نے بھی یہ کہا ہے خوب کہا ہے: تلك خیالات تربی بها اطفال الطریقة [یہ وہ خیالات ہیں جن سے طریقت کے بچوں کی پرورش کی جاتی ہے] (یہ گھر (دنیا) عمل کا گھر ہے، طاعات کی ادائیگی میں مردوں کی طرح رہیں اور خلوت و گوشہ نشینی کو غنیمت جانیں، ظاہری معاش کے کاموں کو حضرت رزّاق ذوالقوۃ المتین [نہایت مضبوط قوت والے رزاق یعنی اللہ تعالیٰ] کے سپرد کر دیں اور جمعیت (اطمینان) کو اس کی تدبیر کے ترک میں جانیں کیونکہ تدبیر اور اسباب جمع کرنے کا معاملہ دور و تسلسل کی طرف لے جاتا ہے اور اس سے کامل جمعیت (اطمینان) کا حاصل ہونا عادۃً محال ہے۔ دیگر یہ کہ آپ کے والد بزرگوار کے لئے فاتحہ پڑھی گئی، اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ [بیشک ہم سب اللہ تعالیٰ کے ہیں اور ہم سب اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں] حق سبحانہ و تعالیٰ اپنی رحمت میں شامل فرمائے اور پسماندگان کو اپنی قضا پر رضا نصیب فرمائے (ان کے ایصالِ ثواب کیلئے) فاتحہ و صدقہ اور (اُن کی مغفرت طلب کرنے کے لئے) استغفار سے ہمیشہ ان کو یاد کرتے رہیں۔

خواجہ محمد صدیق کے نام شریعت پر استقامت چاہنے اور مرشد کی محبت پر رہنمائی کرنے کے متعلق اور اس بارے میں کہ حصولِ نسبت اور چیز ہے اور اس کا علم ہونا اور چیز ہے اور اس چیز کی وضاحت میں کہ حال ہو اور اس حال کا علم نہ ہو، تحریر فرمایا۔

حمد و صلوٰۃ اور تبلیغ دعوات کے بعد عرض کرتا ہے کہ مکتوب پسندیدہ کچھ نیاز (ہدیہ) کے ساتھ یکے بعد دیگرے پہنچا اور اس کے لمبے چوڑے مقدمات واضح ہوئے۔ میرے مخدوم! اس طرف سے کمال صفائی ہے کوئی غبار اپنے دل پر نہ لائیں، مایوسی دشمنوں کو نصیب ہو، اپنے کام میں کوشش کرتے رہیں اور جس حال میں بھی ہوں نیستی کی صفت کی طرف دائمی توجہ کو ہاتھ سے نہ دیں اور حضرت حق سبحانہ سے

استقامت طلب کریں، الاستقامۃ فوق الکرامۃ [استقامت کرامت سے افضل ہے] آپ نے سنا ہوگا. فقیر بھی آپ کی استقامت کے لئے دعاگو ہے، امید ہے کہ اس کے آثار ظاہر ہوں گے، اگر احوال و مواجید سے کچھ بھی ظاہر نہ ہو اور شریعت پر اور حضرت عالی (مجدد الف ثانی قدس سرہٗ) اور ان کے درویشوں کی محبت پر استقامت حاصل ہو تو کوئی خوف نہیں ہے اور حقیقت سے بے نصیب نہیں ہے اور اگر معاملہ برعکس ہے تو استدراج کے سوا کچھ نہیں جاننا چاہیئے، اس تعلق کو مضبوط رکھنا چاہیئے۔ ہمارے بزرگوں کی نسبت بہت بلند اور عقل کے دائرے سے باہر ہے، مشکل ہے کہ ادراک (سمجھ) کا ہاتھ یکایک (یکدم) اس کے دامن تک پہنچے اگرچہ (یہ نسبت) حاصل ہو کیونکہ حصول اور چیز ہے اور اس (حصول) کا علم دوسری چیز ہے یعنی نسبت کے حصول کا علم باطن کے لئے ہے کیونکہ علم والتذاذ اسی کے نصیب ہے اگرچہ ظاہر کے ساتھ ملا ہوا ہے چنانچہ باطن کا علم والتذاذ ابتدا میں ہمسائیگی کی وجہ سے ظاہر میں بھی سرایت کرتا ہے اور ظاہر بھی واجد و لذت یافتہ ہو جاتا ہے اور جب کام انتہا کو پہنچ جاتا ہے (اور) باطن ظاہر سے جدائی اختیار کر لیتا ہے اور ہمسایہ ہونے کا حق جاتا رہتا ہے تو ظاہر بیچارہ باطنی دولت سے بہت کم حصہ لیتا ہے اور اپنے آپ کو خالی اور بے نسبت پاتا ہے بلکہ کبھی (ایسا) ہوتا ہے کہ باطن کے ساتھ کمال بے مناسبتی کی وجہ سے ہدایت یافتہ مبتدی کو جس نے کہ اندراج النہایۃ فی البدایۃ (ابتدا کا انتہا میں درج ہونا) کے حکم کے مطابق انتہا کی چاشنی پائی ہے اور قلب سے جو کہ جذبہ کا مقام ہے نہیں نکلا ہے اور اس کے مقلب (اللہ تعالیٰ) کے ساتھ نہیں ملا ہے اور ظاہر میں ذوق و وجد کے ساتھ موصوف ہے اپنے آپ سے زیادہ کامل جانتا ہے اور اپنے آپ سے نسبت کی نفی کر کے اس کو صاحبِ نسبت جانتا ہے یہی وجہ ہے کہ طالب اس قسم کے مبتدی اور متوسط کی صحبت میں بظاہر زیادہ رشد و ہدایت سمجھتا ہے اور وجد والتذاذ زیادہ دیکھتا ہے چونکہ اس کا مرشد شوق و وجد کے ساتھ لذت پا رہا ہے اس لئے مرید میں بھی یہ کیفیت پرتو (عکس) ڈالتی ہے۔ شیخ الاسلام (قدس سرہٗ) نے کہا ہے کہ اگر خرقانیؒ اور محمد قصابؒ موجود ہوتے تو میں تم کو ان (محمد قصابؒ) کے پاس بھیجتا نہ کہ خرقانیؒ کے پاس، کیونکہ وہ تمہارے لئے خرقانیؒ سے زیادہ فائدہ مند ہوتے یعنی خرقانی منتہی تھے مرید ان سے کم فائدہ حاصل کرتا۔ راقم کہتا ہے یعنی وہ فائدہ جو کہ وجد و دانش سے تعلق رکھتا ہے نہ کہ مطلقاً فائدہ کیونکہ کامل فائدہ وہ ہے جو کہ منتہی کی صحبت سے حاصل ہوتا ہے، پہلے فائدہ کو اس فائدے کے ساتھ کیا نسبت ہے وہ فائدہ کی صورت ہے اور یہ فائدہ کی حقیقت ہے لیکن چونکہ نہایت بلندی کی وجہ سے اس کی نسبت معرفت و ادراک سے باہر ہے طالب میں بھی اسی کیفیت کے ساتھ ظہور کرتا ہے اصحاب کرام رضی اللہ عنہم کی نسبت یہی تھی فَلَا تَكُن مِّنَ الْمُمْتَرِينَ [پس تو شک کرنے والوں میں سے نہ ہو] والسلام۔

مکتوب ۱۸۰

حقایق و معارف آگاہ جامع علومِ ظاہری و باطنی شیخ محمد یحییٰ دامت برکاتہٗ کی خدمت میں حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خصوصیات اجمالی طور پر بیان کرنے اور ایک درویش کے احوال کے درپے ہونے کے بارے میں تحریر فرمایا۔

الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ: میرے مخدوم! (آپ کے) آخری مکتوب میں درج تھا کہ بالمشافہ کبھی اُن حضرت عالی (مجدد الف ثانی قدس سرہٗ) کے بعض خصوصی معارف ذکر کیے جاتے ہیں، مثلاً معارفِ توحیدی سے گذر جانے اور مقامِ جذبہ و سلوک سے اوپر جانے کو بے تکلف تسلیم و تصدیق کرتا ہے۔ اے عزیز! حضرت عالی (قدس سرہ) کے فضائل اور وہ خصوصیات جن سے اُن کو دوسروں پر فضیلت ہے جو کہ اس فقیر نے لکھی تھیں دوسرے امور ہیں کہ عقل و وہم کی آنکھ ان کے ادراک میں خیرہ (چکاچوند) اور زبانِ خیال اُن کے بیان کرنے میں گونگی ہے اور یہ کمال جو آپ نے بیان کیا ہے ان کمالات و فضائل کی بلندی کے زینوں میں سے نیچے کا ایک درجہ ہے بلکہ اس کمال کو جو کہ کمالاتِ ولایت میں سے ہے اُن امور کی نسبت جو کہ کمالاتِ نبوت پر متفرع ہیں کوئی اعتبار و شمار نہیں ہے کاش کہ سمندر کے ساتھ ایک قطرہ کی نسبت ہی رکھتا ہوتا، یہ کمال لائقِ اظہار علوم کی قسم سے ہے اور وہ امور اُن اسرار میں سے ہیں جن کا پوشیدہ رکھنا لازم ہے، ظاہر ہے کہ علوم کو اسرار کے ساتھ کیا نسبت ہے، اور جو معاملہ کہ حضرت عالی قدس سرہٗ کی پیدائش کے ساتھ وابستہ ہے وہ جُدا ہے اور جو اسرار و دقائق اور جو نازک باتیں آپ نے ذات و صفات کے بارے میں لکھی ہیں اور عجیب و نادر تحقیقات و مقالات جو کہ بیان فرمائے ہیں علیحدہ ہیں، اور اصالت اور خاتم الرسل علیہ وعلیہم وعلیٰ آل کل الصلوات والتسلیمات کی پیدائش کی بقیہ مٹی سے (حضرت عالیؒ کی) طینت کو خمیر کرنے کے معاملات کو کیا بیان کرے اور حضرت عالی (قدس سرہٗ) کی ولایت کا جو کہ محبیت و محبوبیتِ ذاتی سے پیدا ہوئی ہے کیا پتہ و نشان دے، اور ہویّت کے حقایق سے جو کہ ان کے ساتھ خصوصیت رکھتے ہیں اور وہ حقیقت بے انتہا رحمتوں کا مخزن ہے کہ اُس کا ایک چشمہ اس عالم میں پھیلا ہوا ہے اور دوسرا چشمہ دوسرے عالم میں ذخیرہ ہو گیا ہے اور رحمٰن وارحم الراحمین کی صفت بھی اسی حقیقت سے جاری ہوئی ہے اور انھوں نے تعینِ اول سے بھی ترقی ثابت کی ہے اور دوسروں نے اس سے منع کیا ہے اور سیر و سلوک کی انتہا کو وہاں تک کہا ہے اور اس کے اوپر مرتبۂ اطلاق و لا تعین و ذاتِ بحت

ص ۳۲۳

تصور کیا ہے کہ سیر و سلوک و علم و معرفت کو اُس بارگاہِ قُدس میں ناممکن جانتا ہے حضرت عالی (قدس سرہٗ) نے اس سے گذر کر مراتب و تعینات ثابت کئے ہیں اور تعینِ اول کو اس سے کئی مرحلے اوپر لے گئے ہیں خود لاتعین کا تو ذکر ہی کیا ہے اور حقیقتِ محمدی و حقیقتِ قرآنی و حقیقتِ کعبہ ربانی و حقیقتِ صلوٰۃ اور وہ حقیقت جو کہ ان حقایق سے اوپر ہے کہ حضرت عالی قدس سرہ جن کے بیان کے ساتھ ممتاز ہیں۔ (آپ کے) مکتوبات میں مذکور ہیں اور کمالاتِ حقیقتِ ولایتِ محمدی و ولایتِ ابراہیمی و ولایتِ موسوی و ولایتِ احمدی و کمالاتِ انبیاء و خصوصیاتِ رُسل و فضائل اولو العزم اور ان بزرگواروں میں سے ہر ایک کے مبادئ تعینات اور خصوصیتِ حضرت روح اللہ (عیسیٰ علیہ السلام) و حضرتِ مہدی موعود و مبادئ تعیناتِ ملاءِ اعلیٰ و ولایتِ حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور اُن کا مبدأ تعین (وغیرہ امور) جو کہ انھوں (حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ) نے بیان فرمائے ہیں کہاں تک لکھے علیٰ نبینا و علیٰ سائر الانبیاء والملائکۃ الصلوات والتسلیمات و علیٰ اتباعھم، اور اسی طرح حقیقتِ صلوٰۃ کے واصلین کے قدموں کے فرق اور اس مقام میں انبیاء علیہم السلام کی فضیلت اور ان اکابر علیہم التحیات کی چار صفیں[1]، اور ان انبیائے کرام علیہم الصلوات کی خصوصیات کہ جن کے متبرک نام قرآن مجید میں مذکور ہیں اور یہ کہ آنسرورِ انبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مقام کو ان تمام مقامات پر فضیلت ہے اور جو نصیب (حصہ) کہ حضرت عالی (مجدد الف ثانی قدس سرہ) کو اس مقام سے ثابت ہے اور اُس مقام سے حضرت مہدی موعود (علیہ السلام) کا جو نصیب (حصہ) ہے اور اُن (حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ) کی اپنی اصالت و ولایت اور حضرت مہدی رضی اللہ عنہ کی اصالت کا منشا (جائے پیدائش)، (غرضکہ راقم) کہاں تک تشریح کرے۔ اور آپ (حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ) نے مرضِ موت میں جو اسرار و دقائق بیان فرمائے ہیں اور آنسرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اہل بیت کے کمالات اور ان حضرات کے بارے میں آپنی بعض مناسب خدمات بیان کی ہیں کس طرح سے سمجھائے اور قیومیت کے حقایق اور مقامِ خلت کے دقائق اور محبت کے فضائل اور صباحت و ملاحت کے اسرار اور ان دونوں حُسن کے امتزاج کا آپ نے مطالعہ کیا ہوگا اور (آیاتِ) مقطعات کے اسرار کہ جن کا کچھ اشارہ اوپر گذر چکا ہے ایک بے پایاں سمندر ہے جو کہ گفت و شنید میں نہیں آئے اور سربستہ (حضرت عالی کے ساتھ ہی) چلے گئے۔

اور یہ جو آپ نے لکھا ہے کہ "اپنے مکشوفات کو حضرت عالی (مجدد الف ثانی قدس سرہٗ) کے معارف کے برابر جانتا ہے"۔ کلام حضرت عالی (قدس سرہٗ) کے معارف کے سمجھنے میں ہے بلکہ (آپ کی)

---

[1] انبیاء و صدیقین و شہداء و صالحین مراد ہیں۔

سمجھ میں شیخ ابنِ عربی کی اصطلاح گذری ہے جو اس سے کئی مرحلے دُور ہے، ان کے ساتھ برابری ڈھونڈنا محض خیال ہے جو کہ نادانی اور خام خیالی سے پیدا ہوا ہے، بہت سے نادان ہیں جو کہ جہلِ مرکب کی رو سے اپنے بعض واقعات پر اعتماد کر کے فاسد توہمات میں مبتلا ہو گئے ہیں اور لوگوں کو (صحیح) راستہ سے ہٹالے گئے ہیں، وہ گمراہ ہیں پس وہ گمراہ کرتے ہیں، وہ برباد ہیں پس دوسروں کو برباد کرتے ہیں، برابری تلاش کرنا ادراک کی فرع بلکہ تصور کی فرع ہے جو کہ وقوع میں نہیں آیا ہے، برابری کہاں اور مساوات کس کی۔ ع

بخواب اندر مگر موشی شتر شد [شاید کوئی چوہا خواب میں اونٹ ہو گیا]

مکتوب ۱۸۱

مولانا جمال الدین کے نام مقامِ جمع کے بیان اور فرق بعد الجمع کے حاصل کرنے کی ترغیب میں تحریر فرمایا۔

الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ: آپ کے پاکیزہ گرامی نامہ نے مشرف کیا اذواق و مواجید و اشواق و تلوینات کے مطالعہ سے جو کہ رنگین اشعار اور دلکش عبارات کے ضمن میں تھے بہت محظوظ ہوا۔ ع

اے وقت تو خوش کہ وقتِ ما خوش کردی [اے شخص تیرا وقت بھی خوشی میں گذرے جیسا کہ تونے ہمارے وقت کو خوش کیا]

میرے مخدوم! اس قسم کے شوق کے ولولے اور عشق کی دیوانگیاں جو کہ سالکوں کو حاصل ہوتی ہیں یہ انجمن جمع کا شگوفہ ہیں جو کہ آفتابِ حقیقی کے استواء (نہایت بلندی پر قرار پکڑنے) کے وقت سویدائے قلب کے غنچہ سے سر باہر نکالتے ہیں (ایسا سالک) نماز کو اس استوا کے وقت میں مرفوع (اٹھادی گئی) جانتا ہے اور تکالیفِ شرعیہ کو مجنون کے ہاتھ اور پاؤں کی زنجیر پاتا ہے اور (تکالیفِ شرعیہ) کے ساقط ہونے کا خیال کرتا ہے، ذکر کو بکواس اور گناہ سمجھتا ہے اور کہتا ہے عوام کی توبہ گناہوں سے اور میری توبہ لا الٰہ الا اللہ کہنے سے ہے، اور نیز کہتا ہے اللہ کا ذکر قلب کو سیاہ کرتا اور گناہوں اور خطاؤں کو بڑھاتا ہے اور وہ مذہب و ملت کے تعین سے الگ تھلگ ہے اور اَنَا عَلٰی مَذْھَبِ رَبِّیْ [میں اپنے رب کے مذہب پر ہوں] کا ترانہ گاتا ہے اور رسمی نماز میں بہت کم آتا ہے اور اس کے قیام و قعود کی طرف مائل نہیں ہوتا اور وہ سمجھتا ہے کہ لا صلوٰۃ للمؤمن الا فی قلبہ [مؤمن کی نماز اس کے قلب میں ہی ہے] اور یہ پڑھتا ہے ؎

بکفر و با سلام یکساں نگر کہ ہر یک ز دیوانِ او دفتر یست

[کفر اور اسلام کو یکساں دیکھ کیونکہ ان میں سے ہر ایک اس کے دیوان کا ایک دفتر ہے] اگرچہ وہ ظاہر میں شرعی حدود سے تجاوز نہیں کرتا اور نماز اور تمام احکام کا پابند ہے اور اگر وہ ان چیزوں کو بھی ادا نہ کرتا ہو تو

ملحد و مردود ہے جو کہ بحث سے خارج ہے اور سچے اور جھوٹے شخص میں صحیح فرق کرنے والی چیز احکامِ شرعیہ کا بجالانا اور ملتِ مصطفویہ علیٰ مصدرہا الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ کو لازم پکڑنا ہے، یہ (مقامِ جمع کی) بات تو یہاں ختم ہوئی اور اس فقیر نے اوقات کو معمور رکھنے اور شوق و رغبت کے ساتھ اعمالِ صالحہ کے بجالانے کے بارے میں جس چیز کی طرف ترغیب دی ہے وہ مقام جمع الجمع اور فرق بعد الجمع کے مناسب ہے جو کہ صحو کا مقام ہے اس وقت میں آرام (سکون) بندگی میں ہے اور حصولِ لذت طاعات میں ہے ارحنی یا بلال [اے بلال مجھے راحت پہنچاؤ الحدیث] اسی معما کا ایک رمز ہے اور قرۃ عینی فی الصلوٰۃ [میری آنکھ کی ٹھنڈک نماز میں ہے، الحدیث] اسی متمنّٰی (مقصود) کی طرف اشارہ ہے، یہ کمال مقامِ نبوت سے پیدا ہوتا ہے اور جو کچھ اوپر گذرا وہ ولایت کی شطح (خلافِ شرع کلمات) سے پیدا ہوتا ہے یہ اسلامِ حقیقی ہے اور وہ کفرِ حقیقی، اُس کو اس کے ساتھ ایسی ہی نسبت ہے جیسی کہ قطرہ کو دریائے محیط کے ساتھ ہے بلکہ ایسی نسبت ہے جیسی کہ چھلکے کو مغز کے ساتھ ہے بلکہ ایسی نسبت ہے جیسی کہ موہوم کو موجود کے ساتھ ہے۔ معاملہ کی حقیقت یہاں ظاہر ہوتی ہے وہاں صورت اور نمونہ سے زیادہ اور کچھ نہیں ہے اور حقیقی سورج سے اس کی تمثال کے سوا اور کچھ حاصل نہیں رکھتا۔ کسی نے خوب کہا ہے ؎

توازخوبی نمی گنجی بعالم مراہرگز کجا گنجی درآغوش

[تو خوبی کی وجہ سے عالم میں نہیں سما سکتا، بھلا تو میری آغوش میں کہاں سما سکتا ہے] جب یہ کمال پرتو (عکس) ڈالتا ہے تو سابقہ کمال پوشیدہ ہو جاتا ہے اور اس کا کوئی نشان باقی نہیں رہتا بلکہ اس سے نادم ہوتا اور استغفار کرتا ہے، نماز اس (ظاہری) صورت پر منحصر نہیں ہے (بلکہ) عالمِ غیب الغیب میں اپنی ایک حقیقت رکھتی ہے جو بہت سی حقیقتوں کے اوپر ہے جب تک کوئی اس حقیقت کو نہیں پہنچے گا اس (نماز) کے کمال کو کیا پائے گا اور وہ حقیقت (نماز کی) اس صورت ہی کے ساتھ قائم ہے۔ نماز ایک دلربا معشوق ہے گویا اس کی صورتِ زیبا کو عالمِ مجاز میں ان مخصوص ارکان کے ساتھ نمایاں کیا گیا ہے اور اُس کی رعنائی کی اداؤں کو اس قیام و قعود و آداب و خشوع کے ساتھ ظاہر کیا گیا ہے، جو شخص کہ (نماز کی) اس صورت کا والہ و شیدا نہ ہو جائے وہ ان ارکان کی حقیقت کو کیا پائے گا اور جو شخص کہ ان اداؤں کا فریفتہ نہ ہو جائے وہ اس قیام و قعود کی حقیقت کو کیا سمجھے گا ؎

چکد مشکِ تراز دستم چو آں گیسو بچنگ افتد دمد صبح از گریبانم گر آں مہ درکنار آید

[اگر وہ گیسو میرے پنجے میں آجائیں تو میرے ہاتھ سے تر مشک ٹپکنے لگے (اور) اگر وہ محبوب میری آغوش میں آجائے تو میرے گریبان سے صبح طلوع ہو جائے] والسلام علیکم۔

۳۴۶

مکتوب ۱۸۲

میرزا عبید اللہ کے نام احوال کی تشریح، استفسارات کے جوابات اور حضرت خضر علیہ السلام کی حیات و موت کی تحقیق میں تحریر فرمایا۔

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفٰی، آپ کے معزز گرامی نامہ کے مطالعہ سے مسرور و خوشوقت ہوا۔ آپ نے لکھا تھا کہ "اس مقام سے رہائی حاصل کرلی ہے (اور) اکثر اوقات میں اپنی طرف منسوب نسبتِ وہمیہ کی جوکہ اصل کے حوالہ ہے ایک مشابصورت سے زیادہ کچھ نظر میں نہیں آتا لیکن بہت ہی کم اوقات میں شبح (مشابصورت) کا علم بھی نہیں رہتا بلکہ علم اس کے عدم کا (ہوتا ہے)"۔ اللہ سبحانہ کی حمد ہے کہ آپ تنگ کوچہ سے شاہراہ پر آگئے ہیں اور ظل سے اصل کی طرف دوڑ رہے ہیں، یہ کمال جوکہ سالک کے معدوم ہوجانے کے ساتھ وابستہ ہے منتسبات (نسبتوں) کے اصل کے ساتھ ملحق ہوجانے کے بعد ہمارے حضرت عالی قدسنا اللہ سبحانہ بسرہ الاقدس کے طریق پر تجلی صفات سے تعبیر کیا جاتا ہے اور اس تجلی کا کمال تجلئ ذات کے ساتھ وابستہ ہے کیونکہ ہر مقام کی تکمیل اس مقام سے گزر جانے کے ساتھ وابستہ ہے۔ تجلئ ذات کے آثار میں سے یہ بات بھی ہے کہ شبح (صورت) اور جماد (بے جان چیز) جوکہ عارف کی نظر میں منتسبات کے اصل کے ساتھ ملحق ہوجانے کے بعد باقی رہ جاتی ہے وہ بھی زائل ہوجاتی ہے اور عارف بالکل فانی اور محض لاشئے ہوجاتا ہے اور وہ شبح (مشابہ صورت) وجماد ایسا عدم واقع ہوا ہے جوکہ کمالات کے انعکاس کے ذریعہ سے تمام عدمات سے ممتاز ہوگیا تھا اور جب امانتی کمالات اہلِ امانات کے ساتھ ملحق ہوگئے تو وہ چیز نہ رہی جو اس عدم کو اُن اعدام سے ممتاز کرتی تھی پس ناچار وہ عدم جوکہ کمالاتِ وجودی کا آئینہ رہا تھا اور یہ مجموع (سب عدمات) ذاتِ ممکن ہوکر عدمِ مطلق کے ساتھ ہوجاتے ہیں، اس وقت عارف کا نہ عین رہتا ہے نہ اثر، لَا تُبْقِیْ وَلَا تَذَرُ۔ [نہ باقی رہنے دیگی اور نہ چھوڑے گی۔]

اور یہ جو آپ نے لکھا ہے کہ "بہت ہی کم اوقات میں شبح (مشابہ صورت) کا علم بھی نہیں رہتا" شاید کہ اس کمال کا مقدمہ ہو، اور یہ جو ہم نے کہا ہے کہ "اس کمال کا مقدمہ ہوگا" یہ اس لئے کہ "ذات جب جلوہ گر ہوتی ہے تو اس کے لئے پوشیدگی نہیں ہے اور نیز اس مقام کی علامات میں سے ذکر و توجہ و حضور کا عارف سے بالکل منتفی ہوجاتا ہے اور کلمۂ اَنَا کے مَورد (مقام) کا قطعاً زائل ہوجاتا ہے، کمالات کے اصل کے ساتھ ملحق ہوجانے کے بعد اپنا حضور اپنے ساتھ ہے اور اس مقام سے عارف کا نصیب

استہلاک (فنائیت) اور وہمی قیود سے رہائی پانے اور جہل مرکب سے جو کہ خفی شرک اور باطنی مرض ہے نکل جانے کے سوا نہیں ہے۔

اور یہ جو آپ نے لکھا ہے کہ "وجود اس سے پہلے (توحید) ذائقہ پر وحدت کا مزہ دیتا تھا اور (اس کو) اُس (اللہ) تعالیٰ کا عین جانتا تھا، آج صفات کی مانند تعینات میں سے نظر آتا ہے۔" (آپ کی یہ کیفیت) نہایت بلند ہے اور علمائے اہلِ حق شکر اللہ تعالیٰ سعیہم (اللہ تعالیٰ ان کی کوششوں کو مشکور فرمائے) کے قول کے مطابق اور حضرت عالی (مجدد الف ثانی قدس سرہ) کے ذوق کے موافق ہے اور یہ تعینِ وجودی حضرت عالی (قدس سرہ) کے طریق کے مطابق تعینِ علمی اجمالی کے اوپر ہے جو کہ دوسرے بزرگوں کے طریق کے مطابق تمام تعینات سے اسبق (اول) ہے۔

اور آپ نے وجود کے معاملہ سے ماوراء (آگے) حیرت وعدم دریافت کا اظہار کیا ہے بیشک اس بارگاہ مقدس جلّت عظمتہٗ سے جہل و حیرت کے سوا کیا نصیب ہوگا، اگرچہ درک ہوگا لیکن (اس) درک کا ادراک نہیں ہوگا العجز عن درک الادراک ادراک [ادراک کے درک (حصول) سے عاجز ہونا ہی ادراک ہے] اس مقام کے حال کا نشان ہے، یہ جہل وحیرت جو کہ شہود و معرفت پر ہزاروں درجے فضیلت رکھتی ہے اعلیٰ مقامات سے ہے، ہرگز پستی کی طرف مائل نہ ہوں اور بلندی سے نشیب کی طرف نہ جھکیں اور پانی کی بجائے سراب پر فریفتہ نہ ہوں۔ کسی نے خوب کہا ہے ؎

اگر ندہی بکف دامانِ یارم گرفتارِ کسے دیگر مدارم

[اگر تو یار کا دامن میری ہتھیلی (مٹھی) میں نہیں دیتا تو مجھے کسی دوسرے کا بھی گرفتار مت رکھ]۔ ہاں ہستی سے گذر جانا عقل کو ٹھیک نہیں لگتا اور بظاہر نیستی میں کوشش کرنا ہے لیکن کیا کیا جائے عرفت ربی بجمع الاضداد (میں نے اپنے رب کو اضداد کے جمع کرنے سے پہچانا) چونکہ ہستی ونیستی دونوں اعتبارات سے ہیں اس لئے اس بارگاہ کے نیچے کے درجے میں ہوں گے۔

؎ لا وھو زاں سرائے روز بہی باز گشتند جیب وکیسہ تہی

[لا اور ھو (فنا و بقا) اس بارگاہِ مقدس سے اس حال میں واپس لوٹتے ہیں کہ جیب اور تھیلی خالی ہوتی ہے]

آپ کا تعجب و تحیّر برمحل ہے جبکہ تعینِ علمی جلی کے اوپر سیر و سلوک و علم و معرفت کی جائز نہیں رکھتے، کیونکہ ان بزرگوں کے مطابق بھی یہ تعین حضرت وجود سے نیچے کا ہے، آپ نے حضرتِ وجود سے اوپر علم کی نسبت کس طرح ثابت کی ہے، اگرچہ ان حضرات کے مطابق یہ حضرت وجود مرتبۂ ذاتِ بحت (محض) ہے اور ہمارے مطابق اس کے تعینات میں سے ایک تعین ہے۔ شیخ محی الدین ابن عربی قدس سرہ نے فصوص (الحکم) میں فرمایا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ "ذات کی تجلی متجلی لہٗ کی صورت میں ہی ہوتی ہے پس متجلی لہٗ (جس کو تجلی کا مشاہدہ ہو) نے حق کے آئینے میں اپنی صورت کے سوا نہیں دیکھا اور اس نے حق (تعالیٰ شانہٗ) کو نہیں دیکھا اور یہ ممکن نہیں ہے کہ یہ اس کو

دیکھے"۔ اس کے بعد فرمایا ہے کہ "یہ تجلی تمام تجلیات کا منتہیٰ (آخری) ہے اور مشاہدات کی انتہا ہے پس تو اس بات کے لئے طمع نہ کر اور اپنے آپ کو اس بارے میں مشقت میں نہ ڈال کہ تو تجلیٔ ذاتی کے اس درجے سے ترقی کریگا" پھر فرمایا ہے "اور اس کے ماوراء (آگے) عدمِ محض کے سوا اور کچھ نہیں ہے"۔ اس لئے کہ عالمِ اسماء و صفات کا ظہور ہے اسماء و صفات سے اوپر جانا اپنے آپ کو عدم میں کھینچنا ہے لیکن جاننا چاہئے کہ المرءُ مع من احب [آدمی اسی کے ساتھ ہے جس سے وہ محبت کرتا ہے] کے بموجب چونکہ محبوب آفاق و انفس اور نسبت و اعتبارات سے ماوراء ہے خواہ وہ علم کی نسبت ہو یا وجود کی نسبت ہو اس لئے محب کی گذرگاہ اس معیت کے حکم کے مطابق آفاق و انفس سے باہر اور علم و ہستی کی نسبت سے ماوراء ہوگی اور ظل و اصل کے ماوراء نظرگاہ ہوگی (یہ معیت) ص ۳۴۸ ہر مرتبہ کی فنا و بقا کے ساتھ اس کے اوپر جانے میں مدد کرتی اور دلیر بناتی ہے اور اصل کو اس کے ظل کی طرح راستہ میں چھوڑ دیتی ہے، اس سے رک جانے کی کیا صورت ہوگی اور اس ذاتِ بحت کے گرفتار کو اس کے ماسوا کے ساتھ تسلی ہونا کس طرح متصور ہوگا، ظلال و اعتبارات کی چاشنی ذات تعالیٰ کے طالب کی قوتِ ذائقہ پر لذت نہیں دیتی اور بچوں کی طرح اس اضافی (غیر حقیقی) شیرینی اور عارضی حسن پر فریفتہ نہیں ہوتا اور تسنیم (جنت کی ایک نہر) کی شراب کا پیاسا ہونٹ سراب کی موج کے ساتھ سیراب نہیں ہوتا ۸۳/۲۸ وَمِزَاجُهٗ مِنْ تَسْنِيْمٍ عَيْنًا يَّشْرَبُ بِهَا الْمُقَرَّبُوْنَ ۝ [اور اس (شراب) کی آمیزش تسنیم (کے پانی) سے ہوگی، وہ ایک چشمہ ہے جس سے مقرب بندے پئیں گے] اخص خواص کے درمیان ایک دوسرے پر فضیلت دینے والی چیز اس مقام سے ہے اور کامل ترین بزرگوں کی نظروں کا تفاوت اس مرتبہ میں ظاہر ہے، طلب کی طمع اور اس کی مشقت کا تحمل بھی اس بارگاہ میں زیبا ہے، وَفِيْ ذٰلِكَ فَلْيَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُوْنَ ۝ ۸۳/۲۶ [اور اس میں رغبت کرنے والوں کو رغبت کرنی چاہئے]۔

میرے مخدوم! اسباب کا استعمال توکل کے منافی نہیں ہے کیونکہ (اگر) تاثیر حق سبحانہٗ کی طرف سے جانے اور اسی پر بھروسہ کرے اور یقینی سبب کو درمیان میں لائے تو عین توکل ہوگا، ہاں اگر موہومہ بعیدہ (غیر یقینی) اسباب کے ارتکاب کو توکل سے بعید کہیں تو گنجایش ہے لیکن یقینی اسباب سے چارہ نہیں ہے آگ کو روشن کرے اور جلانے کی تاثیر حق تعالیٰ سے جانے اور کھانا کھائے اور شکم سیری اس سبحانہٗ و تعالیٰ کی طرف سے سمجھے، اگر کوئی شخص ضرورت کے وقت میں اس قسم کے اسباب کو ترک کرے اور اس وجہ سے (اس کو) تکلیف پہنچے تو گنہگار ہوگا اور اسباب تین قسم کے ہیں: اسبابِ موہومہ (غیر یقینی) ان کا ترک کرنا لازم ہے اور اسبابِ متیقنہ جن کو اختیار کرنا واجب ہے اور اسبابِ مشکوکہ و مظنونہ جو کہ جائز الطرفین ہیں (جن کا اختیار کرنا یا نہ کرنا دونوں جائز ہیں) حق سبحانہٗ نے مشورہ کرنے کا امر فرمایا ہے جو کہ اسباب میں سے ہے

اس کے بعد توکل کا امر فرمایا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِينَ ۳/۱۵۹ [اور آپ ان سے کام میں مشورہ کر لیا کیجئے پھر جب آپ اپنی رائے پختہ کر لیں تو اللہ پر توکل کیجئے بیشک اللہ تعالیٰ توکل کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے]۔ (البتہ) آخرت کے اعمال میں توکل کرنا کوئی معنی نہیں رکھتا کیونکہ وہاں (اعمال آخرت میں) ہم سعی و کوشش کے ساتھ مامور ہیں اور اس مقام (معاملاتِ آخرت) میں خوف و خشیت اور امید محبوب و پسندیدہ چیز ہے (یہ آیت) يَدْعُونَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَطَمَعًا ۳۲/۱۶ [وہ اپنے رب کو (عذاب کے) خوف اور (بخشش) کی طمع رکھتے ہوئے پکارتے ہیں] اس معنی میں کامل تر ہے، اعتماد فضل و کرم پر رکھا جائے اور ظاہری اعمال یعنی اوامر کو بجا لانے اور ممنوعات سے بچنے کو ہاتھ سے نہ دے (ترک نہ کرے) بندگی کا طریقہ اور توکل کی حقیقت یہی ہے اور راہِ (حق) اسی میں منحصر ہے۔

آپ نے پوچھا تھا کہ "بندہ کو کوئی ایسا مقام (کہ جس میں) تمام اوقات میں اپنے آپ سے ایسا فارغ ہو جائے کہ ہرگز کوئی مزاحمت باقی نہ رہے حاصل ہوتا ہے یا نہیں"۔ میرے مخدوم! یہ معنی فنا کو ظاہر کرنے والے ہیں کیونکہ اس مقام میں اپنے آپ سے بلکہ تمام ماسوا سے دائمی طور پر فراغت حاصل ہے لیکن فنا و بقا باطن کے احوال سے ہے جبتک یہ دنیا قائم ہے ظاہر ضروریاتِ بشری کا محتاج ہے اس سے فراغت نہیں رکھتا۔ نیز آپ نے پوچھا تھا کہ "کیا خواطر (دل کی باتوں) کا کشف اور غیب کی باتوں کا علم اور دعاؤں کا قبول ہونا اس راہ کی قبولیت کی علامت ہے؟" میرے مخدوم! مذکورہ امور اور اس قسم کی اور چیزیں جو کہ خوارقِ عادات میں سے ہیں قبولیت کے دلائل (علامت) نہیں ہیں کیونکہ اہلِ استدراج بھی ان میں شرکت رکھتے ہیں اور (یہ امور) ریاضت کے ساتھ مشروط نہیں ہیں کہ ریاضت کے بغیر ہرگز حاصل نہ ہوتے ہوں کیونکہ بعض کو ریاضت کے بغیر بھی حاصل ہو جاتے ہیں اگرچہ وہ لوگ قلیل ہوں اور (ان کے) خوارق بھی قلیل ہوں کیونکہ ان کے کثرت سے ظاہر ہونے کو کہہ سکتے ہیں کہ ریاضت کے ساتھ مشروط ہے جیسا کہ ولایت بھی ریاضتوں اور کرامتوں کے ساتھ مشروط نہیں ہے۔ شیخ الشیوخ (شیخ شہاب الدین سہروردی) قدس سرہ نے عوارف (المعارف) میں خوارق و کرامات کے ذکر کے بعد کہا ہے "اور کبھی کوئی بزرگ ان (اہلِ خوارق) سے اوپر ہوتا ہے جس کو ان (خوارق) سے کچھ بھی حاصل نہیں ہوتا الی آخر ما قال" اور اکثر خواص اولیا عُجب (خود پسندی) سے محفوظ ہیں کیونکہ کامل فنا نے عُجب کی بنیاد اور ریا کی جڑ کو ان بزرگوں سے اٹھا لیا ہے اور نیز جائز ہے کہ مقبول بندوں سے بعض لغزشیں بشریت کے تقاضہ سے صادر ہو جائیں کیونکہ اولیا لغزشوں سے محفوظ نہیں ہیں لیکن وہ جلدی ہی متنبہ ہو جاتے اور ان کا تدارک نیکیوں سے کرتے ہیں اور بعض قدرتیں جو کہ نیند یا واقعہ میں حاصل ہوتی ہیں اگر وہ بیداری کی حالت میں ظاہر ہوں تو خوارق میں سے ہیں ورنہ نہیں، اگر وہم و خیال فکر کے ہاتھ میں کوئی عجیب چیز دے

(تو) اگر قلب کا اقرار و یقین اس کا معاون ہو تو وہ اعتماد کے لائق ہے ورنہ نہیں، کسی دوسرے شخص کو توجہ دینے اور دل کو (اس پر) مقرر کرنے میں عمدہ (طریقہ) اس کی جانب ہمت (توجہ وقصد) کو جمع کرنا ہے اور کم کھانا اور کم سونا پسندیدہ امور میں سے ہے ان کے لئے پوچھنے کی ضرورت نہیں ہے لیکن اس حد تک کم نہ ہو کہ طاعات سے روک دے اور دماغ میں خشکی اور فاسد خیالات لائے اور دوسری ریاضتوں اور مشقتوں میں سے جو چیز سنت کے موافق ہو مبارک ہے۔ رہبانیت (ترکِ دنیا) کی قسم سے نہ ہو۔ لا رھبانیۃ فی الاسلام [اسلام میں رہبانیت نہیں ہے] صحیح کشف خیالی احکام میں سے نہیں ہے بلکہ الہامی احکام میں سے ہے کہ جن کا مورد (جائے ورود) قلب ہے، ہاں کوئی کشف ایسا بھی ہوتا ہے جس کا منشا (منبع) خیال ہوتا ہے وہ کشف اس وقت تک اعتماد کے لائق نہیں ہوتا جبتک قلب کی تصدیق اس کے ساتھ شامل نہ ہو جائے جیسا کہ گذر چکا ہے اسقدر ہے کہ وہم وخیال کو غیبی امور کے ادراک میں کامل دخل ہے کہ وہ اس کی مدد سے جلدی پا سکتا ہے۔ وہم (خیال) ہی ہے جو کہ پچاس ہزار سال کے راستہ کو جو کہ رب تعالیٰ اور مربوب (بندہ) کے درمیان ہے آنکھ جھپکنے میں طے کرا دیتا ہے، اور خیال ہی ہے جو کہ باطنی احوال وغیبی امور اور لدنّی علوم کو صورت بنا کر اور مثال دیکر اچھی طرح سمجھا دیتا ہے اور جاہلوں کو اہلِ علم بنا دیتا ہے اور اگرچہ (وہم وخیال) از خود استقلال نہیں رکھتے اور ان کے احکام پر جو کہ استقلال کے ساتھ ہوں اعتماد نہیں ہے لیکن ان سے اس راستہ میں عمدہ خدمات وفروع میں آتی ہیں، طے ارض (زمین کو جلدی طے کر لینا) کو جو کچھ لوگ بعض دعاؤں کے ساتھ وابستہ جانتے ہیں تو اس میں کیا تعجب ہے کیونکہ اسمائے الٰہی ان (امور) سے (بھی) زیادہ تاثیر ہے لیکن جائز ہے کہ بعض لوگوں کو (یہ بات) دعاؤں کے واسطے کے بغیر حاصل ہو جائے، نماز (کی حالت) میں جسم کے اعضا جو چھوٹے اور حقیر نظر آتے ہیں اور کبھی اس میں سے کچھ بھی نہیں رہتا بہت اچھی حالت ہے جو حالت کہ نماز میں ظاہر ہوتی ہے وہ نہایت عمدہ حالت ہے اور بغیر نماز کی حالت پر فضیلت رکھتی ہے، کوشش کریں کہ نماز میں لذت یابی اور دلجمعی پیدا ہو جائے کیونکہ نمازوں میں لذت کا حاصل ہونا خاص کر فرض نمازوں میں انتہا کی علامت ہے نماز کو امرِ عظیم جانیں، مستحب اوقات میں جماعت اور تمام شرائط و مستحبات و تعدیل ارکان کے ساتھ سکون و وقار سے ادا کریں۔ آپ نے حدیث کا مضمون سنا ہو گا کہ نماز میں اس حجاب کو جو کہ اس (نمازی) کے اور اس کے پروردگار کے درمیان ہے اٹھا دیتے ہیں اور نیز الساجد یسجد علی قدمی اللہ فلیسأل ولیرغب [سجدہ کرنے والا اللہ تعالیٰ کے دونوں قدموں پر سجدہ کرتا ہے پس اس کی طلب و رغبت کرنی چاہئے]

صـ ۳۵۰

آپ نے جو طرح طرح کی مثالی صورتوں کا کشف ہونا اور ان کے ساتھ صحبت رکھنا لکھا تھا

عمدہ (حالت) ہے کیونکہ (یہ) علم کی بشارت دینے والا ہے لیکن مطلبِ حقیقی کے ساتھ کچھ تعلق نہیں رکھتا اور چونکہ باطنی نسبت میں خلل ڈالنے والا نہیں ہے (اس لئے) کیا مضائقہ ہے۔ شہر کابل میں پیش آئی ہوئی جو کیفیت آپ نے لکھی تھی اس نے لطف اندوز کیا زادکم اللہ سبحانہ ذوقا و شوقا [اللہ سبحانہ آپ کے ذوق و شوق کو زیادہ کرے]۔

(آپ کی طرف سے) حضرت خضر علیٰ نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں کچھ پوچھا گیا تھا۔

آپ نے لکھا تھا کہ علمِ کلام (عقائد) کی کتابوں میں ان کی زندگی کو اعتقادی امور میں شمار کیا گیا ہے۔ میرے مخدوم! اس میں علماء کا اختلاف ہے تو پھر کونسی کتاب میں اس کو اعتقادی امور سے کہا ہے، شاذ روایتیں اس بارے میں بہت ہیں جو سب اعتماد کے قابل نہیں ہیں اور بعض مشائخ سے اُن حضرت (خضر علیہ السلام) کی ملاقات اور ان سے صحبت رکھنے اور گفتگو کرنے کے متعلق جو کچھ منقول ہے صحیح مان لینے کی صورت میں (یہ چیزیں) حیات کو ثابت کرنے والی نہیں ہیں کیونکہ اگر ان کی روح کو اجسام کے کاموں کی قدرت دیدی گئی ہو اور جو امور کہ اجسام سے وقوع میں آتے ہیں اُن کی روح متجسد ہو کر وقوع میں لائے تو مذکورہ امور ناممکن نہیں ہوں گے اور اگر کوئی ایسی روایت وارد ہوئی ہو جو کہ ان کی حیات پر صریحاً دلالت کرتی ہو یا ہم مان لیں کہ سابقہ روایتیں (اُن کی) حیات کو ثابت کرنے والی ہیں تب بھی کوئی تضاد نہیں ہے، کیونکہ ہو سکتا ہے کہ اس وقت زندہ رہے ہوں اور اب گذر چکے ہوں۔

(یہ بیان "الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ" ج۱ ص۴۲۹ کی عبارات سے ترجمہ ہوا ہے)

اور یہ جو حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ[1] سے منقول ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ جب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وصحبہ وسلم وفات پا گئے اور تعزیت کا وقت آیا تو اُن (اہل بیت) کے پاس ایک آنے والا آیا کہ لوگ اس کی حس (حرکت کی آواز) سنتے تھے اور اس کی شخصیت کو نہیں دیکھتے تھے پس اس نے کہا "السلام علیکم اہل البیت ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، کُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ وَإِنَّمَا تُوَفَّوْنَ أُجُورَكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ الیٰ آخر قولہ" اے اہل بیت! تم پر سلام ہو اور اللہ کی رحمت اور اس کی برکتیں نازل ہوں، ہر جان موت کا مزہ چکھنے والی ہے اور بیشک قیامت کے دن تم کو تمہارا پورا بدلہ دیا جائے گا۔ بیشک اللہ تعالیٰ ہی ہر مصیبت پر صبر دینے والا اور ہر ہلاک ہونے والی چیز کا بدلہ دینے والا اور ہر ضائع ہونے والی چیز کا تدارک کرنے والا ہے پس اللہ تعالیٰ ہی پر اعتماد کرو اور اسی سے امید رکھو پس (حقیقت میں) مصیبت زدہ وہ شخص ہے جو (صبر نہ کرنے کی وجہ سے) ثواب سے محروم کر دیا گیا ہو۔ حضرت علی (کرم اللہ وجہہ) نے فرمایا کیا تم جانتے ہو کہ یہ شخص کون ہے؟ یہ خضر (علیہ السلام) ہیں۔ یہ روایت ہمارے قول کی تائید کرتی ہے کیونکہ حس (حرکت) کی آواز کا سنائی دینا

---

[1] المشکوٰۃ باب وفات النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں بھی کچھ کمی بیشی کے ساتھ یہ روایت ہے تتمہ مظاہر حق جلد چہارم ص ۶۷

اور شخصیت کا نظر نہ آنا دلالت کرتا ہے کہ وہ (حضرت خضر علیہ السلام) عالم ارواح میں ہیں۔
اور یہ جو بعض روایات میں آیا ہے کہ ایک شخص دراز قد اور کشادہ شانوں والا ایک تہبند اور ایک چادر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کی گردنیں پھلانگتا ہوا اُن (حضرت علیؓ وغیرہ اہل بیت) کے پاس آیا یہانتک کہ اُس نے گھر کے دروازے کے دونوں بازو پکڑ لئے اور رو یا پھر صحابۂ کرامؓ (رضی اللہ عنہم) کی طرف متوجہ ہوا اور کہا بیشک اللہ تعالیٰ ہی ہر مصیبت پر صبر دینے والا ہے الخ۔ پس ابو بکر (صدیق) رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا غالباً یہ خضر (علیہ السلام) تھے (جو) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (کی وفات) پر ہم لوگوں سے تعزیت کرنے آئے تھے۔ یہ ان روایتوں میں سے ہے جن کو بخاری نے اور فضیلی نے "الاصابۃ فی معرفۃ الصحابۃ" میں ضعیف کہا ہے۔ ابو بکر نقاش نے اپنی تفسیر میں علی بن موسیٰ الرضا اور محمد بن اسماعیل بخاری سے روایت کی ہے کہ بیشک خضر (علیہ السلام) مر چکے ہیں اور امام بخاری (رحمہ اللہ) سے خضر (علیہ السلام) کی حیات کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے انکار کیا اور اس حدیث سے استدلال کیا کہ سوسال کے اختتام پر اُن لوگوں میں سے جو روئے زمین پر ہیں کوئی شخص بھی زمین پر باقی نہیں رہے گا اور یہ وہ حدیث ہے جس کو انھوں (امام بخاری) نے اپنی صحیح میں حضرت ابن عمر (رضی اللہ عنہ) سے روایت کیا ہے اور یہ حدیث اس شخص کے لئے عمدہ ہے جو اس بات کو اختیار کرے کہ وہ (خضر علیہ السلام) مر چکے ہیں اور اس بات کو نہ مانے کہ وہ باقی (زندہ) ہیں۔ اور ابو الحسن ابن المناوی نے اپنی اس کتاب میں جس کو خضر (علیہ السلام) کے حالات میں مرتب کیا ہے ابراہیم الحربیؒ سے نقل کیا ہے کہ خضر (علیہ السلام) مر چکے ہیں۔ اور ابن المناویؒ مذکور نے اس پر اعتماد کیا ہے اور ابن الجوزیؒ نے اپنے رسالہ میں جو کہ اس بارے میں مرتب کیا ہے ابو یعلی ابن الفراء الحنبلی سے ذکر کیا ہے انھوں نے کہا کہ ہمارے کسی صاحب سے خضر (علیہ السلام) کے بارے میں پوچھا گیا کہ کیا وہ مر چکے ہیں تو انھوں نے کہا ہاں، انھوں نے کہا اور مجھ کو ابو طاہر العباری سے اسی کی مثل پہنچا ہے اور وہ دلیل دیتے تھے کہ اگر وہ زندہ ہوتے تو ضرور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے۔ اور ابن الجوزیؒ نے استدلال کیا کہ اگر وہ (خضر علیہ السلام) زندہ ہوتے تو چونکہ وہ موسیٰ علیہ السلام اور اُن سے پہلے کے زمانہ میں تھے تو ضرور اُن (خضر علیہ السلام) کا قد و قامت اُن کے جسموں کے مطابق ہوتا اور ان کے اجسام کی مقدار ہمارے اجسام کی مقدار کے مانند نہیں تھی۔ جو لوگ اپنی تمام روایتوں میں خضر (علیہ السلام) کی رویت (دیکھنے) کا دعویٰ کرتے ہیں وہ (روایتیں) اس بات پر دلالت نہیں کرتیں کہ اُن (خضر علیہ السلام) کا جسم اُن (موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ کے لوگوں) کے اجسام کی مثل تھا، پھر انھوں (ابن الجوزی) نے اس چیز سے استدلال کیا کہ جس کو احمد نے المجاہد عن الشعبی عن جابر (رضی اللہ عنہم) کے طریق سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اُس ذات کی قسم جس کے

قبضہ میں میری جان ہے کہ بلاشبہ اگر موسی (علیہ السلام) زندہ ہوتے تو ان کو میرے اتباع کے بغیر کوئی چارہ نہ ہوتا۔ انھوں (ابن الجوزیؒ) نے کہا کہ جب موسیٰ علیہ السلام کے حق میں یہ بات ہے تو پھر خضر (علیہ السلام) اگر زندہ ہوتے تو کیسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع نہ کرتے۔ پس وہ آپ کے ساتھ جمعہ اور جماعت سے نمازیں پڑھتے اور آپ کے جھنڈے کے نیچے جہاد کرتے جیسا کہ ثابت ہے کہ بیشک حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس امت کے امام کے پیچھے نماز پڑھیں گے۔ اور ابو الحسن ابن المناوی (رحمہ اللہ) سے خضر (علیہ السلام) کی طویل زندگی کے بارے میں پوچھا گیا اور یہ کہ آیا وہ ابھی زندہ ہیں یا نہیں؟ انھوں نے کہا کہ اکثر ضعیف (رائے والے) لوگ اُن روایات کی بنا پر جو اس بارے میں مروی ہیں اس بات کے معترف ہیں کہ وہ زندہ ہیں، انھوں (ابن المناویؒ) نے کہا کہ جو مرفوع احادیث اس بارے میں ہیں وہ ضعیف ہیں اور اہلِ کتاب کی طرف (ان کی) سند (اعتبار سے) ساقط ہے انھوں نے کہا اور اس کے سوا اور سب روایات اخبار سے ہیں پس وہ سب اول و آخر کے اعتبار سے (یعنی بالکل) ضعیف و سست ہیں اُن (روایتوں) کا حال دو امر سے خالی نہیں ہے یا تو ثقہ راویوں پر بھول کی حالت میں (یہ روایات) داخل ہو گئیں یا ان میں سے بعض نے بالقصد (ان روایات کو بیان) کیا انھوں نے کہا اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ [ہم نے تجھ سے پہلے (بھی) کسی بشر کے لئے دائمی زندگی نہیں بنائی] انھوں نے کہا اور اگر خضر (علیہ السلام) زندہ ہوتے تو اُن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (کی خدمت میں حاضر ہونے) سے اور ان کی طرف ہجرت کرنے سے پیچھے رہ جانے کی گنجائش نہیں تھی انھوں نے کہا اور ہمارے بعض اصحاب نے مجھ کو خبر دی کہ ابراہیم الحربی سے حضرت خضر (علیہ السلام) کی طویل زندگی کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے اس کا انکار کیا اور کہا پُرانے مرے ہوئے ہیں تم کلام الاصابہ [کتاب الاصابہ کا کلام ختم ہوا]۔

اور یہ جو آپ نے لکھا ہے کہ "ایک بزرگ نے خضر کو مقاماتِ سلوک کے ناموں میں شمار کیا ہے (اور کہا ہے) کہ سالکین میں سے جو شخص اس مقام تک پہنچ جاتا ہے وہ خضر کے نام سے موسوم ہو جاتا ہے اور وہ خضر جو کہ سکندر کا رفیق تھا وہ اسی وقت میں گذرا ہے" اور آپ نے لکھا تھا کہ یہ تحقیق حضرت عالی (مجدد الف ثانی قدس سرہٗ) کی تحقیق کے مطابق ہے اور سلف (قدیم بزرگوں) کے اقوال کی تطبیق کے لئے اس مقام کے نام کو خضر کے ساتھ موسوم کیا ہے۔" (یہ بات) شک و شبہ کے مقام میں ہے کیونکہ اختلاف خضر معین علیہ السلام میں ہے اور ان کی حیات ثابت کرنے والے لوگ جو دلائل اپنے مقصد پر لائے ہیں اور جو حدیثیں انھوں نے نقل کی ہیں اور اُن کا آبِ حیات کو پینا شخص خضر پر دلالت کرتا ہے نہ کہ نوعِ خضر پر جو کہ کلی ہے اور ان دونوں بزرگواروں (حضرت خضر و الیاس علیہما السلام) نے حضرت عالی

(مجدد الف ثانی قدس سرہ) سے ملاقات کے بعد جو یہ فرمایا کہ "ہم عالمِ ارواح سے ہیں اور ہماری ارواح حق اللہ تعالیٰ جل سلطانہ کے قدرت عطا فرمانے سے اجساد کے کام واقع ہوتے ہیں اور قطبِ مدار کے اہم معاملات ہماری طرف رجوع رکھتے ہیں"۔ اس تطبیق سے بے نیاز ہے کیونکہ جب یہ (دونوں) حضرات اہم معاملات و خدمات میں مستقل ہیں اور ان کی روح نے جسم کا حکم اختیار کر لیا ہے تو پھر ہم اس بنا پر جو کہ پوشیدہ نہیں ہے دوسرے بہت سے خضر کس لئے ثابت کریں فھذا صلح عن تراضی الخصمین [پس یہ دو جھگڑنے والوں کی رضامندی کی صلح ہے]

دیگر آپ نے ارواح کے مشاہدہ کے بارے میں دریافت کیا تھا کہ "صورت کے بغیر ہے یا صورتوں کے ساتھ ہے الخ" آپ جان لیں کہ ارواح کا مشاہدہ کبھی مثالی صورتوں کے لباس میں ہوتا ہے کیونکہ عالمِ مثال میں ہر چیز کی ایک صورت کائن (موجود) ہے حتیٰ کہ معانی کی بھی وہاں صورتیں ہیں کہ جن کے ساتھ وہ منکشف ہوتے ہیں، یہ دید (مشاہدہ) وہم و خیال سے باہر ہے کیونکہ عالمِ مثال عالمِ شہادت کی طرح موجودات میں سے ہے یا ارواح اجسام کے ساتھ متجسم ہو کر صورتوں کے رنگ میں ظاہر ہوتی ہیں اور اس میں محذور (جس سے بچا جائے) نہیں ہے اور کبھی ان (ارواح) کا مشاہدہ صورتوں کے بغیر ہوتا ہے اور وہ روحانی ملاقات کی قسم سے ہوتا ہے جیسا کہ آپ نے خود لکھا ہے اور یہ معنی اور نیز سابقہ معانی فقراء کی جماعت میں کثیر الوقوع ہیں اور کلام کرنا، دیکھنا اور آوازوں کا سننا جیسا کہ روایتوں سے مفہوم ہوتا ہے ثابت ہے اور روحانی ملاقات کی قسم سے ہے، یا سابقہ دونوں طریقوں کی قسم سے ہے اور واقعات میں آلات کی ضرورت نہ ہونے کو ماننے کی صورت میں بعض کے لئے صورتوں کا واسطہ بننا سمجھنے اور سمجھانے کے لئے ہوتا ہے کیونکہ معانی اور باطنی احوال بھی مثالی صورتوں میں ظاہر ہوتے ہیں تاکہ قریب الفہم ہو جائیں۔

ص ۳۵۳

میرے مخدوم! ارواح اور برزخِ صغریٰ کا معاملہ بہت نازک ہے اس بارے میں ظن و تخمین (اندازے) کے ساتھ جرأت نہیں کر سکتے، جو کچھ نصوص سے ثابت ہو چکا ہے اس پر مجمل ایمان لانا چاہئے اور اس کی تفصیل کو اللہ تعالیٰ کے علم کے حوالہ کرنا چاہئے کیونکہ وَمَآ اُوْتِیْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِیْلًا ؏ [اور تم کو صرف تھوڑا سا علم دیا گیا ہے] نصِ قاطع ہے ہم قبر کی فراخی و آسانی اور عذاب و سزا پر ایمان لائیں اور اس کی تفصیلات میں مشغول نہ ہوں کیونکہ ہم اس پر مامور نہیں ہیں اور اسی طرح اموات (مُردوں) کا آپس میں کلام کرنا (روایتوں میں) آیا ہے، اور قبر کے عذاب میں مُردوں کا چیخنا اور چلانا وارد ہوا ہے کہ جس کو ثقلین (انسانوں اور جنوں) کے سوا ہر وہ چیز جو مشرق و مغرب کے درمیان ہے سنتی ہے (اس کو) مان لینا چاہئے، یا تو روحِ مجرد چیختی ہے کہ ثقلین (انسان و جن) کے سوا سب سنتے ہیں یا جسدی آلہ

(جسمانی اعضا) کے واسطہ سے کہ جس نے ایک طرح کی حیات پائی ہے پہنچتی ہے۔ اور یہ جو آپ نے لکھا ہے کہ "اگر وہ (ارواح) آلہ کی محتاج ہوں تو وہ عالم حدوث کو ابھی تک اپنے ساتھ رکھتی ہوں گی"۔ میرے مخدوم! ممکن سے حدوث کا داغ زندگی میں بھی اور مرنے کے بعد بھی ہرگز زائل ہونے والا نہیں ہے۔ ؎

سیہ روئی ز ممکن در دو عالم جدا ہرگز نہ شد واللہ اعلم

[ممکن سے اس کی روسیاہی دونوں جہان میں ہرگز جدا ہونے والی نہیں ہے واللہ اعلم] ممکن اگرچہ اللہ تعالیٰ جل سلطانہٗ کا قرب پیدا کرلے اور کمال کے درجات حاصل کرلے اپنی روحانیت و جسمانیت کے ساتھ جس عالم میں بھی ہو ممکن و حادث ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے ماسوا ہر چیز کے حادث ہونے پر تمام مذاہب کا اجماع منعقد ہو چکا ہے اور انھوں نے اس کے منکر کی تکفیر کی ہے۔ حق جل و علا کے ماسوا کے قدیم ہونے کا خیال ہرگز نہ کریں اگرچہ کاملین کی ارواح ہی ہوں اور بنیاد میں خلل نہ ڈالیں۔ آخرت کی نجات علماء کے فتووں سے وابستہ ہے جو کشف کہ علماء کے فیصلے کے برخلاف ہو وہ اعتبار سے ساقط ہے، سیر و سلوک سے مقصود نفس کے پوشیدہ عیوب پر اطلاع ہونا اور احکام شرعیہ کے بجالانے میں آسانی کا حاصل ہونا اور شرکِ خفی کی باریکیوں کا زائل ہونا ہے جو کہ اطمینانِ نفس کے ساتھ وابستہ ہے، دوسرے امور عمدہ کاموں میں سے ہیں جو کہ بحث سے خارج ہیں۔ ۳۵۴

آپ نے عدم اور فنا کے درمیان فرق کے بارے میں دریافت کیا تھا، میرے مخدوم! یہ سالکوں کے قدم پھسلنے کا مقام ہے اکثر ایسا ہوتا ہے کہ طالب بیچارہ اپنے آپ کو عدم کے وجود کے ساتھ فانی حقیقی سمجھتا اور کامل جانتا ہے مشکل ہے کہ وہ اس فرق کی طرف ہدایت پا سکے، اس وقت میں ایسا کامل و مکمل پیر (میسر) ہونا چاہئے جو کہ جذبہ و سلوک دونوں طریقوں سے پرورش یافتہ ہو تاکہ اس بیچارہ کو اس گرداب سے نکالے اور اس کے نقصان پر آگاہ کرے اور فنائے حقیقی کی طرف رہنمائی فرمائے۔ اس فقیر نے اس تفرقہ کو کسی مکتوب میں لکھا ہے اور شاید (وہ) برادرم مولانا محمد صدیق کے پاس ہوگا جو کہ تمہارے شاہزادہ کی سرکار سے متعلق ہیں اگر میسر آجائے تو (امید ہے کہ) مطالعہ کریں گے۔

عدم وہ فنا ہے جو اس جذبہ کی جہت میں ظاہر ہوتی ہے جس کے ساتھ سلوک ملا ہوا نہیں ہے اس وقت میں وہ اپنے آپ کو اور اپنی صفات کو نہیں پاتا اور گم کر دیتا ہے۔ وجودِ عدم سے مراد وہ بقا ہے جو کہ اس فنا و عدم پر جہتِ مذکورہ (جذبۂ بے سلوک کی جہت) میں مرتب ہوتی ہے اور فنا سے مراد مطلوب کی ہستی کا عارف پر اس قدر غلبہ ہو جاتا ہے کہ عارف اپنے اوصاف و اخلاق کو مطلوب کے اوصاف و اخلاق کا پرتو پاتا ہے، اس حد تک کہ سب کو اس بارگاہِ قدس کے بالکل حوالہ کر دیتا ہے اور اپنے آپ کو سب سے خالی پاتا ہے پس پہلی صورت (یعنی عدم) میں اوصاف کا استتار (چھپ جانا) ہے جو کہ فنا کرنے والا نہیں ہے اور دوسری

صورت (فنا) میں (اوصاف کا) ازالہ (زائل کرنا) ہے جو کہ فنا کرنے والا ہے، عنایتِ ازلی کے بغیر دشوار ہے کہ سالک اس فرق کی طرف ہدایت پا سکے اور استتار کو ازالہ سے جدا کرے۔ اور یہ جو آپ نے لکھا ہے "جو فرق کہ ان میں کیا جا سکتا ہے افاقہ کے بعد ہے کہ عدم وجودِ بشریت کی طرف عود کرتا ہے اور فنا دائم نہیں ہے" میرے مخدوم! عدم میں حس سے غیبت (احساس نہ رہنا) درکار نہیں ہے جو وہ افاقہ کے بعد وجودِ بشری کی طرف واپس آئے، لوگ کئی کئی سال عدم اور وجودِ عدم میں گذارتے ہیں اور اس فنا و بقا کے ساتھ مشیخت (پیری) کی گدی پر (متمکن) رہتے ہیں۔ اور یہ جو آپ نے کہا ہے کہ وجودِ عدم وجودِ بشریت کی طرف عود کرتا ہے اس معنی میں ہے کہ وجودِ فنا والے سالک کے بخلاف وجودِ عدم والا سالک اس عود سے محفوظ نہیں ہے۔ اور نیز صاحبِ عدم کو وجودِ بشریت اور وجودِ موہوب میں فرق کرنا دشوار ہے اور اکثر دفعہ وجودِ بشریت کو وجودِ حق جانتا ہے اور اپنے اوصاف کو اس کے اوصاف سمجھتا ہے اور یہ معنی فنائے حقیقی حاصل ہوئے بغیر مرتبۂ کمال سے راہ میں (پیچھے) ہیں۔

آپ نے مریدوں کے احوال لکھے تھے اس پر اللہ تعالیٰ جل شانہٗ کا شکر ادا کریں، مریدین آپ کے آئینے ہیں آپ کے ہی معانی ہیں جو کہ ان میں ظاہر (ہو رہے) ہیں، اُن کے ساتھ اچھی طرح مشغول ہوں اور توجہات کریں اور ان کی ترقیات کے لئے دعا کرتے رہیں اور آدابِ شرع و آدابِ سلف اور اپنے بزرگوں کے طریقوں میں سے جو کچھ مناسب جانیں ان کے ساتھ برتیں اور وعظ و نصیحت کے طریقہ کو ترک نہ کریں اور آداب کی تعلیم دیں کہ کشادگی اس کے ساتھ وابستہ ہے، کوئی ایک بے ادب بھی خدا تک نہیں پہنچا ہے اور جب آپ واقعات کی تعبیر اور حال کی وضاحت اور نسبت عطا کرنے کے لئے اچھی طرح متوجہ ہوں گے تو امید ہے کہ بتدریج یہ امور حاصل ہو جائیں گے۔ ؎

تو کار بگفت کاردان کن   خود کار بگویدت کہ آن کن

[تو کام جاننے والے (تجربہ کار) کے کہنے کے مطابق کام کر، کام تجھ کو خود دکھے گا کہ ایسا کر]

آپ نے لکھا تھا کہ "قرآن مجید کی تلاوت ان دنوں میں اچھی لگتی ہے" میرے مخدوم! یہ معنی، اور نماز کی حالت دونوں انجام کار (تکمیل) کی بشارت دینے والی ہیں۔ قُلْ رَّبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا [آپ کہہ دیجئے اے میرے رب میرا علم زیادہ فرما] چاہئے کہ اپنے اوقات کو ان تین چیزوں سے آباد رکھیں: قرآن مجید کی تلاوت، طویل قیام و خشوع و خضوع کے ساتھ نماز، اور کلمۂ طیبہ لا الٰہ الا اللہ کا تکرار، اس کلمۂ طیبہ کے لئے معین ورد مقرر کر لیں تو اچھا ہے کہ رات اور دن میں اس تعداد تک پہنچائیں۔

آپ نے اوراد و وظائف طلب کئے ہیں، فقیر نے احادیث کی معتبر کتابوں سے اچھی طرح تلاش کر کے پیغمبر خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے اوراد و وظائف کو جمع کیا ہے لیکن ابھی تک مسودات صاف کر کے

نہیں لکھے گئے ہیں کئی سال ہو گئے کہ مسودات ہی پڑے ہیں اُن کو صاف کرنے کی توفیق نہیں ہوئی اگر ہو سکا تو انشاء اللہ تعالیٰ اس میں سے کچھ حصہ لکھ کر بھیج دے گا (فی الحال) اگر حدیث کی کتابوں مثلاً مشکوٰۃ و حصن حصین سے کچھ وظائف انتخاب کر کے عمل میں لائیں تو مستحسن ہے، فقیر ان دنوں میں طالبوں اور ان کے احوال میں مطلقاً مشغول نہیں ہو سکتا معلوم نہیں اس میں کیا حکمت ہے۔ اس بات کی آرزو لگی ہوئی ہے کہ گوشہ میں بیٹھ جائے، شرعی ضرورت کے بغیر کسی شخص کے ساتھ ملاقات کی راہ و رسم نہ ہو۔ رَبَّنَا آتِنَا مِن لَّدُنكَ رَحْمَةً وَهَيِّئْ لَنَا مِنْ أَمْرِنَا رَشَدًا [اے ہمارے رب! ہم کو اپنے پاس سے رحمت عطا فرما اور ہمارے کام میں ہمارے لئے ہدایت کا سامان مہیا فرما] دوستوں سے سلامتیٔ خاتمہ کی دعا کی امید کی جاتی ہے والسلام علیکم و علیٰ سائر من اتبع الھدیٰ والتزم متابعۃ المصطفیٰ علیہ و علیٰ آلہ و اخوانہ من الانبیاء والملائکۃ والصالحین الصلوات والتسلیمات والبرکات العُلیٰ۔

اس مقدس درگاہ کے خاک نشینوں میں سب سے کم درجہ فقیر حقیر محمد عبید اللہ عفی اللہ تعالیٰ عن زلاتہ کے نام بعض دقیق اسرار کے ذکر اور اُن شبہات کے حل میں تحریر فرمایا جو کہ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کی بعض تحقیقات پر وارد ہوتے ہیں۔

الحمد للہ و سلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ، بعض اعلیٰ درجہ کے اسرار اور واضح تحقیقات تحریر کرنا ہے اچھی طرح سُنیں، سب سے آخری چیز جو کہ ہمارے حضرت عالی (مجدد الف ثانی) قدسنا اللہ بسرہ الاقدس نے لکھی ہے وہ مکتوب ہے جو کہ جلد ثالث کے آخری دو مکتوبات سے پہلے ان کے متصل ہی مولانا حسن دہلوی کے نام ہے اور اس مکتوب میں تعین وجودی کے اوپر تعین حُبی کو ثابت کیا ہے اور اس سے ترقی کا انکار فرمایا ہے۔ دن کے وقت ان بلند معارف کے لکھنے میں مشغول رہے ہیں اور رات کے وقت حضرت عالی (قدس سرہ) کو بخار لاحق ہو گیا کہ اس بخار کے چھٹے روز آپ رحلت فرما گئے حضرت عالی کے رحلت فرمانے کے بعد وہ تحریر معرض ظہور میں آئی اور مخلصین اس کے مطالعہ کے شرف سے مشرف ہوئے اور انھوں نے اس کی نقلیں کر لیں۔ ان بلند معارف کو تحریر کرنے کے بعد مرض موت کی شدتوں میں بھی بہت سے معارف و اسرار بیان کئے اور وصیتیں فرمائیں منجملہ ان اسرار کے ایک یہ تھا کہ جس رات کی صبح کو آپ رحلت فرمائیں گے یا اس سے ایک رات پہلے جبکہ حضرت مخدومی میاں جیو[۳] سلمہ ربہ

[۳] مخدوم زادہ حضرت خواجہ محمد سعید خازن الرحمۃ قدس سرہ العزیز۔

بھی[1] اس وقت میں حاضر تھے اور مرض کا غلبہ تھا اور ضعف کمال درجہ پر تھا، آپ نے فرمایا مجھے بٹھاؤ
بندہ نے اپنی گود میں اُس پیشوائے اکابر کو بٹھایا چنانچہ حضرت عالی کا مبارک وزن اس ذرۂ بیمقدار پر تھا
اُس وزن سے میں امید رکھتا ہوں کہ اس خاکسار کی زندگی میں بہت خوشگوار پھل لائیگا اور پوشیدہ رکھنے
کے لایق نہایت بلند اسرار اس دلفگار پر وارد کرے گا۔ قصہ مختصر حضرت عالی (قدس سرہ) نے فرمایا کہ
وصال لایزال کے لئے پکارنے والے نے میرے سر میں ندا دی کہ سلطان تجھ کو طلب کرتا ہے میری بلند
پرواز ہمت کے مرغ نے بارگاہِ قدس کا رخ کیا حتیٰ کہ پہنچا جہاں تک پہنچا، اس عالی مرتبہ بارگاہ سے
ندا سنی کہ سلطان گھر میں نہیں ہے، اس کے بعد معلوم ہوا کہ یہ مقام حقیقتِ کعبۂ ربانی ہے میں اس کے
ماوراء کی طرف دوڑا اور عروج کیا حتی کہ صفاتِ حقیقیہ کے مقام تک جو کہ وجودِ زائد کے ساتھ موجود ہیں
پہنچا، صفات کا یہ مقام صفات کی علمی صورتوں کے ماوراء ہے جو کہ تعینِ علمی کے مرتبہ میں کائن (موجود) ہیں
اور اُن صفات کی صورتوں کے ماوراء ہے جو کہ تعینِ وجودی و تعینِ حُبی تعالی و تقدس کے مرتبہ میں ہیں
میں اس مقام سے بھی اوپر متوجہ ہوا یہاں تک کہ ان صفات کے اصول کے ساتھ واصل ہوا جو کہ شیون ذاتیہ
ہیں اور ذات عزشانہ میں مجرد اعتبارات ہیں اور تم دونوں بھائی ہر مقام میں میرے ہمراہ ہو، اس مقام سے
اوپر کی طرف لے گئے اور ذاتِ بحت تک جو کہ نسبتوں اور اعتبارات سے مجرد ہے پہنچایا اور حضرت مخدومی[1]
کو فرمایا کہ تو میری امامت کے تعلق کی وجہ سے اس مقام میں میرے ساتھ ہے کیونکہ اس بیماری کے دنوں
میں حضرت عالی قدس سرہ کی امامت وہی کرتے تھے۔ اور فقیر سے فرمادیا تھا کہ تم مسجد میں دوستوں کے ساتھ
نماز پڑھا کرو اور (وہاں) امامت کیا کرو۔ یہ بے پروبال تعمیل ارشاد کی غرض سے دوستوں کی جماعت کے ساتھ
مسجد میں نماز پڑھ کر باقی اوقات خدمتِ والا میں موجود رہتا تھا اور روز و شب اسی مکان میں جو کہ محبوب
کی ملاقات کا مقام تھا خدمتِ اقدس میں گذارتا تھا۔ مختصر یہ ہے کہ اس احقر کو دوسرے راستہ سے اصالۃً
اس انتہائی درجہ تک پہنچنے کا اشارہ کیا۔ اسی مجلس میں یا کسی دوسری مجلس میں اسی مرضِ موت میں فرمایا
کہ اس درجۂ کمال کا حصول اور اس بلند مرتبہ کا وصول حق سبحانہ وتعالیٰ کے کلام مجید کے ساتھ قوی تعلق
پیدا کرنے سے وابستہ ہے۔ میں قرآن مجید کے طفیل و توسط سے اس مقام کے ساتھ ممتاز ہوا ہوں کہ
قرآن مجید کے حروف میں سے ہر حرف کو ایک ایسا دریا پاتا ہوں جو کہ کعبۂ مقصود تک پہنچانے والا ہے
اسی اثنا میں اس بیت کو زبان شریف پر لائے کہ جس کے سنتے ہی حضرت ابو سعید ابوالخیر قدس سرہٗ
دور دراز کے فاصلے سے اس کے کہنے والے کی زیارت کے لئے گئے تھے اور وہ بیت یہ ہے ؎

۳۵۷

۱؎ حضرت خواجہ محمد سعید قدس سرہٗ جو کہ ایام مرض الموت میں حضرت عالیؒ کی امامت کے فرائض انجام دیتے تھے جیسا کہ یہاں مذکور ہے۔

اندر غزلِ خویش نہاں خواہم گشت　　تا بر لب تو بوسہ زنم چونش بخوانی

[میں اپنی غزل میں پوشیدہ ہو جاؤں گا تاکہ جب تو اس کو پڑھے تو میں تیرے لب کو بوسہ دوں]

زبان شریف پر لائے (پڑھا) اور بہت لطف اندوز ہوئے، اس کے بعد فرمایا ہمارے حال کے موافق اس طرح کہنا چاہئے ؎

اندر سخنِ دوست نہاں خواہم گشت　　تا بر لبِ او بوسہ زنم چونش بخواند

[میں دوست کی بات میں پوشیدہ ہو جاؤں گا تاکہ جب وہ اس کو پڑھے تو میں اس کے لب کو بوسہ دوں]

محب کی بات محبوب کے لب پر کہاں پہنچتی ہے جیسا کہ (خود) اس کی بات کو اس کے ساتھ قرب و منزلت ہے اس کی بات سے اس تک پہنچا جا سکتا ہے نہ کہ اپنی بات سے، کیونکہ اُس (مُحب) کی بات کوتاہ اور راستہ ہی میں (رہ جانے والی) ہے، یہ حقیر کہتا ہے من عرف اللہ کل لسانہٗ [جس نے اللہ کو پہچانا اس کی زبان گونگی ہوگئی] اس کے لئے گواہ ہے۔ ع

بس سخن کوتاہ باید والسّلام　　[پس بات مختصر کرنی چاہئے والسلام]

فصل بالخیر: اس مقام میں دو سوال وارد (ہوتے) ہیں: **سوال اول** یہ کہ حضرت عالی (قدس سرہٗ) نے اس مکتوب میں جو کہ سب سے آخر میں اس مرض کے متصل لکھا ہے جیسا کہ اوپر بیان ہوا یہی لکھا ہے کہ تعینِ اول سے جو کہ تعینِ حبی ہے ترقی واقع نہیں ہے کیونکہ اس کے اوپر لاتعین ہے اس مقام میں قدم رکھنا امکان سے باہر نکلنا اور وجوب کے ساتھ متحقق ہونا ہے جو کہ محال ہے اور یہ عروجات جو کہ واقع ہوئے ہیں سب تعینِ حُبّی کے اوپر ہیں اس کی کیا وجہ ہوگی۔ **جواب:** ہو سکتا ہے کہ ممنوع قدمی وصول ہو اور یہاں جو کچھ لکھا گیا ہے وہ نظری ہو تو اس صورت میں کوئی منافات نہیں ہے شاید کہ (اس فقیر نے) اس معنی کو حضرت عالی قدس سرہٗ سے اسی مجلس میں استفادہ کیا ہے۔

سوال دوم: یہ کہ حضرت عالی قدس سرہ کی بعض عبارتوں سے مستفاد ہوتا ہے کہ حقیقتِ کعبہ شیون و صفات کے اعتبار سے اوپر ہے اور سابقہ عبارت سے اس کے خلاف مفہوم ہوا ہے۔ **جواب** جن صفات و شیون سے حقیقتِ کعبہ اوپر ہے اُن سے مراد صفات کی علمی صورتیں ہیں جو کہ تعینِ علمی کے مرتبہ میں ثابت ہیں کیونکہ قوم (اہلِ تصوف) کی اصطلاح میں صفات و شیون سے مراد یہی علمی تفصیلی صورتیں ہیں جیسا کہ اس مرتبہ کے اجمال کو مرتبۂ ذات کہتے ہیں اور اس کی تجلی کو تجلیٔ ذات جانتے ہیں اور نیز ان صفاتِ حضیض (نیچے درجے کی صفات) سے مراد تعینِ وجودی کے مرتبہ کی تفصیل کے حصے ہیں کہ ہمارے حضرت عالی (قدس سرہ) کو اس تعین کے ثابت کرنے کا امتیاز حاصل ہے اور حضرت شیخ محی الدین ابنِ عربی اور ان کے

ص ۳۵۸

متبعین قدس اسرارہم کے نزدیک یہ مرتبہ، مرتبۂ لاتعین اور مرتبۂ اطلاقِ ذات تعالیٰ ہے کیونکہ تعینِ علمی اجمالی کے اوپر جو کہ ان کے نزدیک تعینِ اول ہے مرتبۂ لاتعین اور وجودِ بحت ہے اور ہمارے نزدیک یہ مرتبہ جو کہ مرتبۂ وجود بحت ہے تعین کے ساتھ موصوف ہے اور تعیناتِ صفات بھی اس مرتبہ میں ثابت ہیں کہ منجملہ ان تعینات کے تعین علمی بھی ہے لیکن چونکہ علم صفات میں سب سے زیادہ جامع ہے (اس لئے) اس مقام میں بھی وجود کی طرح صفات و شیوناتِ ذاتیہ کائن (موجود) ہیں اور اس کے لئے بھی وجود کی طرح دو مرتبے ہیں: مرتبۂ اجمال کہ جس کو دوسرے حضرات تعینِ اول اور حقیقتِ محمدی جانتے ہیں اور مرتبۂ تفصیل۔ اس تحقیق سے واضح ہو گیا کہ تعین علمی جملی صفتِ علم کا تعین اول ہے جو کہ صفات حقیقیہ زائدہ سے ہے نہ کہ حضرت ذات تعالیٰ کا تعینِ اول، بلکہ اس کے خاص صفتِ علم کا تعینِ اول ہونے میں بھی کلام ہے کیونکہ اس آخری مکتوب میں انھوں نے تعینِ وجودی کے اوپر تعینِ حُبی کو ثابت کیا ہے کہ اس مقام میں بھی اجمال و تفصیل ہے۔

ہم اصل بات بیان کرتے ہیں، حقیقتِ کعبۂ ربانی جس طرح کہ صورِ علمیۂ واحدیت کے اوپر ہے جو کہ قوم کے نزدیک شیون و صفات کا مقام ہے اور اجمالِ علم کے اوپر ہے جو کہ ان کے نزدیک وحدت و تجلی ذات کا مقام ہے، اسی طرح تفصیلِ کمالات کے اوپر حضرتِ وجود کا مرتبہ ہے کہ ہمارے حضرتِ عالی (قدس سرہ) کے نزدیک اس کا ہر حصہ حضرتِ ذات کے کمالات میں سے ایک کمال ہے اور اس تعالیٰ شانہ کی صفات میں سے ایک صفت ہے اور نیز اجمال کے اوپر حضرتِ وجود ہے جو کہ حضرتِ عالی قدس سرہ کے قولِ قدیم کے مطابق تعینِ اول و حقیقتِ محمدی ہے اور حضرتِ عالیؒ کے آخری قول میں تعینِ اول و حقیقتِ محمدی تعینِ حُبی ہے جو کہ تعینِ وجودی کے اوپر ہے کیونکہ حُب ہی ہے جس نے کہ وجود و ایجاد کے سلسلہ کو حرکت دی ہے چنانچہ فاحببتُ ان اُعرف [میں نے چاہا کہ پہچانا جاؤں] اس کا ایک رمز ہے، اور حقیقتِ کعبۂ ربانی اس تعینِ حُبی سے بھی فوقیت رکھتی ہے اور ان حقائق کی اجمال و تفصیل سے بھی برتر ہے جو کہ بشری و ملکی حقایق کا منتہا ہیں اگر یہ کہا جائے کہ کعبہ اگرچہ بیت اللہ ہے لیکن مومن کا قلب بھی بمعنی الحدیث کے بموجب اس کا حکم رکھتا ہے پس اس کو اس پر فوقیت کس لحاظ سے ہوگی۔ ہم کہتے ہیں وَلِلّٰہِ الْمَثَلُ الْاَعْلٰی [اور اللہ تعالیٰ کے لئے اعلیٰ مثال ہے]۔ عالم مجاز (دنیا) میں بادشاہوں کے لئے اگرچہ بہت سے مکانات اور نشستگاہیں ہیں لیکن گھر (پھر بھی) گھر ہے کہ وہ اغیار کی مزاحمت سے محفوظ ہے اور محبوب کی آرامگاہ ہے دوسری نشستگاہ کو گھر کے ساتھ کیا نسبت اور کونسی برابری ہے۔ یہ بات تو یہاں ختم ہوئی رہیں صفاتِ حقیقیہ زائدہ کہ جن کا ذات تعالیٰ شانہ سے انفکاک (جدا ہونا) ہرگز جائز نہیں ہے وہ اگر بیت اللہ سے اوپر ہوں تو

اس کی گنجائش ہے والعلم عند اللہ سبحانہ [اور اللہ سبحانہ ہی کو علم ہے] پس تضاد دور ہوگیا اور اشتباہ جاتا رہا۔

تنبیہ: سابقہ بیان سے واضح ہوگیا کہ حقیقتِ کعبۂ ربانی حقیقتِ محمدی سے اوپر ہے کیونکہ حقیقتِ محمدی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ مراتبِ تعینات سے ناشی اور حقیقتِ کعبہ مراتبِ تعینات سے اوپر ہے، رہی یہ بات کہ حقیقتِ قرآن مجید سبحانی حقیقتِ کعبۂ ربانی کے ساتھ کیا نسبت رکھتی ہے"۔ رسالہ مبدأ و معاد میں جو کہ ہمارے حضرت عالی قدس سرہٗ کی تصنیفات سے ہے یہ ہے کہ حقیقتِ قرآنی و حقیقتِ کعبۂ ربانی (دونوں) حقیقتِ محمدی سے اوپر ہیں اور حقیقتِ کعبۂ ربانی حقیقتِ قرآنی سے اوپر ہے اور مکتوبات شریفہ جلد ثالث کے ایک مکتوب میں انھوں نے لکھا ہے کہ حقیقتِ قرآنی حقیقتِ کعبہ سے اوپر ہے اور مذکورہ بالا تحریر میں جو کچھ حضرت عالی قدس سرہٗ سے منقول ہوا وہ بھی اسی معنی کی خبر دیتا ہے، ان ہر دو تحقیق کے درمیان جو کچھ تطبیق (میرے) ناقص خیال میں آتی ہے وہ تحقیقِ سابق سے پیدا ہوئی ہے جس کو شیون و صفاتِ واجبی تعالیٰ کے بیان میں مفصل ذکر کیا ہے، کیونکہ قرآن مجید اس سبحانہ و تعالیٰ کی صفت یا شان سے ناشی (ظاہر ہوا) ہے اور شیون و صفات میں دو اعتبار بیان ہوئے، اعتبارِ تعین و اعتبارِ اطلاق ولاتعین، پس ان دو اعتبار پر نظر کرتے ہوئے ان دونوں حقیقتوں میں سے ہر ایک کو دوسری پر سبقت کا حکم ہو سکتا ہے ایک حکم ایک اعتبار سے ہوگا اور دوسرا حکم دوسرے اعتبار کے موافق ہوگا پس حقیقت میں کوئی تخالف نہیں ہے۔ اور جو کچھ کہ جلد ثالث کے سویں مکتوب میں درج ہے کہ "کعبۂ ربانی کا معاملہ ان ہر دو ظہورِ اسمی یعنی ظہورِ قرآنی و ظہورِ محمدی سے بھی عجیب تر ہے کہ وہاں صورتوں اور شکلوں کے لباس کے بغیر حقیقتِ تنزیہی کا ظہور ہے کیونکہ کعبہ جو کہ مخلوق کا مسجود الیہ ہے اس سے مراد پتھر اور ڈھیلے نہیں ہیں اور اسی طرح دیواریں اور چھت (عمارت) نہیں ہے کیونکہ اگر یہ چیزیں نہ بھی ہوں کعبہ تب بھی کعبہ ہی ہے اور مسجود الیہ ہے پس اس مقام میں ظہور ہے لیکن (اس کی) کوئی صورت نہیں ہے اور یہ نہایت ہی عجیب بات ہے انتہیٰ"۔ یہ عبارت حقیقتِ قرآنی پر اس حقیقت (حقیقتِ کعبہ) کی فوقیت پر دلالت نہیں کرتی کیونکہ معنیٔ تنزیہی یا الوہیت و ربوبیت و وجوب و وجود وغیرہا سے جو کچھ اُس بارگاہ جل سلطانہ میں اعتبار کیا جائے، صفاتِ حقیقیہ سے جو کہ وجودِ خارجی کی بزرگی سے ملی ہوئی ہے نیچے کے درجے میں ہے جیسا کہ جلد ثانی کے مکتوبِ ثالث میں یہ معنی واضح و مشرح بیان کئے ہیں، ہاں اس حقیقت کا ظہور صورت کے لباس کے بغیر ہے ظہورِ کلام مجید و ظہورِ محمدی کے برخلاف کہ یہ حرف و آواز اور انسانی صورت کے لباس میں ہے اور یہ عجائب میں سے ہے اور حقیقتِ محمدی چونکہ اسمائے اضافیہ میں سے ہے ناچار ان دونوں حقیقتوں سے نیچے کے درجے میں ہوگی۔

سوال: اس بیان سے لازم آیا کہ کعبۂ مکرمہ ہمارے پیغمبر حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے

ص ۳۶

افضل ہو۔ جواب، ہم کہتے ہیں کہ یہ ممنوع ہے کیونکہ ایک حقیقت کو دوسری پر فوقیت ہونا پہلی حقیقت والے کی دوسری حقیقت والے پر افضلیت کا موجب نہیں ہے کیونکہ ہو سکتا ہے کہ نیچے کی حقیقت والے کو اوپر کی حقیقت پر عروجات حاصل ہو جائیں اور قرب کے مراتب پیش آئیں اور اوپر کی حقیقت والا اپنی حقیقت کا پابند رہے اور اپنی حقیقت سے عروج (ترقی) نہ کرے اور مراتبِ قرب کی کثرت کہ جس پر فضیلت کا مدار ہے حاصل نہ کرے، کیا تو نہیں دیکھتا کہ ملاءِ اعلیٰ (فرشتوں) کی ولایت خواصِ بشر کی ولایت کے اوپر ہے اور (حالانکہ) ملائکہ کے حقایق سے عروج کے اعتبار سے خواصِ بشر کو فضیلت ہے اور ملائکہ کو اپنے حقایق سے عروج نہیں ہے، وَمَا مِنَّآ اِلَّا لَهٗ مَقَامٌ مَّعْلُوْمٌ [اور ہم میں سے ہر ایک کا ایک معلوم (معین) مقام ہے] اور اس مسئلہ میں بھی جس کو ہم یہاں بیان کر رہے ہیں یہ معنی ظاہر ہیں۔ اور نیز عالمِ امر عالمِ خلق سے اوپر ہے اور فضیلت عالمِ خلق ہی کو ہے کیونکہ عالمِ خلق کا قرب اصلی ہے اور عالمِ امر کا قرب ظلی ہے، عنصرِ خاک عالمِ خلق و عالمِ امر کے لطائف میں سب سے پست ہے اور اس کی پستی اس کی بلندی کا سبب بن گئی ہے اور جو قرب کہ خاکیوں کو حاصل ہے وہ قدسیوں (ملائکہ) کو نہیں ہے ؎

زمیں زادہ بر آسماں تاختہ   زمین و زماں را پس انداختہ

[زمین زادہ (انسان، مراد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم) آسمان پر چلے گئے اور زمین و زمان کو پیچھے چھوڑ گئے]۔

فافهم ولا تكن من القاصرين [پس سمجھ لیجئے اور کوتاہی کرنے والوں میں سے نہ ہو جائیے۔]

اگر یہ کہیں کہ حضرت عالی قدسنا اللہ تعالیٰ بسرہ الاقدس نے اس مکتوب میں جو کہ شیخ طاہر جونپوری کے نام لکھا ہے اور وہ مکتوب مکتوبات قدسی آیات کی جلدوں میں شامل نہیں ہوا ہے لکھا ہے کہ "حقیقتِ کعبہ سے مراد ذاتِ بیچونِ واجب الوجود جل سلطانہ ہے کہ ظلیت اور ظہور کی ذرا سی گرد بھی اس کو نہیں پہنچی ہے اور مسجود و معبود ہونے کے لائق ہے"۔ اس عبارت سے اس حقیقت کی صفاتِ حقیقیہ و حقیقتِ قرآنی سے مطلقاً فوقیت لازم آتی ہے جو کہ سابقہ تحقیق کے برخلاف ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ اولاً چونکہ قوم کے نزدیک مسلّم ہے کہ مراتبِ تعینات کے اوپر جو کہ ظلال و ظہورات کے مراتب ہیں اطلاق ذات تعالیٰ کا مرتبہ ہے اس بنا پر حضرت عالی (قدس سرہ) نے بھی اس مرتبہ کو ذات بیچون کے ساتھ تعبیر کیا ہوگا اور اس تحقیق و تفصیل کو کہ (حقیقت کعبہ ربانی) تعین علمی و وجودی و حُبّی کے اوپر ہے اس کے بعد افادہ فرمایا ہوگا۔ دوسرے یہ کہ ہو سکتا ہے کہ اُس حقیقت کو اس تعلق کے اعتبار سے جو کہ صاحبِ بیت کو بیت کے ساتھ (ہوتا) ہے مجازاً ذاتِ بیچون فرمایا ہوگا کیونکہ حقیقت میں مسجود ذات بیچون تعالیٰ ہے اور بیت (گھر) واسطہ ہے اور یہ حقیقت کہ جس کے متعلق یہاں بات کی جا رہی ہے بیت (گھر) کے معنی اس میں ملحوظ ہیں۔ اور تیسرے یہ کہ ہو سکتا ہے

کہ ذات بیچون سے مراد معبودیت و مسجودیت اور اس کے مانند امور کے اعتبار کے ساتھ مقید ہو نہ کہ ذاتِ مطلق جو کہ نسبتوں اور اعتبارات سے خالی ہو جیسا کہ لفظ "سلطان گھر میں نہیں ہے" جو کہ اس مکتوب کے شروع میں لکھا جا چکا ہے اس معنی کی خبر دیتا ہے یعنی سلطان کو اس بات سے قطع نظر کر کے کہ وہ گھر کے ساتھ نسبت رکھتا ہے ڈھونڈنا چاہئے اور ان اعتبارات سے باہر طلب کرنا چاہئے اور صفاتِ حقیقیہ کو اور اسی طرح شیونات کو جو کہ ان صفات کے لئے اصول کی مانند ہیں ذات تعالیٰ کے تمام اعتبارات پر فوقیت ہے کیونکہ ذات مقید باعتبار میں ملحوظ وہی اعتبار ہے نہ کہ ذات جیسا کہ اربابِ معقول نے علمِ شئی بوجہ کے بارے میں کہا ہے کہ معلوم وہی وجہ ہے نہ کہ شئی اور حقیقتِ قرآنی تمام کمالاتِ ذاتیہ کی جامع ہے جو کہ اولاً صفات کے مرتبہ میں بلکہ شانِ کلام کے مرتبہ میں فائض ہوتے ہیں پھر وہاں سے عالم کو فائدہ پہنچاتے ہیں اور وہ حقیقت (قرآن مجید) اس شان (شانِ کلام) کے توسط سے لفظی صورت اختیار کر کے جلوہ گر ہوئی ہے جیسا کہ حضرت عالی (قدس سرہ) نے لکھا ہے کہ "مرتبۂ شیونات میں جو کہ اعتبارات کے ساتھ زائد ہونے کے سوا ذات پر زائد نہیں ہیں شانِ کلام اس معنی کے ساتھ مخصوص ہو گئی اور ذات و شیونات کے مرتبہ میں کمالات سے جو کچھ متحقق تھا تمام شانِ کلام میں فائض ہو گیا اور اس شان (کلام) کی تمام حقیقت کا حاصل (نچوڑ) یہی قرآن ہے، اسی عربی عبارت اور مصاحف میں لکھی ہوئی مقررہ ترتیب کے ساتھ ہے اور بس اور جو کتاب بھی جس نبی پر نازل ہوئی ہے اسی قرآن کے اجزا میں سے ایک جزء ہے کہ اس کی بعض عبارتوں سے بعض وجوہ کے ساتھ مستفاد ہے اور تمام کائنات کی تخلیق ان کے اول سے آخر تک اسی سے مستفاد ہے " ۱۶/۴۰ اِنَّمَا قَوْلُنَا لِشَیْءٍ اِذَآ اَرَدْنٰهُ اَنْ نَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ [بیشک جب ہم کسی چیز کا ارادہ کرتے ہیں تو ہمارا اس کو یہ کہہ دینا کافی ہے کہ ہو جا پس وہ ہو جاتی ہے] اس قول کی تصدیق کرتی ہے۔ وھو سبحانہ اعلم [اور وہی سبحانہ و تعالیٰ بہتر جانتا ہے]

۳۶۲ کئی سال ہو گئے کہ یہ خدشہ دل میں جاگزیں تھا اور کھٹکتا رہتا تھا اور اس کے حل کے ساتھ جیسا کہ ہونا چاہئے ہدایت نہیں پایا تھا: ۷/۴۳ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ هَدٰىنَا لِهٰذَا وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ لَوْلَآ اَنْ هَدٰىنَا اللّٰهُ لَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ [سب تعریف اللہ کیلئے ہے جس نے ہم کو اس مقام کی طرف ہدایت کی اور اگر اللہ ہم کو ہدایت نہ دیتا تو ہم کبھی بھی ہدایت نہ پاتے] صلوات اللہ تعالیٰ وتسلیماتہ سبحانہ وبرکاتہ تعالیٰ برھانہ علیٰ نبینا وعلیٰ جمیع الانبیاء والمرسلین والملائکۃ المقربین وسائر الصالحین اجمعین آمین۔

ارشاد پناہ میر محمد نعمان کے نام اپنے اعمال کو ناقص دیکھنے اور اُن (مجدد الف ثانی) قدس سرہٗ العزیز کی نسبت کے انکشاف کے بارے میں تحریر فرمایا۔

حمد و صلوٰۃ اور ارسال تسلیمات کے بعد نقابت و نجابت دستگاہ کے خادموں کی خدمت میں عرض کرتا ہے کہ آپ کے مکتوب گرامی نے ان دنوں میں مشرف کیا۔ آپ نے کسرِ نفسی کے طور پر کچھ چیزیں لکھی تھیں اور ان فقراسے دعائیں طلب کی تھیں۔ میرے مکرم! یہ فرقت زدہ کسی چیز کے قابل نہیں ہے اور اپنے آپ کو بزرگوں کے ساتھ کسی قسم کی کوئی نسبت نہیں دے سکتا ؎

من ہیچم و کم ز ہیچ ہم بسیارے وز ہیچ و کم از ہیچ نیاید کارے

[میں ہیچ ہوں اور (بلکہ) ہیچ سے بھی بہت کم ہوں اور ہیچ سے اور جو ہیچ سے بھی کم ہو اس سے کوئی کام نہیں بنتا]

آپ نے لکھا تھا کہ مزار فایض الانوار میں توجہ کریں کہ طالبوں کو شغل بتانا اور حلقہ کرانا پسندیدہ ہے یا ناپسندیدہ اگر پسندیدہ نہ ہو تو میں اس کام کو ترک کر دوں۔ آپ کے فرمان کے مطابق روضۂ منورہ میں جا کر نذکورہ التماس کو آپ کی جانب سے پیش کیا، اس امرِ عظیم کے ترک کرنے میں حضرت عالی قدس سرہٗ کی مرضی کسی طرح ظاہر نہیں ہوئی اور پورا مبالغہ اس مقصد کے ساتھ مشغول ہونے میں معلوم ہوا، اس اثنا میں آپ کی نسبت کی بلندی اور اس کی موجوں کا تلاطم نظر آیا والعلم عند اللہ سبحانہ [اور صحیح علم اللہ سبحانہ و تعالیٰ ہی کو ہے] والسلام علیکم وعلی من لدیکم [اور آپ پر اور آپ کے نزدیک والوں پر سلام ہو]

میرک عطاء اللہ کے نام سالک کی عدمیت اور ممکن کی ماہیت کے بیان میں تحریر فرمایا۔

حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ دونوں جہان کے مقاصد کے حصول کے ساتھ سربلند رکھے۔ میرے مخدوم! مطلوب کے لطائف بیان سے بالاتر اور محبوب کے نفائس تحریر سے باہر ہیں جب تک وہ ظاہر نہیں ہے اس کا طالب ظاہر اور اس کی طلب میں بے چین ہے، جب وہ ظاہر ہو جاتا ہے تو عاشق بیچارہ ہستی کا سامان درمیان سے اٹھا لیتا ہے (یعنی محبوب میں فنا ہو جاتا ہے) کیونکہ ممکن کی ذات عدم ہے جس نے کہ کمالاتِ وجودی کے انعکاس سے عارضی نمود پیدا کر لی ہے اور اس تخیلی نمود کے ساتھ اپنے آپ کو کامل اور بہتر خیال کر لیا ہے اور اس بے بنیاد پر طویل بنیاد رکھی ہے اور جب کرم کی سبقت سے کمالات اصل پر تو ڈالتے ہیں اور معاملہ کی حقیقت کھل جاتی ہے تو انعکاسی کمالات اصل کی طرف لوٹ جاتے ہیں اور امانتیں

اہلِ امانات کے سپرد ہو جاتی ہیں اور عارف صحرائے عدم کی طرف رُخ کر لیتا ہے اور ہستی موہوم سے نکل جاتا ہے اسوقت وہ فنائے حقیقی سے مشرف ہو جاتا ہے ظل بیچارہ کہ مطلوب سے جس کا حصہ استہلاک و اضمحلال کے سوا اور کچھ نہیں ہے اس کے کمالات سے کیا حاصل کرے اور اس کے حسن و جمال کا کس طرح پتہ لگائے ؎ بقائے

گیرم کہ بغم خانۂ ما یار خرامد کو حوصلہ و طاقت دیدار کہ دارد

[میں مانتا ہوں کہ ہمارے غم خانہ (دل) میں محبوب خوش خرام ہے لیکن اس کے دیدار کا حوصلہ و طاقت کس کو ہے]

حق سبحانہ تعالیٰ نبی کریم اور آپ کی آل کرام علیہ وعلیہم الصلوات والبرکات الی یوم التناد کے طفیل ہم جیسے فرقت زدوں کو اُن معانی کے ساتھ کچھ ایمان نصیب کر دے اور اس چشمہ سے کچھ شربت عنایت فرمائے۔

مکتوب ۱۸۶

میرزا امان اللہ کے نام اس بارے میں تحریر فرمایا کہ اگرچہ قرب ولایت میں اطمینانِ نفس (کا حصول) ہے لیکن اس کا کمال قُربِ نبوت میں ہے:

بسم اللہ الرحمن الرحیم حامداً للہ سبحانہ ومصلیاً علی رسولہ الکریم حضرتِ حق سبحانہ و تعالیٰ آپ کو کمال و اکمال کے اعلیٰ مرتبہ پر فائز فرمائے اور نفسِ امارہ کو مطمئنہ بنائے، مطمئنہ ہونے سے پہلے نفس شریعت کی صورت کے ساتھ متلبس ہے مثال کے طور پر اگر نماز ادا کرتا ہے تو وہ نماز کی صورت ہے اور اگر روزہ رکھتا ہے تو (وہ) روزہ کی صورت ہے، اور (نفس کے) اطمینان کے بعد شریعت کی حقیقت تک ترقی کرتا ہے اور ایمان و نماز و روزہ و حج و زکوٰۃ وغیرہ کی حقیقت کے ساتھ متحقق ہو جاتا ہے، کمال درجہ کا اطمینانِ نفس قُربِ نبوت پر موقوف ہے قربِ ولایت میں بھی اگرچہ ایک قسم کا اطمینان ثابت ہے لیکن اس کا کمال، کمالاتِ نبوت میں ہے، اہلِ ولایت قربِ ولایت کے اندازے کے مطابق حاصل کرتے ہیں ؎

ہر چند کہ نفس مطمئنہ گردد ہرگز ز صفاتِ خود نگردد

[اگرچہ نفس مطمئنہ ہو جائے (پھر بھی) وہ اپنی صفات سے ہرگز نہیں پھرتا] قربِ نبوت حاصل ہونے کے بعد اصالتہً و وراثتہً و تبعیتہً بُری اور خراب صفات کا نام و نشان نہیں رہتا اور مخالفت کامل طور پر اور جڑ بنیاد سے اُس سے اٹھ جاتی ہے اور عالمِ امر کے لطائف کی مانند مطلوب میں فانی اور مستغرق ہو جاتا ہے، مستہلک (نیست و نابود) سے مخالفت نہیں ہوتی اور فانی سے خلاف ظاہر نہیں ہوتا۔ پس قربِ ولایت میں اطمینان کے مطابق شریعت کی حقیقت سے حصہ پاتا ہے اور شریعت کی حقیقت کے ساتھ کامل درجہ کا

۳۶۴ محقق کمالاتِ نبوت کے ثمرات سے ہے یہ وہ کمال ہے کہ جس میں تمام انبیاء علیہم السلام والصلوات و البرکات شریک ہیں جو خصوصیت کہ انبیائے مرسل اور انبیائے اولوالعزم اور خاتم الرسل علیہم التحیات و الصلوات و التسلیمات کے درمیان ان کے درجات کے فرق کے مطابق ثابت ہے وہ جدا ہے اور شریعت کی صورت و حقیقت سے ماوراء ہے اگرچہ شریعت اصل اور بنیاد ہے ۔

مکتوب ۱۸۷

آغا رشید کے نام اس بارے میں تحریر فرمایا کہ انسان کی پیدائش سے مقصود حق تعالیٰ جل شانہ کی معرفت حاصل کرنا ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اللہ تعالیٰ فیوض کے دروازے ہمیشہ کھلے رکھے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ ۝ [اور میں نے جنّوں اور انسانوں کو صرف اپنی عبادت کیلئے پیدا کیا ہے] ۵۱/۵۶
حق سبحانہ وتعالیٰ نے آدمی کو اپنی عبادت اور بندگی کے لئے پیدا کیا ہے اور وہ عبادت کہ عابد کا وجود جس کے درمیان میں اہل اللہ کے نزدیک اعتبار کے دائرہ سے خارج ہے جو عبادت کہ حضرت بے نیاز (تعالیٰ شانہٗ) کی قبولیت کے لائق ہے وہ ہے کہ عبادت کرنے والا اس کے درمیان میں نہ ہو اور یہ معنی معرفت کو ادا کرنے کے مترادف ہیں کیونکہ معروف میں فنا ہو جانا معرفت ہے جو کہ ادراک بسیط ہے پس معرفت عبادت کے لئے شرط ہوئی اور معرفت کے بغیر عبادت صورت پذیر نہیں ہوتی اور جس چیز کے بغیر مطلوب پورا نہیں ہوتا وہ چیز بھی واجب اور مطلوب ہے پس اللہ تعالیٰ کی معرفت بھی انسان کی پیدائش کا مطلوب ٹھہری اور جو عبادت کہ معرفت حاصل ہونے سے پہلے ہے معرفتِ مطلوبہ کے وسائل میں سے ہے پس وہ عبادت بھی مطلوب ہوئی لیکن یہ عبادت سالک کی ہے اور وہ عبادت عارف کی ان دونوں میں بہت فرق ہے۔ رَبَّنَا أَتْمِمْ لَنَا نُورَنَا وَاغْفِرْ لَنَا إِنَّكَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ [اے ہمارے رب ہمارے لئے ہمارا نور (ہدایت) پوری فرما دے اور ہمیں بخش دے بیشک تو ہر چیز پر قادر ہے۔] ۶۶/۸

مکتوب ۱۸۸

خواجہ عبد الصمد کابلی کے نام اس بارے میں کہ مرید پیر کے کمالات کا آئینہ ہے اور نصیحتوں کے بیان میں تحریر فرمایا۔

گرامی نامہ پہنچا، آپ نے سلسلہ کے دوستوں کی سرگرمی کے بارے میں لکھا تھا کہ بعض حاضر ہو کر نفی خطرات کی خبر دیتے ہیں، اس پر اللہ تعالیٰ کا بیحد حمد و شکر ہے، آپ کے دوست آپ کے آئینے ہیں آپ کے

احوال ہیں جو کہ ان کے آئینے میں منعکس ہوتے ہیں اپنے کام میں دل سے مشغول رہیں، دوستوں کے احوال میں بھی متوجہ رہیں اور اپنے احوال میں بھی مصروف رہیں، ایک دو وقت خلوت کے لئے مقرر کریں اور کلمۂ طیبہ کے تکرار کے ساتھ بہت زیادہ رغبت رکھیں اور لا کے ساتھ مرادوں اور مقاصد کی نفی کریں اور اپنی ذات سے وجود اور اس کے توابع کا سلب تلاش کریں تاکہ پوری طرح نفی ہو جائے اور ذاتی عدمیت اور فطری فقر ظاہر ہو جائے اور بندگی کی حقیقت اور اللہ تعالیٰ جل شانہ کا کمال جلوہ گر ہو جائے۔

مکتوب ۱۸۹

مخدوم زادۂ عالی قدر شیخ محمد صبغۃ اللہ سلمہ ربہ کی خدمت میں اس پاکیزہ کلام کی شرح میں تحریر فرمایا جو کہ حضرت مجدد الف ثانی امام ربانی (قدس سرہ) کو الہام کیا گیا ہے کہ میں نے تیری دنیا کو آخرت بنا دیا۔

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی سید المرسلین والہ وصحبہ اجمعین ۔ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی ہمارے حضرت عالی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ بشارت دی گئی تھی کہ میں نے تیری دنیا کو آخرت بنا دیا۔ چند سطریں اس عبارتِ عالیہ کی شرح اور مکاشفۂ غیبیہ کے حل میں لکھی جاتی ہیں گوشِ ہوش کے ساتھ سماعت فرمائیں۔ آپ جان لیں کہ جو کچھ دنیا میں مشہود ہوتا ہے وہ ظلیت کی آمیزش کے بغیر نہیں ہے کیونکہ دنیا ظلیت کی آمیزش کے بغیر اصل کے ظہور کی طاقت نہیں رکھتی اور اصل کے ظہور کا مقام آخرت ہے اور چونکہ اُن (حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ) کی دنیا نے آخرت کا حکم لے لیا ہے اس لئے جس چیز کا وعدہ آخرت میں ہے (وہ اُن کے لئے) اس دنیا میں جلوہ گر ہو گئی اور ظلیت کی آمیزش کے بغیر اصل سے کچھ حصہ حاصل ہو گیا اور نیز ہو سکتا ہے کہ اس فانی دنیا کے بعض منافع جو کہ آخرت کے درجات کی کمی کا باعث ہیں ان کے حق میں اس طرح سے نہ ہوں بلکہ درجات کی ترقی کا باعث ہوں جیسا کہ آخرت کی نعمتیں کہ ان کے ساتھ نفع اٹھانا ترقی کا موجب ہے، اس کا بیان یہ ہے کہ بہشت اشجار و انہار اور اسی طرح اس مقام کی حور و غلمان اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے تنزیہی و تحمیدی معانی کے مظاہر ہیں کہ اس دنیا میں وہی معانی حروف کے لباس اور کلمات کی صورتوں میں مثلاً سبحان اللہ اور الحمد للہ میں ظاہر ہوئے ہیں، اور جس طرح کہ ان کلمات کا استعمال اس دار دنیا میں ترقی کا سبب ہے اسی طرح بہشت میں اُن میووں اور پھلوں سے فائدہ حاصل کرنا اور ان لذتوں اور نعمتوں کا استعمال کرنا درجات بلند ہونے اور مقامات کی ترقی کا موجب ہے اور جب اللہ تعالیٰ عم احسانہ کے کرم سے اُن کی

دنیا آخرت ہوگئی تو یقیناً اِس جگہ (دنیا) کی نعمتوں سے فائدہ حاصل کرنا اُس جگہ (آخرت) کی لذتوں کے استعمال کی مانند ہوگیا۔ اور نیز ہوسکتا ہے کہ اس راستہ کا سالک وصول کی خواہ کتنی ہی منازل طے کرلے اور خواہ اصلِ اصول تک پہنچ جائے اور تجلیاتِ ثلاثہ سے مشرف ہوجائے اور باکیف و بے کیف مشاہدات اور ولایت کے تمام لوازم حاصل کرلے لیکن جب تک اس دنیاوی زندگی کی قید میں ہے اور جسم کے کوچے میں مقید ہے وہ خیال کی رسّی میں مقید ہے اور اس دنیا میں خیال سے بالکل رہائی ہونا محال ہے جیسا کہ مولانائے روم قدس سرہ نے مرنے کے قریب فرمایا ہے ؎

من شوم عریاں زتن او از خیال　　تا خرامم در نہایاتِ وصال

(میں بدن سے عاری ہوجاؤں وہ خیال سے عاری ہوجائے تاکہ میں وصال کی انتہاؤں میں چہل قدمی کروں)

یعنی خیال کی قید سے رہائی جسم کی تنگنائے سے رہائی حاصل ہوئے بغیر ممکن نہیں ہے اور جب اُن کی دنیا نے آخرت کا حکم حاصل کرلیا تو ناچار مطلوب اس دنیا میں خیال کی تراش خراش سے پاک اور وہم کی اختراع سے بری ہوکر جلوہ گر ہوگا اور نیز ہوسکتا ہے کہ جس رویت کا وعدہ آخرت میں کیا گیا ہے اور سرورِ دین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سوا کسی اور شخص کے لئے اس کا کچھ بھی حصہ دنیا میں نہیں ہے اور ہمارے حضرتِ عالی (قدس سرہٗ) نے تحقیق کیا ہے کہ جو کمال بھی نبی کو حاصل ہے اس کے کامل متبعین کو بھی تبعیت و طفیل کے طور پر وہ ثابت ہے پس اگر اس خوشگوار نعمت کے دستر خوان کے بچے ہوئے کھانے میں سے بھی کچھ حصہ عنایت فرمادیتے ہوں تو ہوسکتا ہے، اگرچہ وہ رویت نہیں ہوگی کیونکہ وہ اجماعِ امت کے مطابق (اس دنیا میں) ہونے والی نہیں ہے کیونکہ اصل چیز کا حاصل ہونا اور چیز ہے اور اس سے کچھ حصہ پانا دوسری چیز ہے جیسا کہ حضرت عالی (قدس سرہ) نے لکھا ہے کہ اگرچہ رویت نہیں ہے لیکن رویت کی مانند ہے پس تو سمجھ لے کیونکہ بیشک ہمارا کلام تیرے لئے اشارات و بشارات ہے اور ہوسکتا ہے کہ اس عبارتِ شریفہ کا مورد یہ ہو کہ دنیا عمل اور کسب کی جگہ ہے اور آخرت جزا و اجر کا مقام ہے پس اس جگہ (دنیا) میں زیادہ نفع دینے والے وہ اعمال ہیں جو کہ مقربات (نزدیک کرنے والے) اور ترقی بخشنے والے ہیں اور افعال کے ثمرات میں سے جو کہ عمل کی جزا ہیں کوئی چیز اس دارِ (دنیا) میں عنایت فرمادیں تو وہ ضرور آخرت کے درجات میں کمی کا باعث ہوگی۔ اور اسی لئے تو دیکھتا ہے کہ بعض بزرگ جن کو اس دنیا میں ثمراتِ اعمال دیئے گئے ہوں موت کے وقت تمنا کرتے ہیں کہ ان کو ان امور میں سے کوئی چیز نہ ملی ہوتی۔ اور صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے زیادہ احوال (کیفیات) ظاہر نہ ہونے میں یہی وہ سرّ (بھید) تھا حالانکہ وہ ولایت کے بلند درجہ میں ہیں۔

یہ بات تو ختم ہوئی لیکن جب اللہ تعالیٰ نے ان کی دنیا کو آخرت بنا دیا تو اُن کو اس عالم میں ثمرات کا حاصل ہونا ان کے آخرت کے درجات میں کمی کا باعث نہیں ہوگا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے خلیل علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے حق میں فرمایا: وَاٰتَیْنٰہُ اَجْرَہٗ فِی الدُّنْیَا وَاِنَّہٗ فِی الْاٰخِرَۃِ لَمِنَ الصّٰلِحِیْنَ ۲۹/۲۷ [اور ہم نے اس کو اُس کا اجر دنیا میں دیدیا اور بیشک وہ آخرت میں ضرور صالحین میں سے ہے] اور شاید اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ زمانہ آخرت سے قریب و نزدیک ہونے کی وجہ سے اُس دار (آخرت) سے ملحق ہے پس اس میں وہ چیز ظاہر ہوتی ہے جو آخرت کے ساتھ مخصوص ہے لیکن یہ حکم اس شخص کے ساتھ مخصوص ہے جو اس سعادتِ عظمیٰ و دولتِ قصوی کے ساتھ مشرف ہے اور سوائے اس شخص کے جس کو اس (اللہ تعالیٰ) کے فضل و کرم سے اس حکم میں داخل کر لیا گیا ہو کسی دوسرے شخص کے لئے جائز نہیں ہے کہ اپنے آپ کو اس پر قیاس کرے جیسا کہ حضرت عالی قدس سرہٗ نے مخدومی و مکرمی شیخ محمد سعید (قدس سرہٗ) اور اس فقیر کے بارے میں فرمایا ہے کہ تم دونوں کو اس حکم میں داخل کر دیا گیا ہے، الحمد للہ رب العالمین علی ذلک وعلی جمیع نعمائہ حمداً کثیراً طیباً مبارکاً۔ ۳۶۷

مکتوب ۱۹۰

مخدوم زادہ محمد سیف الدین کے نام اس معرفت کے بیان میں تحریر فرمایا جو کہ حضرت پیر دستگیر (مجدد الف ثانی قدس سرہ) سے سُنی گئی تھی۔

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ: ہمارے حضرت عالی (مجدد الف ثانی) رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میں (ایک روز) چاشت کی نماز پڑھ رہا تھا میں نے دیکھا کہ ایک بہت بڑی بلا میرے سینہ سے نکلی اور اس کا آشیانہ بھی اس جگہ سے باہر کر دیا گیا اور جو ظلمات کہ اس کے ارد گرد تھیں وہ بھی دور ہو گئیں اور سینہ کو ایک عجیب انشراح (کشادگی) حاصل ہوا، اس کے بعد معلوم ہوا کہ یہ (بلائے عظیم) وسواس خنّاس تھا کہ قرآن مجید میں جس کے شر سے پناہ مانگنے کا امر فرمایا ہے جو خطرات و وساوس کہ دین کے اصول میں پیدا ہوتے ہیں ان کا منشا (سرچشمہ) یہی خناس ہے جو کہ سینہ میں آشیانہ رکھتا ہے اور ہر وقت نیش زنی کرتا رہتا ہے اور کمال درجہ کا شرحِ صدر اس کے دُور ہوئے بغیر ممکن نہیں ہے۔ اس واقعہ کے کچھ عرصہ بعد آپ (قدس سرہ) نے فرمایا کہ میں حلقہ میں قرآن مجید سُن رہا تھا میں نے دیکھا کہ سننے کے دوران بعض نامناسب وساوس میں نے اپنے اندر پائے، میں نے استغفار کیا اور حیران ہوا

کہ خناس جو زائل ہوچکا تھا شاید پھر لوٹ آیا ہے۔ میں نے دیکھا کہ سینہ اسی صفائی و لطافت کے ساتھ ہے اس کے بعد ظاہر ہوا کہ یہ خناس سینہ کے خناس کے علاوہ ہے اور اس کا آشیانہ قلب میں ہے، میں اس کے دُور کرنے میں متوجہ ہوا، میں نے دیکھا کہ یہ خناس بھی بالکل قلب سے باہر ہوگیا، والسلام علیکم وعلی من لدیکم۔

فقیر حقیر محمد عبید اللہ عفی عنہ کے نام کامل معرفت والے عارف کی ذات موہوب کے کمالات کے بارے میں تحریر فرمایا۔

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ: ایک عجیب سِرّ (بھید) اور ایک دقیق رمز (اشارہ) پردۂ بطون سے منصۂ شہود پر پہنچتا ہے پوری طرح متوجہ ہوکر سُنیں۔ چونکہ عالم کو جو اعراض کا مجموعہ ہے اور کوئی ذات اور کوئی جوہر اس میں کائن نہیں ہے کہ جس کے ساتھ اعراض کا قیام ہو اور تام المعرفت عارف کی ذاتِ موہوب کو ایک گونہ قیام دیتے ہیں اور اس کو ان کا مقوم (درست رکھنے والا) بنا دیتے ہیں (اس لئے) اس موہوب ذات کو بیچونی سے کچھ حصہ حاصل ہوتا ہے جیسا کہ اس مبحث کی تحقیق دوسرے مکاتیب میں کی جا چکی ہے اور جب اس نے بیچونی سے کچھ حصہ حاصل کرلیا، دید و دانش (عقل و سمجھ) سے باہر چلا گیا اور فہم و وہم سے خارج ہوگیا، عقلِ سلیم خواہ کتنی ہی اس کی جستجو کرے اس سے کچھ نتیجہ حاصل نہیں کرے گی اور وہم تیز رفتاری کے باوجود خواہ کتنی ہی دوڑ لگائے اس کا کچھ پتہ نہیں لگا سکے گا اور اس کو وراء الوراء پلائے گا اور جوہریت و امکان کے باوجود اس میں جوہریت و امکان کا حکم نہیں کرسکتے اور ہستی کے حکم کے سوا دوسرا حکم قبول نہیں کرتا۔ والسلام علیٰ من اتبع الھدیٰ والتزم متابعۃ المصطفیٰ علیہ وآلہ وصحبہ الصلوات والتسلیمات والتحیات والبرکات العلی۔

۳۶۸

یہ بھی فقیر حقیر محمد عبید اللہ عفی عنہ کے نام حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ و حضرت ایشاں سلمہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں اصالت کی بشارت کے بیان میں تحریر فرمایا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔ والصلوٰۃ والسلام علی رسول اللہ، ہمارے حضرت عالی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے تھے کہ سرورِ دین و دنیا علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والبرکات العلی کی پیدائش سے جو (مادہ) باقی رہ گیا تھا مثل

پس خوردہ اس کو آپ کی امت کے بختاوروں میں سے ایک فرد کو عطا فرمایا ہے اور اس کی طینت (سرشت) کو اس سے خمیر کیا (گوندھا) ہے اور اس کے ذریعہ اس فرد کو اصالت سے بہرہ ور کیا ہے، اس بقیہ سے اس فرد کی طینت کو خمیر کرنے کے بعد بھی کچھ تھوڑا سا بقیہ رہ گیا تھا وہ بقیہ اس فرد کے منتسبین میں سے ایک شخص کے حصہ میں آیا ہے اور اس کی طینت کی تخمیر اس سے کی گئی ہے اور اس نے اس کے اندازے کے مطابق اصالت سے بھی کچھ حصہ پالیا ہے اِنَّ رَبَّكَ وَاسِعُ الْمَغْفِرَةِ [بیشک تیرا رب وسیع مغفرت والا ہے] شاید کہ اصالت کا جو حصہ حضرت مہدی موعود رضی اللہ عنہ کے لئے ہے حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام کے ذریعہ سے ہو۔ اور نیز اُن عالی حضرت اعلیٰ منقبت نے فرمایا ہے کہ جب محفلِ عالی یعنی انبیاء کرام علیہم السلام کی محفل میں پہنچا تو اہلِ مجلس کے ہجوم کی وجہ سے کسی دوسرے کے بیٹھنے کی گنجائش نہیں تھی، حضرت خلیل علیٰ نبینا وعلیہ الصلوات والتسلیمات نے جو کہ اس جگہ میں خاص شان رکھتے تھے اہل مجلس کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا یا ایھا الذین اٰمنوا تفسحوا فی المجالس [اے ایمان والو! مجلسوں میں کشادگی کیا کرو]۔ اہلِ مجلس نے حرکت کی بیٹھنے کے لئے وسیع جگہ میسر آگئی میں اس جگہ بیٹھ گیا۔

۳۲/۵۸ ۳۶۹

تنبیہ: امت کے بعض خاص افراد کو تبعیت و وراثت کے طور پر کمالاتِ نبوت کے حاصل ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ خاص فرد نبی ہو جائے یا نبی کے برابر ہو جائے کیونکہ کمالاتِ نبوت کا حاصل ہونا اور بات ہے اور منصبِ نبوت کا حاصل ہونا اور بات ہے جیسا کہ اس معنی کی تحقیق حضرت عالی (مجدد الف ثانی قدس سرہٗ) کے مکتوباتِ قدسی آیات میں تفصیل کے ساتھ مذکور ہے۔ والسلام علیٰ من اتبع الہدیٰ۔

مکتوب ۱۹۳

خواجہ محمد افضل کے نام

مخدوم زادہ بلند مرتبہ خواجہ محمد نقشبند سلمہ اللہ تعالیٰ کے نام حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بعض کمالات و مکاشفات کے بطریق اجمال بیان کرنے کے بارے میں تحریر فرمایا۔

الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ: ہمارے حضرت عالی (مجدد الف ثانی) قدسنا اللہ سبحانہ بسرہ الاقدس کو مرضِ وفات سے پہلے کچھ بخار اور کھانسی کی شکایت ہو گئی تھی، چند روز میں اس مرض سے صحت حاصل ہو گئی چنانچہ اصلی حالت پر آگئے اور بے تکلف مسجد میں حاضر ہوتے تھے، کم و بیش ایک ماہ کے بعد ایک (ایسا) بخار لاحق ہوا کہ اس کے چھٹے روز دار السرور (آخرت) کی طرف رحلت فرما گئے۔ پہلے مرض کی کمزوری کے ایام میں فرماتے تھے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اہلِ بیت کے کمالات میں مستغرق ہوں اور

اُن کمزوریوں (کی حالت) میں نہایت مسرت کے ساتھ بیان فرماتے تھے کہ مجھ کو اہلِ بیت، کے باغ میں چھوڑ گیا ہی اور اس مقام کے عجائب و غرائب کے ساتھ مشرف کرتے ہیں اور ان میں سے کچھ حصہ کا اظہار بھی فرمایا اور حضرت امیر (علی) کرم اللہ وجہہ کی بعض خصوصیات و کمالات کہ جن کے خیال کرنے سے فکر و وہم کی آنکھ خیرہ و عاجز ہے مفصل بیان فرمائے۔ اسی طرح حضرت فاطمہ زہرا اور حضرات حسن و حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے کمالات بیان فرمائے اور علیٰ ہذا القیاس بارہ اماموں کے تمام کمالات کو بیان فرمایا۔ اسی تقریب کے ساتھ حضرات شیخین (سیدنا ابوبکر صدیق و سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہما) اور حضرت ذوالنورین (سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ) کے کمالات و خصائص ظاہر فرمائے اور خلفائے اربعہ و اہلِ بیت میں سے ہر ایک کی آنحضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وصحبہ وسلم کے ساتھ نسبت و منزلت تفصیل کے ساتھ بیان فرمائی، اور اپنی بعض خدماتِ شائستہ کو جو کہ وقوع میں آئی تھیں بیان فرمایا۔ اور حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی قدسنا اللہ سبحانہ بسرہ الاقدس کے بعض کمالات کو بھی بیان فرمایا چنانچہ آخری مرض میں اس ذرۂ حقیر کو ان اسرار میں سے بعض اُن اسرار کو جو کہ اظہار کے قابل تھے لکھنے کی وصیت فرمائی۔ چنانچہ اس فقیر نے وصیت کے مطابق حضرتِ عالی (قدس سرہٗ) کے ایامِ غم میں اپنی فہمِ قاصر کے موافق روتی ہوئی آنکھوں اور زخمی (غمگین) دل کے ساتھ روضۂ منورہ کے سامنے بیٹھ کر اُن ناسفتہ (بغیر پروئے ہوئے) موتیوں کو نظم (ترتیب) کی لڑی میں پرو دیا اور حضرت عالی (قدس سرہٗ) کے مکتوبات قدسی آیات میں شامل کر دیا، چنانچہ جلد ثالث کے مکتوبات کا ختم انہی مرقومات کے ساتھ مقرر ہوا۔ والسلام علیکم وعلیٰ من لدیکم۔

ف ۳۷۰

ناقل: حضرت عروۃ الوثقیٰ خواجہ محمد معصوم قدس سرہٗ (حاشیہ)

مکتوب ۱۹۴

مولانا محمد افضل کے نام حضرت ایشاں سلمہ اللہ تعالیٰ کے بعض مقاماتِ عالیہ اور اس اشارے کے بیان میں تحریر فرمایا کہ یہ مقام عالی اصالت اور محبوبیت کے ساتھ مربوط ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم وَاَمَّا بِنِعۡمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثۡ [اور بیشک تو اپنے رب کی نعمت کو بیان کر] بتاریخ سوم ماہ شعبان روز سہ شنبہ (منگل) ۱۰۶۱ھ کو عصر کی نماز میں نہایت عظیم بسط رونما ہوا اور بلند مقام اور بہت ہی عجیب کیفیت کے ورود سے مشرف ہوا کہ جس کی مثل کبھی بھی پیش نہیں آئی تھی اور خیال و تصور میں بھی نہیں آئی تھی، اور وہ امور پیش آئے جو کہ لا عین رأت ولا اذن سمعت ولا خطر علی قلب احد [نہ کسی آنکھ نے دیکھے، نہ کسی کان نے سنے اور نہ کسی کے دل پر گذرے] کا مصداق تھے، نہ زبان کو اُن کے بیان کرنے

کی طاقت ہے اور نہ قلم کو اُن کے لکھنے کی مجال ہے ؎

فریادِ حافظ این ہمہ آخر بہرزہ نیست   ہم قصۂ غریب و حدیثِ عجیب ہست

[حافظ کی یہ تمام فریاد آخر فضول تو نہیں ہے یہ تو نادر قصہ اور عجیب بات ہے]

میں سمجھتا ہوں کہ اس کا حصول عالمِ اصالت و محبوبیت سے ہے، شاید کہ اس مقام کو کاتب کے ساتھ ایک خصوصیت تھی کہ اس بارگاہِ معلّٰی میں اپنے آپ کو منفرد دیکھا، کلمۂ طیبہ اور ذکر کے تمام الفاظ مثلاً تسبیح و تحمید و تکبیر کے نتائج کے لئے اُس حریمِ قدس میں گنجایش نہیں پائی اگر گنجایش ہے تو قرآن مجید کو ہے اور نماز کو بھی قرآن مجید کے تعلق سے گنجایش ہے، قرآن مجید کی تلاوت اور نماز کی ادائیگی کے سوا اس مقام کے ساتھ نسبت کو معطل و بیکار پاتا ہے اور سمجھتا ہے کہ کسی کسب و عمل کو اس نسبتِ عالیہ کے حصول میں دخل کی گنجایش نہیں ہے (یہ) محض موہبت (بخشش) ہے اور عنایت کا واسطہ ہونا چاہئے اور سب کچھ ہیچ ہے شاید کہ ریاضات و مجاہدات قربِ ولایت کے مبادی میں دخل رکھتے ہیں جبتک کہ سیر اصول اور اصول اصول میں ہے اعمالِ صالحہ فائدہ مند اور نتائج بخش ہیں کہ ان کے وسیلہ سے سالکِ مستعد ترقیات کرتا ہے اور کلمۂ طیبہ نفی و اثبات کے تکرار سے ظل سے اس کے اصل کی طرف راستہ کھلتا ہے اور اصول سے اصولِ اصول کی طرف عروج کرتا ہے اور جو کچھ مذکور ہوا وہ قربِ نبوت سے تعلق رکھتا ہے اس مقام میں اصل کو ظلال کی طرح راستہ میں چھوڑنا چاہئے، سخت ریاضتیں اس بارگاہ معلّٰی کے آس پاس کوئی راستہ نہیں کھولتیں اور اس مقام تک پہنچنا محض عنایت یا صرف محبت سے ہے، خصوصیت اور کسی کا شریک نہ ہونا جو کہ اوپر بیان ہو چکا ہے جب اچھی طرح غور کیا تو دیکھا کہ (یہ بات) اس راستہ میں پیش آتی ہے کہ جو شخص بھی اس مقام تک پہنچا ہے اپنے آپ سے ایک مقام رکھتا ہے کہ کسی دوسرے کو اصالت کے طور پر اس میں شرکت نہیں ہے اگرچہ اس مقام کو پہنچنے والے بہت ہی کم ہیں اُن میں سے حضرت عالی (مجدد الف ثانی قدس سرہ) کو میں نے دیکھا نہایت عظمت اور بیحد شوکت کے ساتھ نظر آئے چنانچہ عقل و وہم اس کے ادراک میں حیران و پریشان ہے اور زبانِ قلم و قلم زبان اس کے بیان میں عاجز و قاصر ہیں۔

جاننا چاہئے کہ عالم کو حضرت حق سبحانہ کا ظل جاننا یا اس تعالیٰ شانہ کا آئینہ تصور کرنا اور موہوم دیکھنا اور ظل کے منعکسہ کمالات کو اصل کے سپرد کرنا اور ظل کو خالی بلکہ معدوم سمجھنا اس کے بعد اس کو اصل کے کمالات کے ساتھ متحقق پانا ان سب کو قربِ ولایات میں سمجھتا ہے جو کہ ظل سے اصل کے ساتھ مل جاتا ہے اس کے بعد جبکہ اصل کو ظل کی طرح راہ میں چھوڑ دیتا ہے اور اس حریمِ قدس کے اردگرد پہنچ جاتا ہے تو ان امور میں سے کچھ بھی درکار بلکہ متصور نہیں ہوتا، اس مقام میں ظل کو جاننا نہیں ہے اور اوصاف کو

اصل کے حوالہ کرنا اور اپنے آپ کو فانی و مستہلک دیکھنا نہیں ہے، اصل کے ساتھ بقا و تحقق پیدا کرنا مشہود نہیں ہونا اور اس مقام تک پہنچنے کا راستہ جدا ہے اس راہ سے اس مقام تک پہنچنا دشوار ہے، وہ ظہورِ جمال و رضا کا مقام ہے اگر اس کی تعبیر ضَحِک (منہ بند کلی جو ذرا سی کھلی ہو) سے کی جائے تو گنجایش رکھتا ہے۔ والعلم عند اللہ سبحانہ [اور علم اللہ سبحانہ ہی کو ہے] والسلام۔

حضرت مخدوم زادہ خواجہ محمد نقشبند (قدس سرہ) کی خدمت میں حضرت خیر البریہ علیہ الصلوۃ والسلام کے ملتِ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اتباع کرنے کے بھید کو ظاہر کرنے اور بعض پوشیدہ اسرار کے بیان میں تحریر فرمایا۔ یہ معرفت حضرت مجدد الف ثانیؒ کے ملفوظات میں سے ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم و السلام علی رسولہ الکریم، ہمارے پیغمبر علیہ و علی آلہ الصلوات و التسلیمات کو (اللہ تعالیٰ کی جانب سے) حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ملّت کے اتباع کا امر ہونے اور آنسرور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حضرت (ابراہیم علیہ السلام) کی صلوات و برکات کی مثل صلوات و برکات طلب کرنے سے مقصود آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس مقام کا حصول ہے کہ جس مقام تک وصول حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کے مقام سے گذرے بغیر میسر نہیں ہے اور حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کے مقام تک پہنچنا اُن کی ملّت کی متابعت کے ساتھ وابستہ ہے کیونکہ اُن کی ملت کی متابعت کے بغیر اُس مقام کیلئے راہ نہیں ہے اور ان دونوں مقامات میں سے ایک کی نسبت دوسرے کے ساتھ ایسی ہے جیسی کہ محراب کو مسجد کے ساتھ نسبت ہے اور (یہ) یقینی بات ہے کہ محراب تک پہنچنا جو کہ امام کا مقام ہے بقعۂ مسجد کی مسافت طے کئے بغیر متصور نہیں ہے کیونکہ پہلا مقام مرکز ہے اور دوسرا مقام اس مرکز کا محیط ہے اور نظرِ کشفی میں اسی قسم کے محیط پر مرکز کو فوقیت ہوتی ہے اور مرکز تک پہنچنا محیط کی مسافت طے کئے بغیر میسر نہیں ہے اور جب اس دعا کی قبولیت کا وقت آیا حضرت سید الاولین والآخرین علیہ افضل الصلوات والتسلیمات نے اس مقام سے کہ جس میں آپ تشریف فرما تھے عروج فرمایا یہاں تک کہ کامل شوق کے ساتھ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مقام میں پہنچے اور اس بزرگ مقام میں توقف فرمایا اور وہ امور پیش آئے جو ان اسرار میں سے ہیں جن کا پوشیدہ رکھنا ضروری ہے اس کے بعد آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اس مقام میں داخل ہوئے جو کہ ملتِ حضرت ابراہیم علی نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام کی متابعت کے ساتھ وابستہ تھا وہ نادر مقام ایک نہایت عجیب مقام ہے کہ کسی رسول کا کوئی مقام اس مقام کی مانند

نہیں ہے، جب اس مقام میں قرار پذیر ہو گئے تو جو نظر کہ پسماندگان کے حال پر رکھتے تھے بہت کم ہو گئی اور کلی طور پر بارگاہِ قدس کی طرف متوجہ ہو گئے اور خاص خلوت خانہ میں محبوب کے ساتھ خلوت پذیر ہوئے، اور نیز محسوس ہوا کہ جب آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم عروج کے درپے تھے بعض اصحاب کرام علیہم الرضوان بھی آپ کی متابعت کی وجہ سے اس عروج میں شریک تھے، اور جب آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) مقامِ خاصہ میں داخل ہو گئے اصحاب کرام مقام حضرت ابراہیم علیہ السلام میں اُن علیہ السلام کے زیر قدم رہ گئے اور انھوں نے مقامِ خاصہ میں گنجائش نہ پائی۔ اس کے بعد ظاہر ہوا کہ آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام نے متوجہ ہو کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مقامِ خاصہ میں داخل فرما لیا اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں تردد ہے کہ داخل فرمایا یا نہیں لیکن گمان غالب یہ ہے کہ ان کو بھی مقامِ خاصہ میں کچھ گنجائش ہو گئی، والسلام۔

مکتوب ۱۹۶

۳۷۳

مخدوم زادۂ عالی مرتبہ شیخ محمد صبغۃ اللہ کی خدمت میں اس مقام کے بیان میں تحریر فرمایا جو کہ مقامِ رضا کے اوپر ہے

الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ۔ حضرت عالی (مجدد الف ثانی قدس سرہ) نے مکتوباتِ جلد ثانی کے ایک مکتوب میں تحریر فرمایا ہے کہ مقامِ رضا کے اوپر کوئی مقام نہیں ہے مگر خاتم الرسل علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے ہے۔ یہ معرفت حضرت عالی (قدس سرہ) کی پہلے کے معارف میں سے ہے اس کے بعد فرماتے تھے کہ میں ایک وقت انبیا علیہم الصلوات پر درود بھیج رہا تھا میں نے دیکھا کہ انبیاء علیہم السلام باجمعہم نے اپنے مقام سے عروج فرمایا اور ان بزرگوں میں سے ہر ایک چند واسطوں کے ساتھ اس مقام کے ساتھ جا ملا جو کہ مقامِ رضا سے اوپر تھا اور سرور دین ودنیا علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام نے اس مقام تک عروج فرمایا جو کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ملت کی متابعت کے ساتھ وابستہ تھا اور اس بزرگ مقام سے جا ملے۔ الحمد للہ رب العالمین، والسلام۔

مکتوب ۵ ش

مکتوب ۱۹۷

ملا سجاول کے نام اُن کے عریضہ کے جواب میں جو کہ واردات پر مشتمل تھا اور بعض سوالوں کے جواب میں جو کہ انھوں نے پوچھے تھے تحریر فرمایا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، حمد وصلوٰۃ اور تبلیغ دعوات کے بعد عرض ہے کہ برادر عزیز کے مکتوب مرغوب نے وصول ہو کر خوش وقت کیا، اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا حمد وشکر ہے کہ آپ عافیت سے ہیں اور باطنی نسبت و معنوی رابطہ میں کوئی کمی واقع نہیں ہوئی ہے بلکہ امید ہے کہ روز بروز ترقی میں اضافہ ہوتا ہے، رابطہ قوی ہونے کی وجہ سے ہے کہ آپ حضور وغیبت (موجودگی وعدم موجودگی) میں واردات کا فرق محسوس نہیں کرتے اور یکساں تصور کرتے ہیں، حضور وغیبت میں (واردات کے) فرق کا ہونا اکثر ثابت ہے لیکن نسبت کے قوی ہونے کی صورت میں فرق کم ہوتا ہے اور جسقدر (نسبت میں) قوت زیادہ ہوگی اسی قدر (فرق میں) کمی ہوگی، اگر اس قسم کی کمی معدوم کے عنوان کے ساتھ ظاہر ہو اور حضور وغیبت یکساں معلوم ہو تو بعید نہیں ہے، اگر لوگ کہیں کہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ طالب رشید غیبت (عدم موجودگی) میں ترقیاں کرتا ہے اور حالتِ حضور سے زیادہ بلند چلا جاتا ہے پس غیبت کے واردات اس کے حق میں حضور کے واردات سے زیادہ اور کثیر ہوئے (تو) ہم کہتے ہیں کہ اگر وہ حضور میں ہوتا تو ہو سکتا ہے کہ وہ اس سے زیادہ ترقی کر لیتا۔

آپ نے لکھا تھا کہ "میں اس سے پہلے حق جل وعلا کا حضور اپنے باہر پاتا تھا اب اپنے اندر پاتا ہوں" ہاں، اس بزرگ گروہ کے نزدیک معتبر انفسی شہود ہے اور جو شہود کہ اپنے سے باہر ہوتا ہے اتنا معتبر نہیں ہے۔ بزرگوں نے کہا ہے ؎

ہمچو نابینا مبر ہر سوئے دست   با تو در زیرِ گلیمست ہر چہ ہست

[نابینا کی طرح ہر طرف ہاتھ مت بیجا جو کچھ بھی ہے وہ تیرے ساتھ کمبل کے نیچے ہے] لیکن اس شہود کا گرفتار نہیں ہونا چاہئے اور اس کو مطلوب کے ظلال میں سے ایک ظل تصور کرنا چاہئے۔ حضرت حق سبحانہ جس طرح کہ آفاق سے ماوراء ہے (اسی طرح) انفس سے بھی ماوراء ہے، اس (حق تعالیٰ) عز برہانہ کو اندر اور باہر کے ماوراء تلاش کرنا چاہئے اور آفاق وانفس کے باہر طلب کرنا چاہئے یہ معاملہ محدود عقل کے ساتھ نہیں سمجھا جا سکتا اور ظلی ولایت والوں کے کشف سے مکشوف ومدرک نہیں ہوتا، فراست (دانائی) کا وہ نور جو کہ مشکوٰۃ نبوت سے مقتبس ہو اس معنی کا ادراک کر سکتا ہے اور آیہ کریمہ نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ [ہم اس کی طرف اس کی شاہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہیں] اس معمہ کے بھید کو کھولتی ہے اور جو حالت (آپ کو) فرض نماز ادا کرنے کے وقت میں پیش آتی ہے عالی واصیل ہے اس کے مطالعہ سے محظوظ ہوا۔

آپ نے لکھا تھا کہ "اس علاقہ کے لوگ پنجوقتہ نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر فاتحہ پڑھتے ہیں اور اس عمل کو اپنے اوپر لازم کر لیا ہے اور اس کے ترک کرنے والے سے اعتراض کے ساتھ پیش آتے ہیں"، میرے مخدوم! اس طرح سے فاتحہ پڑھنا ہمارے بزرگوں کا عمل نہیں ہے (اس لئے کہ) پیغمبر خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے

ق ۵۰/۱۶

فاتحہ بعد فرض نماز کا حکم

اعمال میں (یہ چیز) نظر نہیں آئی ہے۔ خزانۃ الروایات میں خلاصہ سے منقول ہے "قرأۃ الفاتحۃ لاجل المھمات بعد الفرائض بدعۃ" [مہمات کے لئے فرائض کے بعد فاتحہ پڑھنا بدعت ہے]۔

مصافحہ بعد نماز جمعہ

آپ نے نمازِ جمعہ کے بعد مصافحہ کرنے کے متعلق جو وہاں مروج ہے دریافت کیا تھا۔ میرے مخدوم! مصافحہ فی نفسہا مسنون اور اچھا عمل ہے اور اُس وقت کا متعین کرنا بدعت ہے پس یہ عمل (نمازِ جمعہ کے بعد مصافحہ کرنا) وجہ حَسَن بھی رکھتا ہے اور وجہِ قبیح بھی (ایک لحاظ سے اچھا ہے اور ایک لحاظ سے بُرا ہے) اگر اس کا معاملہ زیادہ سے زیادہ مباح ہونے تک ہی پہنچ جائے جیسا کہ بعض نے کہا ہے تو (بھی) غنیمت ہے۔ خزانۃ الروایات میں ہے کہ شیخ محی الدین نووی رحمہ اللہ نے الاذکار میں کہا ہے کہ "ہر ملاقات کے وقت مصافحہ کرنا مستحب ہے لیکن یہ جو لوگوں نے صبح اور عصر کی نماز کے بعد اس کی عادت کر لی ہے تو اس کی کوئی اصل نہیں ہے ولیکن اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے کیونکہ اصلِ مصافحہ تو سنّت ہے اور لوگوں کا بعض مواقع میں اس کی پابندی کرنا اور ان میں سے بعض مواقع میں حد سے تجاوز کرنے والا ہونا یہ بعض حالات اُس کو اس مصافحہ سے خارج نہیں کرتے جو شرع میں وارد ہوا ہے"۔

۳۷۵

مکتوب ۱۹۸

آغا رشید کے نام اس بارے میں کہ اس طریقۂ عالیہ میں فیض کا اخذ کرنا رابطہ و محبتِ شیخ سے تعلق رکھتا ہے اور آدابِ شیخ کی رعایت اور دوامِ ذکر پر ترغیب دینے اور فنائے قلب و نفس کے بیان میں تحریر فرمایا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ حامداً للہ ومصلیاً علیٰ رسولہ، اللہ تعالیٰ ماسوا کی غلامی سے آزاد کر کے قرب کے مدارج میں ترقیات عطا فرمائے۔ صحیفۂ گرامی نے مشرف کیا، اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی حمد ہے کہ فقرائے دور افتادہ کو بھلایا نہیں ہے، اور محبت کی نسبت اور باطنی رابطہ بدستور قائم ہے، اس گروہ سے محبت کرنے والا اس گروہ کے ساتھ ہے المرء مع من احب [آدمی اس کے ساتھ ہے جس سے وہ محبت کرتا ہے] ہمارے طریقہ میں کمال کے درجہ تک وصول کا مدار شیخِ مقتدا کے ساتھ محبت کا رابطہ رکھنے سے وابستہ ہے طالبِ صادق شیخِ مقتدا سے اس محبت کے ذریعہ سے جو کہ وہ شیخ کے ساتھ رکھتا ہے اس کے باطن سے فیوض و برکات اخذ کرتا ہے اور ساعت بساعت اس کے رنگ میں رنگا جاتا ہے، یہ بات مسلم ہے کہ فنا فی الشیخ فنا فی اللہ کا مقدمہ ہے، ذکر اگرچہ وصول کے اسباب میں سے ہے لیکن غالب طور پر (وصول) رابطہ محبت اور فنا فی الشیخ پر مشروط ہے، اس راستہ کے سالک کے لئے دو چیزیں ضروری ہیں، آدابِ صحبت کی رعایت

کرتے ہوئے شیخِ مقتدا کے ساتھ محبت رکھنا اور دوام ذکر، ذکرِ قلبی پر اسقدر پابندی کرے کہ دوام حاصل ہو جائے اور اس کے بعد غفلت نہ رہے اور تکلف کے ساتھ یاد کرنے سے چھوٹ جائے اور حضورِ دل کا ملکہ اور اس کی صفت ہو جائے جیسا کہ سننا قوتِ سامعہ کی اور دیکھنا قوتِ باصرہ کی صفت ہے اس وقت میں ظاہر کی غفلت باطن کے حضور پر اثر انداز نہیں ہوتی اور ظاہری نیند باطنی توجہ کے ساتھ جمع ہو جاتی ہے۔ جب حضور کی یہ کیفیت غالب آجائے اور قوی ہو جائے تو نفسِ حاضر (ذاتِ سالک) درمیان سے اُٹھ جاتا ہے اور صحرائے عدم کی طرف اپنا سامان لیجاتا ہے اس وقت حضور خود بخود ظاہر ہوتا ہے اور ولا یذکر اللہ الا اللہ [اللہ ہی اللہ کا ذکر کرتا ہے] جلوہ گر ہوتا ہے۔ ع

این کار دولت است کنوں تا کرا دہند [یہ نصیب کی بات ہے دیکھیے اب کس کو عنایت کرتے ہیں]

میرے مخدوم! دشمنوں اور حاسدوں کا شر دُور ہونے کے بارے میں دعا و توجہ کی جاتی ہے امید ہے کہ وہ ذلیل و خوار ہوں گے والسلام اولاً و آخراً۔

مکتوب ۱۹۹

حاجی حسین کے نام ان اذواق و مواجید کی شرح میں تحریر فرمایا جو کہ انھوں نے لکھے تھے۔

ص ۳۷۶

بسم اللہ الرحمن الرحیم برادرم حاجی محمد حسین کے گرامی نامہ نے وصول ہو کر خوشوقت اور مسرور کیا، آپ نے اپنی فنا و عدمیت کے بارے میں لکھا تھا ؎

بلے ہر جا شود مہر آشکارا سہا را جز نہاں بودن چہ یارا

[بیشک جس جگہ سورج نکلا ہوا ہو (وہاں) سُہا ستارے کو پوشیدہ ہونے کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے]۔ احدیتِ غیب کے انوار طلوع ہونے کے وقت کثرتِ موہوم کے اطوار کے اضمحلال و استہلاک (مضمحل و فنا ہونے) میں کیا شک و شبہ ہے لیکن اس عدمیت (فنائیت) و اضمحلال میں سالکوں کے قدموں میں بہت فرق ہے، ان میں سے محمدی المشرب کو یہ فنا و استہلاک عین و اثر کے دور کر دینے تک پہنچاتی ہے کذا وکذا، اور نیز آپ نے لکھا تھا کہ "یہ بات مشخص ہو چکی ہے کہ یہ تمام واردات و حرکات و سکنات عدم پر ہیں جو کہ اُس (اللہ) سبحانہ وتعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے ظاہر فرمائی ہیں کام (یعنی یہ ظہور) خود بخود ہے اور عجیب و غریب چیزیں اس معدوم پر وارد فرمائی ہیں جو کہ تحریر میں نہیں آتیں"۔ ہاں تعلقات کو ساقط کر دینے اور انتسابات کو اس کے اہل کی طرف رد کر دینے کے بعد معاملہ از خود بخود ہے، اگر حضور ہے تو حضور خود بخود (اپنا حضور اپنے ساتھ) ہے اور اگر توجہ ہے تو وہ بھی از خود بخود ہے اور عارف کو اس مقام سے استہلاک و اضمحلال و

انعام کے سوا کچھ بھی نصیب نہیں ہے۔

آپ نے لکھا تھا کہ "ان ایام میں تجددِ امثال ظاہر ہوا ہے (اس طرح پر) کہ ہر آن میں تمام عالم عدم میں جاتا ہے اور اس کی مثل وجود میں آتا ہے اس بارے میں حیرت بڑھ گئی ہے"۔ میرے مخدوم! ہمارے حضرت (مجدد الف ثانی) قدسنا اللہ سبحانہ بسرہ الاقدس نے اس معاملہ کا حل مکتوبات میں فرمایا ہے اگر آپ اس کا حل چاہیں تو وہاں مطالعہ کریں اور آپ نے جو بعض مقامات سبز رنگ کے اور بعض سورج کے رنگ کے ظاہر ہونا لکھا ہے واضح ہوا، مختصر یہ کہ تمام احوال و مواجید درست و پسندیدہ ہیں حق سبحانہ ترقیات عطا فرمائے اور دوستوں سے دعا کی درخواست ہے۔

مکتوب ۲۰۰

صوفی نور بیگ کے نام دوامِ ذکر اور خلوت اختیار کرنے پر ترغیب دینے اور ناقص کو طریقہ سکھانے کی اجازت دینے کے سِر میں اور اس بارے میں تحریر فرمایا کہ جو کچھ واقعات میں ظاہر ہوتا ہے کچھ اعتبار نہیں رکھتا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ۔ اللہ تعالیٰ فتوحات کے دروازے ہمیشہ کھلے رکھے، برادر گرامی مولانا نور محمد کے دو مکتوب مرغوب نے ایک ساتھ پہنچکر خوشوقت کیا چاہیئے کہ آئندہ بھی اسی طرح اپنے ظاہری و باطنی احوال سے دور افتادہ دوستوں کو اطلاع دیتے رہیں آپ نے لکھا تھا کہ "سبق باطنی کی تکرار میں کوشاں ہے اور نفی و اثبات بھی ورد میں ہے"۔ نیک و مبارک ہے، ذکر کے تکرار (مشق) میں اس طرح پابند رہیں کہ مذکور کے ماسوا سب کچھ سینہ کے میدان سے رخصت ہو جائے اور ماسوا کا نام و نشان دل کے آئینے سے محو اور لاشئ ہو جائے، اکثر اوقات نامرادی کے گوشہ میں خلوت سے رہیں اور مخلوق کے ساتھ بہت کم میل جول رکھیں اور قلبی و لسانی ذکر کے ساتھ مشغول رہیں اور ذکر کرنے میں مخلوق میں قبولیت یا احوال و مواجید کا حاصل ہونا (وغیرہ) میں سے کوئی غرض نہ ہونی چاہئے بے غرض ہوکر ذکر کریں اور نشاط (رغبت) کے وقت میں اتنے لوگوں کو جن کی تعداد آپ کو بتائی گئی ہے ذکر کی تلقین کریں، بطریقِ سفارت (تعلیم دیں) نہ کہ بطریقِ اصالت و خلافت۔ اور جو شرائط آپ نے لکھے تھے وہ تو اس صورت میں ہیں جبکہ بطورِ خود ذکر سکھائیں، اگر بطورِ سفارت چند لوگوں کو ذکر سکھائیں تو یہ شرائط ضروری نہیں ہیں کیونکہ آپ ایک ترجمان (کی حیثیت) سے زیادہ نہیں ہیں اور یہ ذکر بتانا بھی (آپ پر) جبر نہیں ہے آپکے اختیار کے ساتھ ہے اگر کسی تکلف کے بغیر دل متوجہ ہو اور شرح صدر حاصل ہو جائے تو ذکر بتائیں

ورنہ کوئی ضروری نہیں ہے جو چیز ضروری ہے وہ دائمی ذکر و مراقبہ ہے، کسی دوسرے کی تکمیل اپنے کمال کی فرع ہے اور یہ چند اشخاص کے لئے اجازت اس لئے (دی گئی) ہے کہ چند لوگ جمع ہو کر ذکر میں مشغول ہوں تو بہتر ہے کیونکہ آپس میں ایک کا فیض دوسرے پر منعکس ہوتا ہے۔

آپ نے لکھا تھا کہ "اگر واقعہ (حال) میں پیر کسی سالک کو تلقین (ذکر سکھانے) کی اجازت دیدے اور گزرے ہوئے بزرگوں کی ارواح سے بھی (اجازت) ظاہر ہو تو یہ اس سالک کے لئے تلقین کی اجازت ہے یا نہیں"۔ میرے مخدوم! طریقت کی تعلیم و تلقین کی اجازت ایک اہم معاملہ ہے خواب و واقعہ سے صورت پذیر نہیں ہوتا، تاوقتیکہ بیداری میں اجازت نہ دیں اجازت صورت پذیر نہیں ہوتی، اور اسی طرح احوال و مواجید و قطبیت و فردیت و غوثیت وغیرہ جو کچھ کہ خوابوں اور واقعات (احوال) میں ظاہر ہو، ان اکابر کے نزدیک معتبر نہیں ہے۔ احوال و مواجید میں سے جو چیز بیداری میں رونما ہو یہ شخص اُس کا مالک ہے۔ قطب و غوث وہ شخص ہے جو کہ خارج و بیداری میں ان دونوں منصبوں کے ساتھ سرفراز ہو، اگر کوئی شخص اپنے آپ کو خواب میں بادشاہ دیکھے تو وہ بادشاہ نہیں ہو جاتا تاوقتیکہ خارج میں بادشاہ نہ ہو ؎

چو غلامِ آفتابم ہمہ از آفتاب گویم نہ شبم نہ شب پرستم کہ حدیثِ خواب گویم

[چونکہ میں آفتاب کا غلام ہوں (اسلئے) سب کچھ آفتاب سے کہتا ہوں، میں شب اور شب پرست نہیں ہوں کہ خواب کی بات کہوں]

اتنا ہے کہ وقائع و منامات صادقہ مبشرات ہیں اور اولیا کی استعدادات کی خبر دینے والے ہیں، کبھی وہ حقیقتِ استعدادی ظہور میں آجاتی ہے اور کبھی ظہور میں نہیں بھی آتی، کوشش کرنی چاہئے کہ معاملہ قوت سے فعل میں آجائے اور گوش سے آغوش تک پہنچ جائے۔ آپ جن بزرگ کی صحبت میں وقت گذارتے ہیں آپ نے انکی خوبیاں تحریر کی تھیں جو کہ اس زمانہ میں بہت غنیمت ہے اور ان کے بارے میں توجہ و فاتحہ (دعا) کی طلب کی تھی، ان بزرگ کے بارے میں توجہ کی گئی اور ان کی توفیق کی زیادتی کیلئے دعا کی گئی، اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔ ص ۳۷۸

مولانا محمد حنیف کے نام ان کی نسبت کے بیان اور نصیحتوں کے ذکر میں تحریر فرمایا۔

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ! اخوی و اعزی مولانا محمد حنیف کے گرامی نامہ نے پہنچکر خوشوقت کیا، اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی حمد ہے کہ آپ عافیت سے ہیں اور دور افتادوں کی یاد سے

فارغ اور مطلب کے شوق سے خالی نہیں ہیں، دل آپ کی طرف متوجہ رہتا ہے نہیں جانتا کہ کس روش سے زندگی بسر کرتے ہیں اور کن طریقوں پر عمل کرتے ہیں ؎

خوابم بشد از دیدہ دریں فکر جگر سوز کاغوش کہ شد منزل و آسایش خوابت

[اس جگر سوز فکر میں میری آنکھوں سے نیند اُڑ گئی کہ تیری نیند کی منزل و آسایش کس کی آغوش بنی]۔ ان قریبی دنوں میں اس جانب سے کسی دوست کا ایک مکتوب پہنچا ہے کہ (جس میں) آپ کے اطوار کی شکایت ظاہر کی ہے آپ کا نام نہیں لکھا ہے لیکن غالباً آپ کی مخالفت کی ہے اور شکایت بھی مجمل پیش کی ہے، اس کے پڑھنے سے دل بہت رنجیدہ ہوا کہ اس نے آپ سے کیا دیکھا ہوگا جو لکھا ہے اگرچہ ظاہر کو دیکھنے والے لوگ اہلِ باطن کے متعلق کیا خبر رکھتے ہوں گے لیکن چونکہ طبیعت کو آپ کے ساتھ محبت اور ایک گونہ میلان ہے اور دل آپ کے کمال کا خواہاں ہے (اس لئے) معمولی چیز سے بھی بے چین ہو جاتا ہے اور قلق پیدا ہو جاتا ہے۔ خط لکھنے کے دوران کچھ توجہ آپ کے باطن کی طرف کی گئی حاصل کی ہوئی نسبت سے معمور پایا اور توقع سے زیادہ مفہوم ہوا، کوئی غبار دل میں نہیں رہا۔ الحمد للہ سبحانہ علی ذلک وعلی جمیع نعمائہ [اس بات پر اور اللہ تعالیٰ کی تمام نعمتوں پر اُس کی حمد ہے] اہلِ حقوق کی خوشنودی کے لئے ہرگز کوئی ایسا کام نہ کریں جو کہ مالکِ حقیقی (اللہ تعالیٰ) کی ناراضگی کا باعث ہو، اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا حق تمام حقوق پر غالب ہے اس کے حق کی پوری طرح رعایت کرتے ہوئے دوسروں کے حقوق میں مشغول ہونا چاہئے اپنے اوقات کو مضبوط رکھیں اور اہلِ غفلت و اہلِ دنیا کے ساتھ حتی الامکان تعلق نہ رکھیں اور طالبین کے احوال میں اچھی طرح مشغول ہوں کسی کو ضمنی بنانے اور کسی دوسرے شخص کا مرض سلب کرنے وغیرہ کے بارے میں عمدہ چیز ہمت (توجہ) کا جمع کرنا اور وحدانی التوجہ (توجہ کی یکسوئی والا) ہونا ہے اور اگر اس قسم کے امور درمیان میں نہ ہوں تو کوئی نقص نہیں ہے اور ولایت اس سے وابستہ نہیں ہے یہ زائد خوبیوں میں سے ہے۔ والسلام۔

۳۷۹

مکتوب ۲۰۲

حافظ محمد شریف کے نام نصائح کے بیان میں تحریر فرمایا۔

خدامِ حافظ جیو اس دور افتادہ کا سلام عافیت انجام پڑھیں اور دعائے خیر سے (مجھ کو) نہ بھلائیں اور اس چند روزہ عمر کو اہم امور میں صرف کریں، اور راتوں کو عبادت کرنے اور صبح کے وقت کے رونے کو غنیمت جانیں اور تاریک راتوں کو انوار و اذکار کے ساتھ روشن رکھیں اور تجارت میں سچ بولنے اور امانت کو

ملحوظ رکھیں حدیث شریف ان اللہ یحب التاجر الصدوق [بیشک اللہ تعالیٰ سچے تاجر کو پسند فرماتا ہے]
آپ نے سنی ہوگی اور عقود فاسدہ و ربویہ (فاسد اور سودی لین دین) سے بچتے رہیں اس بارے میں پورا
اہتمام رکھیں کہ یہ علماء کی لغزش کا مقام ہے چہ جائیکہ غیر علماء، اس زمانہ میں ایسا کون عالم ہوگا جو ان
عقود (بیع و شرا) سے بچا ہوا ہو، الا من عصمہ اللہ سبحانہ [مگر جس کو اللہ تعالیٰ بچائے]۔ متدین علماء سے
ہمیشہ ان عقود کی معلومات حاصل کرتے اور اس مبحث کی تحقیق کرتے رہیں اور حق سبحانہ و تعالیٰ سے اس
مہلک گرداب سے نجات کے طالب رہیں۔ والسلام علیٰ من اتبع الھدیٰ [ہدایت کی پیروی کرنے والے پر سلام ہو]

ارشاد پناہ میر محمد نعمان کے نام فنا و بقا کے پیچیدہ اسرار، قیومیت کے دقایق اور انسان کامل کی جامعیت کے
بیان میں تحریر فرمایا۔

الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ۔ اے نقابت دستگاہ! انسانِ کامل کی جامعیت کے
بارے میں کچھ تحریر کیا جاتا ہے غور سے سنیں، کوئی عارف فنائے کامل کے بعد جو کہ حقیقتِ عدمیہ کہ اس کی
انا کا مورد ہے، کے دور ہو جانے سے وابستہ ہے جب اسمِ الٰہی جل شانہ کے ساتھ بقا پیدا کر لیتا ہے اور
حقیقتِ ثبوتیہ حقیقتِ عدمیہ کی جگہ لے لیتی ہے تو اس میں تدبیر و تصرف کرنے والا وہی اسم ہوگا
اور وہ اس اسم کے اوصاف کے ساتھ متصف و آراستہ ہو جائے گا اور اس اسم کی حیات و علم و سمع و بصر و
کلام و ارادہ و قدرت کے ساتھ حی و عالم و قادر و سمیع و بصیر و متکلم ہو جائے گا کیونکہ ہر اسمِ الٰہی جل سلطانہ
اسماء و صفات کو متضمن ہے اور چونکہ وہ اسم دوسرے اسم کا ظل ہے اور اس اسم کی جزئیات میں سے
ص ۳۸۰
ایک جزئی ہے (اس لئے) عارف ظل کی راہ سے اصل کے ساتھ مل جائے گا اور اسمِ سابق کی طرح اسمِ
لاحق کے اوصاف کے ساتھ متصف ہو جائے گا اور پھر اُس اصل سے اس (اصل) کی اصل کے ساتھ ملحق ہو جائیگا
اور دوسری اصل سے تیسری اصل اور تیسری سے چوتھی اور پانچویں اصل تک الی ماشاء اللہ تعالیٰ (اور اس سے
آگے جہاں تک اللہ تعالیٰ چاہے گا) متحقق ہو جائے گا اور چونکہ ہر اسم کو دوسرے اسماء کے ساتھ ایک مشارکت ہے
(اس لئے) مابہ الاشتراک (جزو مشترک) کی راہ سے دوسرے اسماء کے ساتھ بھی جو کہ اس (اسم) کے اصول سے
مختلف ہیں بقا حاصل کر لے گا اور یہ تمام بیشمار اور لاتعداد اسماء عارف کے اجزا کی مانند ہو جائیں گے
یہاں تک کہ وہ حضرت ذات تعالیٰ و تقدس تک پہنچ جائے گا اور اللہ تعالیٰ کی عادت جاری ہے کہ صدیوں کے بعد

ہزاروں میں کسی ایک کو بقائے ذات کے ساتھ مشرف کرتے ہیں اور اس مرتبۂ مقدسہ سے اس عارف کو ایک ذات جو کہ بیچوںی سے کچھ حصہ رکھتی ہے عطا فرماتے ہیں جو کہ عارف کی کنہ (حقیقت، ماہیت) ہوتی ہے اور اور یہ تمام اوصاف اُس ذات کے ساتھ قائم ہوتے ہیں بلکہ افرادِ عالم بھی اس ذات کے ساتھ قائم ہوتے ہیں کیونکہ افرادِ عالم اس کے بالمقابل ہیں، چونکہ اسماء وصفات کے مظاہر ہیں (اور) کوئی ذات ان میں کائن (کارفرما) نہیں ہے اس لئے وہ عارف خلیفۃ اللہ ہونے کے حکم سے قیومِ عالم ہوجاتا ہے اور وزیر کا حکم حاصل کرلیتا ہے۔ فَانْظُرْ اِلٰی اٰثَارِ رَحْمَتِ اللهِ كَيْفَ يُحْيِي الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا [پس تو اللہ تعالیٰ کی رحمت کی نشانیوں کی طرف دیکھ کہ وہ زمین کو اس کے مردہ ہوجانے کے بعد کس طرح زندہ کرتا ہے]۔ اس وقت وہ ذات حقیقتِ ثبوتیہ کی جگہ قائم ہوجاتی ہے اور مدبر و متصرف (تدبیر و تصرف کرنے والی) ہوجاتی ہے۔

یہاں سے اس عارف کی جامعیت کو سمجھنا چاہئے کہ تمام افرادِ عالم اس کے مقابلہ میں حقیر جزء کا حکم (بھی) نہیں رکھتے قطرہ کو دریا کے ساتھ کوئی نسبت نہیں ہے اور ان (افرادِ عالم) کو اس (عارف) کے ساتھ وہ (نسبت) بھی نہیں کیونکہ اوصاف کو ذات کے ساتھ لاشئ اور مستہلک ہونے کی نسبت ہے، ذکر کرنے کے وقت گویا وہ کئی ہزار زبانوں کے ساتھ ذکر کرتا ہے، ہر ایک اسم اپنی زبان کے ساتھ ذاکر ہے اور عارف ان سب کے کل کی جگہ ہے اور تحریمہ (نماز کی نیت) باندھنے کے وقت گویا کئی ہزار اشخاص تحریمہ باندھتے ہیں اس کے بعد یہ سب اشخاص قرائت کرتے ہیں اور رکوع و سجود میں جاتے ہیں اور اس عالمِ امکان کے حقایق میں سے اکثر بھی عارفِ مذکور کے ساتھ ان امور میں شریک ہوجاتے ہیں۔ دوسرے لوگ ایک زبان کے ساتھ ذاکر ہیں اور وہ بھی چونکہ نفسِ امارہ کی انانیت (مَیں پَن) سے پاک نہیں ہے (اس لئے) وہ ذکر بھی اُنہی (لوگوں) کی طرف لوٹنے والا ہے اور بارگاہِ قدس کے لائق نہیں ہے اور یہ عارف چونکہ انانیت سے رہائی حاصل کر چکا ہے (اس لئے) ہزاروں زبان کے ساتھ ذاکر ہے اور کسی میں بھی خود درمیان میں نہیں ہے۔ ظاہر بیں عوام ان دونوں کو ذاکر و عابد جانتے ہیں اور فرق کی حقیقت سے واقف نہیں ہیں بلکہ عارف کامل طور پر حضور ہوگیا ہے اور وہ غفلت میں بھی حاضر ہے کیونکہ علم حضوری میں کسی وقت بھی غفلت نہیں پائی جاتی اور غافل لوگ اس سے غافل ہیں، پس عارف مذکور غفلت میں بھی حضور کے ساتھ ہے اور دوسرے لوگ عین حضور میں بھی غافل اور دور ہیں بلمامر (گزشتہ بیان کی وجہ سے) اور نیز ان کے حضور کی انتہا حصول میں ہے اور حصول عین غفلت ہے اور عوام ان لوگوں کو حاضر و ذاکر جانتے ہیں اور اُس کو غافل ھداھم اللہ سبحانہ سواء الصراط [اللہ سبحانہ وتعالیٰ ان کو سیدھے راستہ کی ہدایت دے] ؎

پری نہفتہ رخ و دیو در کرشمہ و ناز — بسوخت عقل زحیرت کہ ایں چہ بوالعجبی ست

[پری نے چہرہ چھپالیا اور دیو کرشمہ و ناز میں مصروف ہے، حیرت سے عقل جل گئی کہ یہ کتنی عجیب بات ہے]۔

ایک نکتہ ہے گوشِ ہوش سے سُنیں کہ جب عارف اپنے آپ کو کلمۂ اَنَا (میں ہوں) کے اطلاق سے پاک اور بَری کر لیتا ہے اور نفسِ امارہ کی انانیت سے پوری طرح رہائی حاصل کر لیتا ہے تو هَلْ جَزَاءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ [کیا احسان کی جزا احسان کے سوا کچھ اور ہے] کے مطابق معشوق کا احسان آپہنچتا ہے اور اس گم شدہ کو اپنی انا میں جگہ دیتا ہے اور وہ عاشقِ صادق غیریت کی کشاکش سے چھوٹ کر ایک معشوق کی اَنَا کے خلوت خانہ میں آرام پاتا ہے، اس گروہ کی ایک جماعت ہے جو چاہتی ہے کہ معشوق کو اپنی اَنَا میں سمو لے اور اپنی اَنَا کے خرابے اور ویرانے میں مطلوب کو اُتارے اور اس کے ساتھ خوش ہو جائے، وہ نہیں جانتے کہ انھوں نے مطلوب کے ظلال میں سے ایک ظل کے ساتھ آرام حاصل کیا ہے اور اس بے پایاں ذات سے سوائے نمونہ کے کچھ حاصل نہیں کیا ہے ؎

تو از خوبی نمی گنجی بعالم مرا ہرگز کجا گنجی در آغوش

[جب تو خوبی کی وجہ سے عالم (دنیا) میں نہیں سما سکتا تو میری آغوش میں بھلا کہاں سما سکتا ہے]

ہم اصل بات بیان کرتے ہیں، جو ذات کہ عارف کو بخشی گئی ہے چونکہ وہ بیچونی سے کچھ حصہ رکھتی ہے اس کی جامعیت ظاہری نگاہ میں جو ان کے درک میں نہیں آتی، لیکن حقیقت میں تمام اسماء و صفات سے جو کہ عارف کے اجزا کی مانند ہو گئے ہیں زیادہ جامع ہے بلکہ اس جامعیت کو اس جامعیت کے ساتھ کچھ بھی نسبت نہیں ہے اور اس کے مقابلے میں ناشئے ہونے کا حکم رکھتی ہے سبحان اللہ وبحمدہ اس قسم کی وسیع ممکنت کو حقیر شخص کی صورت میں ظاہر کیا گیا ہے اور مُلک و ملکوت کے ان تمام خزانوں کو اس طرح کے بے قدر و قیمت ویرانہ میں ودیعت فرما دیا گیا ہے اور ان سب بے رنگ حسن و جمال اور بے کیف انوار و اسرار کو اس ظلمانی ڈھانچہ میں جو کہ ذلیل (گندے) پانی سے پیدا ہوا ہے پنہاں کر دیا گیا ہے۔ وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ [اور یہ بات اللہ تعالیٰ کے لئے کچھ مشکل نہیں ہے] اور اس پنہاں کرنے میں حکمت ابتلا و اختبار (آزمانا اور جانچنا) لِيَمِيْزَ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ [تاکہ ناپاک کو پاک سے الگ کرے] جس شخص کی نظر نے عارف کے باطن و حقیقت میں نفوذ کیا اس کی برکات سے وہ پُر اور سیراب ہو گیا اور جس کی نظر اس کی صورت پر ہی ٹھہری رہی اور اس نے اپنی بے حقیقت صورت کی طرح تصور کیا وہ اس کی برکات سے محروم رہا اور ابدی خسارہ کے ساتھ داغدار ہو گیا اُس نے یہ نہیں جانا کہ یہ عارف کامل طور پر مغز ہے کہ کوئی چھلکا درمیان میں حائل نہیں ہے اور اس کی چھلکا ہونے کی صفت پوری طرح مغز میں تبدیل ہو گئی ہے اور دوسرے سب لوگ بے مغز چھلکا ہیں لیکن اس تبدیل شدہ چھلکے کو چونکہ اس کے چھلکے والے جسم پر باقی چھوڑ دیا گیا ہے (اسلئے) ہر وقت بے مغز چھلکے کے ساتھ ظاہری مشارکت رکھتا ہے اور اس ظاہری

مشارکت کے ساتھ کہ جسمانی قید سے وابستہ ہے جو کہ جسم کے ٹوٹنے کے بعد باقی ہے محبوبوں کی آنکھوں میں خاک ڈال کر اپنے دوستوں کو بیخود کر کے اپنے ساتھ رکھتا ہے، اولیائی تحت قبائی لا یعرفھم غیری [میرے اولیاء میری قبا کے نیچے ہیں ان کو میرے سوا کوئی نہیں پہچانتا] قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ عَلٰى بَصِيْرَةٍ اَنَا وَ مَنِ اتَّبَعَنِيْ وَ سُبْحٰنَ اللّٰهِ وَمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝ [آپ کہہ دیجئے کہ یہ میرا راستہ ہے میں اللہ تعالیٰ کی طرف اس طرح پر دعوت دیتا ہوں کہ میں اور میرا اتباع کرنے والے اس پر ہیں اور اللہ پاک ہے اور میں مشرکین میں سے نہیں ہوں]۔ ۱۲ ۱۰۸

مکتوب ۲۰۷

اسد اللہ بیگ کے نام ممکن کے فقر اور واجب تعالیٰ عزوجل کے غنا کے بیان میں تحریر فرمایا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ اللہ تعالیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طفیل جو کہ کمالِ عبودیت کے ساتھ متحقق ہیں اور جنھوں نے ربوبیت کے اسرار کو ظاہر فرمایا ہے نیستی و بندگی کے حسن و جمال کو (آپ کے) باطن کے آئینے پر جلوہ گر کرے اور ہمسری و خداوندی کے دعوے سے نجات و رہائی دے، بندہ بندگی کے احکام میں جتنا زیادہ پختہ ہوگا اور ذاتی نیستی اور پیدائشی فقر کی دید اس پر جسقدر غالب ہوگی ہستی اور کمالاتِ وجوبی کا ظہور اس کے حق میں اسی قدر زیادہ ہوگا اذ بضدھا تتبین الاشیاء [کیونکہ چیزیں اپنی ضد سے پہچانی جاتی ہیں] حسن و جمال و غنا اور تمام کمالات کا بوجہ کمال ہونا ذات لم یزل ولا یزال (اللہ تعالیٰ) کا خاصہ ہے، عجز و نیستی و احتیاج و ذلت و فقر و نقص تجھ میں ہونا چاہئے تاکہ اُس کا ظہور اِس کے ساتھ ہو، اُس نے مخلوق کو ذلت و نیستی اور احتیاج کی صفت کے ساتھ پیدا کیا اور اپنے وجودی کمالات کا کچھ پرتو بھی اس میں پنہاں فرمایا، جس شخص نے اپنے آپ کو اس عارضی کمال اور نمود بے بود کے باوجود کامل و خیر خیال کیا وہ نفسِ امارہ کی قید میں پھنس گیا اور قرب کی سعادت سے محروم ہوگیا اور بُعد (دوری) و حرمان (بے نصیبی) کے داغ میں گرفتار ہوگیا پس اس کے لئے پوری طرح ہلاکت ہے اور جس شخص نے عارضی کمالات کو اس کے اہل کے سپرد کیا اور اپنے ذاتی فقر و نیستی کی دید کے ساتھ متحقق ہوا اُس نے قرب و وصال کی دولت کی طرف ہدایت پائی اور اس نے نیستی کے جال کے ساتھ ہستی کو شکار کیا اور ذلت کی راہ سے عزت کے مقام پر پہنچ گیا پس اس کے لئے شادمانی و خوشخبری ہے اور اس کی پیدائش سے جو کچھ مقصود تھا وہ اس نے پورا کر دیا اور نعمت اس کے حق میں پوری ہوگئی۔ اَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ وَجَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا يَّمْشِيْ بِهٖ فِي النَّاسِ الآیہ [کیا ایسا شخص جو مردہ تھا پھر ہم نے اس کو زندہ کیا اور اس کیلئے ۸ ۱۲۲

نور پیدا کیا کہ وہ اس نور کے ساتھ لوگوں میں چلتا ہے اُس شخص کی مانند ہو سکتا ہے جس کا عالم یہ ہے کہ ظلمات میں مبتلا ہے جس سے وہ ہرگز نکلنے والا نہیں] یہ آیتِ کریمہ اُس شخص کے حال کو بیان کرتی ہے اور حدیث من قتلتہ فانا دیتہ [جس شخص کو میں قتل کروں تو اس کی دیت (خونبہا) میں ہی ہوں] اس کی شان کو ظاہر کرتی ہے اور یہ کمال سید کونین علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کے اتباعِ کامل پر موقوف ہے۔ اللھم ارزقنا کمال متابعتہ و الثبات علیٰ محبتہ ویرحم اللہ عبدا قال آمینا [اے اللہ! ہمیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کامل پیروی اور آپ کی محبت پر ثابت قدمی مرحمت فرما اور اللہ تعالیٰ اس شخص پر رحم فرمائے جس نے آمین کہی]۔

ص ۳۸۳

مکتوب ۲۰۵

میرزا امان اللہ برہانپوری کے نام حق سبحانہ وتعالیٰ کی ورائیت اور ولایاتِ ثلثہ صغریٰ وکبریٰ علیا کے بعض کمالات وکمالاتِ نبوت اور جو کمال کہ اس سے اوپر ہے ان سب کے مجمل ومختصر بیان میں تحریر فرمایا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم حامداً للہ اولاً وآخراً ومصلیا علیٰ رسولہ محمد وآلہ دائماً وسرمداً اما بعد، صحیفۂ شریفہ نے مشرف کیا آپ نے روشن احوال اور بلند واقعات کے بارے میں جو کچھ لکھا تھا اس نے باطنی ذائقے اور عقلی (ذہنی) لذتیں بخشیں اللہ تعالیٰ مزید در مزید عطا فرمائے اور نورٌ علیٰ نور کرامت فرمائے اور دوستوں کے جو حالات وواقعات آپ نے لکھے تھے ان کے مطالعہ سے بھی حظوظ حاصل ہوئے: اللھم اکثر اخواننا فی الدین وثبتنا وایاھم علیٰ متابعۃ سید المرسلین علیہ وعلیھم الصلوات والبرکات الیٰ یوم الدین [اے اللہ! ہمارے دینی بھائیوں کو زیادہ کر دے اور ان کو اور ہم کو سید المرسلین جن پر تا قیامِ قیامت اللہ تعالیٰ کی رحمتیں اور برکتیں نازل ہوں کی متابعت پر ثابت قدم رکھ] امید ہے کہ اسی طریق پر دور افتادہ دوستوں کو یاد کرتے رہیں گے اور تازہ کیفیات و واردات (کی اطلاع) ارسال کر کے خوشوقت کرتے رہیں گے، ہمت کو بلند رکھیں اور وقائع کو بشارات جانیں جو کچھ بیداری میں حاصل ہو وہ اس شخص کی ملکیت ہے۔ ع

از ہر چہ می رود سخنِ دوست خوشتر است [دوست کی جو بات بیان کی جائے پسندیدہ ہے]

میرے مخدوم! اس فانی دنیا میں ہم سے اور آپ سے جو کچھ طلب کیا گیا ہے وہ حق جل وعلا کی معرفت ہے چونکہ مطلوبِ حقیقی آفاق وانفس سے ماوراء ہے (اس لئے) اس کا طالب جب تک آفاق وانفس سے نہ گذر جائے معرفت کی کی طرف راہ نہیں پاتا اور آفاق وانفس سے گذرنا ایک وجدانی امر ہے جب تک آدمی اس سے نہ گذرے اس کی حقیقت کو جیسی کہ وہ ہے نہیں سمجھ سکتا من لم یذق لم یدر [جس نے نہیں چکھا اس نے ہرگز نہیں جانا]، یہ نسبتِ عالیہ

"نسبتِ جذبہ و سلوک" و "معاملۂ دخول و خروج" و "اتصال و انفصال" و "قرب و بُعد" و "غیبت و حضور" و "توحید و اتحاد" و "لفظ و معنی" اور "وہم و خیال" سے ماوراء ہے پس وہ سبحانہ و تعالیٰ وراء الوراء ثم وراء الوراء ہے اور یہ ورائیت (ماوراء ہونا) قرب کی جانب میں ہے نہ کہ بُعد کی جانب میں، ہر اس چیز سے جو کہ تصور کی جاسکتی ہے حتیٰ کہ اس شخص کی ذات سے (بھی) نزدیک تر ہے مشکل ہے کہ محدود عقل اس کا پتہ لگاسکے اور وہم و خیال اس کو محال جانتا ہے اور اپنے آپ سے نزدیک تر تصور نہیں کرسکتا، ورائیت کا بُعد کی جانب ہونا وہم کی جولانگاہ ہے، فالحق تعالیٰ اقرب فی الوجود و ابعد من الوجدان [پس حق تعالیٰ وجود میں اقرب اور وجدان سے ابعد ہے] یہ کمال ولایتِ کبریٰ کے کمالات میں سے ہے جو کہ انبیاء علیہم الصلوات والبرکات کی ولایت ہے اور ولایتِ صغریٰ جو کہ اولیا کی ولایت ہے قرب کے مراتب میں منحصر ہے کیونکہ قرب کی غایت (انتہا) متحد ہونا اور دوئی کا رفع ہونا ہے اقربیت کا معاملہ اس سے زیادہ نازک ہے اور اتحاد سے گذرجانا چاہئے تاکہ اقربیت رونما ہو، ع

لذتِ مے نشناسی بخدا تا نہ چشی [خدا کی قسم، جبتک تو شراب کو نہیں چکھے گا اسکی لذت کبھی نہیں پہچان سکے گا]

عالمِ امر کے کمالات اس جگہ ختم ہوجاتے ہیں اور اطمینانِ نفس کی حقیقت اس مقام میں حاصل ہوجاتی ہے اور ولایتِ کبریٰ سے گذرنے کے بعد ولایتِ علیا ہے جو کہ ملاءِ اعلیٰ علیٰ نبینا و علیہم الصلوات والبرکات کی ولایت ہے اور اس ولایت کے کمالات سے کامل حصہ عنصرِ خاک کے سوا باقی تین عناصر کے لئے ہے کیونکہ اس عنصرِ پاک (خاک) کا حصہ کمالاتِ مرتبۂ نبوت سے ہے، ان تینوں ولایتوں (ولایتِ اولیاء و انبیاء وملائکہ علیہم السلام) سے گذرنے کے بعد کمالاتِ انبیا علیہم الصلوات والبرکات میں سیر شروع ہوتی ہے جو کہ اصالت کے طور پر انبیاء علیہم البرکات والصلوات کا حصہ ہے اور تبعیت کے طور پر ان کے وارثین کو (بھی) اس سے حصہ ملتا ہے، اس مقام میں عارف صورتِ شریعت سے حقیقتِ شریعت کی طرف ترقی کرتا ہے اور صورتِ اعمال سے حقیقتِ اعمال تک پہنچتا ہے پہلے ترقیات اعمال کی صورت کے ساتھ وابستہ اور ان کا نتیجہ تھیں اور اس مقام میں عروج (ترقی) اعمال کی حقیقت کے ساتھ وابستہ ہے اور (عارف) حقیقت کے ثمرات و نتائج حاصل کرتا ہے یہاں سے کمالاتِ ولایت اگرچہ وہ ولایت انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات ہی کی ہو اور کمالاتِ نبوت میں فرق معلوم کرلیجئے کہ صورت کا حقیقت کے مقابلہ میں کیا قدر و اعتبار ہے پس ہر ایک کے نتائج بھی اسی انداز پر ہوں گے اور اس حالت کے گذرجانے کے بعد ایک ایسا معاملہ پیش آتا ہے کہ جوارح (اعضا) و قلوب کے اعمال اس مقام میں اثر نہیں رکھتے اور صورت و حقیقت (دونوں) راستہ میں رہ جاتی ہیں، ترقی اور کمالات کا افاضہ (حاصل ہونا) اس مقام میں محض فضل و احسان کے ساتھ

وابستہ ہے، یہ نہ کہا جائے کہ اس وقت میں عارف کا شریعت سے استغنا لازم آتا ہے اور (حالانکہ) کوئی شخص کسی وقت میں بھی شریعت سے مستغنی (بے نیاز) نہیں ہے کیونکہ ہم کہتے ہیں کہ جو کچھ ممنوع ہے وہ تکالیفِ شریعت کا ساقط ہونا ہے اور یہ غیر واقع ہے کیونکہ کامل عارفین (بھی) عوام کی طرح ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے پابند ہیں اور اوامر کے بجالانے اور منہیات سے بچنے کے سوا کوئی چارہ نہیں رکھتے، اس کے باوجود ہم کہتے ہیں کہ شریعت معاملہ کی اصل و بنیاد ہے اور اصل و بنیاد کی ہر وقت ضرورت ہوتی ہے درخت خواہ کتنا ہی بلند ہو جائے اور عمارت خواہ کتنی ہی اونچی چلی جائے جڑ اور بنیاد سے چارہ نہیں رکھتی، یہ معاملہ بالاصالت انبیاء و اولوالعزم علیہم الصلوات والتسلیمات کے ساتھ مخصوص ہے اور ان اکابر کی تبعیت (پیروی) کے طفیل میں دیکھئے کس کو اس دولت سے نوازتے ہیں اور جب معاملہ تفضل (فضل و کرم کرنا) سے اوپر چلا جاتا ہے تو کمالات کا افاضہ اس مقام میں محبتِ ذاتیہ کی راہ سے ہوتا ہے اور محبت میں دو کمال ہیں محبیتِ ذاتیہ جو کہ بالاصالت حضرتِ کلیم (موسیٰ) علیہ الصلوٰۃ والسلام کا حصہ ہے اور محبوبیتِ ذاتیہ جو کہ بالاصالت حضرت خاتم الرسل و شفیع الامم علیہ وعلیٰ جمیع الانبیاء واتباعہم الصلوات والتسلیمات والبرکات کا حصہ ہے، معلوم نہیں کون صاحبِ نصیب ہے کہ ان کے طفیل اُن کے اس کمال سے بہرہ یاب ہو اور اُن کے خاص پس خوردہ (جھوٹے) سے کوئی گھونٹ نوش کرے۔

۳۸۵

در قافلہ کہ اوست دانم نرسم　　این بسکہ رسد ز دور بانگ جرسم

[میں جانتا ہوں کہ جس قافلہ میں وہ ہے میں وہاں نہیں پہنچ سکتا، یہی کافی ہے کہ دور سے جرس (گھنٹی) کی آواز مجھ تک پہنچ رہی ہے]

مختصر یہ ہے کہ یہ تمام قرب و معرفت کے درجات ہیں جس درجہ سے بھی حصہ عنایت فرمائیں بہت بڑی نعمت ہے اور ہمیشہ آنسو بہاتے ہوئے (گریہ وزاری کرتے ہوئے) کریموں کے دسترخوان پر آنکھیں لگا دینی چاہئیں اور صاحبانِ اولش (اہلِ پس خوردہ) سے ہمیشہ امیدوار رہنا چاہئے۔ ع

باکریماں کارہا دشوار نیست　　[کریموں کے لئے کوئی کام مشکل نہیں ہے]

چشم دارم کہ دہد اشک مرا حسنِ قبول　　آنکہ در ساختہ است قطرۂ بارانی را

[میں امید رکھتا ہوں کہ وہ (اللہ) جس نے بارش کے قطرے کو موتی بنا دیا ہے میرے آنسوؤں کو حسنِ قبول عطا فرمائیگا]

والسلام علیکم وعلیٰ من اتبع الھدیٰ والتزم متابعۃ المصطفیٰ علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات والتحیات والبرکات العلیٰ۔
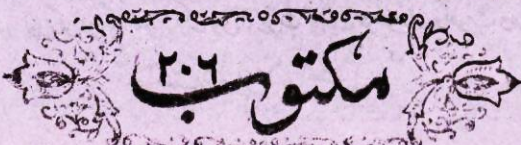
حقایق آگاہ خواجہ محمد ہاشم کشمی کے نام اپنے اور اُن قدس سرہٗ کے بعض کمالات کے متعلق اشارات کے بارے میں صادر ہوا۔

حمد و صلوٰۃ اور تبلیغ دعوات کے بعد حقایق دستگاہ و معارف آگاہ کے خدام سے عرض کرتا ہے کہ اس حدود کے فقراء کے احوال حمد و شکر کے لائق ہیں: المسئول من اللّٰہ سبحانہ سلامتکم واستقامتکم علی جادۃ شیوخکم ظاھرا و باطنا فانہ ملاک الامر و مدار الفیوض وبدونہ خرط القتاد [اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے آپ کی سلامتی اور آپ کے مشائخ کے راستہ پر ظاہری اور باطنی طور پر استقامت کی دعا کی گئی ہے پس بیشک یہ کام کی اصل اور فیوض کا مدار ہے اور اس کے بغیر سب بیکار رنج اٹھانا ہے]۔

۳۸۶

آج اصحاب یسار (بائیں ہاتھ والے) چشم براہ ہیں کہ اصحاب یمین (داہنے ہاتھ والوں) کے اسرار سے آگاہی پائیں اور ان خزانوں سے کوئی موتی حاصل کریں، امید ہے کہ از راہ کرم دریغ نہیں فرمائیں گے اور کل پر نہیں چھوڑیں گے اور تلخ دہنوں کو اپنے کریمانہ دستر خوان کی شیرینی سے نوازیں گے ؎

در سرم سودائے شیریں دلبرے ست تلخ کاماں را بشیرینی سرے ست

[میرے سر میں ایک شیریں دلبر کا سودا ہے، تلخ کاموں کو شیرینی کا ایک جنون ہے]

امید ہے کہ جب اہل یسار کی باری آئے گی اور اس عالم کا معاملہ ظاہر ہوگا سب اس بات کی تمنا کریں گے کہ ان کے راستہ کی گرد کو اپنی چشم بصیرت کا سرمہ بنائیں اور ان کے حسن کے دستر خوان کے نمک کا ایک ذرہ طلب کریں ؎

آں دارد آں نگار کہ آنست ہر چہ ہست آنرا طلب کنید حریفاں کہ آں کجاست

[وہ نگار (معشوق) وہ کیفیت رکھتا ہے کہ جو کچھ بھی ہے بس وہی ہے، اے ہم مشربو! اس کو طلب کرو کہ وہ کہاں ہے]

مختصر یہ ہے کہ الحسنۃ بعشرۃ امثالھا بل تسعمائۃ [ایک نیکی کا دس گنا بلکہ نو سو گنا اجر ملتا ہے] مسلمہ فیصلہ ہے اس کے بموجب جو کچھ ہو سکے ایثار کریں اور بخل نہ کریں۔ وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ [وہ اُن کو اپنے آپ پر ترجیح دیتے ہیں اگرچہ ان پر فاقہ ہی ہو] ورنہ اصحاب یسار حَسْبِیَ اللّٰہُ [اللہ تعالیٰ میرے لئے کافی ہے] کہتے ہوئے صباحت کی نعیم (نعمت و راحت) اور خُلّت (خلیل ہونے) کے سرچشمہ سے ملاحت کی نسیم اور محبت کے گھونٹ پر کفایت کر لیں گے ؎

۵۹/۹

ھنیئا لارباب النعیم نعیمھا وللعاشق المسکین ما یتجرع

[نعمت والوں کو ان کی نعمتیں مبارک ہوں اور غریب عاشق کیلئے جو گھونٹ وہ گھونٹ وہ پیتا ہے وہی کافی ہے]

والسلام اولاً و اٰخراً

مکتوب ۲۰۷

شیخ عبداللطیف لشکر خانی کے نام وعظ و تذکیر اور نصائح کے بیان میں تحریر فرمایا۔

حمد و صلوٰۃ کے بعد یہ محب اپنے لئے اور تمام دوستوں کے لئے اکمل المکونات (محمد مصطفیٰ) علیہ افضل الصلوات واشمل التحیات والتسلیمات واتم البرکات، کے اتباعِ سنن کے طفیل آفات سے نجات اور تعلقات سے تخلیہ (خالی ہونا) اور قیودات سے قطع تعلق اور سفلیات (پستیوں) سے بلندیوں کی طرف اور بلند درجات سے بارگاہِ صفات کی طرف اور ان سے ذات کی بلند بارگاہ کی طرف تخلص (منتقل ہونا) کی دعا کرتا ہے۔ بھائیوں (دوستوں) سے امید ہے کہ وہ ہوا و شیطان کے اتباع کے باعث لقائے رحمٰن کو فراموش نہ کریں گے اور صحت و امن کے زمانہ کو اللہ المنان کے ذکر کی کثرت کے ساتھ غنیمت جانیں گے اور کچھ وقت قرآن مجید کی تلاوت کے لئے مقرر کریں گے اور ان (برادران) کو جان لینا چاہئے کہ نفس بکثرت برائیوں کا حکم کرنے والا ہے اور دنیا ایک بہت بڑی جادوگر محبوبہ ہے اور اس کی لذتیں پسندیدہ ہیں اور آخرت فراموش کی ہوئی چیز ہے اور اس کی نعمتیں پوشیدہ ہیں اور شیطان نقد (حاضر فائدہ) کو رواج دیتا ہے اور مفلسی و محتاجی سے ڈراتا ہے، تو کیا عاقل کو خبر نہیں کہ بیشک دنیا عاجلہ (جلدی ملنے والی) ہے اور اس کا متاع فانی ہے جو واپس نہیں آتا اور آخرت کا فائدہ باقی ہے فوت ہونے والا نہیں ہے کُلُّ امْرِئٍ یَّوْمَئِذٍ بِمَا کَسَبَ رَهِیْنٌ [آج کے دن ہر شخص اپنے اعمال کے ساتھ گروی (پھنسا ہوا) ہے] اپنے جوڑے (دوست) کے ساتھ ہمنشین ہے (وہ ساتھی) یا تو شیطانِ لعین ہے یا حورِ عین ہے تیرے اعمال پر فریاد ہے پھر اس چیز پر فریاد ہے جس کو تو نے ترجیح دی ہے تو نے تین چیزوں کو تین چیزوں پر ترجیح دے رکھی ہے تو نے تعبِ[۱] نفس و شغلِ قلب[۲] اور ثقلِ حساب[۳] کو راحتِ[۱] نفس و فراغِ قلب[۲] اور خفتِ حساب[۳] پر ترجیح دی ہے، تو فانی جسم کی تعمیر میں مشغول ہے اور ظالم نفس کا پیٹ بھر رہا ہے، بارگاہِ سبحانی کی جانب روحانی توجہات کرنے کو فراموش کر دیا ہے، تو نے اپنے قلب کو فانی چیزوں کی یاد اور ان کی لذتوں سے پُر کر دیا ہے اور ابھی تک تجھ کو تیری آرزوئیں حاصل نہیں ہوئی ہیں، عقلمند سے یہ بات تعجب خیز ہے کہ وہ امورِ عاجلہ (دنیاوی کاموں) میں تو تدبیر کا اہتمام کرے اور آخرت کے امور کو تقدیر کے سپرد کر دے، کیا اس کو اس بات کا یقین نہیں کہ امورِ دنیا کی تدبیر ہی تدبیر کو ساقط کر دینے اور امور آخرت میں کوشش کرنے اور کوتاہی کو ترک کرنے میں ہے، کیا اس نے یہ نہیں سنا کہ دنیا کی ہر حاجت کو ترک کرنا ہی

۳۸۷

اس کا پورا ہونا ہے (اور آخرت کی حاجتوں کا پورا ہونا ان کو حاصل کرنا ہے) پس اس شخص کے لئے ہلاکت ہے جو دار الغرور (دنیا) کے ساتھ مطمئن ہے اور اس پر خوشی کے ساتھ فریفتہ ہے قبور کی وحشت اور یوم نشور (قیامت) کی شدت کو بھول گیا ہے اور باطل میں ڈوبا ہوا ہے اور کتاب مسطور فی رق منشور سے (اس کتاب سے جو کشادہ اوراق میں لکھی ہوئی ہے) اعراض کر رہا ہے لہو ولعب کی طرف چل رہا ہے اور بیت المعمور کی طرف نہیں چلتا، اَفَلَا یَعۡلَمُ اِذَا بُعۡثِرَ مَا فِی الۡقُبُوۡرِ وَحُصِّلَ مَا فِی الصُّدُوۡرِ اِنَّ رَبَّھُمۡ بِھِمۡ یَوۡمَئِذٍ لَّخَبِیۡرٌ [کیا اسوقت کو انسان نہیں جانتا جبکہ قبروں سے مُردوں کو اُٹھایا جائے گا اور ان بھیدوں کو جو سینوں میں چھپے ہوئے ہیں ظاہر کیا جائے گا، بیشک ان کا رب اس دن اُن کے احوال سے باخبر ہے] والسلام علی من اتبع الھدیٰ۔

(عادیات ۹ تا ۱۱)

محمد یوسف خادم کے نام حضرت مجدد الف ثانی (قدس سرہ) کے مکاشفہ کے بارے میں تحریر فرمایا۔

بسم اللہ حامداً ومصلیاً، ہمارے حضرت عالی (مجدد الف ثانی) رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب بعض ظاہری تفرقوں (عدم حضور) سے جو کہ باہم زندگی بسر کرنے اور مل جل کر رہنے کے لئے لازم ہے تنگ آگئے تو خلوت وگوشہ نشینی کا قصد کیا، فرماتے تھے کہ میں نیت کی تصحیح اور جگہ کے تعین کے لئے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں التجا اور تضرع کر رہا تھا، اس اثنا میں اس طرح ظاہر کیا گیا کہ اچھا اور پسندیدہ وزیادہ مناسب ولایق وہی طریقہ ہے کہ جس پر تو ہے نہ کہ گوشہ نشینی وخلوت گزینی۔ اس دوران میں سرہند پر نظر پڑی، میں نے دیکھا کہ گویا یہ مقام ایک گہرا کنواں ہے اس کنوئیں سے کوئی چیز باہر نہیں آتی پس سمجھ لیجئے، والسلام علی سید الانام وآلہ وصحبہ العظام۔

(۳۸۸)

میرزا اسماعیل خان بیگ کے نام نصیحت اور طریقہ علیہ نقشبندیہ قدس اسرار اربابہا کی تعریف میں تحریر فرمایا۔

میرے مخدوم! دنیا دار عمل اور کاشتکاری کی جگہ ہے، عیش وفراغت دار آخرت کے لئے تیار کی گئی ہے مقبول بندہ وہ ہے جو کہ اس چند روزہ زندگی کو طاعات کے وظائف سے آباد رکھے اور غفلت کے ساتھ نہ گذارے اور عیش وآرام میں مشغول نہ ہو کیونکہ اس کا نتیجہ آخرت میں بے فائدہ حسرت وندامت کے سوا نہیں ہوگا، قلبی ذکر کی اسقدر پابندی کرنی چاہیئے کہ وہ دائمی ہوجائے اور دل کی صفت لازمہ بن جائے

جیسا کہ سُننا کان کی صفت اور دیکھنا آنکھ کی صفت ہے اور یہ بات طریقۂ عالیہ نقشبندیہ میں آسان عمل کے ساتھ میسر ہے کیونکہ ان بزرگواروں نے سیر کی ابتداء عالمِ امر سے کی ہے اور اس کی نہایت کو بدایت (ابتداء) میں درج فرمایا ہے پس طالبِ صادق کو اس طریقۂ عالیہ کا اختیار کرنا اولیٰ و انسب ہے اور نیز اس طریقہ کے اکابر نے سنت کے اتباع اور بدعت سے اجتناب کو اختیار کیا ہے جو کہ برکات کا ثمرہ عطا کرنے والا اور محبتِ ذاتیہ کا نتیجہ دینے والا ہے جو کہ اہلِ سلوک کا بلند ترین مقام ہے آیتِ کریمہ قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ ط [آپ کہہ دیجئے کہ اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا] اسی معنی کی شاہد ہے، والسلام اولاً و آخراً ۔ ۳/۳۱

میرک عباد اللہ ولد قاضی محمد زاہد کابلی کے نام علم کے دو قسم میں منقسم ہونے اور جو علم واجب سے تعلق رکھتا ہے اور جو علم ممکن سے تعلق رکھتا ہے ان دونوں میں تمیز کے بارے میں تحریر فرمایا۔

الحمد للّٰہ رب العالمین والسلام علیٰ سید المرسلین وآلہ اجمعین ۔ علم جو کہ انکشاف سے تعبیر کیا جاتا ہے دو قسم پر ہے، ایک قسم یہ ہے کہ انکشاف کے ساتھ احاطہ بھی ہو اور دوسری قسم یہ ہے کہ محض انکشاف ہو اور احاطہ نہ ہو، جو علم ممکن کے ساتھ تعلق رکھتا ہے وہ قسم اول میں داخل ہے اور جو علم واجب سے متعلق ہے وہ دوسری قسم کا ہے اور اس (دوسرے) علم کو "ادراکِ بسیط" کہتے ہیں اور عدم احاطہ کی علامت (وشناخت) یہ ہے کہ کیفیت ادراک میں نہ آئے اور رویتِ اخروی (آخرت میں دیدارِ الٰہی ہونا) علم کی قسمِ ثانی کے مماثل (مانند) ہے کہ وہاں کیفیت معلوم ہوئے بغیر محض انکشاف ہے اور (کیفیت) معلوم بھی کیسے ہو کہ اُس تعالیٰ شانہٗ وعزّ برہانہٗ کی بارگاہ میں کوئی کیفیت نہیں ہے (یعنی کیفیت سے منزہ و پاک ہے) والسلام ۔ ۳۸۹

میر محمد خافی کے نام نصیحت کے بیان میں تحریر فرمایا۔

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم حامداً و مصلیاً ، برادرِ عزیز! وقت بہت ہی عزیز ہے، نہایت عزیز اور اشرف چیز میں صرف ہونا چاہئے اور وہ (چیز) مولائے حقیقی جل شانہٗ کی عبادت اور اس کے پسندیدہ

کاموں کو بجا لانا اور شرعی محرمات و ممنوعات سے اجتناب کرنا ہے، مالکِ حقیقی کی طاعت و فرمانبرداری کی لذت کو محرمات کی لذت سے زیادہ جاننا چاہیئے، کونسی نعمت اس سے زیادہ خوشگوار ہے کہ نعمتوں کا مالک جلّ وعلا اس شخص سے اور اس کے عمل سے راضی ہو جائے اور اس سبحانہ وتعالیٰ کی ناراضگی سے زیادہ اور کونسا رنج و غم ہے، وصال کی لذت جناتِ نعیم کی لذتوں سے زیادہ ہے اور جدائی کا غم دوزخ کے عذاب سے بدتر ہے، فطوبی للموفقین وویل للمسوفین [پس توفیق یافتہ لوگوں کیلئے عیش ہے اور ٹال مٹول کرنے والوں کے لئے افسوس ہے] والسلام اولاً و آخراً۔

مکتوب ۲۱۲

ملا گل محمد مفتی پشاوری کے نام عزائم امور (اہم کاموں) پر رہنمائی کرنے کے بیان میں تحریر فرمایا۔

میرے مخدوم! آپ نے عظیم کام سامنے رکھا ہے اور بڑی خدمت کو اختیار کیا ہے اس کی ذمہ داری سے عہدہ برآ ہونا خصوصاً زمانہ کے اس حصہ میں بہت ہی مشکل ہے، کمال درجہ کا علم و دانش اور بہت زیادہ تقویٰ و دینداری اور حکام و اہلِ اقتدار کی موافقت اس بزرگ کام میں درکار ہے، اہلِ زمانہ کے دل میں اسقدر سُستی جاگزیں ہوگئی ہے کہ امر و نہی کو اُن کے سامنے بیان کرنا بہت دشوار ہے ڈرتے اور کانپتے رہنا چاہیئے ظهر المفتی جسر جهنم [مفتی کی پیٹھ جہنم کا پل ہے] آپ نے سُنا ہوگا۔ حدیث اجرأكم على الفتوى اجرأكم على النار [تم میں سے فتویٰ پر زیادہ جرأت کرنے والا دوزخ پر زیادہ جرأت کرنے والا ہے] آپ کے کانوں تک پہنچی ہوگی۔ عقلمندوں سے تعجب ہے کہ اس قسم کے نازک کام میں داخل ہوتے ہیں بظاہر ان کی نیت نیک ہوگی اگرچہ ہم نہیں جانتے، اپنے اہل و عیال کی خوراک کے لئے کوئی عقلمند جائز نہیں سمجھتا کہ اس طرح کی عظیم ہلاکت میں اپنے آپ کو ڈالے، کوئی اور بات ہوگی، اللہ تعالیٰ استقامت عطا فرمائے۔ رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ [اے ہمارے پروردگار! جبکہ تو نے ہمیں ہدایت دی ہے تو اب ہمارے دلوں کو کج نہ کر اور ہمیں اپنے پاس سے رحمت عطا فرما بیشک تو بہت عطا کرنے والا ہے]۔

پ ۳ ع ۸

مکتوب ۲۱۳

منہ ۳۹

حاجی محمد عارف کے نام درجاتِ ولایت و لطائف عالمِ امر اور ان کے مناسب امور اور لطائفِ عالمِ خلق کے بیان میں تحریر فرمایا۔

الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ، برادر گرامی حاجی عارف کے مکتوبِ مرغوب نے پہنچکر خوشوقت کیا، حق سبحانہ وتعالیٰ ہمیشہ ترقیات کے دروازے کُھلے رکھے اور اپنی مرضیات کے کسب کے ساتھ سربلند کرے، آپ نے فنائے لطائف حاصل ہونے کے بارے میں لکھا تھا حمد اللہ سبحانہ علیٰ ذٰلک [اس پر اللہ تعالیٰ کی حمد ہے]۔

آپ جان لیں کہ ولایت کے پانچ درجے ہیں جو کہ عالمِ امر کے پانچ لطائف کے طے کرنے اور ان لطائف میں سے ہر ایک کے مناسب کمالات تک وصول اور ہر ایک کی فنا و بقا کے حصول سے وابستہ ہیں، اگرچہ نفسِ ولایت ان لطائف میں سے بعض کی فنا کے ساتھ وابستہ ہے لیکن اس کا کمال لطیفۂ اخفیٰ کی فنا پر موقوف ہے، نیز ہو سکتا ہے کہ لطیفۂ قلب و روح کی فنا حاصل ہو جائے اور ولایت حاصل ہو جائے اور لطیفۂ سِرّ فنا کی دولت سے بے بہرہ ہو، اور فنائے سِرّ حاصل ہو جائے اور فنائے خفی و اخفیٰ حاصل نہ ہو، جب کل کو (قیامت میں) حقایقِ اشیاء ظہور کریں گے تو وہ لطیفہ جو اس عالم (دنیا) میں فنا و بقا کو نہیں پہنچا ہے اُن ثمرات و نتائج سے جو کہ فنا و بقا پر مترتب ہوتے ہیں بے بہرہ رہے گا اور اس کچے دانے کی طرح رہ جائیگا جو کہ پختہ دیگ میں رہ گیا ہو، مَنْ كَانَ فِي هٰذِهٖٓ اَعْمٰى فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى وَاَضَلُّ سَبِيْلًا [جو شخص اس دنیا میں اندھا رہا وہ آخرت میں بھی اندھا اور راستہ سے بھٹکا ہوا ہو گا]

آپ نے لکھا تھا کہ "لطیفہ کے رب (مربی، تربیت کرنے والا) کی سیر بھی واضح ہو گئی، قلب سے کہ جس کا رب (مربی) تکوین ہے ظلالِ تکوین کا دائرہ طے کرا کے ذات سے واقف کرایا گیا، قدرت و ارادت میں (بلکہ) ذاتِ بحت تک اسی طرح ہوا اور جب سیر علم میں واقع ہوئی تو میں نے دائرۂ علم کے عجائب کو پایا کہ تمام اشیاء کو احاطہ کئے ہوئے ہیں الخ۔" میرے مخدوم! آپ نے لطائفِ خمسہ کے اصول میں سے قلب و روح کی اصل میں جو کہ افعال و صفاتِ زائدہ ہیں سیر کی بابت لکھا ہے اور لطیفۂ سر کی اصل کا بھی جو کہ شیونِ ذاتیہ ہے آپ کی عبارت میں احتمال ہے لیکن چوتھے اور پانچویں لطیفہ جو کہ خفی و اخفیٰ ہے کے اصول میں سیر کی بات آپ نے کچھ نہیں لکھا ہے، ولایتِ عیسوی لطیفۂ خفی سے تعلق رکھتی ہے اور ولایتِ محمدی علیٰ صاحبہا و سائر النبیین الصلوات والتسلیمات اخفیٰ سے متعلق ہے۔ جان لیں کہ عالمِ امر کے پانچوں لطیفوں میں سے ہر ایک لطیفہ کو عالمِ خلق کے کسی نہ کسی ایک لطیفہ کے ساتھ مناسبت ہے، لطیفۂ اخفیٰ کو خاک کے ساتھ اور خفی کو آگ کے ساتھ اور سِرّ کو ہوا کے ساتھ اور روح کو پانی کے ساتھ اور قلب کو نفس کے ساتھ مناسبت ہے جب وہ معاملہ جو کہ لطائف عالمِ امر کے ساتھ وابستہ ہے انجام کو پہنچ جاتا ہے اور سیر ان کے اصول اور اصولِ اصول میں پہنچ جاتی ہے تو عالمِ خلق کے کمالات اور ان کے اصول میں سیر پیش آتی ہے، لطائفِ عالمِ امر کو

کمالاتِ ولایت کے ساتھ مناسبت ہے اور لطائفِ عالمِ خلق کو کمالاتِ نبوت کے ساتھ زیادہ مناسبت ہے۔
آپ نے لکھا تھا کہ "تحقیق کے ساتھ جو کچھ اس فقیر کے کشف میں آیا ہے کہ (اس) فقیر کا مبدأ علم ہے اور میں نے اپنے آپ کو علم میں پایا اور میں نے اسمِ علم کو اپنے سر کے اوپر لکھا ہوا دیکھا"۔ میرے مخدوم! فقیر نے بھی ایک دفعہ اسی طرح پایا تھا اور لکھا ہوا دیکھا تھا اللہ تعالیٰ اس شانِ عظیم الشان (شان العلم) سے کامل حصہ عنایت فرمائے۔ آپ نے فقیر زادوں کے بارے میں جو بشارت پائی اور لکھی ہے واضح ہوئی، اُس (اللہ) سبحانہ کے کرم سے بعید نہیں ہے۔ انہ قریب مجیب [بیشک وہ قریب ہے اور قبول کرنے والا ہے]۔

مکتوب ۲۱۴

مولانا محمد صدیق و مولانا حسن علی کے نام نصیحت کے بیان میں تحریر فرمایا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ برادرانِ کرام! مولانا محمد صدیق و ملا حسن علی کمال و اکمال (کامل ہونے اور کامل بنانے) کے درجات پر ترقی حاصل کریں اور کمال نیستی کے ساتھ موصوف ہوں اور آخرت کے اعمال میں جان سے کوشش کریں، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ جَاءَتِ الرَّاجِفَةُ تَتْبَعُهَا الرَّادِفَةُ [قیامت کیلئے ہلچل مچا دینے والی حضرت اسرافیلؑ کی پہلی پھونک آگئی جس کے پیچھے دوسری پھونک ہے] ای جاءت الموت بحذافیرہ [یعنی موت پوری طرح آگئی] حتی الامکان مخلوق سے یکسو رہیں اور نامرادی (عدم خواہشات) کے خزانے کو غنیمت جانیں، بُرے لوگوں کی صحبت اختیار نہ کریں اور نیک لوگوں کی صحبت کے ساتھ اللہ سبحانہ و تعالیٰ سے قطع تعلق نہ کریں۔

بکنجِ غارے خلوت گزینم از ہمہ خلق
گر آں لطیفِ جہاں یارِ غارِ ما باشد

[اگر وہ لطیفِ جہاں ہمارا یارِ غار ہو جائے تو میں ایک غار کے کونے میں تمام مخلوق سے تنہائی اختیار کر لوں] والسلام اولاً و آخراً۔

مکتوب ۲۱۵

صاحبِ کمالاتِ صوری و معنوی مخدوم زادگی شیخ محمد صبغۃ اللہ سلمہ ربہ کے نام موت اور نیند کی نسبت کو حیات و بیداری پر ترجیح کے بیان میں تحریر فرمایا۔

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ، الموت جسر یوصل الحبیب الی الحبیب [موت ایک پل ہے جو دوست کو دوست سے ملاتا ہے] دنیا دارِ عمل ہے، دارِ بقا آخرت ہے اور آخرت کا معاملہ موت سے

شروع ہوتا ہے من مات فقد قامت قیامتہ [جو مر گیا اس کی قیامت قائم ہو گئی] پس جو قرب و حالت کہ موت اور اس کے بعد پیش آتی ہے دنیا وی حالت پر کئی درجہ فوقیت رکھتی ہے بعض کاملین ایسے ہوتے ہیں کہ ان کو النوم اخ الموت [نیند موت کا بھائی ہے] کے مصداق سونے کے وقت میں ایک ایسی حالت پیش آتی ہے جو کہ بیداری کی حالت سے بہتر ہوتی ہے، اگر یہ کہیں کہ نیند تو سراسر غفلت (ہوتی) ہے اس حالت میں اس قرب و حالت کے ظاہر ہونے کے کیا معنی ہیں اور اس کا بیداری کی حالت پر جو کہ عبادت کا وقت ہے فوقیت رکھنا کس طرح درست ہو سکتا ہے (تو) ہم کہتے ہیں کہ خواص کی نیند کا سراسر غفلت ہونا اور عبادت سے خالی ہونا ممنوع (غیر مسلّم) ہے، نوم العلماء عبادۃ [علماء کا سونا عبادت ہے] آپ نے سنا ہوگا من لم یذق لم یدر [جس نے نہیں چکھا اس نے ہرگز نہیں جانا]۔

جان لیں کہ نسبت باطن جسقدر ظاہر کے ادراک میں نہ آئے اور اس کی آغوش سے جسقدر زیادہ دور ہو اسی قدر زیادہ جلوہ گر ہوگی، باطن ظاہر سے محجوب (پوشیدہ) ہے اور اس کے مطلع ہونے سے حیا کرنے والا ہے اگرچہ اس سے اس کو امدادیں پہنچتی ہیں لیکن حیا و ناز اور استغنا معشوق کا خاصہ ہے باطن کو ظاہر کے ساتھ وہی نسبت ہے جو معشوق کو عاشق کے ساتھ ہے۔ کسی نے خوب کہا ہے ؎

نہ تنہا آفتم زیبائی اوست بلائے من زنا پروائی اوست

[صرف اس کی خوبصورتی ہی میرے لئے آفت نہیں ہے (بلکہ) میری مصیبت اس کی لاپرائی کی وجہ سے ہے] ظاہر ہمیشہ باطن سے نالاں و گریاں ہے اور وہ اس کے ناز و استغنا سے جگر کباب اور دیدہ پُر آب ہے اس کے باوجود اس کی خدمت گاری میں جان قربان کرتا رہتا ہے اور نیند کے وقت جب ظاہر کو ایک طرح کی غفلت پیش آتی ہے تو باطنی نسبت میدان خالی پا کر بآسانی ہر چیز سے پوری طرح بے حجاب ہو کر ظاہر ہوتی ہے اور سینکڑوں آب و تاب کے ساتھ پردۂ ناز چہرہ سے اتار کر صحنِ گلشن میں اپنے خرام کا اظہار فرماتی ہے، اگر کہیں کہ (اس سے) نیند کی حالت کو نماز کی حالت پر برتری لازم آتی ہے اور حالانکہ نماز مؤمن کی معراج ہے کہ وہ اس کی ادائیگی کے وقت میں دنیا سے آخرت میں چلا جاتا ہے، تو ہم کہتے ہیں کہ (یہ تو) ممنوع کا لزوم ہے کیونکہ نیند کی حالت کی برتری صرف بیداری کی حالت پر ثابت ہوتی ہے نہ کہ نماز یا اس کے مثل پر جبکہ وہ بیداری کے ساتھ جمع ہو جائے۔ والسلام علیکم۔

مکتوب ۲۱۶

ممریز خاں کے نام فنا حاصل کرنے پر ترغیب دینے کے بیان میں تحریر فرمایا۔

سعادت آثار میاں ممریز خاں نے اِن دُور افتادوں کو اس طرح فراموش کر دیا ہے کہ کبھی کچھ سلام و پیام کے ساتھ بھی یاد نہیں کرتے، ہر حال میں اللہ تعالیٰ جل شانہ (کی یاد و فرمانبرداری) کے ساتھ رہیں اور اس کے ماسوا سے روگرداں رہیں، کوشش کریں کہ ہمیشہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے ساتھ حضور و آگاہی اس حد تک پیدا ہو جائے کہ اس کے ماسوا کا ہرگز کوئی خیال نہ آئے اس طرح پر کہ اگر تکلف سے ماسوا کو یاد کرنا چاہیں تب بھی یاد نہ آئے، اس کے بعد اپنے آپ سے حضور کی اس صفت کی بھی نفی کریں تاکہ مطلوب کا حضور خود بخود میسر ہو جائے اور عارف کا نفس (ذات) درمیان میں نہ رہے، یہ ہے سیر و سلوک کا خلاصہ۔ ع

۳۹۳

ایں کار دولت است کنوں تا کرا دہند [یہ نصیب کی بات ہے دیکھئے اب کس کو عنایت کرتے ہیں]
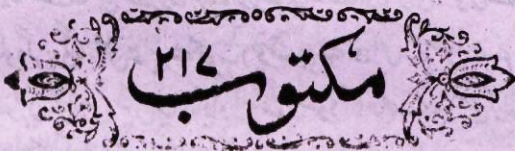
ارشاد پناہ میر محمد نعمان کے نام عینیت و زیادتی وجود کے بارے میں مذہب علماء و صوفیہ کے بیان میں اور اس بارے میں تحریر فرمایا کہ اس مسئلہ میں اُن کا اپنا مختار کیا ہے۔

از ہر چہ میرود سخنِ دوست خوشتر است [دوست کی جو بات بیان کی جائے پسندیدہ ہے]

میرے مخدوم! حضرتِ وجود اور اس کے تابع کمالات رب معبود جل سلطانہ کا خاصہ ہیں اور ممکن میں جو کچھ دیکھتے ہیں اس مرتبۂ عالیہ سے مستعار و مستفاد ہے، ایک جماعت چونکہ ان کمالات کو ممکن میں مشاہدہ کرتی ہے اور اصالت و ظلیت کے تعلق نے ان لوگوں پر پردہ نہیں کھولا ہے (اس لئے) وہ لوگ ان پوشیدہ کمالات کو اس میں اصالت کے طور پر جانتے ہیں اور وجود کو مشترک معنوی اور بعض مشترک لفظی کہتے ہیں اگرچہ اس کو قادر قدیم کی صنعت کے ساتھ مستند سمجھتے ہیں اور دوسرا گروہ جو کہ اہل سلوک و ریاضت ہیں اور انھوں نے صفائی باطن بلکہ محض موہبت (عنایتِ الٰہی) کی وجہ سے وجود اور تمام کمالات کو واجب الوجود تعالیٰ کی بارگاہ کے ساتھ مخصوص سمجھا ہے بلکہ ہر کمال کو اس کا عین جانا ہے اور اس سبحانہ وتعالیٰ کو وجودِ مطلق یقین کیا ہے اور صحیفۂ کائنات کو اس مطلق کے ظہورات و تقیدات تصور کیا ہے اور چونکہ مفید عین مطلق ہے (اس لئے) وہ توحیدِ وجودی اور اتحادِ ذاتی کے قائل ہوئے ہیں اور ممکنات کی صفات و ذوات کو واجب تعالیٰ کی صفات و ذات کے ساتھ متحد جانتے ہیں اور اطلاق اور تقیید کے ساتھ فرق کرتے ہیں اور کہتے ہیں، رباعی:

بر شکل بتاں رہزن عشاق حق است　　لا بلکہ عیاں در ہمہ آفاق حق است
چیزے کہ بود ز روئے تقیید جہاں　　واللہ ہماں ز وجہ اطلاق حق است

[بتوں (محبوبوں) کی شکل میں عشاق کا رہزن (اپنے اوپر فریفتہ کرنے والا) حق ہے، نہیں بلکہ تمام آفاق میں عیاں (ظاہر) حق ہے۔ جو چیز کہ تقیید کی رو سے جہان ہے واللہ اطلاق کی رُو سے وہی حق ہے]۔ وہ حضرات فرماتے ہیں کہ مطلق مقیدات کے مراتب میں عین مقیدات ہیں اور مقیدات مرتبۂ مطلق میں عین مطلق ہیں۔ رباعی

ہستی کہ ظہور می کند در ہمہ شئے　　خواہی کہ بری بسوئے او با ہمہ پے
رو بر سرِ مے حباب را بیں کہ چساں　　مے وے بودہ و وے بود اندر مے

۳۹۴

[جو ہستی (اللہ تعالیٰ) کہ ہر چیز میں ظہور کرتی ہے (اگر) تو چاہتا ہے کہ اس کی طرف سب (اشیاء) کے ساتھ کھوج لگائے تو جا اور شراب کے اوپر بُلبلے کو دیکھ کہ وہ شراب کس طرح بلبلہ بن گئی ہے اور وہ (بُلبلا) کس طرح شراب میں ہے]۔

اور ایک اور (تیسرا) گروہ عنایتِ الٰہی کی پیشقدمی اور محض فضل و کرم کے ساتھ وجود اور تمام کمالات کے اختصاص (اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص کرنے) میں دوسرے گروہ کے ساتھ شریک ہے لیکن وہ حضرات اس (وجود) کو عینِ ذات نہیں کہتے اور ذات تعالیٰ کو اس کے علاوہ ثابت کرتے ہیں اور (ذات کو) اس وجود کا محتاج نہیں جانتے جیسا کہ انھوں نے اس کی تحقیق میں تفصیل کی ہے اور (یہ حضرات) ممکن کے وجود و صفات کو اُس وجود اور اُن کمالات کے ظلال کہتے ہیں کہ عدم کے آئینے میں جو کہ ممکن کی ذات کے درجے میں ہے منعکس ہو کر ظاہر ہو گئے ہیں، پس اس تقریر پر ممکن کی ذات عدم ہوئی کہ (جس نے) کمالات کے انعکاس کے واسطے سے تمام اعدام سے امتیاز حاصل کر لیا ہے بلکہ واجب تعالیٰ جل شانہٗ کے علم میں انعکاس سے پہلے بھی ممتاز رہا ہے اور صفات کمال اس میں ایک عاریت سے زیادہ نہیں ہیں، چونکہ خیر و کمال کا مبدأ وجود ہے اور شر و فساد کا مبدأ عدم ہے اس لئے خیر و کمال سب اس عزوجل کی طرف رجوع کرے گا اور شر و نقص تمام ہی ممکن کی طرف راجع ہو گا کہ اس کی ذات کا مقتضا (یہی) ہے آیت کریمہ مَآ اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ وَمَآ اَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِكَ [جو بھی بھلائی تجھ کو پہنچتی ہے وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور جو بھی بُرائی تجھ کو پہنچتی ہے وہ تیرے نفس کی طرف سے ہے] اس کی تصدیق کرتی ہے اور دوسرے گروہ کے نزدیک شرارتِ ذاتیہ کسی چیز میں موجود نہیں ہے اگر ہے تو صرف نسبتی و اعتباری ہے اور تحقیق یہ ہے کہ عدم لاشئے محض ہے اس کا کمالات کے لئے آئینہ ہونا کس معنی سے ہے۔ (یہ بات) اس مکتوب میں جو کہ مخدوم زادگی خواجہ محمد عبید اللہ کے نام اس احقر نے لکھا ہے درج ہو چکا ہے اگر کوئی شبہ باقی رہ جائے تو وہاں رجوع کریں، پس ان بزرگوں کے طریقہ پر ذاتِ ممکن ذاتِ واجب تعالیٰ کے ساتھ متحد نہیں ہوئی

کیونکہ اتحاد کا منشا ذاتِ واجب تعالیٰ کو اور ذواتِ ممکنات کے وجوداتِ مقیدہ کو وجودِ مطلق کہنا ہے اور ان حضرات کے طریق پر ان دونوں امر میں سے کوئی ایک امر بھی ثابت نہیں ہوا ہے اگرچہ کوئی دوسرا وجود درمیان میں نہیں آیا ہے ایک ہی وجود ہے کہ جس نے ظلیت کے طریق پر اتنی جگہ ظہور فرمایا ہے۔ پس تیسرا گروہ وحدتِ وجود کے قول میں دوسرے گروہ کے ساتھ شرکت رکھتا ہے لیکن وہ حضرات اتحاد کی طرف گئے ہیں اور یہ حضرات اس طرف نہیں گئے، ان کے طریق پر وحدتِ وجود اس معنی میں ہے کہ وجود حضرتِ معبود کا خاصہ ہے ممکن فی نفسہٖ وجود سے خالی ہے ایک عدم ہے کہ جس نے انعکاس کے سبب سے کمالاتِ ظہور پیدا کر لئے ہیں لیکن چونکہ خداوند تعالیٰ جلّ سلطانہ کی صنع سے ہے (اس لئے) خلل سے محفوظ ہے اور ابدی معاملہ اس کے ساتھ وابستہ ہے اس لئے وحدتِ وجود ہو گا اور ممکن میں سے کوئی بھی ایک دوسرے کے ساتھ واجب تعالیٰ کے ساتھ متحد نہیں ہوتا، کسی نے خوب کہا ہے ؎

ص ۳۹۵

نہ آں ایں گردد و نہ ایں آں شود ہمہ اشکال گردد بر تو آساں

(نہ وہ یہ ہو جاتا ہے اور نہ یہ وہ ہو جاتا ہے (یہاں یقین سے) تمام شکوک رفع ہو جاتے ہیں) اور اس عدم سے اتحادِ تغیر (متضاد چیزوں کا متحد ہونا) جو کہ ہمسری کو لازم کرنے والا اور شرکت و مساوات کا موجب ہوتا ہے لازم نہیں آتا کیونکہ نیست کو ہست کے ساتھ کونسی ہمسری ہے اور شر و نقص کو خیر و کمال کے ساتھ کیا شرکت و مساوات ہے اس کی بود (ہونا) نمود (ظہور) میں ہونے کے سوا نہیں ہے اس بود سے کیا حاصل ہوتا ہے اور اس نمود سے کیا کھلتا ہے اگر خیر و کمال اس میں نمودار ہے تو وہ سب بارگاہِ ذوالجلال سے مستفاد و مستعار ہے والسلام علیکم وعلیٰ من لدیکم۔

مکتوب ۲۱۸

ہمت خاں کے نام اس بارے میں کہ عارف کے لئے تمام امور ترقی کا زینہ ہو جاتے ہیں اور آیت کریمہ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ إِذَا نَسِيتَ کی تاویل میں تحریر فرمایا۔

الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفٰی، طاعات و عبادات سے مقصود اور سلوک و ریاضات سے مطلوب حقیقت میں یہ ہے کہ سالک اپنی ذات کے عدم ہونے کو جان لے اور سمجھ لے، اور وجدانِ خاص سے یہ بات معلوم کر لے کہ ہستی اور جو کمالات کہ اس کے تابع ہیں وہ حق جل سلطانہ کے سوا کسی اور کے لئے نہیں ہیں، اور جہاں کہیں ان کا توہم ہوتا بھی ہے تو وہ اسی (حق تعالیٰ) کا اثر و نمونہ ہے پس تیز نگاہ شخص جس جگہ ہستی کو دیکھتا ہے اس کی ہستی کا پتہ نشان دیتا ہے اور جہاں کہیں حسن و کمال پاتا ہے اُس کو

ذاتِ لایزال (جل جلالہ) کے حسن و کمال کا زینہ قرار دیتا ہے بلکہ شرور و نقائص کو بھی اس تعلق کی بنا پر کہ اس کی نمایاں قدرت کا اثر ہے اس کے مؤثر (اثر پیدا کرنے والے یعنی اللہ تعالیٰ) کا زینہ بناتا ہے، اس صورت میں سالک کو کوئی چیز مطلوبِ حقیقی سے روکنے اور ہٹانے والی نہیں ہے اور خطرات جو کہ تفرقہ کا سبب ہیں اثر و موثر کے تعلق سے مقصد کی طرف ایک راستہ اور جمعیت کے لئے ایک وسیلہ ہیں ؎

در دلِ ما غمِ دنیا غمِ معشوق بود بادہ گر خام بود پختہ کند شیشۂ ما

[ہمارے دل میں دنیا کا غم معشوق کا غم بن جاتا ہے، اگر شراب کچی ہو تو ہمارا شیشہ (صراحی) اس کو پختہ کر دیتا ہے]

شاید کہ آیتِ کریمہ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ إِذَا نَسِيتَ [اور اپنے رب کو یاد کر جبکہ تو بھول جائے] میں اس مراقبہ کی طرف اشارہ ہے یعنی جو چیز کہ بھول اور غفلت کا سبب ہے تو اس کو حجابیت کے عنوان کے ساتھ تصور مت کر کہ تو بھولنے والوں اور محروموں میں سے ہو جائے، بلکہ اس کو مذکورہ بالا تعلق کے ساتھ مطلوب کی طرف ترقی کا زینہ بنا، پس اس تقدیر پر إِذَا نَسِيتَ کے معنی اذا باشرت اسباب النسیان [جب نسیان کے اسباب کے ساتھ تیرا سابقہ پڑے] ہوا اور نیز نوم العلماء عبادۃ [علماء کا سونا عبادت ہے] اسی معنی میں ہے، ہو سکتا ہے کہ جو کچھ دوسروں کے لئے سدِّ راہ ہے وہ ان کے لئے ہادی و شاہراہ ہے اور کسی چیز کے ساتھ اس سے عاجز نہیں ہوتے اور ہر چیز کو وصول کا زینہ بناتے ہیں۔ آیتِ کریمہ رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَن ذِكْرِ اللّٰهِ [یہ وہ لوگ ہیں جن کو تجارت اور خرید و فروخت اللہ تعالیٰ کے ذکر سے غافل نہیں کرتی] میں ان کے حال کا بیان ہے، اور لَا يُصِيبُهُمْ ظَمَأٌ وَّلَا نَصَبٌ وَّلَا مَخْمَصَةٌ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ الآیہ [اُن کو اللہ کی راہ میں پیاس یا محنت یا بھوک کی جو بھی تکلیف پہنچتی ہے یا وہ ایسی جگہ چلتے ہیں کہ کافروں کو غصہ آئے یا دشمنوں سے کوئی چیز لے لیتے ہیں تو ہر بات پر ان کے لئے نیک عمل لکھا جاتا ہے] اُن کا پتہ دینے والی ہے، اُن کی دنیا نے آخرت کا حکم لے لیا ہے، اُن کی آخرت (کے احوال) سے کیا بیان کرے، جہاں تک ہو سکے آپ اس عظیم دولت کو ہاتھ سے نہ دیں اور جہاں کہیں اس عنایت کی بو پہنچے اس کے پیچھے جائیں۔ آج ہر چیز حاصل ہو رہی ہے اور طالب بیقرار پر آمد و رفت کی راہ کشادہ ہے کل (مرنے کے بعد) جبکہ خوشی کے دروازے قطرت سے کام نہ لینے والے شخص پر مسدود ہو جائیں گے بے فائدہ ندامت کے سوا کچھ اضافہ نہیں ہوگا۔ واللہ یحق الحق وھو یھدی السبیل [اور اللہ تعالیٰ حق کو ثابت کرتا ہے اور وہی سیدھے راستہ کی ہدایت دیتا ہے] کسی نے خوب کہا ہے۔ رباعی

درجہاں شاہدی و ما فارغ درقدح جرعۂ و ما ہشیار
بعد ازاں دستِ ما و دامنِ دوست بعد ازیں گوش ما و حلقۂ یار

[دنیا میں ایک شاہد (معشوق) ہے اور ہم بے پرواہ ہیں، پیالہ میں کچھ شراب ہے اور ہم ہشیار ہیں، اس کے بعد ہمارا ہاتھ دوست کا دامن پکڑے گا اور ہمارے کان میں معشوق کی غلامی کا حلقہ پڑا ہوا ہو گا] والسلام علیکم وعلی من لدیکم۔

مکتوب ۲۱۹

کمترین درویشاں محمد عبید اللہ کے نام اُن معارف کے بیان میں جو تنزول سے متعلق ہیں اور بشر کے شہود کی فرشتے کی شہود پر فضیلت کے بارے میں تحریر فرمایا۔

جو عارف کہ وصول کی منزلیں طے کر کے اپنے اصول تک پہنچ چکا ہے، جب اس کو دنیا میں واپس لوٹانا اور ہدایت وارشاد کے لئے نزول کے ساتھ مشرف کرنا چاہتے ہیں تو قِدم (قدامت) کے انوار کی شعاعوں میں سے ایک نور اس کے قلب میں جو کہ غیب ہویت کا دریچہ ہے رکھتے ہیں اور اس نور کے ساتھ جو کہ مرتبۂ وجوب سے مستفاد ہے ایک بقا عطا کرتے ہیں یہاں تک کہ یہ عارف اس نور کے ساتھ پوری طرح منور ہو جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ جل جلالہ کے رنگ کے ساتھ رنگا جاتا ہے اور طالبوں کو بھی اس رنگ کے ساتھ رنگ دیتا ہے اور جب تک یہ عارف اس دنیاوی زندگی کی قید میں مقید اور بدنی تعلقات کے ساتھ متعلق ہے اُس ودیعت کئے ہوئے شعلہ (محبت) کے ساتھ خوش اور کُلی سے جزئی کے ساتھ قانع ہے اور المجاز قنطرۃ الحقیقۃ [مجاز حقیقت کا پل ہے] کے مطابق مجاز میں بھی جب عشق انتہائی کمال تک پہنچ جاتا ہے اور عاشق اپنے اندر معشوق کا کوئی نشان پاتا ہے اور معشوق کے آثار (نشانات) عاشق کے ویرانے (باطن) میں ظاہر ہوتے ہیں، ہو سکتا ہے کہ اسی نشان سے وہ خوش ہو جائے اور معشوق سے روگردانی کر لے جیسا کہ مجنونِ عامری کے بارے میں نقل کرتے ہیں کہ جب لیلیٰ اس کے نزدیک ہوئی تو اس نے کہا تو مجھ سے دور ہو جا کیونکہ تیری محبت نے مجھ کو تجھ سے بے نیاز کر دیا ہے۔

ص ۳۹۷

گفت رو رو کہ آں چنانم من	کہ بجز عشق تو ندانم من
عشق تو اے نگارِ فرزانہ	آں چناں کرد در دلم خانہ
کہ ترا ہم نماند گنجائی	بعد ازیں خوشترم بہ تنہائی

[اُس نے کہا تو چلی جا تو چلی جا کہ (اب) میری یہ حالت ہے کہ میں تیرے عشق کے سوا کچھ نہیں جانتا، اے دانشمند محبوب! تیرے عشق نے میرے دل میں اس طرح گھر کر لیا ہے کہ تیرے لئے بھی اس میں گنجائش نہیں رہی ہے اس کے بعد میں تنہائی میں زیادہ خوش ہوں]۔

ہم اصل بات کی طرف جاتے اور کہتے ہیں کہ اس نزول میں جو کچھ عارفِ مرجوع کا مقصود ہوتا ہے (واپس لوٹے ہوئے عارف) جب وہ اس کو انجام تک پہنچاتا ہے اور اس کے وصال کا وقت آپہنچتا ہے اور بدن کی رفاقت سے کہ جس کے ساتھ ایک مدت تک الفت اختیار کئے ہوئے تھا روگردانی کرتا ہے اور اللھم الرفیق الاعلیٰ [اے اللہ جو کہ رفیقِ اعلیٰ ہے] کی صدا بلند کرتا ہے اسوقت الموت جسر یوصل الحبیب الی الحبیب [موت ایک پل ہے جو دوست کو دوست سے ملاتا ہے] کے مصداق پوری طرح بارگاہِ قدس عظمت جلالتہ کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور شہودِ جزئی کے کوچے سے رہائی پاکر شہودِ کلّی کے میدان میں محوِ خرام ناز ہوتا ہے۔

جاننا چاہئے کہ ملائکۂ کرام علیٰ نبینا وعلیہم السلام اگرچہ اصل کا مشاہدہ کرنے والے ہیں اور ہمیشہ شہودِ کلّی رکھتے ہیں لیکن جو شہود کہ انسان کو اس مرتبہ میں میسر ہوا ہے فرشتے کے شہود سے بلند ہے بلکہ جو شہود کہ عارف کو دنیا میں (حاصل ہوتا) ہے اگرچہ جزئی ہے لیکن وہ ایک ایسی خصوصیت رکھتا ہے جو کہ فرشتے کو حاصل نہیں ہے اور وہ یہ ہے کہ انسان کے مشہودِ جزئی کو جزء کی مانند کر دیا گیا ہے اور انسان کو اس کی ذات سے گذار کر اس جزئی کے ساتھ بقا بخش دی گئی ہے اور فرشتے کا مشاہدہ اس طرح کا نہیں ہے کیونکہ وہ باہر سے نظارہ کرتا ہے اور اپنے مشہود سے کوئی چیز حاصل نہیں کرتا، شتان مابین المشاهدتین [ان دونوں مشاہدوں میں بہت فرق ہے]۔

سنئے، وہ جو اوپر مذکور ہوا کہ انسان کا مشہود جزئی ہے (یہ) مراتبِ نزول کے مرتبۂ اول میں ہے اگر مراتبِ نزول کے خصائص میں سے کہ انسان جن کے ساتھ ممتاز ہے تھوڑا سا بھی بیان کرے اور انسان جو کہ افضل الخلائق ہے کے پوشیدہ کمالات اور مخصوص اسرار کو نمایاں کرے تو قریب ہے کہ نزدیک والے لوگ دوری تلاش کریں اور واصلین ہجر کی راہ اختیار کریں ؎

ومن بعد هذا ما یدق صفاته وما کتمه احظے لدیه واجمل

[اور اس کے بعد وہ مقام ہے کہ جس کی صفات کا بیان بہت مشکل ہے اور وہ مقام ہے جس کا چھپانا اس کے نزدیک زیادہ مناسب و بہتر ہے] والسلام علی من اتبع الھدیٰ۔
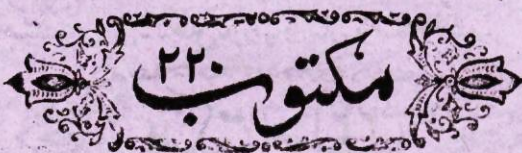
مولانا محمد یوسف کے نام، اس بیان میں کہ کفار کیلئے دوزخ میں پورا پورا بدلہ ہے اور ان کے حق میں (ایک) بشارت کے ذکر میں تحریر فرمایا۔ ۳۹۸

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ اللہ تعالیٰ کمال واکمال کے درجات تک پہنچائے (آپ کے) مکتوبِ مرغوب میں

درج تھا کہ "اس (اللہ) جل ذکرہ کے فضل و احسان کے مشاہدہ کا غلبہ کفار کی تعذیب (عذاب دینے) پر تعجب کا باعث ہوتا ہے اور تعجب کو دُور کرنے کے لئے اس قدر دل میں آتا ہے کہ اس تعذیب میں بھی رحمت ہے کہ تعذیبات سے اوپر عذاب نہیں دیا جائے گا جیسا کہ ایک بزرگ فرماتے ہیں ؎

روم بدوزخ و شکرِ بہشت باید گفت — کہ این بمزدِ مکافاتِ من بہشتِ من است

[میں دوزخ میں جاتا ہوں اور بہشت کا شکر ادا کرنا چاہئے کہ یہ میرے بدلے کی مزدوری میں میری بہشت ہے]

میرے مخدوم! حق سبحانہٗ نے قرآن مجید میں کافروں کے عذابوں کو جزائے وفاق (پورا پورا بدلہ) فرمایا ہے پس جسقدر عذاب و عقاب (سزا) کے یہ بد دین مستحق ہیں ان سے فروگذاشت نہیں ہوگی اور عمل کے موافق سزا کو پہنچیں گے جبکہ حق سبحانہ و تعالیٰ تعذیب کے تمام درجات پر قادر ہے اور یہ لوگ (کفار) (اس کے) مستحق ہیں اور رحمت سے مایوس ہیں تو پھر وصولِ رحمت اور درجاتِ تعذیب میں سے کسی درجہ کی فروگذاشت کا ہونا کس راستے سے ہوگا ہاں اُن اہلِ توحید کے بارے میں جو کہ دوزخ میں جائیں گے یہ قول بظاہر گنجائش رکھتا ہوگا کیونکہ وہ رحمت سے مایوس نہیں ہیں اور امیدوار ہیں اور جو بزرگ کہ شعرِ مذکور کے کہنے والے ہیں چونکہ اہلِ توحید میں سے ہیں اور رحمت کے امیدوار ہیں اگر اس طرح کہتے ہیں تو کچھ بعید نہیں ہے، اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی حمد ہے کہ آپ (اپنے) خط کے آخر میں متنبہ ہوگئے ہیں اور لکھا ہے کہ "چونکہ شرع کی اصطلاح میں یہ اطلاق جائز نہیں ہے، اس توجیہ اور اس استبعاب سے استغفار کرتا رہتا ہوں" اور جس واقعہ میں آپ نے رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو خلعت دلوائی ہے اور آپ اچک لینے والی بجلی کی طرح پل صراط سے گذر گئے ہیں اور مخلوق کو پل صراط سے گذارنے کی آپ کو اجازت دی گئی ہے" بہت بلند اور روشن بشارت دینے والا ہے حق سبحانہٗ و تعالیٰ قوت سے فعل میں لائے، اِنَّہٗ قَرِیْبٌ مُّجِیْبٌ [بیشک وہ قریب اور قبول کرنے والا ہے]۔ یہ مکتوب لکھتے وقت متوہم ہوا کہ ایک خلعت اس جانب سے آپ کو پہنچا ہے پورا غور واقع نہیں ہوا کہ یہ خلعت کس بارے میں ہے ظاہر یہ ہے کہ مداریتِ ارشاد کا خلعت ہی لیکن مداریت و ارشاد جزئی اور ایک بقعہ (حصہ) کیلئے ہوگی دوسرے بقعہ کیلئے نہیں ہوگی نہ کہ مطلق مداریت و ارشاد۔ والسلام علیکم۔

مکتوب ۲۲۱
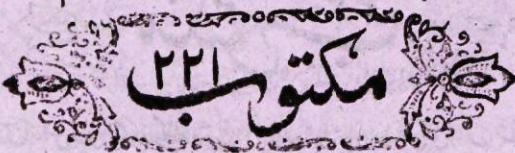
ارشاد پناہ میر محمد نعمان کے نام اس عارف کی بلند ہمتی کے بیان میں جو کہ محبوبیت سے بہرہ ور ہے اور اس کے مناسب معارف کے بیان میں تحریر فرمایا

بسم اللہ الرحمن الرحیمؒ بعد الحمد والصلوٰۃ وتبلیغ الدعوات [حمد وصلوٰۃ وتبلیغ دعوات کے بعد] سیادت ونقابت دستگاہ مخدومی ملاذی کی خدمت میں عرض رساں ہے کہ اس جانب کے فقراء کے احوال حمد کے لائق ہیں المسئول من اللہ سبحانہ سلامتکم وعافیتکم واستقامتکم [اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے آپ کی سلامتی وعافیت واستقامت کی دعا کی گئی ہے] جن معاملات کے ساتھ اس عالمِ فانی میں تسلی دیتے اور خوش رکھتے ہیں اُن میں سے کیا بیان کرے کہ ایک شبح (صورت) سے زیادہ نہیں ہیں اور نمونہ ہونے سے زیادہ کچھ حصہ نہیں رکھتے اور انتزاعات (نکالی ہوئی چیزوں) کے دائرے سے قدم باہر نہیں نکالا ہے، کوئی بلند ہمت شخص اس قسم کی چیزوں کے ساتھ والہ وشیفتہ نہیں ہوتا اور ھَلْ مِنْ مَّزِیْدٍ [کیا اور بھی ہے] کہتے ہوئے منتزع منہ (جس سے نکالی گئی ہے) کی طرف دوڑتا ہے، اگرچہ یہ بھی تعبیری ہے اور وہ سبحانہ وتعالیٰ تعبیرات سے ماوراء ہے لیکن کیا کیا جائے کہ عبارت کا میدان تنگ ہے وَاللّٰہُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ [اور اللہ تعالیٰ وسعت والا اور علم والا ہے] اور چونکہ منتزع منہ کا احاطہ (دائرہ) بشر کی طاقت سے باہر ہے وَلَا یُحِیْطُوْنَ بِہٖ عِلْمًا [اور مخلوق علم کے ذریعہ اس کا احاطہ نہیں کر سکتی] پس مجبوراً جو کچھ اس مرتبہ سے حاصل کریگا وہ ضرور اس کی استعداد ودریافت کے ساتھ مقید ہوگا مطلق ان قیود سے معرا (خالی) ہے اور ان تقیدات سے مبرا (پاک) ہے پس بلند ہمتی کا تقاضا حصول ووصول کی تمنا کا نہ ہونا ہے کیونکہ وصول بھی واصل کے حوصلہ کے اندازے سے ہے۔ ع

آں لقمہ کہ در دہان نگنجد طلبد [وہ لقمہ طلب کرتا ہے جو منہ میں نہیں سماتا]

اور ظاہر ہے کہ جو چیز ممکن کی استعداد دریافت کے ساتھ مقید ہے وہ مطلق محض نہیں ہے، اگرچہ ممکن اپنے آپ سے رہائی حاصل کر چکا اور اپنی اصل کے ساتھ مل گیا ہو اور فنا وبقا کے ساتھ متحقق ہو گیا ہو کیونکہ اس کی اصل بھی تقیید (مقید ہونے) کے بغیر نہیں ہے اور یہی حال اصل الاصل کا ہے، الی ماشاء اللہ تعالیٰ، اور اگر صدیوں کے بعد ہزاروں میں سے کسی ایک کی حقیقت کو آں سرورِ عالم علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کی حقیقت کے ساتھ کچھ انطباق واتحاد حاصل ہو جائے اور اس مرتبۂ عالیہ کے ساتھ فنائے اکمل حاصل کرنے کے بعد کچھ بقا پیدا کر لے تو چونکہ وہ حقیقت بھی اطلاقِ صرف سے نیچے ہے (اس لئے) وہ بھی اطلاقِ صرف سے بہت کم حصہ پائے گا کیونکہ آنسرور علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام نے اس بزرگی کے باوجود امکانِ ذاتی سے رہائی نہیں پائی ہے اور وجوب کے ساتھ متحقق نہیں ہوئے ہیں پس لازمی طور پر اُن (صلی اللہ علیہ وسلم) کی حقیقت واجب لذاتہ کی حقیقت سے نیچے ہوگی اور جسقدر امکان ممکن میں باقی ہے اطلاق محض سے اسی قدر عدمِ حصول پایا جائے گا۔ چونکہ آنسرورِ عالم علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام بلند ہمتی میں

فردِ کامل تھے اور ان کمالات اور بزرگیوں کے باوجود جو کہ آپ کو حاصل تھیں خوش اور مسرور نہیں تھے شاید اسی لئے آپ کے حال سے اس طرح خبر دی گئی ہے کان رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم و بارک دائم الحزن متواصل الفکر [رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ غمگین اور متواتر فکر مند رہتے تھے] کیونکہ کمالِ محبت کا تقاضا محب و محبوب کے درمیان سے دوئی کا دُور ہو جاتا ہے اور یہ محال ہے اور اس سے قلبِ حقایق (حقیقتوں کا بدل جانا) لازم آتا ہے پس دائمی حُزن دامنگیر ہوا شیخ عطار قدس سرہٗ فرماتے ہیں ؎

نمی بینی کہ شاہے چوں پیمبر　　نیافت او فقرِ کل تو رنج کم بر

[کیا تو نہیں دیکھتا کہ پیغمبر جیسی عظیم ہستی کو کامل فقر حاصل نہیں ہوا اس لئے تو بھی رنجیدہ نہ ہو]۔ فقرِ کل سے مراد بشریت و امکان سے کُلّی انخلاع (پوری طرح نکل جانا) ہے۔ "سوال" اَوْ اَدْنیٰ کے معاملہ میں عدم عین سے اور اثر ممکن سے زائل ہو جاتا ہے اور وجودِ صرف کے سوا اس میں کچھ نہیں رہتا پس چاہیئے کہ وجوب کے ساتھ متحقق ہو جائے کیونکہ امکان عدم کی آمیزش کے ساتھ وابستہ ہے"۔ ہم کہتے ہیں کہ مقدمۂ اخیر ممنوع ہے اس لئے کہ صفاتِ واجبی جل سلطانہ عدم کی شان سے پاک ہیں اس کے باوجود چونکہ ذات واجب تعالیٰ کے ساتھ احتیاج رکھتی ہیں (اس لئے) امکانِ ذاتی سے مبرا (پاک) نہیں ہیں اور اس عارف کا وجود صفاتِ اضافیہ کے مرتبہ میں موجود ہے، اگرچہ اس کا وجود ممکنات کے تمام افراد سے جدا ہے اور صوری (ظاہری) مشارکت کے سوا ان کے درمیان اور کچھ ثابت نہیں ہے اور اس مقام کی تحقیق یہ ہے کہ عدم کا زوال اور وجوب کا حصول اس عارف کے حق میں چونکہ کسب سے ہے جو کہ سیر و سلوک اور فنا و بقا سے حاصل ہوا ہے وجوب لذاتہ نہیں کہ حقیقت کا بدل جانا لازم آئے اور وجوب بالغیر دائرہ امکان میں داخل ہے اور استحالہ (محال ہونا) نہیں رکھتا، یہ کمال اور بلند ہمتی جو کہ اوپر بیان ہوئی مقامِ محبوبی سے وابستہ ہے کیونکہ محب جو کہ ہمیشہ محبوب کے مشاہدہ کا طالب ہے اور اس کے وصل و اتصال (ملاپ) کا ہر وقت متلاشی ہے کہاں اس بات کی طاقت رکھتا ہے کہ محبوب کا کچھ پرتو (سایہ) اس پر ظاہر ہو اور وہ اپنے آپ کو قابو میں رکھ سکے۔ ایک بزرگ کہتے ہیں ؎

بہ بوئے تو از جا ہم مست و بیخود　　زہر سو کہ آواز پائے بر آید

[جس طرف سے کسی پاؤں کی آواز آتی ہے میں تیری خوشبو سے مست بیخود ہو کر اپنی جگہ سے (اس طرف) چل پڑتا ہوں]

مُحِب (محبت کرنے والا) محبوب کے جلال و جمال کے آثار و افعال و صفات پر شیفتہ ہے، محبوب ہی ہے جو کہ اصل سے کچھ نشان (پتہ) رکھتا ہے اور اس گرفتاری کے باعث دوسرے امور کی طرف متوجہ نہیں ہے اس قسم کے بزرگ کو عالمِ اخروی میں بہت سی امیدیں ہیں جو کہ دوسروں کو نہیں ہیں۔

ہم اصل بات کی طرف جاتے اور کہتے ہیں کہ آنسرور دین و دنیا علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام اگرچہ اس عالم میں ہمیشہ غمگین اور متواتر فکرمند رہے ہیں لیکن ہم امیدوار ہیں کہ عالمِ اخروی میں آپ کے ساتھ وہ معاملات پیش آئیں گے جو کہ اس حزن وفکر کو دور کردیں گے کیونکہ وہ مقام حزن واندوہ کا مقام نہیں ہے حزن واندوہ کا مقام یہ عالمِ فانی ہے، جس قسم کا حزن واندوہ بھی ہو، اس جگہ کا حزن و اندوہ اس جگہ میں فرحت وسرور کا وسیلہ ہے۔ روایات میں ہے کہ دو حزن ایک دل میں جمع نہیں ہوں گے یعنی ایک حزنِ دنیا میں اور ایک حزن آخرت میں، اگرچہ دوئی کا رفع ہوجانا محال ہے لیکن ایک امر عطا فرماتے ہیں جو اس بلندی ہمت وفطرت کے باوجود آنحضرت علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کی تسلی اور رضامندی کا باعث ہوا اگرچہ ہم نہیں جانتے کہ وہ امر کیا ہوگا اور آیۂ کریمہ وَلَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰى وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى [اور بیشک آخری زندگی تیرے لئے پہلی زندگی سے بہتر ہے اور عنقریب تجھ کو تیرا پروردگار وہ کچھ دیگا جس سے کہ تو راضی ہوجائیگا] (۹۳ ـ ۵) اس معنیٰ کی شاہد ہے اور اُس مقام کی رضا جس کا کہ آیت کریمہ میں وعدہ کیا گیا اور بشارت دی گئی ہے حزن واندوہ کے منافی ہے اگرچہ مطلق رضا اس کے ساتھ منافات نہیں رکھتی اور (یہ بات) ثابت ہے کہ ہر وہ کمال جو کہ خاص طور پر نبی کو حاصل ہوتا ہے اس نبی کے کامل متبعین کے لئے اس کمال سے وراثت کے طور پر حصہ ہے خواہ وہ اِس عالم (دنیا) کا کمال ہو یا اُس عالم (آخرت) کا کمال ہو اور میں سمجھتا ہوں کہ اس معاملہ کی ابتدائی تمہید موت سے (شروع) ہوگی الموت جسر یوصل الحبیب الی الحبیب [موت ایک پُل ہے جو دوست کو دوست سے ملاتا ہے] اور اس معاملہ کا ایک پرتو اور نمونہ اگر نماز میں بھی جو کہ مؤمن کی معراج ہے اور دنیا سے قطع تعلق کرنا اور آخرت کے ساتھ مل جانا ہے متحقق ہوجائے تو گنجائش رکھتا ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ وہ حجاب جو بندہ اور اللہ تعالیٰ جل وعلا کے درمیان ہے نماز کی ادائیگی کے وقت میں دور کردیا جاتا ہے اور نماز کے باہر گویا بیکار ومعطل ہے مگر یہ کہ نماز کی حالت کا کچھ پرتو نماز کے باہر بھی باقی رہے۔ مختصر یہ ہے کہ وصل اور خوشی کا مقام آخرت ہے اور تردد ونایافت کا مقام دنیا ہے، اس مقام کا بہترین ساز وسامان درد واندوہ ہے آرام یہاں کی بے آرامی میں ہے اور آرام ووصل یہاں طلب کرنا اور اس کے ساتھ خوش رہنا بے حاصلی سے ہے، ملاقات کا مقام آخرت ہے مَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ اللّٰهِ فَاِنَّ اَجَلَ اللّٰهِ لَاٰتٍ [جو شخص اللہ تعالیٰ کی ملاقات کی تمنا کرتا ہے تو (جان لے کہ) بلاشبہ اللہ تعالیٰ کی مقرر کی ہوئی ساعت ضرور آنے والی ہے] (۲۹ ـ ۵) یہ عالم اُس عالم کے لئے کھیتی سے زیادہ نہیں ہے کھیتی میں جسقدر زیادتی اس عالم میں کی جائیگی بے اندازہ ثمرات کی توقع ہے، یہ گھر (دنیا) عمل کا گھر ہے، بدلہ کا گھر آگے آنے والا ہے عمل کے وقت میں جزا طلب کرنا لاحاصل ہے، والسلام علیکم وعلیٰ من لدیکم۔

ط ۴۰۱

مکتوب ۲۲۲

یہ بھی ارشاد پناہ میر محمد نعمان کے نام آیۂ کریمہ وَقَدِمْنَا الآیہ کی تاویل وغیرہ میں تحریر فرمایا۔

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفٰی، کریم وقہار (اللہ تعالیٰ) سے امیدوار ہے کہ اس ہیکلِ امکانی (جسم) کی طرف منسوب اخلاق کو احدیتِ جلالت کے طلوع سے هَبَاءً مَّنْثُوْرًا [خاک کے اڑتے ہوئے ذرات] کر دے اور تجلیاتِ رحمٰن اور وارداتِ منان (اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی کیفیات) کے قدوم (ظہور) سے اس ویرانہ کو رہائش گاہ وآباد بنا دے، اور (قرآن پاک میں) وارد ہوا ہے وَقَدِمْنَا اِلٰی مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰهُ هَبَاءً مَّنْثُوْرًا [اور ہم اُن کے اعمال کی طرف متوجہ ہوں گے تو ہم اُن (اعمال) کو خاک کے اُڑتے ہوئے ذرات جیسا کر دیں گے] پس جب وہ نسبتوں سے چھوٹ گیا اور خالی ہو گیا اور اپنے عین کے تخت پر جلوہ گر ہو گیا اور اُس نے اپنی دلہن کے چھپر کھٹ میں اغیار سے فارغ ہو کر کہا اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ [جنت والوں کیلئے] یعنی جو کہ اپنی قیود کے مقامات سے خارج ہیں (اور) وصال واطلاق کی جنت کا قصد کرنے والے ہیں يَوْمَئِذٍ [آج کے دن] (یعنی) رہائی اور قطع تعلق کے دن خَيْرٌ مُّسْتَقَرًّا [بہترین ٹھکانا ہے] کیونکہ تختِ عین پر متمکن ہونا اس کی استعداد کے مراتب میں کمال ہے وَاَحْسَنُ مَقِيْلًا [اور دوپہر کے قیلولہ (آرام) کے لئے بہترین جگہ ہے] اپنے حبیبِ متعال (اللہ تعالیٰ) کے ساتھ تنہا ہو کر، پس (قرآن مجید میں) وارد ہوا ہے وَتَحْسَبُهُمْ اَيْقَاظًا وَّهُمْ رُقُوْدٌ وَّنُقَلِّبُهُمْ ذَاتَ الْيَمِيْنِ وَذَاتَ الشِّمَالِ [اور (اے دیکھنے والے) تو خیال کرے گا کہ وہ جاگ رہے ہیں حالانکہ وہ سو رہے ہیں اور ہم ان کو دائیں طرف اور بائیں طرف کروٹ دلاتے ہیں] پس وہی احوال وافعال میں تبدیلی لانے اور تصرف کرنے والا ہے پس وہ اس کے ساتھ سنتا اور دیکھتا ہے اور اس کی زبان سے کلام کرتا ہے جیسا کہ فرمایا ہے يَوْمَ تَشَقَّقُ السَّمَاءُ [جس دن آسمان شق ہو جائے گا] (یعنی) طبائع و موانع کا آسمان بِالْغَمَامِ [بادلوں کے ساتھ] (یعنی) عزت وکبریائی کی قناتوں کے ورود کے ساتھ وَنُزِّلَ الْمَلٰٓئِكَةُ [اور فرشتے نازل کئے جائیں] (یعنی) وارداتِ وہبیہ اور الہاماتِ غیبیہ تَنْزِيْلًا [بکثرت نازل ہوں گے] امانتوں کو ان کے اہل کی طرف لوٹانے کے بعد اپنے پاس سے زندگی اور اخلاق عطا کرنے کے لئے ـــ حدیث قدسی میں ہے من قتلتہ فانا دیتہ [جس کو میں قتل کروں اس کا خونبہا میں خود ہوں] پس اس وقت طبائع مختلفہ کی مملکت میں اُس کے سوا کسی کے لئے بھی تصرف نہیں ہے پس وہی فاعل ہے اس کے سوا اور کوئی فاعل نہیں اور اس کے علاوہ اور کوئی معبود نہیں جو اس کو کرتا ہو، اَلْمُلْكُ يَوْمَئِذٍ [بادشاہت

م ۲۰۲ ؎ ۲۵/۲۴ ؎ ۱۸/۱۸ ؎ ۲۵/۲۶

آج کے دن؟ [یعنی] مقتول کی دینے کے دن بِالْحَقِّ [حقیقی بادشاہت] بخلاف اس کے کہ اُس کے توی اُس کے نفس کے آلہ کار تھے لِلرَّحْمٰنِ [رحمٰن یعنی اللہ تعالیٰ کیلئے ہے] پس تجلی مفنی (فنا کرنے والی) جس کا ذکر پہلے ہوا جلالی ہے جیسا کہ وارد ہوا ہے اِنَّ الْمُلُوْكَ اِذَا دَخَلُوْا قَرْيَةً اَفْسَدُوْهَا وَجَعَلُوْٓا اَعِزَّةَ اَهْلِهَآ اَذِلَّةً [بیشک والیانِ ملک جب کسی بستی میں داخل ہوتے ہیں تو اس کو تباہ و برباد اور اس کے رہنے والوں میں جو عزت دار ہیں ان کو ذلیل کر ڈالتے ہیں] اور یہ تجلی رحمانی ہے حق اور بقا عطا کرنے والی ہے پس پہلی (تجلی) میں علم و عین میں سے ہر ایک دوسرے کے لئے حجاب ہے اور دوسری (تجلی) میں حجاب مرتفع ہو گیا اور لب لا لباب کے ساتھ متحقق ہو گیا۔ والسلام علیٰ من اتبع الهدیٰ والتزم متابعة المصطفٰی علیہ وعلیٰ اٰلہ الصلوات والبرکات العلیٰ۔

مکتوب ۲۲۳

شیخ فیض اللہ بنگالی کے نام اُن شبہات کے حل میں جو کہ اُنھوں نے امام ربانی مجدد الف ثانی (قدس سرہٗ) کے کلام پر کئے تھے اور بیچونی کے معاملات منکشف ہونے کی کیفیت کے بیان میں تحریر فرمایا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفٰی۔ آپ نے دریافت کیا تھا کہ حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بعض عبارتوں میں مرتبۂ اصل کے بیان میں یہ جو لفظ مرکز و محیط اور اس کے مثل واقع ہوتا ہے کس معنی میں ہے اور اسی طرح حضرتِ عالی کی عباراتِ شریفہ میں واقع ہے کہ تمام انبیاء کرام علیہم السلام کے مقامات مرتبۂ اصل میں ہیں ہر ایک کا مقام دوسرے سے ممتاز ہے، یہ عبارتیں بھی تجزی (اجزا والا ہونا) کا وہم پیدا کرتی ہیں۔ تعالی اللہ عن ذلك [اللہ تعالیٰ کی شان اس سے بلند ترین ہے]۔

آپ جان لیں کہ مرتبۂ اصل میں جس طرح کہ اجمال اور بساطت (بسیط ہونا) ہے اسی طرح تفصیل و وسعت بھی ثابت ہے لیکن وہ اجمال و تفصیل نہیں جو کہ ہماری سمجھ میں آسکے اور نہ وہ وسعت و بساطت ہے جو ہمارے حوصلہ کے لائق ہو تو وہ تجزی و تحدید (اجزا والا اور محدود ہونے) کا باعث ہے بلکہ اس مقام کا اجمال اور اسی طرح اس مرتبہ کی تفصیل ذاتِ اقدس کی طرح بیچون و بیچگونہ (بے کیف و قیاس) ہے، یہ معاملہ نظرِ عقل کے طریقہ سے ماوراء ہے کیونکہ جو کچھ چون کے حوصلہ میں سما جائے وہ چون ہو گا اس لئے کہ چون کو بیچون کی طرف راہ نہیں ہے پس (اس سے) دوسرا سوال دور ہو جاتا ہے، رہا پہلے سوال کا جواب، تو جان لیں کہ ہر ایک پیغمبر کا اپنے پروردگار کے ساتھ علیحدہ معاملہ ہے اور جدا بھید ہے کسی دوسرے کو

؎ فارسی مطبوعہ نسخہ میں المبنی ہے اور حاشیہ پر نسخۂ المنشاء لکھا ہے راقم کے خیال میں یہ لفظ المفنی ہے اسی کے لحاظ سے ترجمہ کیا گیا ہے (مترجم)

اس معاملہ میں اصالت کے طور پر شرکت نہیں ہے مثلاً جو نسبت و قرب کہ سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کو ہے اُن کے غیر کو میسر نہیں ہے اور اسی طرح جو قرب کہ حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کے ساتھ مخصوص ہے وہ دوسرے کے لئے نہیں ہے وعلیٰ ہذا القیاس، لیکن اُس نسبت و قرب کی کیفیت کسی کو معلوم نہیں ہے اور جب کسی عارف کے لئے چاہتے ہیں کہ اس نسبت و قرب کے علم سے جو کہ ان اکابر میں سے کسی ایک کے لئے ثابت ہے سرفراز کریں تو اُس قرب و نسبت کو مثالی صورت میں اُس امر (معاملہ) کے ساتھ جو کہ اس قرب کے مناسب اور اس نسبت کے مشابہ ہے ظاہر کرتے ہیں کیونکہ اس نسبت کے حقائق پر مطلع ہونا صورتِ مثالی کے بغیر دشوار ہے پس قرب و اتصال کی غایت کو مرکز کی صورت میں ظاہر کرتے ہیں اور دوسرے قرب کو محیط کی صورت میں، وعلیٰ ہذا القیاس۔ لیکن جاننا چاہئے کہ وہ مشہود نفی کے قابل نہیں ہے کیونکہ وہ عارف اس وقت میں جانتا ہے کہ جو کچھ مجھ پر ظاہر کیا گیا ہے وہ اس معاملہ کی مثالی صورت ہے نہ کہ اُس معاملہ کی حقیقت اور جو کچھ اس صورت میں ظاہر ہے نفس امر کے مطابق ہے پس وہ نفی نہیں کر سکتا بخلاف اس شخص کے جو کہ صورت کو عین حقیقت خیال کرتا ہے اور شبح (جسم، قد و قامت) کو صاحبِ شبح کا عین جانتا ہے کہ اس کا مشہود نفی کے قابل ہے، والسلام والاکرام۔

مکتوب ۲۲۴

میرزا عبید اللہ بیگ کے نام بعض مواجید (وجد کیفیات) کی شرح اور استفسارات کے حل میں تحریر فرمایا۔

م ۲۰۴

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ سید المرسلین و آلہ وصحبہ اجمعین۔ (آپ کے) مکتوب گرامی کو ملا غازی نے پہنچایا، اس کے مطالعہ سے اذواق و مواجید اور معنوی لذات حاصل کیں، اللہ سبحانہ کی حمد ہے کہ آپ نے شریعتِ منورہ کے مضبوط حلقہ کو ترک نہیں کیا ہے اور اُن اعمال و عقائد پر جو کہ اُس (شریعت) سے ماخوذ ہیں استقامت رکھتے ہیں واردات (کیفیات) کو شرع کی ترازو پر تولتے ہیں اور مغائرت بہت کم واقع ہے۔

آپ نے لکھا تھا کہ "واحدیت دیکھنے بلکہ احدیت کی گہرائی میں فنا ہو جانے کے حصول کے باوجود دل کا رُخ عروج کی طلب سے باز نہیں آتا" اور نیز آپ نے لکھا تھا کہ "اس حال میں حوالہ و استہلاک و اسقاط کا امتیاز و فوت اور ظل و اصل کا شعور نہیں ہے"۔ میرے مخدوم! سالک جب تک کہ اسماء و صفات اور اپنے تعینات کے مبادی میں سیر رکھتا ہے وہ (اس وقت تک) اصول اور اصولِ اصول میں سیر رکھتا ہے اور جب

معاملہ اس سے اوپر چلا جاتا ہے اور اصول کو ظلال کی طرح راستہ میں چھوڑ دیتا ہے (تو) ہو سکتا ہے کہ اصل اور ظل میں شعور کا نہ ہونا اسی وجہ سے ہو کہ اصالت و ظلّیت درمیان میں نہیں ہے اصل اس بارگاہ سے ظل کی طرح راستہ میں رہ گئی ہے اور یہ حالت کس طرح کسی اسم کے ساتھ مسمی ہو سکتی ہے جبکہ تمام اسماء و اعتبارات اُس مقام سے ساقط ہو گئے ہیں اور چونکہ کلام مجید کو اس بارگاہ میں کامل دخل ہے اس لئے چاہئے کہ تلاوت کے ساتھ یہ حالت طاقت پکڑے۔

آپ نے لکھا تھا کہ "روح و نفس کی حقیقت مراتب کے تعلق سے واضح ہوتی ہے ورنہ حقیقت میں (یہ) دو موجود نہیں ہیں اگر شر کا مصدر (جائے صدور) ہے تو وہ نفس سے موسوم ہے اور اگر خیر (کا مصدر) ہے تو اس کو روح کا نام دیا گیا ہے اور اسی قیاس پر سر و خفی ہیں"۔ بیشک بعض اکابر اس طرف گئے ہیں لیکن ہمارے حضرت عالی (مجدد الف ثانی) قدس اللہ سبحانہ بسرہ الاقدس کا مختار یہ ہے کہ ان لطائفِ ستّہ (چھ لطیفوں) میں سے ہر ایک عناصرِ اربعہ کی طرح جدا حقیقت رکھتا ہے اور یہ ایک دوسرے کے ساتھ حقیقی مغائرت رکھتے ہیں لیکن ہر ایک کے ساتھ معاملہ علیحدہ وابستہ ہے اور نیز عالمِ امر کے جواہر خمسہ (پانچوں لطائف) میں سے ہر ایک کی ولایت جدا اور ہر ایک کا سیر و سلوک و فنا و بقا علیحدہ ہے اور اُن (لطائف) میں سے ہر ایک کو انبیاء متبوعین علیہم الصلوات والبرکات میں سے ہر ایک کے ساتھ ایک خاص خصوصیت ہے، پانچوں لطائف کی ولایات کے طے کرنے کے بعد معاملہ اطمینانِ نفس کے ساتھ واقع ہوتا ہے وغیرہ وغیرہ، چنانچہ اس کی تفصیل طریقِ جدید کے بیان والے مکتوب سے واضح ہے۔ آپ نے لکھا تھا کہ "اضافات کو ساقط کرنے والی یہ نسبت جیسا کہ بیداری میں ہے نیند میں بھی ایسا ہونا لازم ہے کہ نہیں الخ۔ میرے مخدوم! اگر اضافتوں (نسبتوں) کا اسقاط ورد کسب و تعمل کے ساتھ تعلق رکھتا ہے جس کو طریقت کہتے ہیں تو خواب و بیداری یکساں نہیں ہے اور اگر تعمل (عمل کرنے) و تکلف کے بغیر ہے جو کہ حقیقت کا مقام ہے تو یکساں ہے کیونکہ ہمارے نزدیک فنا و بقا دائمی ہے۔ اور نیز آپ نے لکھا تھا کہ اولیاءِ محمدیہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی ولایت اور انبیاءِ سابق علی اجمعہم عموماً و علی افضلہم و خاتمہم خصوصاً الصلوات و التسلیمات و البرکات کی ولایت کے طریقہ میں کیا فرق ہے الخ"۔ میرے مخدوم! اس استفسار کا جواب حضرت پیر دستگیر (مجدد الف ثانی قدس سرہ) کے مکتوبات قدسی آیات سے طلب کریں کیونکہ (اُن میں) تفصیل کے ساتھ مذکور ہے، آپ نے لکھا تھا کہ "بعض لوگ طریقۂ نقشبندیہ کے علاوہ دوسرے طریقہ کی استدعا کرتے ہیں"۔ میرے مخدوم! اگر کوئی طالب طریقۂ قادریہ کی استدعا کرے تو حضرت شیخ عبد القادر (جیلانی بغدادی) قدس سرہ کی روح مبارک کی طرف متوجہ ہو کر اس کو خرقہ دیدیں اور شجرہ بھی دیں، والسلام۔

ص ۴۰۵

مکتوب ۲۲۵

حاجی محمد عارف کے نام بعض حالات و مقامات کی تفصیل میں تحریر فرمایا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم حامداً و مصلیاً علیٰ رسولہ الکریم ، برادر عزیز زائرِ حرمین شریفین حاجی عارف کے مکتوب مرغوب نے مسرور کیا، سرور کائنات علیہ وعلیٰ آلہ افضل الصلوات واکمل التحیات کی زیارت اور آپ سے بشارت پانا واضح ہوا، حمداً للہ سبحانہ علیٰ ذلک حمداً کثیراً [اس بات پر اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا بہت زیادہ حمد و شکر ہے]۔ اور یہ جو آپ نے لکھا ہے کہ "بار بار الہام ہوا (اور) ہمارے حضرت عالی قدسنا اللہ سبحانہ بسرہ الاقدس کا نام لیکر فرمایا کہ جو شخص قیامت میں اپنی نجات چاہتا ہے وہ اُن کا دامن پکڑلے"۔ (یہ) حضرتِ عالی کے الہام کے موافق ہے کیونکہ آپ کو الہام کیا گیا ہے کہ میں نے آپ کو اور قیامت تک ہونے والے ہر اس شخص کو بخش دیا جس نے میری طرف تیرے ساتھ بالواسطہ یا بلا واسطہ توسل حاصل کیا۔ اور آپ نے لکھا تھا کہ "حقیقتِ نماز کے متعلق کیا عرض کرے اس کی ادائیگی میں وہ لذت حاصل ہوتی ہے کہ جس کی شرح بیان نہیں کر سکتا، تکبیر اولیٰ کے وقت ہی محویت طاری ہو جاتی ہے اور مشاہدۂ حق جل و علا کے سوا شعور باقی نہیں رہتا اور بعض اوقات ایک (ایسا) نور قلب سے ظاہر ہوتا ہے کہ گویا اس نے تمام عالم کو منور کر دیا ہے"۔ میرے مخدوم! نماز میں لذت کا حاصل ہونا بڑی نعمتوں میں سے ہے ہمارے حضرتِ عالی (مجدد الف ثانی) قدسنا اللہ بسرہ الاقدس نے اپنے مکتوبات قدسی آیات میں لکھا ہے[۱] کہ نماز میں لذت کا حاصل ہونا غیر منتہی کو میسر نہیں ہے خاص طور پر فرض نمازوں میں، کیونکہ نہایت کی ابتدا میں نفل نماز کی ادائیگی کے ساتھ لذت بخشتے ہیں اور نہایت النہایت (نہایت کی انتہا) میں یہ نسبت فرائض کے ساتھ وابستہ ہو جاتی ہے اور بس۔ ع

این کار دولت است کنوں تاکرا دہند [یہ نصیب کی بات ہے دیکھئے اب کس کو دیتے ہیں]

اور نیز حضرتِ عالی (مجدد الف ثانی قدس سرہ) نے یہ بھی تحریر فرمایا ہے[۲] کہ "جو لذت نماز ادا کرتے وقت حاصل ہوتی ہے نفس کا اس میں ہرگز کوئی حصہ نہیں ہے، عین اس لذت کی حالت میں وہ (نفس) نالہ و فریاد میں ہے" سبحان اللہ کتنا بلند مرتبہ ہے۔ ع

ھنیئاً لارباب النعیم نعیمھا [نعمت والوں کو ان کی نعمتیں مبارک ہوں]

---

[۱] و [۲] مکتوب ۱۳۷ جلد اول۔

اور انھوں (مجدد الف ثانیؒ) نے یہ بھی لکھا ہے کہ دنیا میں نماز کا رتبہ ایسا ہے جیسا کہ آخرت میں رویتِ باری تعالیٰ کا۔ اور یہ بھی لکھا ہے کہ "تمام عبادات نماز کے لئے وسائل ہیں اور نماز مقاصد میں سے ہے" اور آپ نے لکھا تھا کہ "دوسرے طریق کے اکثر مشائخ مہربانی فرماتے ہیں اور فقیر سب کو اسی جانب سے جانتا ہے اور جہاں کہیں سے فیض پہنچتا ہے اسی جانب منسوب کرتا ہے"۔ بیشک اسی طرح (ہونا) چاہئے تاکہ قبلۂ توجہ منتشر نہ ہو جائے "ہر کہ یکجا ہمہ جا" [جو ایک جگہ ہے وہ سب جگہ ہے] آپ نے سنا ہوگا، دوستوں سے سلامتیٔ خاتمہ کی دعا کا امیدوار ہے۔ والسلام علیکم وعلی سائر من اتبع الھدی والتزم متابعۃ المصطفٰی علیہ وعلی آلہ وصحبہ الصلوات والتسلیمات والبرکات العلی۔

مکتوب ۲۲۶

مولانا محمد صدیق کے نام شیخ (پیر) ہونے کے لئے بعض ضروری امور کے بیان میں تحریر فرمایا۔

بسم اللہ حامداً للہ ومصلیاً علی رسولہ الکریم اما بعد، تمام احوال لائقِ شکر ہیں اور اُس (اللہ) سبحانہ وتعالیٰ سے آپ کی عافیت اور سنّتِ مصطفویہ علی مصدرہا الصلوۃ والسلام والتحیۃ پر استقامت کی دعا کی گئی ہے۔ میرے مخدوم! میاں حمید دوستوں میں سے ہیں دوستی ومحبت کے طریقہ کی رعایت کریں گے۔ آپ نے لکھا تھا کہ "صوفی محمد شریف آیا ہے الخ" فقیر اس کے بارے میں حضرت حق سبحانہٗ سے اسی معنی کی استدعا کرتا تھا جو کہ ظاہر ہوا ہے حمد اللہ سبحانہ علیٰ ذٰلک [اس پر اللہ سبحانہٗ کا حمد وشکر ہے] آپ نے کابلی دوست کے لئے پیراہن طلب کیا تھا بھیجتے وقت استخارہ کیا، بظاہر اس امر کے ساتھ کچھ زیادہ قلب کا رجحان ظاہر نہیں ہوا اور منع بھی معلوم نہیں ہوا، بہرحال پیراہن آپ کو بھیج دیا ہے، جب وہ دوست دوبارہ آپ کی صحبت میں پہنچے کچھ عرصہ اس کو رکھیں اور اس کے طور طریقوں میں استقامت معلوم ہو اور دنیا سے بے رغبتی اور آخرت کی تیاری اس کے اطوار سے ظاہر ہو طالبین کو اس کی صحبت میں کچھ نفع حاصل ہو تو استخارہ اور رجحانِ قلب کے بعد پیراہن اس کو دیدیں اور طریقہ کی تعلیم کی اجازت میں جسقدر تاخیر واقع ہو زیادہ مناسب ہے اکثر ایسا ہوتا ہے کہ ابتدا میں انتہا کے احوال اندراج کے طریق پر ظاہر ہوتے ہیں لیکن وہ احوال زوال سے محفوظ نہیں ہوتے اور بہت دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ (وہ احوال) شریعت وطریقت کے طور طریقوں پر استقامت کا ثمرہ نہیں دیتے اور تاخیر میں لائق نہ ہونے کا امتحان ہو جاتا ہے اور استقامت وعدم استقامت معلوم ہو جاتی ہے۔ الشیخ فی قومہ کالنبی فی امتہ [شیخ اپنی جماعت میں ایسا ہے جیسا کہ نبی اپنی امت میں] آپ نے سنا ہوگا۔ والسلام

ص ۴۰۷ ؎ ۲۰ دفتر اول مکتوب ۱۳۷

میرزا امان اللہ کے نام درد و محبت کی فضیلت اور اس بارے میں تحریر فرمایا کہ جو شخص آخرت کی تعمیر میں مشغول ہے وہ اس درد والم و محبت کے ساتھ موصوف ہے۔

بسم اللہ حامداً لِلّٰہِ العظیم ومصلیاً علیٰ رسولہ الکریم۔ اس ناپائیدار دنیا میں خوشگوار نعمت، شوقِ احدیت کا انتظار اور پیاسا رہنا اور بے آرامی ہے اور ہویت کی طلب میں درد و حزن و اضطراب ہے، کسی بزرگ نے کہا ہے کہ تصوف اضطراب ہے جب سکون حاصل ہوا تو تصوف نہیں رہا، یہ شوق و اندوہ سعادتوں کا سرمایہ ہے اور یہ اضطراب و بے چینی یافت (پالینے) کا سرچشمہ ہے، ع

با درد بساز چوں دوائے تو منم [درد کے ساتھ موافقت کر جبکہ تیری دوا میں ہوں]

جو امتیاز و فضیلت کہ بنی آدم (انسان) کو تمام اقسام موجودات پر ہے وہ عشق و درد کی وجہ سے ہے، ع

درد را جز آدمی در خور نیست [درد کا اہل آدمی کے سوا اور کوئی نہیں ہے]

انسان جسقدر زیادہ درد و محبت کا مورد ہوگا معیت و قرب میں اسی قدر زیادہ کامل ہوگا، المرءُ مع من احب [آدمی اسی کے ساتھ ہے جس سے وہ محبت کرتا ہے] معیت ذرا سا وقت بھی ایسا باقی نہیں چھوڑتی جبکہ وہ محبِ صادق کو حاصل نہ ہو (یعنی ہر وقت معیت نصیب ہوتی ہے)۔ سرورِ کائنات مفخرِ موجودات علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والبرکات محبوبیتِ ذاتیہ کے باوجود دائمی حزن اور متواتر فکر کے ساتھ موصوف تھے جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے، جو شخص کہ اس درد سے بے نصیب ہے وہ چوپایوں کے حکم میں ہے بلکہ چوپایوں سے بھی زیادہ گرا ہوا اور زیادہ گمراہ ہے کیونکہ اس نے قابلیت کے باوجود استعداد (قابلیت) کی زمین کو معطل و بیکار رکھا اور جس چیز کی ویرانی کے لئے مامور ہے اس کی تعمیر میں مشغول ہوا اور اُس سے اس عالمِ فانی میں جس چیز کا مطالبہ کیا گیا ہے وہ بجا نہیں لایا کل (قیامت کے روز) کس منہ سے اس کی بارگاہ صمدیت میں (اللہ تعالیٰ کے سامنے) پیش ہوگا اور کس تدبیر سے جواب کی ذمہ داری سے عہدہ برآ ہوگا ؎

فیاویلنا علی من اعرض عن اللہ ویا حسرتا علی من فرط فی جنب اللہ

[پس اس شخص پر افسوس ہے جس نے اللہ تعالیٰ سے روگردانی کی اور اس شخص پر حسرت ہے جس نے اللہ تعالیٰ کے احکام سے تجاوز کیا] دنیا میں دوبارہ آنا نہیں ہے، مَنْ كَانَ فِي هٰذِهٖٓ اَعْمٰى فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى وَاَضَلُّ سَبِيْلًا [جو شخص اس دنیا میں اندھا رہا وہ آخرت میں بھی اندھا اور راستہ سے بھٹکا ہوا ہوگا] اور درد و محبت اُس چیز میں منحصر نہیں ہے

جو کہ مشہور ہے، جو شخص بھی آخرت کی تعمیر میں مشغول رہتا ہے وہ اس درد و محبت کے ساتھ موصوف ہے کیونکہ اس کے باطن پر محبت کا غلبہ ہی تو ہے کہ جس نے اس کو مرغوبات کے ترک پر آمادہ کیا ہے اور نفس کی مخالفت اور اس کی تخریب پر دلیر بنایا ہے اگرچہ وہ نہیں جانتا کہ وہ کیا رکھتا ہے، پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم نے آیتِ کریمہ اَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ وَجَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا يَّمْشِيْ بِهٖ فِي النَّاسِ [کیا یہ بات نہیں ہے کہ جو شخص مردہ تھا ہم نے اس کو زندہ کر دیا اور اس کے لئے نور بنایا جس کے ذریعہ سے وہ لوگوں میں چلتا ہے] کے بارے میں فرمایا النور اذا دخل الصدر انفتح الحدیث [جب وہ نور سینہ میں داخل ہو جاتا ہے تو وہ (سینہ) کھل جاتا ہے] پس عرض کیا گیا یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا اس کے لئے کوئی علامت ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ وہ نشانی دار الغرور (دنیا) سے علیحدگی اختیار کرنا اور دار القرار (آخرت) کے لئے تیاری کرنا ہے۔ پس آنسرور عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے آخرت کی تیاری اور دنیا سے روگردانی کو نور اور وہ حیات قرار دیا جو کہ اس موت پر مرتب ہوتی ہے جو مرنے سے پہلے ہے جس کو کہ معرفت کہتے ہیں کیونکہ معرفت ان حضرات کے نزدیک فنا فی المعروف سے عبارت ہے اور یہ موت و معرفت درد و محبت کا نتیجہ ہے، رزقنا اللہ سبحانہ وایاکم قطرۃ من ھذہ المحبۃ وجرعۃ من ھذا الحزن وتجافیا عن دار الغرور وتاھبا لدار القرار آمین۔ [اللہ تعالیٰ ہم کو اور آپ کو اس محبت کا کوئی قطرہ اور اس غم و حزن کا کوئی گھونٹ اور دار الغرور (دنیا) سے علیحدگی اور دار القرار یعنی آخرت کی تیاری نصیب فرمائے، آمین۔]

مکتوب ۲۲۸

مولانا محمد صدیق کے نام سنت کو زندہ کرنے اور بدعت کو مٹانے پر ترغیب دینے اور الہام کے ظنی ہونے اور بندگی کے پسندیدہ طریقے کے بیان میں تحریر فرمایا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم حامداً للہ العظیم ومصلیاً علیٰ رسولہ الکریم اس وقت میں عہدِ نبوت کے بُعد اور قیامت کے قرب کی وجہ سے بدعت شائع ہو گئی ہے اور اس کی ظلمتوں نے دنیا کا احاطہ کر لیا ہے اور سنت اجنبی (انجانی) ہو گئی ہے اور اس کے انوار پوشیدہ ہو گئے ہیں، متروکہ سنتوں کو زندہ کرنے اور شرعی علوم کو شائع کرنے میں کمر ہمت کو خوب مضبوط باندھیں اور اس امر کو بارگاہِ خداوندی جل سلطانہ کی کمال رضامندی کا وسیلہ بنائیں اور بارگاہِ محمدی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے قرب کو اس عمل کے ذریعہ تلاش کریں، حدیث شریف کا مضمون ہے کہ جو شخص میری ایسی سنت کو زندہ کرے گا کہ جس پر عمل متروک ہو چکا ہے

تو اس کے لئے سو شہیدوں کا ثواب ہے۔ احیائے سنت کا پہلا درجہ یہ ہے کہ اس پر خود عمل کرے اور اس سنت کے زندہ کرنے کا اعلیٰ درجہ اس کو رواج دینا اور دوسروں سے اس پر عمل کرانے میں کوشش کرنا ہے۔ خاتمہ کے مبہم ہونے کے درد و غم کا اظہار جو آپ ہمیشہ کرتے رہتے ہیں بجا ہے، یہ ابہام کمر شکن ہے آج اس درد سے خواہ تھوڑا ہو یا زیادہ کوئی شخص خالی نہیں ہے۔

آپ نے لکھا تھا کہ "اپنے بارے میں قبولیت کا کچھ اثر یقین و جزم کے ساتھ مشاہدہ نہیں کرتا ہے"۔ میرے مخدوم! اس قسم کے امور میں جزم و یقین نزولِ وحی کے زمانہ میں حاصل رہا ہے اور اس زمانہ کے علاوہ اور وقت میں علامات و آثار و بشارات جو کہ طمانیتِ قلب کا سبب ہوں ہوتی رہتی ہیں اور چونکہ ابہام (ذومعنی ہونے) کا وہم درمیان میں ہے (اس لئے) درد و اضطراب دامنگیر ہے۔ آپ نے لکھا تھا کہ "اپنی عبادات و طاعات کو قبولیت کے لائق نہیں جانتا اس بنا پر بعض اوقات اُن کے ادا کرنے سے سستی برتتا ہے"۔ میرے مخدوم! اس عالم (دنیا) میں عمل مطلوب اور ضروری ہے خواہ قبولیت کے قابل جانیں یا نہ جانیں عمل کرنا چاہئے اور اس سے استغفار کرنا چاہئے گریہ و زاری کے ساتھ اس کی قبولیت طلب کرنی چاہئے تاکہ قبولیت کے لائق ہو جائے اور تو رانیت پیدا کرلے اعمل واستغفر [عمل کر اور استغفار کر] بندگی کا طریقہ یہی ہے اور اس کے علاوہ شیطانِ لعین کا بہکانا ہے۔ دیگر جو محبت و دلی توجہ کہ فقیر کو آپ کی جانب ہے اس کا کیا اظہار کرے جو محبت کہ آپ کو ہمارے ساتھ ہے وہ اسی کا اثر ہے فرع میں جو کچھ ہے وہ اصل کی طرف سے آیا ہے، شروع سے اسی طرح ہوتا آیا ہے، آیتِ کریمہ یُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهٗ [۵ / ۵۴] [وہ ان سے محبت کرتا ہے اور وہ اس سے محبت کرتے ہیں] اور آیتِ کریمہ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ [۹۸ / ۸] [اللہ تعالیٰ اُن سے راضی ہوا اور وہ اس سے راضی ہوئے] میں اپنی محبت و رضا کو ان کی محبت و رضا پر مقدم رکھا ہے اور حدیثِ قدسی وانا الیھم لاشد شوقا [یقیناً میں ان کی طرف زیادہ شدت کا شوق رکھتا ہوں] میں اپنے اشد شوق کو ثابت کیا ہے۔

مکتوب ۲۲۹

مخدوم زادہ خواجہ محمد اشرف کی خدمت میں اپنے حضرت پیر دستگیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بعض الہامات کے بیان میں تحریر فرمایا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے هٰذَا كِتٰبُنَا يَنْطِقُ عَلَيْكُمْ بِالْحَقِّ اِنَّا كُنَّا نَسْتَنْسِخُ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ [۴۵ / ۲۹]

[یہ ہماری کتاب ہے تمہارے متعلق سچائی کے ساتھ بول رہی ہے بیشک جو کچھ تم کیا کرتے تھے ہم اس کو لکھوا لیتے تھے] علمائے کرام اس استنساخ (لکھ لینے) سے فرشتے کا لکھنا مراد لیتے ہیں اور اسناد کو مجازی کہتے ہیں، ہمارے حضرت عالی (مجدد الف ثانی قدس سرہ) فرماتے تھے کہ میں ایک دفعہ اس آیت کو بار بار پڑھ رہا تھا، دل میں یہ خیال آیا کہ حق سبحانہ وتعالیٰ لکھنے کی نسبت کو اپنی مقدس ذات کی طرف فرماتا ہے اس کی کوئی حقیقت ہے یا نہیں، مشہود ہوا کہ اس مرتبۂ مقدسہ میں بھی فرشتے کے استنساخ (لکھنے) کے علاوہ ایک اور استنساخ (لکھائی) ثابت ہے۔ اس فقیر (خواجہ محمد معصوم قدس سرہ) نے عرض کیا کہ کیا اس مرتبۂ عالیہ کا استنساخ بعض اشخاص کے ساتھ مخصوص ہے یا عام ہے۔ آپ نے فرمایا کہ مخصوص حضرات کے ساتھ مخصوص ہے، ان کے اور حضرت حق سبحانہ، کے درمیان بعض ایسے امور گذرتے ہیں کہ وہ سبحانہ، وتعالیٰ نہیں چاہتا کہ فرشتے کو بھی اس پر اطلاع ہو۔ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ [یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جس کو چاہتا ہے یہ عنایت فرماتا ہے اور اللہ تعالیٰ بہت بڑے فضل والا ہے]۔
شاید کہ یہی بھید ہوگا کہ حضرت حق سبحانہ وتعالیٰ بعض خواص سے اپنے کرم کے ساتھ کاتبین کرام کو دور رکھتا ہے۔ حضرتِ عالی (مجدد الف ثانی قدس سرہ) کو اپنے بارہ میں (بھی ایسا) الہام ہوا تھا اور اسی طرح حق سبحانہ وتعالیٰ نے آیۂ کریمہ میں توفی (جان قبض کرنے کو) کو اپنی ذات کی طرف منسوب فرمایا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا [اللہ تعالیٰ نفسوں (جانوں) کو ان کی موت کے وقت قبض کرتا ہے] حالانکہ جان قبض کرنے والا ملک الموت (موت کا فرشتہ) ہوتا ہے جیسا کہ اس پر دوسری آیت دلالت کرتی ہے یا یہ احتمال ہے کہ بعض خواص کے لئے (جان کا قبض کرنا) فرشتے کے توسط کے بغیر ہو، اور یہ جو بعض روایات میں (روح کا قبض کرنا) مذکورہ فرشتے کے واسطے سے بعض خواص کے لئے آیا ہے تو اس کا ادنیٰ تاویل وتوجیہ کے ساتھ اس معنی پر محمول ہونا ممکن ہے نہ کہ مباشرۃ کے طور پر اور وہ تاویل یہ ہے کہ بعض کاملین کی وفات کے وقت فرشتے کے حضور پر محمول ہو نہ کہ وفات دینے کے اسباب کو اس کے فعل پر حمل کیا جائے، پس غور کر لیجئے۔
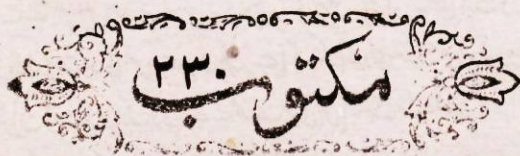
پیرزادہ خواجہ محمد عبید اللہ (صاحبزادۂ خواجہ باقی باللہ قدس سرہما) کی خدمت میں آنجناب کے

۱؎ کسی شاعر نے خوب کہا ہے ؎ میانِ عاشق ومعشوق رمزے ست ؛ کراماً کاتبیں راہم خبر نیست۔ مترجم

مکتوب کے جواب میں اور اُس مکتوب کے بعض معاملات پر اعتراض اور حکما کے اس قول کو دُور کرنے میں کہ موجود معدوم نہیں ہوتا اور معدوم موجود نہیں ہوجاتا اور نماز کے کمالات کے ذکر میں اور اس تحقیق میں تحریر فرمایا کہ وجود زائد ہے یا عین ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہ محمد وآلہ اجمعین۔ حضرت مخدوم زادہ گرامی سلمہ ربہ کے بزرگ عنایت نامۂ عالی نے اس گنہگار کو مشرف وممتاز کیا۔ اشفاق پناہا! مسئلۂ وحدتِ وجود ہمارا موروثی مسئلہ ہے کہ باپ دادا کے واسطے سے یہ بزرگ مسئلہ ہم تک پہنچا ہے ان بے حاصلوں کو بار بار اس کی تلقین کرنا تحصیل حاصل اور زیرہ کو کرمان بھیجنے کا مصداق ہے۔ سابقہ تکلیف دہی سے مقصود یہ تھا کہ معلوم ہوجائے کہ اس معرفت کے علاوہ دوسرا معاملہ بھی ہے کہ ان دونوں کے درمیان وہی نسبت ہے جو چھلکے اور مغز کے درمیان ہے، اُس مشفق کو (آپ) کو پسند نہیں آیا اور آپ نے اس کو محال و تخمینی باتیں تصور فرمایا حَسْبُنَا اللّٰہُ وَنِعْمَ الْوَکِیْلُ [ہمیں اللہ تعالیٰ کافی ہے اور وہ بہترین کارساز ہے]۔

آپ نے لکھا ہے کہ "تجلیٔ ذات کے بعد تمام کاروبار تجلیاتِ صفات کے ساتھ ہے کہ جس کی نہایت نہیں ہے۔" تجلی ذات کے بعد عالی ہمت کو چاہیئے کہ ذاتِ متجلی کا طالب رہے اور ایک ایسے معاملہ کا گرفتار ہو جو کہ ان تجلیات سے ماوراء ہے وہ تجلیاتِ صفات کی طرف نزول کیوں کرے اور اس بات کی جرأت کرنا کہ کامل نزول کے بعد مطلق حقیقی کمال اطلاق و تنزیہ کے ساتھ ذراتِ وجود کے ہر ذرہ سے ظاہر و روشن ہے بہت گراں ہے آپ نے کہاں سے یقین کرلیا ہے کہ وہ مشہود مطلقِ حقیقی اور ذاتِ حق جل وعلا ہے، وہی معاملہ ہے (کہ) ع

بخواب اندر مگر موشے شتر شد [شاید کوئی چوہا خواب میں اونٹ بن گیا]

شرابِ کوثر سے سوائے سراب کے ان کو کچھ حاصل نہیں ہے اور مطلقِ حقیقی کو غیر و غیریت سے تنزیہ کرنا اور غیریت کو تعینات میں منحصر کرنا شاید کہ یہ دونوں مقدمے اس بات پر مبنی ہوں کہ مطلقِ حقیقی کیلئے مقیدات و تعینات کے ضمن میں ہونے کے سوا کوئی وجودِ اصلی نہیں ہے اور یہ معنی ذات کی نفی کو لازم کرتے ہیں تعالیٰ عن ذلک [اللہ تعالیٰ اس سے بہت بلند ہے] کیونکہ اگر وجود متاصل ہو تو دوئی ثابت ہوگی اور الاثنان متغائران [دو چیزیں ایک دوسرے سے مختلف ہوتی ہیں] ثابت شدہ قضیہ (اصول) ہے، اطلاق و تقیید کے قضیہ (اصول) کو ماننے کی صورت میں اس کا حکم تمام اطلاقات و تقییدات سے جدا ہے کیونکہ مطلق کے لئے مقیدات کے ضمن میں ہونے کے سوا وجود نہیں ہے اور اس جگہ ایسا نہیں ہے کیونکہ مطلق وجودِ

مناسبت رکھتا ہے جیسا کہ اس کی تفصیل اُس مخدوم (آپ) کے مکتوب کے جواب میں جو کہ بہت سے مسائل پر مشتمل ہے تحریر ہو چکی ہے اور تنزل (تجلیاتِ صفات میں نزول کرنے) کو مان لینے کی صورت میں جو شخص کہ مطلق کا اس حیثیت سے گرفتار ہے کہ وہ مطلق ہے، مقیدات کے ساتھ ہرگز خوش نہیں ہو گا اگرچہ وہ اس کا عین ہی ہوں۔ مقیدات اگرچہ مطلق ہوں لیکن ہر ایک کے احکام جدا اور معاملات الگ ہیں، ایک کو دوسرے کے ساتھ مخلوط کرنا اور ایک کی گرفتاری کو بعینہ دوسرے کی گرفتاری جاننا نگاہ کی تیزی سے بعید ہے، اگرچہ اس مرتبہ میں تمیز مفقود ہے لیکن اِس گرفتاری سے اُس گرفتاری تک بہت فرق ہے، حیوان کا طالب اس حیثیت سے جیسا کہ وہ (حیوان) ہے ہرگز ماشی (چوپایہ) اور فرس (گھوڑا) سے خوش نہیں ہوتا، ہرچند ان کے درمیان نسبتِ اتحاد موجود ہے، حیوان کے مرتبہ میں تمیز مفقود ہوتی ہے۔ اور جو کچھ کہ حضرت خواجہ بزرگ (خواجہ بہاء الدین نقشبند قدس سرہ) کے کلام کی توجیہ میں آپ نے فرمایا ہے کہ غیر سے مراد مطلوب کا غیر ہے نہ کہ حق (اللہ تعالیٰ) عز برہانہ کا غیر، تو یہ سابقہ بیان کے منافی ہے کیونکہ جب ذرات میں مطلقِ حقیقی کا وجود کمال اطلاق و تنزہ کے ساتھ مشہود ہو گا (وہ) غیر مطلوب کس طرح ہو گا اور نفی کے قابل کس وجہ سے ہو گا اور غیر سے غیر اعتباری مراد لینا خلافِ متبادر (جلدی ذہن میں آنے کے خلاف) ہے، ہاں اگر اُن حضرت (قدس سرہ) کا مشرب جزم (یقین) کے ساتھ وحدتِ وجود ہو تو اس قسم کے حیلوں اور تدابیر کی گنجائش ہے ورنہ نہیں۔ ص ۲۱۲

اس کے باوجود ہم یہ کہتے ہیں کہ مطلق جو کہ (خواجۂ بزرگ کی) عباراتِ شریفہ میں واقع ہے اس سے مراد اگر مرتبۂ لاتعین اور غیب ہویت ہے جیسا کہ عبارتوں سے متبادر (جلدی ذہن میں آنا) ہے کیونکہ مطلقِ حقیقی کمال اطلاق و تنزہ کے ساتھ اسی مرتبہ کے مناسب ہے تو یہ مرتبہ اس بلند مرتبہ گروہ کے طریق پر اس سے زیادہ بلند ہے کہ علم و معرفت و شہود کا متعلق بنے اسی لئے اس مرتبۂ منزہ کے طلب و شوق سے منع کرتے ہیں اور اس کے طلب کرنے کو وقت کا ضائع کرنا سمجھتے ہیں، پس ذرات میں سے ہر ذرہ کے اندر اس کے مشاہدہ کرنے کا قول کوئی معنی نہیں رکھتا اور جس وقت وہ غیریت سے منزہ ہو گا تو تمام مشاہدات اسی کا مشاہدہ ہوں گے پس اس کے شوق و طلب کو منع کرنا صورت پذیر نہ ہو گا اور اگر مراد مرتبۂ وحدت ہے جیسا کہ قوم کا کلام اس کا پتہ دیتا ہے جیسا کہ انھوں نے کہا ہے "اور وہ مشہودِ کل ہے اور وہ تجلیٔ ذاتی ہے اور اس کے لئے اعلیٰ توحید کا مقام ہے" اگرچہ اس کو مطلقِ حقیقی کہنا کوئی زیادہ مناسبت نہیں رکھتا کیونکہ یہ ایک لحاظ سے مرتبۂ مطلق ہے کمال اطلاق اوپر کے مرتبہ کے لئے ہے، پس ہم کہتے ہیں کہ مطلوب ابھی تک اس کے ماوراء ہے

اور سالک راستہ میں ہے مطلب سے راستہ میں رُک جانا طالبِ کامل کا مقتضیٰ نہیں ہے اگرچہ اس تعین کو متعیّن پر زائد نہیں جانتے لیکن تعین (بہرحال) تعین ہے، عالی ہمت شخص اس پر فریفتہ نہیں ہوتا اور محمدی المشرب جو کہ محبوبیت کے زیادہ قریب ہے اس کے ساتھ عاجز نہیں رہ جاتا اور تمام اشیاء کے لئے اس تعین کی عینیت کے ساتھ اور غیریت سے اس کے تنزہ کے ساتھ لاتعین کی طلب سے فارغ نہیں بیٹھتا۔

ع فراقِ دوست اگر اندک است اندک نیست [دوست کا فراق اگر معمولی سا ہی تو وہ بھی معمولی نہیں ہے]

اگر کہیں کہ "یہ تعین عین متعین ہے پس ایک کی یافت و شہود بعینہ دوسرے کی یافت و شہود ہے" (جواب میں) ہم کہتے ہیں تو پھر اس کے اوپر کے مقام سے کیوں ڈرلتے ہیں اور اس کی طلب سے منع کیوں کرتے ہیں کیونکہ اس کی یافت (تو) اس تعین کی یافت کے ضمن میں حاصل ہو گئی۔ پس معلوم ہوا کہ اُس مرتبہ کی یافت اس مرتبہ کی یافت سے جُدا ہے اسی لئے وہ ممنوع ہوا اور یہ ممنوع نہیں ہوا اور اگر وہ لوگ کہیں کہ جب اُس مرتبہ کا وصول و یافت محال ہے تو اس کا گرفتار کیوں ہو اور اس کی طلب میں وقت کیوں ضائع کرے، (جواب میں) ہم کہتے ہیں کہ اس کو مان لینے کی صورت میں عشق و گرفتاری اختیاری امر نہیں ہے کہ مقدماتِ عقلیہ کے ساتھ اس سے منع کیا جائے اور عاشقِ صادق کو ایسے محبوب سے باز رکھا جائے جس تک پہنچنا محال ہو ؎

۴۱۳

باسرِ زلفِ تو مارا سرِ سودائی ہست وصل ہر چند محال است تمنائی ہست

[تیری زلف کے سرے کے ساتھ ہمیں جنونی خیال ہے اگرچہ وصل محال ہے (لیکن پھر بھی) تمنائی ہے] بیچارے عاشق کی تمنا یہ ہے کہ اپنے آپ کو معشوق کی طلب میں جلائے اور برباد کردے بلکہ اپنا کوئی نام و نشان نہ چھوڑے اور اس کے بغیر نہ رہے اگرچہ معشوق سے کچھ بھی اس کے ہاتھ نہ آئے اگرچہ عتاب نہ کریں اور خواہ رد کردیں کہ یہ رد کرنا نہیں ہے بلکہ ناز ہے، کسی نے خوب کہا ہے ؎

اگر ندہی بکف دامانِ یارم گرفتارِ کسے دیگر مدارم

[اگر تو دوست کا دامن میرے ہاتھ میں نہیں دیتا تو مجھے کسی دوسرے کا گرفتار (بھی) مت رکھ]۔ عاشقِ دردمند اس سب کچھ کے باوجود نہایت خوش ہے کیونکہ وہ جانتا ہے کہ معشوق اس آوارہ کی طلب سے آگاہ ہے اور اس بیچارہ کے دردِ فراق سے باخبر ہے فان لم تکن تراہ فانہ یراک [پس اگر تو اس کو نہیں دیکھتا تو بلا شبہ وہ تجھ کو دیکھ رہا ہے]۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ عشق سے مقصود محض درد و غم ہوتا ہے اور وصل ہرگز منظور نہیں ہوتا، طلب کے اس درد کو وقت کا ضائع کرنا کس طرح کہا جائے گا کہ اس غمگین مبتلا کی عمر کا سرمایہ یہی درد و اندوہ ہے ؎

بے غم و درد تو صد حیف ز عمرے کہ گذشت پیش ازیں کاش گرفتار غمت می بودم

[جو عمر تیرے درد و غم کے بغیر گذر گئی اس پر صد افسوس ہے کاش کہ میں پہلے ہی سے تیرے غم میں گرفتار ہوتا]

اور یہ جو آپ نے فرمایا ہے کہ "اس معرفت کی کچھ خاصیتیں اور علامتیں ہیں" چونکہ توحید حقیقت میں شہودی ہے وجودی نہیں ہے اس لئے ان علامات کے ساتھ متحقق ہونا ضروری نہیں ہے یہ تمام معاملہ سالک کے شہود (مشاہدہ) میں ہے حقیقت میں اس (سالک) کی صفات پابندی کی اسی حالت پر ہیں واجب تعالیٰ کی صفات نہیں ہو گئی ہیں، قلبِ حقیقت (حقیقت کا بدل جانا) محال ہے اور اگر بلا فرق ممکن کی صفات بعینہ واجب کی صفات ہو جائیں تو چاہیئے کہ ہدایتِ محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور ہدایتِ خداوندی جل شانہ میں کوئی فرق نہ ہو پس آیتِ کریمہ اِنَّكَ لَا تَهْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِیْ مَنْ يَّشَآءُ [بیشک تو جس کو چاہے ہدایت نہیں دے سکتا و لیکن اللہ تعالیٰ جس کو چاہے ہدایت دیتا ہے] ۲۸/۵۶ کس معنی میں ہو گی و نیز حدیث انتم اعلم باموردنیاکم [تم اپنے دنیا کے کاموں کو بہتر جانتے ہو] کی کیا وجہ ہو گی کیونکہ اللہ تعالیٰ عز برہانہ کے علم کے بارے میں اس طرح نہیں کہا جا سکتا، اور آیتِ کریمہ لَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ [اگر میں غیب کو جانتا] ۷/۱۸۸ اور آیۂ کریمہ لَا اَدْرِیْ مَا يُفْعَلُ بِیْ وَلَا بِكُمْ [میں نہیں جانتا کہ میرے ساتھ کیا سلوک ہو گا اور نہ یہ جانتا ہوں کہ تمہارے ساتھ کیا سلوک ہو گا] ۴۶/۹ کس اعتبار سے ہو گا اور اس شہود (مشاہدہ) میں صاحب استعداد سالک کو بہت سے منافع ہیں کیونکہ سیر و سلوک اور ریاضات و مجاہدات سے مقصود ماسوی اللہ تعالیٰ کی گرفتاری (تعلق) کا زائل ہونا ہے اس شہود کے ذریعہ حصول سے جا ملتے ہیں، اور اس سعی و کوشش سے مقصود بندگی کا حاصل ہونا اور اپنی عاجزی و احتیاج و گمنامی کا مشاہدہ ہے، نہ یہ کہ بندہ بندگی کے راستہ سے پاؤں کھینچ لے اور خدا ہو جائے اور اس کے کمالات ذاتیہ کے ساتھ متحقق ہو جائے کہ ان امور کی تمنا کرنا کمال خودی اور انانیت کا پتہ دینا ہے۔ حضرت خواجہ بزرگ ۴۱۴ (خواجہ بہاؤالدین نقشبند قدس سرہ) نے فرمایا ہے کہ "بندگی خواجگی کے ساتھ راست نہیں آتی"۔ اور یہ جو آپ نے لکھا تھا کہ "مرتبۂ وحدت میں فنائے حقیقی (کا حاصل ہونا) اس راستہ کی نہایت ہے"، وحدتِ وجود کے قائل حضرات چونکہ ہمیشہ اَنْفُس کے گرفتار ہیں، اس گروہ کے لئے کامل طور پر فنا (کا حاصل ہونا) کس طرح کہا جائے کیونکہ فنا ماسوی اللہ تعالیٰ کی گرفتاری کا زائل ہونا ہے اور یہ لوگ ہر وقت ذرات میں سے ہر ایک ذرہ کے ساتھ گرفتار ہیں اگرچہ وہ غیریت کے عنوان کے ساتھ نہیں جانتے لیکن حقیقت میں وہ غیر ہے کمال درجہ کی تجرید و نیستی اس وقت ظاہر ہو گی جب وہ اس بھنور سے نکل جائیں اور آفاق و انفس کے ماوراء دوڑیں۔ اس کے باوجود ہم کہتے ہیں کہ مذکورہ خاصیات و علامات کے ساتھ تحقق اس فنا کی

حالت میں ثابت نہیں ہے کیونکہ یہ تحقق مقامِ بقا میں ہے اس لئے کہ فنا و استہلاک کے وقت میں ممکنات کا ہیولیٰ (مادہ) بن جانا اور جوہریت و عرضیت کی صورتوں کے ساتھ متمثل ہونا نہیں ہے پس اس تقدیر پر جائز ہے کہ مرتبۂ توحید کی نہایت تک پہنچ جائے جو کہ فنائے حقیقی ہوتی ہے اور ان علامات میں سے کوئی چیز بھی اس میں نہ ہو اور اگر ان علامات کے ساتھ متحقق ہونا نہایت و کمال ہو تو پھر فنا کو نہایت کہنا کس طرح درست ہوگا۔

ہم اصل بات کی طرف جاتے ہیں، فنا و بقائے وجودی اس صورت میں ہوگی جبکہ ممکنات کا کوئی وجود ہو، اس (وجود) کا ہونا شہود میں ہونے کے سوا نہیں ہے، امانتیں ہمیشہ اہلِ امانات کی ہیں اس جگہ سوائے اس کے نہیں کہ علم بدل جاتا ہے لیکن انا عند ظن عبدی بی [میں اپنے بندہ کے گمان کے نزدیک ہوں] کے مطابق اس کمال کے اندازے سے اس کے ساتھ معاملہ فرماتے ہیں اور مذکورہ آثار و علامات اس میں ظاہر کرتے ہیں اور تسلیم کر لینے کی صورت میں دوسروں سے ان معاملات کی نفی کس طرح معلوم ہوگی؛ اور کہاں سے معلوم کیا جائیگا کہ دوسرے حضرات اس حد تک اس کے حقایق میں غور و فکر کرنے اور اس کے دقائق میں غوطہ لگانے کے باوجود کہ اس مسئلہ کی تحقیق کی بلند چوٹی اور تدقیق کے انتہائی درجہ تک پہنچ چکے ہوں اور پھر اللہ تعالیٰ جل شانہ کی امداد سے اس سے گذر چکے اور علومِ وراثت حاصل کر چکے ہوں ابھی تک توحید کے راستہ میں ہیں۔

میرے مشفق! معارفِ توحیدِ وجودی کے متعلق جسقدر آپ جانتے ہیں (شوق ہے) لکھیں کہ (یہ) حالِ شریف ہے، کس کو اس مقام میں کلامِ سخن ہے کیونکہ اکابر اہل اللہ نے اس کے ساتھ کلام کیا ہے اگرچہ انھوں نے سُکر و غلبۂ محبت کی وجہ سے ہی کہا ہو۔ میرے جدِ امجد (حضرت شیخ عبدالاحد قدس سرہٗ) اس مقام (توحیدِ وجودی) میں مضبوط قدم رکھتے تھے اور انھوں نے تصانیفِ عالیہ بھی تالیف فرمائی ہیں لیکن انھوں نے آدابِ شریعت کو ہاتھ سے نہیں جانے دیا جیسا کہ محققین کا طریقہ ہے لیکن دوسروں کی نفی کرنا اور حق کو اپنے علم میں ہی محصور (محدود) رکھنا اور اس (علم) کے ماسوا کو محال جاننا آپ جیسے حضرات سے بہت زیادہ محلِ تعجب ہے اور اسی طرح شیخ ابنِ عربی کو خاتم ولایتِ محمدی متعین کرنا اپنے تمام پیرانِ نقشبندیہ سے اس ولایت کی نفی کرنا ہے، ان امور کی جرأت کرنا بلند فطرت حضرات سے نہایت ہی مستبعد ہے اور (اس سے بھی) زیادہ عجیب یہ ہے کہ آپ نے ابنِ سینا کو کامل محبت کے ساتھ یاد کیا ہے حالانکہ اس کے فاسد عقائد اہلِ حق کے عقائد کے مخالف اور اس کی تکفیر و تضلیل کا باعث ہیں، اور امام غزالی (قدس سرہٗ) نے حکماء کے عقائد بیان کرنے کے بعد کہا ہے "پس اُن کی

۴۱۵

تکفیر و تشنیع (اُن کو کافر و بُرا کہنا) واجب ہے جیسا کہ فارابی و ابن سینا۔ اور آنسرور علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات واقعہ میں ایک بزرگ کو اس (بو علی سینا) کے بارے میں فرماتے ہیں: رجل اضلہ اللہ علی علمہ [وہ ایک ایسا آدمی ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اس کے علم کے باوجود گمراہ کر دیا ہے] اور کسی دوسرے بزرگ کو بھی کسی دوسرے واقعہ میں اسی کے مثل فرمایا ہے ۔ اگر غیروں سے اس قسم کے امور مطالعہ کئے جائیں تو چنداں شکایت کا مقام نہیں ہے لیکن اگر آپ جیسے حضرات (کی جانب) سے مخلصوں اور دوستوں کے کان میں اس قسم کے امور کی ذراسی بھنک بھی پڑے تو اس کی گنجایش ہے کہ شکایات کی جائیں اسی بنا پر یہ سب جرأتیں کرتا ہے، معافی کی امید ہے۔

میرے مخدوم! جبکہ ہمارے خواجہ حضرت قطب عرفا مؤید الدین الرضی (قدس سرہ) انجامِ کار میں فرماتے ہوں کہ یقینِ کامل کے ساتھ معلوم ہو گیا کہ توحید ایک تنگ کوچہ ہے شاہراہ کوئی اور ہی ہے۔ پھر بھی وہ مخدوم (آپ) تحریر فرماتے ہیں کہ وہ حضرت (خواجہ باقی باللہ قدس سرہ) وحدت در کثرت کے مشاہدہ میں رہے ہیں، شاید کہ وہ جائے پناہ (آپ) اُن حضرت تعالیٰ قدس سرہ سے اس عبارتِ شریفہ کے صادر ہونے کے قصہ پر مطلع نہیں ہوئے ہیں جو اس کی تاویل میں جلدی کر رہے ہیں، ایسا نہیں ہوا ہے کہ صرف یہی عبارت اُن (حضرت قدس سرہٗ) سے واقع ہوئی ہو تا کہ اس کی تاویل کریں اور ظاہر سے اس کو دوسری طرف لے جائیں اگرچہ وہ تاویل کے قابل نہ ہو، اس عبارت عالیہ کا صدور (کچھ) معاملات کی خبر دینا اور (چند) مقدمات پر مبنی ہے ؎

آسودہ شبے با بد و خوش مہتابے   تا با تو حکایت کنم از ہر بابے

[ایک آرام و راحت کی رات ہو اور چاندنی خوب چھٹکی ہوئی ہو تا کہ میں تجھ سے ہر طرح کی گفتگو کروں]

جبکہ حضرت خواجہ (قدس سرہٗ) اس طرح فرمائیں اور اس مقام میں ہوں تو آنجناب ان کی متابعت کے زیادہ حقدار ہیں، آپ اگرچہ مغلوب حال ہوں پیر کی تقلید کو ترک نہ کریں۔ اور یہ جو آپ نے فرمایا ہے کہ "عقلی و نقلی دلائل اس معرفت کی تائید کرتے ہیں، ——— جو نقلی دلائل اس بارے میں لوگ لاتے ہیں ان میں سے اکثر متشابہات کی قسم سے ہیں کہ وہ لازمی طور پر ظاہر سے دوسری طرف پھیرے ہوئے اور تاویل کئے گئے ہیں اور دلائل عقلیہ اقناعیات (قانع اور قائل کر دینے والے ہونے) کے سوا جن میں کہ کلام کی ... اور کیا چیز ہوں گے محقق دوانی (علامہ جلال الدین) رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں کہ یہ مسئلہ طریقۂ عقل سے ماوراء ہے۔ اور مولانا عبدالرحمٰن جامی قدس سرہ فرماتے ہیں کہ طریقۂ عقل کے علاوہ ایک اور طریقہ ہے کہ جس طریقہ میں مکاشفہ و مشاہدہ کے طریق پر چند چیزیں منکشف ہو جاتی ہیں کہ عقل ان کے ادراک سے عاجز ہے جس طرح کہ حواس معقولات کے ادراک سے جو کہ عقل سے معلوم ہوتے ہیں عاجز ہیں اور اس طریقہ میں یہ ثابت ہو چکا ہے

ص ۴۱۶

کہ حقیقتِ وجود جو کہ عین واجب الوجود ہے نہ کلی ہے نہ جزئی الخ"

اور یہ جو حکما نے کہا ہے کہ معدوم موجود اور موجود معدوم نہیں ہوتا اور ان دونوں مقدموں میں بدیہی ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں ناقابلِ تسلیم ہے اور بدیہی ہونے کا دعویٰ ناقابلِ سماعت ہے کیونکہ (یہ) وہم کا حکم ہے بلکہ حقیقت میں اللہ تعالیٰ کی کھلی ہوئی قدرت کا انکار ہے، اگر وہ (اللہ تعالیٰ) معدوم کو موجود کردے اور عالم کو کسی چیز کے بغیر پیدا فرمادے یا سب کو معدوم اور لاشئے بنادے تو اس کی قدرت سے کوئی تعجب کا مقام نہیں ہے یہ مقدمہ عالم کے قدیم ہونے کی طرف لے جانے والا ہے کہ جس کا قائل ہونا کفر ہے کیونکہ (تمام) اہلِ مذاہب کا اجماع ہے کہ عالم اپنے تمام اجزاء کے ساتھ محدث (غیر قدیم) ہے، اور یہ آیۂ کریمہ أَوَلَا يَذْكُرُ الْإِنْسَانُ أَنَّا خَلَقْنَاهُ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ يَكُ شَيْئًا [کیا انسان اس بات کو یاد نہیں کرتا کہ ہم نے ابتداءً اس کو پیدا کیا حالانکہ وہ کچھ بھی نہیں تھا] کے بھی مخالف ہے (علامہ) بیضاوی (رحمہ اللہ) نے اپنی تفسیر میں کہا ہے بلکہ وہ عدمِ محض تھا، اور نیز اس سے صانع مختار (اللہ) تعالیٰ شانہٗ کا معطل (بیکار) ہونا لازم آتا ہے کیونکہ ان لوگوں کے طریق پر اُس سبحانہ وتعالیٰ کی صنعت معدوم کی ایجاد نہیں کرتی اور موجود کو ایجاد کرنا خود محال اور تحصیلِ حاصل ہے، اور دوسرے مقدمہ (یعنی موجود معدوم نہیں بنتا) کے مطابق موجوداتِ ممکنہ کو بقا میں بھی صانع کا محتاج نہیں ہونا چاہیئے بلکہ (چاہیئے کہ) وہ تعالیٰ شانہ اشیا کے فنا کرنے پر (بھی) قادر نہ ہو۔ اور نیز اعراضِ غیر قارہ (ایک حالت پر قائم نہ رہنے والے اعراض) میں کہ جن کا حدوث بھی مشاہدہ میں آتا رہتا ہے اور ان کا فنا ہونا بھی مشاہدہ میں آتا رہتا ہے یہ لوگ کیا کہیں گے، اس بات کا قائل ہونا حقیقت میں صانع مختار (اللہ تعالیٰ) کی نفی کرنا ہے، تعالیٰ عن ذلك علوا کبیرا [اللہ تعالیٰ اس سے بہت بلند ہے] اور صفات کا (ذات پر) زائد نہ ہونا بھی ناقابلِ تسلیم ہے کیونکہ اہلِ سنّت کے مسلّمہ عقیدے کے خلاف ہے۔ صاحبِ تعرف صفات کے بارے میں کہ وہ لا ھو ولا غیرہ ہیں [نہ وہ ذات ہیں اور نہ غیر ذات ہیں] صوفیہ کا اجماع بیان کرتا ہے، اور یہ بات مان لینے کی صورت میں اُن (صفات) کے بالمقابل اعدام کو تمیز کرنے کے لئے تمیزِ علمی کافی ہے۔ اور زیادتیٔ وجود کے بارے میں کلام آنجناب (آپ) کے اُس مکتوب کے جواب میں جو کہ بہت سے مسائل پر مشتمل ہے تفصیل کے ساتھ موجود ہے لیکن چونکہ اس جگہ بھی بات آ گئی ہے تو کچھ مختصراً لکھا جاتا ہے۔

میرے مکرم! جب یقین کا طالب جو کہ فطرتِ سلیمہ رکھتا ہوا اپنے صحیح وجدان کی طرف رجوع کرے اور (اپنی) درست سمجھ کے ساتھ صحیح طور پر غور کرے تو معلوم کرلے گا کہ اللہ تعالیٰ کو ایسا نہیں ہونا چاہیئے کہ وہ اپنے موجود ہونے کے لئے اپنی ذاتِ مقدس کے علاوہ کسی اور کا محتاج ہو اور فی نفسہ (اپنی ذات میں)

ہستی سے خالی اور وجود کی احتیاج رکھتا ہو اور نیز وہ شخص معلوم کرلے گا کہ اُس تعالیٰ شانہ کی حقیقت و ماہیت عین وجود ہستی نہیں ہوتی ہے کیونکہ ہستی جو کہ فی نفسہٖ مصادر واحداث (جس سے دوسری چیزیں نکلیں اور جو نئی پیدا ہونے والی ہوں) سے ہے اس کو غیر کی جانب عدم احتیاج کے واسطہ سے باری تعالیٰ کی حقیقت جاننا اور اس پر اصطلاح باندھنا کوئی معنی نہیں رکھتا اور جو ذات کہ خارج میں وجودِ حقیقی کے ساتھ موجود ہے کیا ضرورت ہے کہ ہم اس پر ایسے لفظ کا اطلاق کریں جو کہ اس معنی کا لغوی مفہوم ہو غیر کے ساتھ قائم ہو اور عوارض سے ہو اور معقولاتِ ثانویہ سے ہو اور اس کے باوجود شرع اس کے اطلاق کے ساتھ وارد نہ ہوئی ہو، صوفیۂ کرام جبکہ تمام نسبتوں اور اعتبارات کی اُس بارگاہِ قدس سے نفی کرتے ہیں تو ان کی ایک جماعت وجود کی بھی نفی کیوں نہیں کرتی اور وجود کی نفی سے عدم کا ثابت ہونا لازم نہیں آتا کہ وہ بھی ایک نسبت ہے اور وہ سبحانہٗ وتعالیٰ نسبتوں اور اعتبارات سے ماوراء ہے اور عینیتِ وجود سے ان بزرگواروں کی مراد اس معنی میں وجود کی نفی نہیں ہے کہ وہ تعالیٰ شانہٗ خود بخود ہے اور وجود ایک تعبیر سے زیادہ نہیں ہے کیونکہ اکابر حق سبحانہ کی حقیقت کو وجودِ مطلق جانتے ہیں اس سے وجود کی نفی کی کیا صورت ہے کیونکہ کسی چیز کی اس کی اپنی ذات سے نفی کرنا محال ہے پس حق یہ ہے کہ وجود کے علاوہ اس کی ایک حقیقت اور ایک ذات ہے اور وہ بنفسہٖ اپنے موجود ہونے میں وجود کے عارض ہونے سے بے نیاز ہے بلکہ وہ ایک ایسی شان کے ساتھ ہے کہ یہ عارض ہونا وہاں نہیں پہنچتا اور وہ خود بخود موجود ہے غیر کا محتاج ہونے کی نفی کرنے کے لئے کیا ضروری ہے کہ ہم اس کو عینِ وجود کہیں وجود سے برتر کیوں نہ کہیں اور (لفظ) وجود کے اطلاق (استعمال) کی اس بارگاہِ قدس میں اجازت نہ دیں اور عادت اللہ (اس طرح) جاری ہے کہ جو کچھ عالمِ حقیقت میں ہے اس کا نمونہ اور مثال عالمِ مجاز میں ظاہر کرتا ہے تاکہ وہاں سے حقیقت کی طرف قدم بڑھائیں اور چونکہ اُس ذاتِ مقدس کے لئے ایک خاصیت ہے کہ وہ خود بخود موجود ہے نہ کہ وجود کے ساتھ اور وجود کو اس کا نمونہ بنایا کہ اگر موجود ہو تو خود موجود ہو نہ کہ وجود کے ساتھ، المجاز قنطرۃ الحقیقۃ [مجاز حقیقت کا پل ہے]۔

اور یہ جو ہم کہتے ہیں کہ ذاتِ مقدس خود بخود موجود ہے یہ محض تعبیر ہے نہ یہ کہ وہاں اس کے ساتھ قائم ایک وجود ہے جو اس کے ساتھ قائم ہے، اور یہ جو شیخ امان نے کہا ہے کہ "حق تعالیٰ کی حقیقت وجود ہے اور اس کے علاوہ سوائے عدم کے اور کچھ نہیں ہے، عدم اشیاء کا مبدأ اور ان کی اصل نہیں ہو سکتا کیونکہ اس سے حقیقت کا بدل جانا لازم آتا ہے اس لئے وجود کا ہونا لازمی ہے اور وہ متجزی (اجزاء ہونے والا) نہیں ہے اس لئے تمثیل کے ساتھ ہوگا"۔ (اس قول میں) چند وجوہ کی بنا پر بحث کی گئی ہے: اوّل یہ کہ

وجود کو حق سبحانہ کی حقیقت کہنا اہلِ سنت وجماعت شکر اللہ سعیہم کے عقیدہ کے خلاف ہے۔ دوسرے یہ کہ صفاتِ واجبی جل سلطانہ اہلِ سنت کے طریقہ پر ذات تعالیٰ وتقدس پر زائد ہیں پس اس بنا پر یہ کہنا کہ اس کے علاوہ عدم کے سوا اور کچھ نہیں ہے" درست نہیں آتا کیونکہ ہو سکتا ہے کہ اس تقدیر پر صفات مبدأ ہوں۔ تیسرے یہ کہ قلبِ حقیقت (حقیقت کا بدل جانا) اسوقت ہوگا جبکہ عدم وجود ہو جائے لیکن اگر موجود ہو جائے تو اس میں کیا استحالہ ہے۔ علما نے کہا ہے کہ وجود معدوم ہے اور کوئی قلبِ حقیقت نہیں ہے۔ چوتھے یہ کہ قلبِ حقیقت اس وقت ہوگی جب عدم موجود ہو جائے لیکن اگر عدم موجود نما ہو جائے تو قلبِ حقیقت نہیں ہوگی۔ پانچویں یہ کہ لفظ مبدأ جو اس عبارت میں واقع ہوا ہے اس کا محمل مادہ وہیولیٰ ہے اس لئے اس (لفظ) نے اس (تعالیٰ شانہٗ) کو تجزی وتمثیل میں منحصر کردیا، حق جل وعلا کو ممکنات کا مادہ وہیولیٰ کہنا نہایت ہی بُری بات ہے، اور مبدأ بمعنی موجد ذاتِ حق سبحانہٗ ہی اور ایجاد میں تجزی وتمثیل کی ضرورت نہیں ہے اِنَّمَا قَوْلُنَا لِشَيْءٍ إِذَا أَرَدْنَاهُ أَنْ نَّقُولَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ

[بیشک جب ہم کسی چیز کا ارادہ کریں تو اس کیلئے ہمارا کہنا یہ ہوتا ہے کہ کہہ دیں . . . . ہو جا تو وہ (فوراً) ہو جاتی ہے] — چھٹے یہ کہ ذاتِ حق کو عدم کے مقابل کہنا کوئی معنی نہیں رکھتا، وہ وجود دوسرا ہے کہ جس کے مقابل میں عدم ہے کہ وہ کون وحصول (ہست ہونا اور پیدا ہونا) کے معنی میں ہے۔ ساتویں یہ کہ وجود عدم کی نقیض (ضد) نہیں ہے کہ عدم کی نفی کرنے سے وجود لازم آئے بلکہ ان دونوں کے درمیان تضاد کی نسبت ہے والضدان یرتفعان [اور دو ضدیں مرتفع ہو سکتی ہیں]۔ کسی عارف نے کہا ہے: فوق عالم الوجود عالم الملك الودود [عالمِ وجود کے اوپر ملک الودود (خدا) کا عالم ہے]۔ اور یہ جو کہا ہے کہ "اعدامِ اضافیہ علم میں حصول رکھتے ہیں یہ بھی اشیاء کے اصول نہیں ہو سکتے کیونکہ اس سے قطعِ نظر کرتے ہوئے کہ جب علمِ حضوری ہوگا اعدام کا حصول نہیں ہوگا کہ وہ اصول ہو جائیں۔ یہ اعدام علم میں کہاں سے آئے کیونکہ "معلوم من وجہ ثابت ہونے کے سوا (اور کچھ) نہیں ہوتا" یہ کامل طور پر ساقط ہے۔ اول اسلئے کہ علمِ واجبی کو (علمِ) حضوری کہیں یا اس کا غیر، اعدامِ اضافیہ سے اللہ تعالیٰ کے علم کی نفی کرنا اُس تعالیٰ شانہٗ کے لئے اُن اعدام سے جہل کو ثابت کرنا ہے تعالى الله عن ذلك علوا كبيرا [اللہ تعالیٰ کی ذات اس سے بلند تر و بالا تر ہے]۔ دوسرے اسلئے کہ ہم نہیں مانتے کہ معلوم من وجہ ثابت ہونے کے سوا نہیں ہے کیونکہ ہم بلا شبہ اعدامِ متمائزہ (متضادہ) کو جانتے ہیں اگرچہ وہ ثبوت نہ رکھتے ہوں۔ تیسرے اس لئے کہ اعدامِ متمائزہ کا کسی بھی لحاظ سے ثابت نہ ہونا ناقابلِ تسلیم اور محلِ نظر ہے۔

حضرت شیخ صدر الدین قونوی قدس سرہٗ نے کہا ہے کہ "شیئیت (شے ہونا) دو طریق پر ہے

شیئیت ثبوتی و وجودی۔ شیئیتِ وجودی، شئ کا مراتب میں سے کسی مرتبہ اور عوالم میں سے کسی عالم میں اپنے آپ کو ظاہر کرتا ہے اور شیئیتِ ثبوتی شئ کا علم میں ثابت ہونا ہے نہ کہ خارج میں، اور یہ شیئیت بنانے والے کے بنانے سے بنائی نہیں گئی ہے پس معدوم مطلق مطلقاً کسی اعتبار سے بھی شئ نہیں ہے نہ ثبوت کے اعتبار سے اور نہ وجود کے اعتبار سے لیکن معدوم ممکن کے لئے وجودِ عینی سے پہلے شیئیت ثبوتی ہے اور (وہ) امرِ کُن سے اسی شیئیت کے ساتھ مخاطب ہوتا ہے اور امر قبول کرتا ہے اور خارجی وجود میں آجاتا ہے"۔ اور کسی دوسری جگہ حضرتِ شیخ (قدس سرہ) نے فرمایا کہ "علمِ واجب کا معدوماتِ ممکنہ کے ساتھ وجودِ خارجی سے پہلے متحقق ہونا حقیقت میں معدوم کے ساتھ تعلق نہیں ہے کیونکہ تمام لاتناہی ممکنات ام الکتاب میں ہیں اور قلم اعلیٰ جو کہ روحِ قدسی اور عقلِ کل ہے اس کے بعض کا مجمل ہے اور محو و اثبات کی لوح (لوحِ محفوظ) جو کہ نفسِ کل ہے اس مجمل کا مفصل ہے۔ محقق دوانی (جلال الدین) رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ "علم بھی وجودِ حقیقی کے مظاہر میں سے ہے"۔ چنانچہ امام حجۃ الاسلام (امام غزالی رحمۃ اللہ) کسی رسالہ میں فرماتے ہیں کہ "تمام کائنات کی اصل فنا ہے پس فنا پر بھی ایجاد کے ساتھ رحمت کی گئی ہے کیونکہ فنا اصل میں موجود نہیں تھی، وجودِ فنا کا پہلا درجہ فنا کا پیدا کرنا ہے کیونکہ کائنات کی فنا قدیم نہیں ہے، فنا اصل میں خود فانی تھی جب اس کو موجود کیا گیا تو فنا کا نام اس پر صادق آیا۔ اگر ہم کائنات کی فنا کو قدیم جانیں تو باری سبحانہ وتعالیٰ کی صفتِ قِدم کے ساتھ شریک کرنے والے ہوں گے۔ پس صحیح بات یہ ہوئی کہ فنا قدیم نہیں ہے بلکہ فنا مُحدَث (نئی پیدا شدہ ہے) پس فنا جو کہ کائنات کی اصل ہے اپنی فنا میں مُحدَث ہے قدیم نہیں ہے اور خاک جو کہ جماد کی اصل ہے اور اپنے جماد و مواد (مادّہ) ہونے میں مُحدَث ہے قدیم نہیں ہے، اہلِ سنت کے قول المعدوم لیس بشیءٍ [معدوم کوئی چیز نہیں ہے] کے یہی معنی ہیں۔ امام الاسلام (امام غزالی رحمۃ اللہ) کا قول یہاں تک ہے"۔ چوتھے اسلئے کہ بظاہر یہ کلام متناقض (متضاد) ہے کیونکہ اول جس جگہ یہ کہا ہے کہ "اعدامِ اضافیہ جو کہ علم میں حصول رکھتے ہیں یہ بھی اشیاء کے اصول نہیں ہو سکتے"۔ تو اس قول میں اعدام کے حصول کو علم میں مسلم رکھا ہے اور پھر اس کی نفی کی ہے، پہلے علمِ حصوری کے اثبات کے ساتھ اور پھر اس کے ساتھ کہ معلوم من وجہ ثابت ہونے کے سوا نہیں ہوتا۔ پانچویں اسلئے کہ صوفیہ کرام اعیانِ ثابتہ کو اعدامِ اضافیہ کہتے ہیں اور ممکنات کے حقائق تصور کرتے ہیں اور یہ جو اس کے بعد لکھا ہوا ہے کہ معلومات کی اصل (تو) ظاہر ہوگئی کہ علم بلکہ عالم ہے لیکن اعدام کی کونسی اصل ہے"۔

۴۱۹

ہم کہتے ہیں کہ اعدام کا منشاء (اصل) کمالاتِ الٰہی ہیں جو کہ بالاتفاق علم میں تمیز رکھتے ہیں کس مقام میں کس کو اختلاف ہے، ہذا (یہ بات تو یہاں ختم ہوئی)۔ اور یہ جو آپ نے لکھا ہے کہ

"بندگی کی حقیقت اس کے ساتھ گرفتاری اور اس کے غیر سے گذر جانا ہے جو چیز بھی ہو خواہ دنیا ہو یا آخرت" بیشک اسی طرح ہے لیکن سچا اور جھوٹا اس معنی کا دعوٰی کرنے میں شریک ہیں ان ہر دو فریق کے درمیان انصاف کے ساتھ فرق کرنے والا امر احکام شرعیہ سے آراستہ ہونا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی پسندیدہ سنتوں کے ساتھ مزین ہونا ہے، اُس (اللہ سبحانہ وتعالیٰ) کے ساتھ کمال گرفتاری اور اس کے غیر کو چھوڑنے کی علامت کامل طریق پر سنت کی پیروی اور بدعت سے پرہیز کرنا ہے جس قدر وہ زیادہ ہوگا یہ بھی زیادہ ہوگا ورنہ اُس گرفتاری (تعلق) کو پسند نہیں کرتے اور اس ترک (چھوڑنے) کو عین گرفتاری شمار کرتے ہیں۔

میرے مکرم! آپ نے جو اعتراضات کہ حضرت خواجۂ بزرگ (خواجہ بہاؤ الدین نقشبند قدس سرہٗ) کے کلام پر کئے ہیں اگرچہ وہ تمام اعتراضات سندِ اخص پر کلام ہی جو کہ مدفوع (دفع کئے ہوئے) ہیں اس کے باوجود بطریق تنزل (نیچے کے درجہ پر اُتر آنے کے طریق پر) ہم کہتے ہیں کہ چونکہ خطرات ووساوس کا عود (لوٹ آنا) علم کے عود کے بغیر صورت پذیر نہیں ہوتا کیونکہ نسیان کے وقت خطرات ووساوس نہیں ہوتے، اس بنا پر کلام کی بنا اشیاء کے علم اور اشیاء کے نسیان پر رکھی گئی ہے کیونکہ ان دونوں کے درمیان تلازم ہے، اس تعلق کی وجہ سے کہ اس (مخلوق) کا وجود اور تمام صفات اس سبحانہ وتعالیٰ کی واضح قدرت کا اثر ہیں مخلوق سے خالق کی طرف ایک کشادہ راستہ ہے کہ مؤثر حقیقی تک وصول کے بعد قوی بصیرت والوں پر وہ پوشیدہ راستہ اور وہ معنوی تعلق محسوس وظاہر ہو جاتا ہے رہنمائی میں اتحاد کی کیا ضرورت ہے دھوئیں کو آگ کے ساتھ کیا اتحاد ہے جس جماعت نے کہ نسبت کو درست کر لیا ہے اور محبت کو کمال تک پہنچایا ہے وہ لوگ محبوب کے ادنیٰ سے تعلق کے ساتھ کھنچ جاتے ہیں اور کسی چیز کے ساتھ اس سے عاجز نہیں رہ جاتے اور تمام اشیاء کو مذکورہ تعلق کے ساتھ ملاحظہ کرتے ہیں اس صورت میں کوئی چیز عارف کو اپنی طرف نہیں بُلاتی بلکہ اپنے ماوراء کی طرف رہنمائی کرتی ہے اور نظر بصیرت عارف کو اپنے سے باہر ڈالتی ہے اتحاد کی صورت کے برخلاف کہ اس میں سالک بیچارہ کو ہر چیز اپنی طرف بلاتی ہے اور اپنی گرفتاری کی طرف رہنمائی کرتی اور اپنے آپ کو محبوبیت کے عنوان کے ساتھ ظاہر کرتی ہے اور ہر دد شکل اور دد بود (بھوت) معشوق کے ناز وانداز کے ساتھ سامنے آتا ہے اور سدِّ سکندری بن جاتا ہے ؎

ص ۴۲۰

پری نہفتہ رخ ودیو در کرشمہ وناز ۔۔۔ بسوخت عقل زحیرت کہ ایں چہ بوالعجبی است

[پری نے اپنا چہرہ چھپا لیا اور دیو کرشمہ وناز میں مصروف ہے عقل حیرت سے جل گئی کہ یہ کیا بوالعجبی ہے]

اور نیز اگر ممکنات میں وجود اور تمام کمالات اس مرتبۂ مقدسہ کے ظلال ہوں تو ظل سے اصل کی طرف شاہراہ ہے ظل کے لئے اصل کا عین ہونا ممنوع ہے اور اس فقیر نے عارف کے علم کو جو کہ کمال کے بعد اشیاء سے

تعلق رکھتا ہے کمال حضوری نہیں لکھا ہے علمِ حصولی کی نفی سے علمِ حضوری لازم نہیں آتا کیونکہ حق سبحانہ کا علم جو کہ اشیاء سے متعلق ہے حضوری و حصولی سے ماوراء ہے محض انکشافی ہے جو کہ حصولِ صورت کے بغیر معلوم کی تمیز کا سبب ہے اور موجوداتِ علمی اس معنی سے ہیں کہ علم ان کی تمیز کا باعث ہوا ہے اشیاء جس جگہ بھی ہوں اس سبحانہ و تعالیٰ پر منکشف ہیں، اشیاء کے ساتھ علمِ واجب تعالیٰ کو علمِ حضوری یا علمِ حصولی کہنا شاید اہلِ توحیدِ وجودی کے طریق پر درست آتا ہے اور عارف کا علم کمال کے بعد اسی طریق پر ہو جاتا ہے اور اشیاء جس جگہ بھی ہوں عارف کے نفس میں اُن کی صورتوں کے حصول اور تاثر کے بغیر عارف پر منکشف ہو جاتی ہیں، یہ علم حصولی اور حضوری کے علاوہ ہے اگرچہ محدود عقل کے گرفتار اس کا یقین نہ رکھیں اور قبول نہ کریں کہ یہ لوگ بحث سے خارج ہیں، اس قسم کے امور ذوقی اور وجدانی ہیں الزامی نہیں ہیں، اس معرفت کا نادر ہونا اسی وجہ سے ہے کہ (یہ) علم حضوری نہیں ہوتا اور صورت کے حصول سے آزاد و فارغ ہے۔ من لم یذق لم یدر [جس نے نہیں چکھا اس نے نہیں جانا]۔

میرے مخدوم! نماز کو تجلیات و مشاہدات سے بہتر کہنا اس اعتبار سے ہے کہ کامل یقین سے معلوم ہو گیا ہے کہ مطلوب ان تجلیات و مشاہدات سے وراء الوراء ہے ان کے ساتھ گرفتاری ظلال کے ساتھ گرفتاری ہے بلکہ شبہ و مثال کے ساتھ (گرفتاری) ہے جو کہ حقیقت میں غیر مطلوب ہے اور تمام اشیاء کو مطلوب کا عین ہونے کا حکم لگانا سُکر کی وجہ سے ہے، نماز ہی ہے جو کہ مطلوب کی خبر دیتی ہے اور اُس بے نشان کا کچھ نشان رکھتی ہے، جو قُرب کہ اُس کی ادائیگی کے وقت (ہوتا) ہے اس کے باہر نہیں ہے، حدیثِ نبوی علیٰ مصدرہا الصلوٰۃ والسلام والتحیہ میں آیا ہے کہ نماز میں اُس حجاب کو جو کہ بندہ اور خدا کے درمیان ہے اٹھا دیا جاتا ہے اسی لئے اُس کو معراج فرمایا ہے پس جس قدر کوشش اس (نماز) کی تکمیل میں کی جائے یہ اُس نسبت کی تکمیل میں کوشش ہے کہ یہ تجلیات و مشاہدات جس کی گرد کو نہیں پہنچتے۔ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ [یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جس کو چاہتا ہے عنایت فرماتا ہے اور اللہ تعالیٰ بہت بڑے فضل والا ہے]۔ اس معاملہ، نماز کا کمال قُربِ نبوت کے ساتھ وابستہ ہے کہ اکثر اربابِ ولایت کا ہاتھ اس بلند و بالا درخت سے کوتاہ ہے، انھیں تمام ورق پلٹ دینا چاہئے تاکہ معاملہ اِس سے اُس تک پہنچ جائے اُس کا قرب جُدا ہے اور اُس کے علوم و اسرار علیحدہ ہیں، اس (قربِ نبوت) تک پہنچنے کا راستہ اس راستہ کے ساتھ مناسبت نہیں رکھتا (وہ) ایک شاہراہ ہے کہ انبیاءِ کرام علیہم الصلوٰت والتسلیمات والبرکات اور اُن کے اصحابِ کرام نیز اِس امت کے خال خال افراد اس راستہ سے مطلوب تک پہنچے ہیں، ہو سکتا ہے کہ ہمارے خواجہ حضرت قطب العرفاء،

(خواجہ محمد باقی باللہ قدس سرہ) نے اسی راہ کی نشاندہی فرمائی ہے، اس جگہ جہاں انھوں نے فرمایا ہے کہ شاہراہ اور ہی ہے اگرچہ جائز ہے بلکہ واقع ہے کہ ولایت کی راہ سے کوئی شخص اس بلند چوٹی پر پہنچ جائے

بوصلش تا رسم صد بار از پا افگند شوقم که تو پرواز م و شاخ بلندے آشیاں دارم

[اس کے وصل کو پہنچنے تک میرا شوق مجھ کو سو بار پاؤں سے گراتا ہے کیونکہ میں نیا اُڑنے والا ہوں اور ایک بلند شاخ پر آشیاں رکھتا ہوں]

نماز کو اس صورت پر مقصور (محدود) نہیں جاننا چاہئے، (یہ) عالمِ غیب الغیب میں ایک حقیقت رکھتی ہے جو کہ تمام حقیقتوں سے اوپر ہے جبتک اس حقیقت کو نہ پہنچے اور اس (حقیقت) کے اہل کے ساتھ آشنا نہ ہو جائے نماز کے کمال سے کیا پائے گا، شاید حدیثِ قدسی قف یا محمد فان اللہ یصلی [اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) ٹھہر جا پس بیشک اللہ تعالیٰ نماز میں ہے] میں اسی حقیقت کی طرف اشارہ ہو۔ نماز ایک دلربا معشوق ہے گویا اس کی صورتِ زیبا کو عالمِ مجاز میں ان مخصوص ارکان کے ساتھ دکھایا گیا ہے اور اس کی خوبصورتی کی اداؤں کو اس خشوع و آداب کے ساتھ ظاہر کیا گیا ہے جو شخص کہ اس صورت کے ساتھ گرفتار اور فریفتہ نہ ہو وہ ان ارکان کی حقیقت کو کیا پائے گا (اور) جو شخص کہ ان اداؤں کا والہ و شیفتہ نہ ہو جائے وہ اس خشوع و طمانیت کا کیا ادراک کرے گا۔ مختصر یہ ہے کہ اس کی لطافتیں اس سے کہیں زیادہ بلند ہیں کہ اس فضول گو کی زبان پر جاری ہوں اور اس کی خوبیاں اس سے کہیں برتر ہیں کہ اس بوالہوس کا قلم اس کی ترجمانی کا خیال کرے لیکن اس دولتِ عظمیٰ کے اہلِ حضرات کے پاکیزہ انفاس سے بہت امیدیں اور ان کی محبت و خدمت کی برکت سے بہت بشارتیں رکھتا ہوں ؎

۴۲۲

چکد مشک تر از دستم گر آں گیسو بچنگ افتد دمد صبح از گریبانم گر آں مہ در کنار آید

[اگر وہ گیسو میرے پنجے میں آجائیں تو میرے ہاتھ تر مشک ٹپکنے لگے، اگر وہ محبوب میری آغوش میں آجائے تو میرے گریبان سے صبح طلوع ہو جائے]، سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ وَسَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ [تیرا رب جو کہ عزت والا رب ہے ان باتوں سے پاک ہے جو یہ لوگ بیان کرتے ہیں اور رسولوں پر سلام ہو اور تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کا پالنے والا ہے] آپ بزرگوار کی عام شفقتوں سے امید یہ ہے کہ اس کے بعد گفتگو کے دروازے کو اس فرقت زدہ گنہگار پر بند کر دیں گے اور چھوڑ دیں گے کہ نامرادی کے گوشہ میں اپنے گناہوں کا ماتم اور جدائی کا غم رکھتا رہے، والسلام علی من اتبع الھدیٰ۔

۳۷/۱۸۰

مکتوب ۲۳۱

حقایق و معارف آگاہ مخدوم زادۂ گرامی شیخ محمد صبغۃ اللہ سلمہ اللہ تعالیٰ کے نام حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہ کے مکاشفہ کے بیان میں تحریر فرمایا۔

الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ۔ عالی حضرت متعالی منقبت ہمارے حضرتِ عالی (مجدد الفِ ثانی) رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے تھے کہ میں ایک روز فجر کے حلقہ میں بیٹھا تھا ایک قسم کی خاص فنا ظاہر ہوئی اور جو تعین کہ میں رکھتا تھا زائل ہونے لگا اور اس مشاہدہ نے طول کھینچا یہاں تک کہ میں اسی روز کی نمازِ عصر میں بیٹھا تھا میں نے دیکھا کہ امامِ ہمام حضرت ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے تمام شاگردوں کے ساتھ بلکہ اُن تمام علماء و مجتہدین کے ساتھ جو کہ اُن کے مذہب میں ہیں میرے گرد جمع ہو گئے اور مجھے گھیر لیا، اور حضرت امام (رضی اللہ عنہ) کے بعض اساتذہ مثلاً حضرت ابراہیم نخعی (رضی اللہ عنہ) وغیرہ بھی اس وقت نظر آرہے تھے، میں دیکھتا ہوں کہ گویا ان سب کے انوار مجھ میں آگئے اور میں نے اُن انوار کے ساتھ تعین اور بقا پائی اور پوری طرح ان اکابر کے انوار کے ساتھ متجسم ہو گیا۔ یہ مکاشفہ تو یہاں ختم ہوا۔ اس واقعہ کے دو تین روز کے بعد آپ نے فرمایا کہ جیسا تعین و بقا علمائے حنفیہ کے ساتھ ہوا تھا اُسی قسم کا تعین و بقا علمائے شافعیہ کے ساتھ بھی متحقق ہوا چنانچہ میں نے دیکھا کہ حضرت امام شافعی (رضی اللہ عنہ) اپنے مذہب کے تمام علماء و مجتہدین کے ساتھ میرے گرد جمع ہیں محسوس ہوا کہ علمائے حنفیہ مجھ سے باہر آگئے اسوقت میں علمائے شافعیہ کے انوار کے ساتھ متحقق ہو گیا جیسا کہ پہلے علمائے حنفیہ کے انوار کے ساتھ متحقق ہوا تھا، اس کے بعد مشہود ہوا کہ جو کچھ مجھ سے چلا گیا تھا یعنی انوارِ حنفیہ پھر مجھ میں عود کر آیا، اس وقت میں ان دونوں فریق میں سے ہر ایک کے انوار کے ساتھ متحقق ہو گیا، اس لحاظ سے اگر حضرت عالی (قدس سرہ) کو حنفی الشافعی کہیں تو گنجایش ہے۔ فرماتے تھے کہ اسوقت ایسا معلوم ہوا کہ حق ان دونوں اماموں سے باہر نہیں ہے اگر حنفی سے کسی جگہ حق رہ گیا ہے تو امام شافعی نے لے لیا ہے اور امام شافعیؒ سے آگے نہیں بڑھا ہے، اس معنی کو کامل مبالغہ کے ساتھ فرماتے تھے اور نیز فرماتے تھے کہ حق سے دو تہائی یا تین چوتھائی حق امام اعظم کے ساتھ مسلم ہے اور ایک تہائی یا ایک چوتھائی امام شافعی کے ساتھ ہے، والسلام علیٰ من اتبع الھدیٰ۔
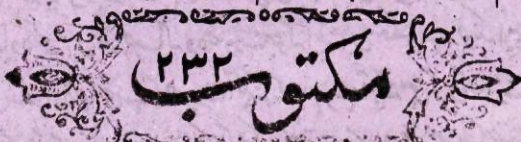
میر شمس الدین علی خلخالی کے نام کمالات فنائے نفس کی تحقیق میں تحریر فرمایا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم ۔ حضرت حق سبحانہ وتعالیٰ ہم بے سروسامانوں کو حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اتباع کی حقیقت کے ساتھ آراستہ کر کے اس وہمی خلعت کو کہ جس کی طرف التفات و توجہ کرنا اس (اللہ تعالیٰ) کے خاص بندوں کے نزدیک شرک ہے اور وہ ہمارے نفس سے کنایہ ہے جو کہ مطلوب کے لئے حجاب وپردہ ہو گیا ہے بلکہ اپنے آپ کو مطلوب اور معبود ہونا کہتا ہے جیسا کہ کہا گیا ہے انت الغامۃ علی شمسك فاعرف حقیقتك [تو اپنے سورج پر بادل ہے پس تو اپنی حقیقت کو پہچان] پوری طرح ہم سے الگ کر دے تاکہ (یہ بات حاصل) ہو جائے کہ مطلوبِ حقیقی کو اغیار کی مزاحمت (شرکت) کے بغیر مطلوب ہونے کے ساتھ جانا جائے اور پرستش کی جائے اور اس بادل کے ٹکڑے کو جو کہ اپنے آفتاب کے چہرے پر اپنے لئے پردہ ہو گیا ہے درمیان سے اٹھا دے اور آفتاب کے نور کی روشنی کے بالمقابل اس کو محو اور لاشئے کر دے کہ ڈھونڈنے والا اس کا کوئی نام ونشان نہ پائے اور کلمۂ انا (میں) کے لئے کوئی مورد (وارد ہونے کی جگہ) نہ رہے، اس معنی میں نہیں کہ اس وقت میں اپنے آپ کو عین مولا تصور کرے بلکہ اپنے آپ کو درمیان سے نکال لے اور نہ پائے، مولا مولا ہے، غیروں کو دلہن کے چھپر کھٹ سے نکال، دُلھن دُلھن ہے نہ یہ کہ اغیار کو عین دُلھن تصور کرے اور اغیار کے مشاہدہ کے ساتھ دلھن کے جمال کے مشاہدہ سے محروم وعاجز رہ جائے، اور جب اللہ تعالیٰ بندہ کو اس قسم کی فنا کے ساتھ جو کہ اس راستہ کا پہلا قدم ہے مشرف کرتا ہے اور بندہ آیتِ کریمہ اِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا ۔ [اللہ تعالیٰ تم کو حکم دیتا ہے کہ امانتیں ان کے مالکوں کو دیدو] کے حکم کے مطابق امانات کو اہلِ امانات کے سپرد کر دیتا ہے یعنی عارضی کمالات کو مالکِ کمالات کے حوالہ کر دیتا ہے اور عدم مقید کو جو کہ ان کا آئینہ تھا عدم مطلق کے سپرد کر دیتا ہے اگرچہ یہ انعکاس وعاریت کی دید بھی فقط وہمی ہونے کے اعتبار سے ہے کیونکہ حقیقت میں کوئی کمال بھی اس بارگاہ سے الگ نہیں ہوا ہے اور عدم حقیقت میں عدمِ مطلق سے جدا نہیں ہوا ہے اس جگہ علم کا بدل جانا ہے اور بس کیونکہ اس وہمی انعکاس کے ساتھ جو اپنے آپ کو کامل اور اچھا جانتا تھا، جب اس کی نظر اپنی اصل پر پڑی اور اچھی طرح ملاحظہ کیا تو دیکھا کہ تمام کمالات وہاں ثابت ہیں اس جگہ وہمی دکھاوے اور قدرت کی نقاشی سے زیادہ کچھ نہیں تھا جیسا کہ وہ صورت جو کہ آئینہ میں منعکس ہے چونکہ اپنی اصل کی طرف نظر نہیں رکھتی (اس لئے) وہ جانتی ہے کہ صورت آئینہ کے باہر ہے آئینہ میں کوئی صورت ثابت نہیں ہے اس وقت اس کا کوئی نام ونشان نہیں رہتا کیونکہ ممکن کی حقیقت بھی وہی علم رہی ہے جو کہ حقیقت میں جہلِ مرکب ہے

ع اے برادر تو ہمیں اندیشۂ [اے بھائی تو ہی وہم وخیال ہے]

پس اس وقت میں آیتِ کریمہ وَالَّذِیْنَ جَاهَدُوْا فِیْنَا لَنَهْدِیَنَّهُمْ سُبُلَنَا [جو لوگ ہمارے (راستہ) میں مجاہدہ کرتے ہیں تو ضرور ہم ان کو اپنے راستوں کی ہدایت کرتے ہیں] کے مطابق اس لائق ہو جاتا ہے کہ اس کو بارگاہِ قدس میں ایک راستہ دیتے ہیں اور بقا باللہ و تجلیٔ ذات کے ساتھ جو کہ دوسرا قدم ہے مشرف کرتے ہیں اور جبتک وہ عدم کی آمیزش کے ساتھ آلودہ ہے اس بارگاہ کے قرب کی لیاقت نہیں رکھتا بلکہ جبتک عدم کی کچھ بُو اس کی حقیقت کے ساتھ ملی ہوئی ہے اس دولت سے وہ کم نصیب ہے، والسلام علیٰ من اتبع الھدیٰ [اور اس شخص پر سلام ہو جس نے ہدایت کی پیروی کی]۔

مکتوب ۲۳۳

شیخ عبد الہادی بدایونی کے نام درویشوں کی خدمت اور ان کے ساتھ محبت کی فضیلت میں تحریر فرمایا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ حمد و صلوٰۃ اور تبلیغ دعوات کے بعد اشفاق پناہی کے خدمتگاروں کی خدمت میں عرض گذار ہے کہ اس حدود کے فقراء کے احوال حمد کے لائق ہیں المسئول من اللہ سبحانہ سلامتکم واستقامتکم [اللہ تعالیٰ سے آپ کی سلامتی و استقامت مطلوب ہے] مدت ہو گئی کہ آپ نے (اپنے) احوالِ نیک انجام سے کوئی اطلاع نہیں دی ہے (خدا کرے) اس (اطلاع) سے روکنے والے امور خیر (بھلائی) والے ہوں، یہ کسقدر (عجیب) نعمت ہے کہ حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ اپنے کسی بندہ کو بڑھاپے کی عمر اور ضعف کے زمانہ میں دوستوں کی قبولیت کے آثار کے ساتھ آراستہ و مزین کرے اور اس کی پیشانی کے نور کو شاہد عدل بنائے۔ منقول ہے کہ ایک شخص نے کسی فاسق کو اس کے مرنے کے بعد خواب میں دیکھا اور اس کے حالات دریافت کئے اس نے کہا کہ مجھ کو بخش دیا گیا، سائل نے تعجب کرتے ہوئے پوچھا کہ کس عمل کی وجہ سے؟ اس نے کہا کہ ایک روز حضرت بایزید بسطامی (قدس سرہ) نے نمازِ عصر کے بعد دعا کے لئے ہاتھ اُٹھائے تھے میں بھی اس دعا میں شریک تھا اور ہاتھ اُٹھا کر آمین کہتا جاتا تھا، اس دعا کے طفیل میں مجھے بخش دیا گیا۔ پس آپ جیسے بزرگوں پر رشک کرنا چاہئے کہ آپ نے اُس (اللہ) تعالیٰ شانہ کے دوستوں کی دوستی کی خدمت میں (اپنے) کالے بالوں کو سفید کیا ہے اور اپنے لئے اُن کے دل میں جگہ بنائی ہے، اس عظیم القدر امر کو تھوڑا خیال نہ کریں اور کسی عمل کو اس عظیم اجر والے عمل کے برابر تصور نہ کریں کیونکہ اس عمل کی جزا حق سبحانہ و تعالیٰ ہے، دوسرے اعمال کی جزا اس کی گرد کو بھی نہیں پہنچتی، دوسرے اعمال کا حاصل اس عمل کی حقیقت سے آگاہی کے بغیر

صورت و قشر (چھلکا) سے تجاوز نہیں کرتا، اس عمل کی حقیقت ہے کہ لُب (مغز) کے ساتھ متحقق کرکے لب الالباب (مغزوں کے مغز) تک پہنچاتی ہے اور وہاں سے اوپر کی طرف رہنمائی کرتی ہے اور اس امر کی حقیقت ہے جو کہ نفسِ امارہ کو طغیان (حد سے تجاوز کرنا) اور سرکشی سے فرمانبرداری، واطمینان و فنا و بقا کے ساتھ مشرف کرتی ہے اور اس عمل کی حقیقت ہے جو کہ دوسرے اعمال مثلاً نماز روزہ زکوٰۃ اور حج وغیرہ ظاہری اعمال کو اعمال کی صورت سے اُن کی حقیقت تک لے جاتی ہے، ابتدا میں جو کچھ اُس سے واقع ہوتا ہے وہ اعمال کی صورت ہے اور حقیقتِ کار تک پہنچنے کے بعد اعمال کی حقیقت کو بجالاتا ہے مثلاً حقیقتِ نماز و حقیقتِ روزہ بجالاتا ہے علیٰ ہذا القیاس۔ پس اس قسم کی نعمتِ عظمیٰ کا شکر بجالانے میں پوری پوری کوشش ملحوظ رکھنی چاہئے اس کے باوجود اپنے آپ کو اس کا حق ادا کرنے میں قاصر سمجھنا چاہئے اور جو کوتاہیاں کہ ان بزرگوں کی صحبت و خدمت کا حق ادا کرنے میں واقع ہوتی ہیں اُن کی تلافی کامل تضرع و زاری کے ساتھ اُس (اللہ) تعالیٰ شانہ کے کرم سے طلب کرنی چاہئے تاکہ قبولیت کا اثر معلوم ہو جائے۔ رَبَّنَا اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا وَاغْفِرْ لَنَا اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ [اے ہمارے رب! ہمارے لئے ہمارے نور (ہدایت) کو پورا کردے اور ہمیں بخش دے بیشک تو ہر چیز پر قادر ہے۔] والسلام علیکم وعلی سائر من اتبع الهدی والتزم متابعة المصطفٰی علیه وعلی آله واصحابه واخوانه من الانبیاء والمرسلین والملائکة المقربین وسائر الصالحین الصلوات والتسلیمات والبرکات العلی۔

خواجہ محمد کاظم کے نام ان کے والد خواجہ محمد ہاشم کی تعزیت کے بارے میں اور تحصیل کمالات کی طرف اشارہ اور نصائح کے ذکر میں تحریر فرمایا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ قرۃ العینین (آنکھوں کی ٹھنڈک) و سرۃ الاذنین (کانوں کی مسرت) خواجہ محمد کاظم مع ہمشیرگان و برادران اخیر زمانے کی آفات اور شیطان کے مکر سے حضرت حفیظ امان (اللہ تعالیٰ) کی حفظ و امان میں رہ کر صبر و رضا و تسلیم کے مقام میں رہیں، نہیں جانتا کہ کمالات دستگاہی واقف اسرارِ الٰہی جل شانہ، برادر مرحوم کی تعزیت کے بارے میں کیا لکھے اور جدائی کے درد و غم اور اس باطنی معاملات کو کھونے والے کی ظاہری عدمِ ملاقات کو کس طرح ظاہر کرے اس مسکین کے غمگین دل کو اس سریع السیر اور بلند پرواز خواجہ کے ساتھ طبعی محبت اور عزیزداری کا تعلق رہا ہے اور اسی طرح اس کا عکس بھی (یعنی

حضرت خواجہ کو بھی میرے ساتھ ایسا ہی تعلق رہا ہے) چنانچہ اس سے پہلے خواجہ کی زندگی کی حالت میں (بھی) خواجہ کی معمولی سی جدائی سے دل مضطرب رہتا تھا اب جبکہ اس قسم کی جدائی واقع ہوئی ہے خیال کرنا چاہیئے کہ کس قسم کا غم وسوز دل پر وارد ہوتا ہوگا ؎

میانِ ما کہ پیراہن بود بار دو عالم درمیاں شد چوں شود کار

[ہمارے درمیان تو پیراہن ہی ایک بار تھا (اب جبکہ) دوجہان درمیان میں (حائل) ہوگئے (تو) کام کس طرح چلے گا]

حق تعالیٰ جلّ سلطانہ کے دوستوں کے غم کو (دوسرے) عام لوگوں کے غم کی طرح نہیں جاننا چاہیئے دوسروں کا غم زمین کے ایک جزو میں ہے اور ان حضرات کا غم تمام زمین وآسمان میں ہے، دوسروں کا غم بعض جسمانی مخلوق میں ہے اور ان بزرگوں کا غم جسمانی اور روحانی مخلوقات کو شامل ہے، دوسروں کا غم ظاہر وصورت پر محدود ہے اور ان بزرگوں کا وجود چونکہ فیوضِ معنوی اور افاداتِ باطنی کے لئے واسطہ ہے (اس لئے) ان کا غم ظاہر وباطن پر غلبہ رکھتا ہے لیکن اس کے باوجود چونکہ اس قسم کے افعال جمیلِ مطلق کا فعل ہیں (اس لئے) جمیل ہیں ؎

ہر چہ خوباں کنند خوب آید [جو کچھ محبوب کرتے ہیں وہ محبوب ہوتا ہے]

اور محبت کرنے والوں اور مشاہدہ کرنے والوں کی نظر میں اس کا فعل ہر وقت خوبصورت اور اچھا نظر آنا چاہیئے جس شخص کو یہ دید (نظر) دی گئی ہے اور اپنے دوستوں کے باطن سے فیوض کے دروازے اس پر کھول دیئے گئے ہیں اور صورت کی قید سے اس کو رہائی دیدی گئی ہے کیونکہ معنیٰ کو معنیٰ کے ساتھ ایک راہ اور باطن کو باطن کے ساتھ ایک نگاہ ہے جو رکاوٹ کہ تھی وہ صورت وظاہر کے ساتھ اس کی گرفتاری تھی جب حق جلّ وعلا کا فعل وتکوین جلوہ گر ہوا دل جو کہ گرفتاری (تعلقات وانتسابات) کا محل ہے گرفتاری سے چھوٹ گیا کیونکہ فنائے قلب جو کہ برزخ اور حقیقتِ جامعہ ہے تجلیٔ فعل سے وابستہ ہے کیونکہ فعل بھی برزخِ جامعہ ہے قلب کو اس کے ساتھ کامل مناسبت ہے اور اس تجلیٔ فعلی کے ساتھ اس شخص نے یقین سے جان لیا کہ فیوض وبرکات کا جاری کرنا اس (تعالیٰ شانہٗ) کا فعل ہے درمیان کے وجود اور واسطے بہانہ سے زیادہ نہیں ہیں درمیانی واسطہ کی موت وحیات یکساں ہے اس وقت اموات (مردوں) سے احیا (زندوں) کی طرح بہرہ ور ہوتا ہے ع

گر درے بستہ شد اے دل دیگرے بکشایند [اے دل اگر ایک دروازہ بند ہوا تو کوئی دوسرا کھول دیتے ہیں]

حقیقت میں فیض دینے والی ذات کوئی دوسری ہے اور زندوں کا واسطہ نہیں ہوگا تو مُردوں کا وسیلہ ہوگا اور جب یہ تجلی کمال کو پہنچ جاتی ہے تو واسطہ کا وجود بالکل نظر سے اٹھ جاتا ہے اور محبوب کے خلوت خانہ

ہیں اغیار کے مشاہدہ کی روک ٹوک کے بغیر جا بیٹھتا ہے۔ ع

بعد ازیں خوشترم بہ تنہائی [اس کے بعد میں تنہائی میں بہت خوش ہوں]

بات دوسری طرف چلی گئی، مطلب یہ ہے کہ اس (اللہ) تعالیٰ شانہ کے فعل پر راضی اور خوش رہیں اور راہِ شریعت کو مضبوط پکڑیں اور پیغمبر خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کی سنت پر عمل پیرا ہوں اور اپنے والد (قدس سرہٗ) کے سنجیدہ عادات و اطوار کو ترک نہ کریں اور پانچوں نمازوں کے لئے اول وقت میں حاضر ہوا کریں اور (اپنی) والدہ (ماجدہ) اور تمام اہلِ حقوق کی رضا جوئی میں کوشش کریں اور جوانی کے زمانہ کو غنیمت جانیں اور حق تعالیٰ جل وعلا کی مرضیات کو حاصل کرنے میں پوری پوری کوشش ملحوظ رکھیں جوانی کی قوتوں کو اپنے مالکِ (حقیقی) کی خدمات (طاعات) میں صرف کریں، کمزوری اور بڑھاپے کے دنوں میں کیا کام ہو سکے گا ایسا نہ ہو کہ ان دنوں کو سستی میں گذار دیں اور لہو و لعب میں صرف کر دیں اور عیش و عشرت میں پڑ جائیں کیونکہ عیش کا وقت آگے (آخرت میں) آنے والا ہے۔ اللّٰھم انّ العیش عیش الاخرۃ [اے اللہ! بیشک آخرت کا عیش ہی (اصل میں) عیش ہے] یہ وقت کام کرنے کا وقت ہے نیک کاموں کے کرنے میں اچھی طرح کمر ہمت باندھیں اور مولیٰ تعالیٰ اور اس کی رضا کے سوا اور کوئی غرض نہ رکھیں، فقر و مسکینی کو جان و دل سے عزیز رکھیں اور نامرادوں اور دردمندوں کی صحبت اختیار کریں اور نیک لوگوں اور درویشوں کو دل و جان کے ساتھ عزیز رکھیں اور ان کے ساتھ ہم نشینی اختیار کریں، وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ وَلَا تَعْدُ عَيْنٰكَ عَنْهُمْ تُرِيْدُ زِيْنَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا [اور اپنے آپ کو ان لوگوں کے ساتھ پابند رکھیے جو صبح و شام اپنے رب کو محض اس کی رضا جوئی کیلئے یاد کرتے ہیں اور دنیوی زندگی کی رونق کے خیال سے آپ کی آنکھیں ان سے ہٹنے نہ پائیں] اور اہلِ دنیا اور اس کی جھوٹی آرائش پر گوشۂ چشم سے بھی نہ دیکھیں اور اس کو حقیر و ناچیز جانیں اور زہرِ قاتل تصور کریں اور طالبانِ حق کی خدمت حتی الامکان خود اپنے ذمہ لیں اور جہاں تک ہو سکے دوسروں پر نہ چھوڑیں اگر مرقدِ مطہر (قبر مبارک حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ) نورنا اللہ سبحانہ بانوارہ الساطعۃ [اللہ سبحانہ ہم کو ان کے بلند و روشن انوار سے منور کرے] کی زیارت کی نیت سے سرہند (شریف) کا سفر کریں تو مبارک جانیں اور اپنا گھر تصور کریں اور کچھ وقت روضۂ منورہ کے قرب میں صرف کریں، اور بعض کمالات کا کسب کریں اور اہلِ غفلت اور طریقہ کے مخالف لوگوں سے ہم نشینی نہ رکھیں اور اہل و عیال کے ساتھ اچھا سلوک اور بھلائی کریں لیکن ان کے ساتھ کامل انسیت پیدا نہ کریں تاکہ اس بارگاہِ مقدس سے روگردانی کا باعث نہ ہو جائے اور اِنَّهٗ كَانَ فِيْٓ اَهْلِهٖ مَسْرُوْرًا [بیشک وہ اپنے اہل میں خوش و خرم تھا] کی وعید کا مستحق نہ ہو جائے۔ مختصر یہ ہے کہ جو چیز بھی اللہ تعالیٰ جل سلطانہ کی

۴۲۷ ص

(حاشیہ: پ ۱۵ کہف ۲۸۔ ... زینت کی خاطر آپ کی نگاہیں .... پ ۳۰ انشقاق ۱۳ (توجہات) ان سے پھرنے پائیں)

مقدس بارگاہ کی طرف دائمی توجہ کے منافی ہے وہ نامبارک ہے اور جو چیز ایسی نہیں ہے وہ محمود و مبارک ہے کلیہ (قاعدہ) یہی ہے، دیگر اپنے اور جماعت کے ظاہری و باطنی احوال تحریر کرتے رہیں، والسلام علیکم وعلی من لدیکم

مکتوب ۲۳۵

مخدوم زادہ محمد سیف الدین (قدس سرہ) کے نام حق سبحانہ کی نعمت کے بیان کرنے اور اعمال کی کوتاہی کو دیکھنے کے بیان میں تحریر فرمایا۔

۴۲۸

اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے نام کے ساتھ شروع کرتا ہوں، اللہ تعالیٰ جل سلطانہ کے کرم سے اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کے طفیل اور پیر دستگیر قدسنا اللہ سبحانہ بسرہ الاقدس کی توجہ کی برکت سے سلوک طے کرنے اور تکمیل کا معاملہ نہایت آسان ہو گیا ہے اور وصول (الی اللہ) کا راستہ بہت ہی قریب ہو گیا اور برسوں کا کام دنوں اور مہینوں میں طے ہونا قرار پا گیا اگرچہ مریدوں کی کمیت (تعداد) کے اعتبار سے یہ معاملہ کمی پر ہے (یعنی بہت کم مرید اس کی صلاحیت رکھتے ہیں) کیونکہ یہ وقت اس کی کثرت کی تاب نہیں رکھتا لیکن کیفیت کے اعتبار سے بکثرت اور بہت ہی زیادہ ہے، بالواسطہ مریدوں میں سے ایک شخص تعلیم طریقہ کی ابتدا سے سات روز میں اپنے اندر فنائے قلبی کا پتہ دیتا تھا اور ایسی چیزیں بیان کرتا تھا کہ گویا وہ فنائے نفس کے اردگرد پہنچ گیا ہے وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ [اور یہ بات اللہ تعالیٰ کے لئے کچھ مشکل نہیں ہے] فقیر کے اکثر صاحب اجازت حضرات اپنے مریدوں کے جو احوال بیان کرتے ہیں اور وصول (الی اللہ) تیزی کے ساتھ ہونے کے واقعات کی وضاحت کرتے ہیں محدود عقل حیران رہ جاتی ہے ؎

اگر پادشہ بر درِ پیر زن بیاید تو اے خواجہ سبلت مکن

[اگر بادشاہ بوڑھی عورت کے دروازے پر آجائے تو اے خواجہ تو حسد نہ کر]

جاننا چاہیئے کہ حقیقت میں تربیت کرنے والا وہ سبحانہ وتعالیٰ ہے۔ ع

از ما و شما بہانہ بر ساختہ اند [ہمیں اور تمہیں تو بہانہ بنایا گیا ہے]

تنبیہ: اس قدر انوار کا فیض اور اسرار کا فائدہ پہنچانے کے باوجود اس زخمی دل کا کام روز بروز خرابی میں ہے اور اس کے وقت کا حاصل دوری و محرومی ہے اور غفلت اور گناہوں کے کسب میں اضافہ ہے، حیرت کی گہرائی میں نیچے چلا گیا ہے اور اللہ تعالیٰ جل شانہ کے مکر سے ڈرتا اور کانپتا ہے، نہیں جانتا

کہ کل (قیامت کے روز) اس کے ساتھ کیا معاملہ کرتے ہیں اور کس گروہ میں داخل فرماتے ہیں: رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَاِسْرَافَنَا فِیْٓ اَمْرِنَا وَثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَی الْقَوْمِ الْکٰفِرِیْنَ [اے ہمارے رب ہمارے گناہ اور ہمارے کام میں ہماری زیادتیاں معاف کردیجئے اور ہمیں ثابت قدم رکھئے اور کافروں کی جماعت پر ہماری مدد فرمائیے]

۳/۱۴۷

مکتوب ۲۳۶

فقیر حقیر محمد عبید اللہ عفی عنہ کے نام حقیقتِ صلوٰۃ کے اسرار کے ایک رمز کو اجمال کے طور پر بیان کرنے کے بارے میں تحریر فرمایا۔

سُبْحَانَکَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا [تو پاک ذات ہے ہمیں اس علم کے سوا جو تونے دیا ہے اور کچھ علم نہیں ہے] حدیث شریف میں آیا ہے: قف یا محمد فان اللہ یصلی [اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ٹھہر جائیے پس بیشک اللہ تعالیٰ نماز پڑھ رہا ہے]۔ بلند مرتبہ اور اعلیٰ تعریف والے ہمارے حضرتِ عالی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آخری مرض سے پہلے اور اسی طرح مرضِ موت میں نماز کے حقایق و اسرار اور حقیقتِ صلوٰۃ کے متعلق اور انبیا (علیہم الصلوٰۃ والسلام) اور اولیائے کاملین (قدس اللہ اسرارہم) کی نماز کے بیان اور اس خصوصیت کے بارے میں جو کہ انبیاء علیہم الصلوات والبرکات کو دوسرے کاملین پر ہے اور انبیاء وملائکۂ ملاءِ اعلیٰ علیہم الصلوات والبرکات کی صفوفِ اربعہ (چاروں صفوں) کے بیان میں جنھوں نے (معراج کے واقعہ میں) اقتدا کی ہے اور بزرگواروں کے صف باندھنے کی کیفیت اور قرب ومنزلت کے اعتبار سے آپس میں ان کے درمیان درجات کا فرق اور یہ کہ صفِ اول میں ان برگزیدوں میں سے کون ہے اور وہ انبیائے کرام جن کا ذکر اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے کلام مجید میں مذکور ہے اس مجمع میں کیا خصوصیت رکھتے ہیں اور سرورِ دین ودنیا (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا خاص مقام جو کہ دوسروں کے مقامات پر سرداری اور بزرگی رکھتا ہے اور اس مقام کی وسعت کے بیان میں اور (یہ کہ) اس امت کے سابقین میں سے کون ہے جو طفیل وتبعیت کے طور پر اس مقام کے وصول سے مشرف وسعادت مند ہے اور اپنے مقام کا تعین اور اس کی خصوصیت کا بیان، اور جو کچھ مخدومی استاذی کے متعلق اس دولت سے کچھ حصہ حاصل ہونے کے بارے میں فرمایا اور نیز جو کچھ اس گنہگار بیکار کے بارے میں بشارت دی اور اس دولت کے اصالت کے طریق پر اور ضمنیت کے طریق پر حاصل ہونے میں جو کچھ فرق ظاہر فرمایا اور اس سے مناسبت رکھنے والی بہت سی چیزیں بیان فرمائیں کہ فکر وعقل ووہم ان کے ادراک سے حیران وپریشان ہوتا ہے۔ چونکہ مذکورہ بالا اکثر امو

۲/۲۲

۴۲۹

کی تفصیل اُن اسرار میں سے تھی جن کا چھپانا لازمی ہے اس بِنا پر اس مقام کے ذکر میں اجمال کے ساتھ کفایت کی گئی ہے، والسلام اولاً و آخراً۔

مخدوم زادہ خواجہ محمد نقشبند سلمہ ربہٗ کی خدمت میں حضرتِ ایشاں سلمہ اللہ تعالیٰ کے بعض مقامات کی طرف اشارہ کے بیان میں تحریر فرمایا۔

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ: حضرت پیرِ دستگیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت مخدوم زادہ کلاں خواجہ محمد صادق علیہ الرحمۃ والرضوان کی حیات کے ایام میں ایک روز فرمایا کہ "سابقین کے گروہ میں کہ جن کی شان میں حضرت حق سبحانہ نے ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ وَقَلِيْلٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ [ایک گروہ قرونِ اولیٰ کے حضرات میں سے اور تھوڑے آخر زمانہ کے حضرات میں سے] فرمایا ہے" میں نے نظر کی (تو) اپنے آپ کو اس جماعت میں دیکھا اور اپنے منتسبین میں سے بھی ایک شخص کو اس مقام میں اپنے ساتھ پایا اور اسی کی مثل متشابہات کے اسرار میں بھی اس مخدوم زادہ (خواجہ محمد صادق قدس سرہ العزیز) کے رحلت فرمانے کے بعد لکھا ہے کہ "متشابہات معاملات سے کنایہ ہیں جائز ہے کہ کسی شخص کو معاملہ حاصل ہو اور اس معاملہ کے متعلق علم نہ ہو" اس معنی کو اپنے منتسبین میں سے ایک فرد میں مشاہدہ کیا ہے تو پھر دوسروں کو تو کیا پہنچتا ہے، کسی نے خوب کہا ہے ؎

سعادت ہاست اندر پردۂ غیب نگہ کن تا کرا ریزند در جیب

[پردۂ غیب کے اندر بہت سی سعادتیں ہیں دیکھئے کس کی جیب میں ڈالتے ہیں) اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْٓ اَذْهَبَ عَنَّا الْحَزَنَ اِنَّ رَبَّنَا لَغَفُوْرٌ شَكُوْرٌ (سب تعریف اللہ تعالیٰ کے لئے ہے جس نے ہم سے غم کو دور کر دیا بیشک ہمارا رب ضرور غفور و شکور ہے۔) والسّلام

مخدوم زادہ خواجہ محمد اشرف کی خدمت میں حضرتِ ایشاں (خواجہ محمد معصوم قدس سرہ صاحبِ مکتوباتِ شریفہ) کے بارے میں بعض بشارات حاصل ہونے کے بیان میں تحریر فرمایا۔

بسم اللہ حامداً و مصلیاً۔ ہمارے حضرتِ عالی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اجمیر کے سفر پر روانہ ہونے سے پہلے ایک روز بادشاہِ وقت کے ہمراہ صوبہ پنجاب میں دریائے چناب کے بالائی کنارے پر ایامِ تشریق میں (جبکہ خریف (خزاں) کا معتدل موسم تھا فنا و بقا کے اسرار اور عین و اثر کے زائل ہونے کے دقائق اپنے خاص طرز میں بیان فرما رہے تھے اور کعبۂ مقصود تک پہنچنے اور اس کی علامت کے متعلق کلام آپ کی زبانِ مبارک پر جاری تھا اور ایک ماہ سے زیادہ گذر چکا تھا کہ اسی قسم کے معارف بیان ہو رہے تھے اور روز بروز اس کے عجائب و دقائق واضح فرما رہے تھے، یہ فرقت زدہ حضرت عالی کی توجۂ مبارک سے اس دریا میں غوطہ زنی کر رہا تھا اور حضرتِ عالی ہمیشہ اس عاجز کے وصال (مقصود تک پہنچنے) کی جانچ پڑتال اور اس کے اظہار کے منتظر رہتے تھے اور اس کی ترقی کی امید رکھتے تھے اور اس پر توجہ فرماتے تھے یہانتک کہ جس وقت میں مذکورہ دقایق بیان فرماتے تھے اور اس فقیر کے سوا کوئی دوسرا شخص خدمتِ شریف میں نہ ہوتا تو اس ناکارہ کے حالات و کیفیات دریافت فرمانے کے بعد اس کے حق میں عنایات ظاہر فرماتے اور مذکورہ بالا معاملات کے حصول کی بشارت فرماتے اور اس کے بارے میں یہ شعر اپنی زبانِ الہام ترجمان پر لاتے ؎

مورِ مسکین ہوسے داشت کہ در کعبہ رسد — دست در پائے کبوتر زد و ناگاہ رسید

[ایک مسکین چیونٹی خواہش رکھتی تھی کہ کعبہ میں پہنچ جائے وہ کبوتر کے پاؤں میں چمٹ گئی اور یکایک پہنچ گئی]

حمد اللہ سبحانہ علیٰ ذلک و علیٰ جمیع نعمائہٖ تعالیٰ [اللہ تعالیٰ کی اس نعمت اور تمام نعمتوں پر اس کی حمد و شکر ہے] والسلام والاکرام۔

مکتوب ۲۳۹

میر کِ عباد اللہ ولد قاضی محمد زاہد کابلی کے نام حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہ سے سُنی ہوئی ایک معرفت کی شرح میں صادر فرمایا۔

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ سید المرسلین محمد و آلہ اجمعین۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی احادیث میں آیا ہے کہ جو عالم اپنے علم کے مقتضا پر عمل نہ کرے وہ علم اس پر حجت ہو جاتا ہے اور اسی کے مناسب وہ ہے جو کہ علما نے کہا ہے کہ وہ اس عالم کو جو کہ عمل کا تارک ہے جاہل کی مانند قرار دیتے ہیں، ہمارے حضرتِ عالی اس معنی میں غور و فکر فرماتے تھے

ص ۱۴۳

آخر کار اللہ تعالیٰ کے فضل سے حضرتِ عالی پر اس طرح منکشف کیا گیا کہ یہ حکم اُس عالِم کے ساتھ مخصوص ہے جس کا علم حال میں تبدیل نہ ہوا ہو لیکن اگر عالِم کا علم اللہ تعالیٰ عم احسانہ کے فضل سے حال میں تبدیل ہو جائے تو وہ علم اُس پر حجت نہیں ہوتا اگرچہ وہ کسی قدر اس علم پر عمل نہ بھی کرے انتہی ماسمعت منہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ [یہاں تک ہے جو کہ میں نے حضرت عالی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سُنا ہے]۔

یہ فقیر کہتا ہے شاید کہ علم کا حجت نہ ہونا اس معنی میں ہے کہ عمل ترک کرنے والے عالم پر دو مواخذے (گناہ) ہیں، عمل ترک کرنے کا مواخذہ اور علم کا مواخذہ، یعنی علم کے باوجود عمل ترک کیا اور علم کے حال میں تبدیل ہونے کے بعد علم پر مواخذہ مرفوع (اُٹھا دیا گیا) ہے اور ترکِ عمل کا مواخذہ (اللہ تعالیٰ کی) مشیت (مرضی) پر ہے اگر وہ چاہے تو معاف کر دے اور اگر چاہے تو مواخذہ کرے اور اس مقام کی تفصیل یہ ہے کہ عارف سے جو گناہ ولایت سے پہلے صادر ہوئے ہیں معرفت حاصل ہونے کے بعد امید ہے کہ وہ گناہ محو ہو جائیں اگرچہ وہ گناہ مظالم وحقوق العباد کی قسم سے ہی ہوں اس لئے کہ مطلق اسلام (لانا) اپنے سے پہلے کے گناہوں کو ختم کر دیتا ہے اور اسلام کی حقیقت اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی معرفت ہی ہے اور مطلق اسلام اگرچہ مظالم اور حقوق العباد کو ختم نہیں کرتا لیکن شئے کی حقیقت اور اس کے کمال کے لئے ایک فضیلت ہے جو اس شئی کے مطلق کیلئے نہیں ہے اور اگر معرفت (حاصل ہونے) کے بعد عارف سے (کبھی کوئی) صغیرہ گناہ صادر ہو جائے کیونکہ اولیاء اللہ کبائر سے محفوظ ہیں (تو) امید یہ ہے کہ اس کا اس کے ساتھ مواخذہ نہیں کریں گے اس معنی میں نہیں کہ وہ گناہ پر اصرار کرے (یعنی بار بار کرے) اور مواخذہ نہ ہو کیونکہ یہ ملحدوں اور زندیقوں (بے دینوں) کا مذہب ہے۔ (خذلہم اللہ سبحانہ وتعالیٰ [اللہ تعالیٰ ان کو ذلیل کرے] بلکہ اس معنی میں ہے کہ عارف کو جلدی خبردار کر دیتے ہیں تاکہ توبہ و استغفار کے ساتھ اس کی تلافی کر لے۔ اور یہ جو ہم نے کہا ہے کہ اسلام حقیقی مظالم وحقوق کو بھی مٹا دیتا ہے یہ اسلئے ہے کہ حق سبحانہ وتعالیٰ مالک علی الاطلاق (مالک مطلق) ہے، وقلوب العباد بین اصبعین من اصابعہ تعالیٰ یقلبہا کیف یشاء [بندوں کے دل اللہ تعالیٰ کی انگلیوں میں سے دو انگلیوں کے درمیان میں ہیں جس طرح چاہتا ہے ان کو پلٹتا ہے] پس امید یہ ہے کہ وہ بندوں کو (ان کے حقوق کا) نعم البدل (اچھا بدل) دیکر (ان کو) اس عارف سے راضی کر دیگا اور اُن حقوق سے درگذر کرا دیگا۔

(فائدہ) شاید کہ علم کے حال میں تبدیل ہو جانے کے معنی یہ ہیں کہ جس طرح معرفت سے پہلے علوم کا اخذ کرنا شرعی دلائل سے استدلال کے طریق پر ہوتا ہے معرفت حاصل ہونے کے بعد وہ علوم اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی جانب سے کشف و القا کے طریق پر ہوتے ہیں والسلام علیٰ من اتبع الھدیٰ والتزم متابعۃ المصطفیٰ علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والبرکات العلیٰ۔ تمت ھذہ النسخۃ الشریفۃ۔

حضرت مولانا سیّد زوّار حسین شاہ صاحب مدظلہ العالی کا تازہ شاہکار

مکتوباتِ معصومیہ

کا

اُردو ترجمہ

حق سبحانہٗ وتعالیٰ کا بے انتہا فضل وکرم ہے کہ مخدومی حضرت مولانا سیّد زوار حسین شاہ صاحب مدظلہ العالی کی جملہ تالیفات کو بڑی مقبولیت حاصل ہے، چنانچہ آپ کی تالیف "عمدۃ السلوک" چوتھی بار شائع ہو چکی ہے جو تصوف کا ایک بیش بہا ذخیرہ اور دستور العمل ہے، "عمدۃ الفقہ" کے دوسرے ایڈیشن کی تیاری ہو رہی ہے اور "زبدۃ الفقہ" کا دوسرا ایڈیشن آچکا ہے، یہ دونوں کتابیں فقہی مسائل کے اعتبار سے جامع اور قابلِ قدر ہیں۔ نیز آپ نے اپنے شیخ رحمہ اللہ کی سوانح "حیاتِ سعیدیہ" کے نام سے اور حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہ کی سوانح "حضرت مجدّد الف ثانی" کے نام سے شائع کیں، یہ دونوں بہت مقبول ہوئی ہیں اور ان کا بھی دوسرا ایڈیشن آچکا ہے ـــــــ اب حضرت شاہ صاحب موصوف کا مرکزِ نگاہ حضرت عروۃ الوثقیٰ خواجہ محمد معصوم قدس سرہٗ کی عالی شخصیت ہے جو امام ربانی حضرت مجدّد الفِ ثانی قدس سرہٗ کے صاحبزادۂ عالی تبار اور جانشین ہیں۔ حضرت عروۃ الوثقیٰ رحؒ کے فارسی عربی مکتوبات تین ضخیم دفتروں میں ہیں جو شریعت وطریقت، حقیقت ومعرفت کے جامع اور ادب وانشاء کا اعلیٰ شاہکار ہیں، اُن میں طریقت وشریعت سے متعلق سوالات کے جوابات، مکاشفات ومعارف اور دیگر اصلاحی مضامین بکثرت ہیں، حضرت مجدّد الفِ ثانی رحؒ کے مکتوباتِ شریفہ کی بعض مشکل عبارات کی شرح بھی ہے۔ اسقدر خوبیوں کے باوجود عجب اتفاق ہے کہ اب تک کسی نے اُن کا ترجمہ کرنے کی جانب توجہ نہ دی۔ حق سبحانہ وتعالیٰ کا جسقدر شکر ادا کیا جائے کم ہے کہ اس نے یہ سعادت مخدومی حضرت شاہ [illegible] کو نصیب فرمائی چنانچہ حضرت شاہ صاحب موصوف نے قلمی اور مطبوعہ نسخوں [illegible] اور کاوش سے کام لیکر شگفتہ و رواں ترجمہ کیا ہے وہ قابلِ تحسین [illegible] لائق ستائش ہے۔ ترجمہ کی خصوصیات میں سے یہ بھی ہے کہ ترجمہ کو اصل سے سرمو تجاوز نہیں ہونے دیا اور ایک ایک لفظ پر پوری طرح غور وفکر کے بعد اُسے قلمبند کیا ہے۔ دفتر اول کا ترجمہ پیش کیا جا رہا ہے امید ہے کہ ناظرین پسند فرمائیں گے، دفتر دوم کے ترجمہ کی کتابت ہو رہی ہے اور دفتر سوم زیرِ ترجمہ ہے۔

احقر محمد اعلیٰ عفی عنہ

ادارۂ مجددیہ، ناظم آباد ۳، کراچی

"ادارۂ مجددیہ" کی جملہ مطبوعات

- اثبات النبوۃ :- (عربی مع اردو ترجمہ) حضرت مجدد الف ثانیؒ کا مشہور رسالہ۔
- انوار معصومیہ :- حضرت خواجہ محمد معصومؒ کی جامع سوانح مع اذکارِ معصومیہ اور حسنات الحرمین۔
- تہلیلیہ :- (عربی مع اردو ترجمہ) حضرت مجدد الف ثانیؒ کا مشہور رسالہ۔
- حضرت مجدد الف ثانیؒ :- حضرت مجددؒ کی جامع اور مفصل سوانح۔
- حیاتِ سعدیہ :- حضرت خواجہ محمد سعید احمد پوریؒ کی جامع سوانح۔
- ریڈیو تقاریر :- حضرت مولانا سید زوار حسین شاہ صاحبؒ کی جملہ ریڈیائی دینی و اخلاقی تقاریر۔
- زبدۃ الفقہ : خلاصہ عمدۃ الفقہ، حصہ اول کتاب الایمان و کتاب الطہارہ۔ حصہ دوم کتاب الصلوٰۃ حصہ سوم کتاب الزکوٰۃ و کتاب الصوم۔
- طریقہ حج اور دعائیں :- حج کا مختصر بیان اور حج کی دعاؤں کا مفصل مجموعہ مع اردو ترجمہ
- عمدۃ السلوک :- تصوف پر جامع کتاب جو متعدد بار شائع ہو کر مقبولیت حاصل کر چکی ہے۔
- عمدۃ الفقہ : فقہ پر بہت جامع کتاب۔ حصہ اول کتاب الایمان و کتاب الطہارۃ۔ حصہ دوم کتاب الصلوٰۃ۔ حصہ سوم کتاب الزکوٰۃ و کتاب الصوم۔ حصہ چہارم کتاب الحج۔
- گلدستۂ عربی۔ عربی سیکھنے کے لئے بہترین رسالہ۔
- گلدستہ مناجات : عربی فارسی اور اردو مناجات کا بہترین رسالہ۔
- مبدأ و معاد :- حضرت مجدد الف ثانیؒ کا مشہور رسالہ (فارسی مع اردو ترجمہ)۔
- معارفِ لدنیہ : (فارسی مع اردو ترجمہ) حضرت مجدد الف ثانیؒ کا مشہور رسالہ۔
- معجم القرآن :- لغات القرآن پر بہترین کتاب۔ الفاظِ قرآن، ترجمہ اور حوالہ جات۔
- مقاماتِ زواریہ :- حضرت مولانا سید زوار حسین شاہ صاحبؒ کی جامع سوانح۔
- مکتوباتِ معصومیہ : حضرت خواجہ محمد معصومؒ کے مکتوبات ہر سہ دفتر کا اردو ترجمہ
- ہدایت الطالبین :- فارسی مع اردو ترجمہ

ملنے کا پتہ : ادارۂ مجددیہ : ۲/۵ - ایچ - ناظم آباد ۳ کراچی ۱۸